ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	05
مارچ	2017

اشتہارات اور دیگر معلومات

0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

پیا کا گھر

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: [illegible] کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773 ... از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز ... Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مارچ ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

ادارہ اور میں ان تمام بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں جنہوں نے نئے سال کی مبارک باد دی اور اپنی خوشیوں میں حجاب اور آنچل کو شریک رکھا نیا سال اپنے ساتھ بہت سے نئے مسائل لایا ہے وطن عزیز ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں ہے ایک بار پھر دشمنوں نے دہشت گردی کا بازار گرم کردیا ہے حیرت یہ ہے کہ خود کو مسلمان کہلانے اور ماننے والے اپنے ہی وطن میں اپنے ہی ہم مذہب بھائیوں کو صرف اس لیے دہشت گردی کا شکار بنا رہے ہیں کہ وہ ان کی طرح ان کی سوچ وفکر کے مطابق عمل نہیں کرتے کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ یہ دراصل مسلمانوں کا وہ فرقہ گروہ ہے جسے ابتدا سے اسلام میں ہی خوارج کا نام دے دیا گیا تھا انہوں نے ہر دور میں اسلام کے لیے دشواریاں اور مصیبتیں کھڑی کی ہیں اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس زمینی آفت سے اہل وطن اور مادر وطن کی حفاظت فرمائے آمین۔

تمام قارئین بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ کہ انہوں نے فروری کے آنچل کو پسند کیا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا ہے میں امید کرتی ہوں کہ تمام بہنیں حجاب اور آنچل کے ساتھ اپنا بھرپور تعاون یونہی جاری رکھیں گی اور میری اور میری ساتھیوں کی رہنمائی کرتی رہیں گی آپ کی آرا سے جہاں ہمیں رہنمائی ملتی ہے وہیں ہمیں آگے بڑھنے، کام کرنے کا نیا حوصلہ بھی ملتا ہے اس ماہ آپ کے لیے جو محفل سجائی ہے وہ کچھ یوں ہے۔

اس ماہ کے ستارے

☆ڈھل گیا ہجر کا دن — ہجر وفراق کے ڈھلنے کا احوال پیش کرتی نادیہ احمد اپنے دلفریب انداز میں جلوہ گر ہیں۔

☆موسم گل آنے کو ہے — علم کی شمع فروزاں کرتا ام ایمان قاضی کا موثر و مکمل ناول۔

☆بے حسی اور بے بسی — آلام روزگار کو بہتر انداز میں پیش کرتا سلمیٰ غزل کا مختصر وموثر افسانہ۔

☆محبت ہجر کی صورت — ہجر وفراق کی داستان کو ایک انوکھے انداز میں قلم بند کرتی شہناز راجپوت۔

☆خوب صورت — خوب صورتی سے اپنے دام میں پھنسانے والوں کے گر آپ بھی جانیے علیہ توصیف کے سنگ۔

☆آزاد اور آزادی — آزادیاں کہاں وہ اب اپنے آشیاں کی، سود وزیاں کا تقابل پیش کرتا فاطمہ خان کا ناولٹ۔

☆اندھیری رات میں چمکا جگنو — مہناز یوسف ایک منفرد موضوع اپنے افسانے میں سموئے شریک محفل ہیں۔

☆سحر ہونے کو ہے — جذبہ حب الوطنی سے سرشار علینہ اختر کا مکمل ناول جو آپ کی سوچ کو بدل دے گا۔

☆شہید کی موت — محبان وطن کو خراج عقیدت پیش کرتا زارا رضوان کا خوب صورت افسانہ۔

☆چپکے سے بہار آئی — خوشیوں کی بہار لوٹنے کی کہانی، جانیے تمثیلہ لطیف کی زبانی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

اے خالق حقیقی ارض و سماں کے مالک
شمس و قمر کے مالک باد صبا کے مالک
تونے شجر اگائے تو نے حجر بنائے
گلشن میں تیرے دم سے ہیں پھول مسکرائے
ادراک سے ہے باہر جو کچھ بنا دیا ہے
تونے زمیں کے اندر لاوا پکا دیا ہے
حکمت سے تو نے اپنی آتش فشاں بنائے
ہر چیز تیرے آگے رہتی ہے سر جھکائے
انسان کو عطا کی عقل سلیم تو نے
یوں کردیا ہے اس کو سب سے عظیم تو نے
مولا بنائے تو نے کیا خوش نما پرندے
اور جنگلوں میں تو نے پیدا کیے درندے
ہے قہر میں بھی یکتا، رحمٰن بھی ہے مولا
ہر مرض لادوا کا درماں بھی ہے مولا

ریاض حسین قمر

نعت

مجھے آپ نے بلایا یہ کرم نہیں تو کیا ہے
میرا مرتبہ بڑھایا یہ کرم نہیں تو کیا ہے
مجھے جب بھی غم نے گھیرا میرا ساتھ سب نے چھوڑا
تو مری مدد کو آیا یہ کرم نہیں تو کیا ہے
میں غموں کی دھوپ میں جب ترا نام لے کے نکلا
ملا رحمتوں کا سایہ یہ کرم نہیں تو کیا ہے
یہ شرف بڑا شرف ہے میرا رخ تری طرف ہے
مجھے نعت گو بنایا یہ کرم نہیں تو کیا ہے
میری زندگی کے دامن پہ برس پڑیں بہاریں
تیرے درد نے رلایا یہ کرم نہیں تو کیا ہے
کبھی موج کے بھنور سے کبھی موج پر خطر سے
میری ناؤ کو بچایا یہ کرم نہیں تو کیا ہے
در مصطفیٰ سے انجم میں خود آ گیا مگر دل
کبھی لوٹ کر نہ آیا یہ کرم نہیں تو کیا ہے

قمرالدین انجم

ذکر اس پری وش کا

زینب امجد

فوزیہ تحریم

السلام علیکم! ڈیئر حجاب اسٹاف' رائٹرز اور پیارے قارئین کیسے ہیں آپ سب؟ جی تو آج یہ خواہش بھی پوری ہوگئی (تعارف کی)۔ مجھے فوزیہ اکرم کہتے ہیں لیکن آنچل میں فوزیہ تحریم۔ میرا تعلق منڈی فیض آباد سے ہے جو ضلع ننکانہ صاحب میں واقع ہے۔ تاریخ پیدائش 10 اکتوبر' اسٹار لبرا ہے۔ اسٹارز پر کم یقین رکھتی ہوں' چھ بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ دو بہنوں کی شادی ہوگئی ہے' ان کے بچے شانزہ ایمان' حفصہ' منائل فاطمہ' حسنین' ماہرہ' میرب سب بہت پیارے ہیں' بڑا مزا آتا ہے ان کے ساتھ۔ میں ایک ٹیچر ہونے کے ساتھ اسٹوڈنٹ بھی ہوں' ایم اے پارٹ ٹو کی۔ اب آتے ہیں پسند اور ناپسند کی طرف' جی تو جناب والا مجھے رنگوں میں کالا' سبز' گلابی اور سلور بہت پسند ہیں۔ لباس میں شلوار قمیص اور فراک پسند ہیں' چوڑیاں اور مہندی لگوانا بہت پسند ہیں۔ کھانے میں بریانی' چکن اور بھنڈی شوق سے کھاتی ہوں' سویٹ ڈشز میں تو کبھی میری جان ہوتی تھی' اب زیادہ نہیں بس تھوڑا سا کھالیتی ہوں۔ پھل سب ہی اچھے لگتے ہیں' خوشبو میں مٹی کی خوشبو بلیو لیڈی' ڈائمنڈ پسند ہیں۔ کرکٹ بہت پسند ہے' میٹرک تک تو بھائیوں کے ساتھ خوب کھیلی ہے' شاہد آفریدی' محمد حفیظ' سعید اجمل بہت پسند ہیں۔ شاعروں میں علامہ اقبال' میر تقی میر' غالب' وصی شاہ' انشا جی پسند ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز میں نمرہ احمد' عمیرہ احمد' ام ایمان قاضی' نازیہ کنول نازی اور آنچل کی سبھی رائٹر بہت اچھی ہیں۔ دن کے پہروں میں ڈھلتی شام کا وقت بہت بھاتا ہے' فیورٹ کام (اگر ٹائم مل جائے تو) ڈھلتی شام کے وقت چھت پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اور آسمان کو دیکھنا ہے سیر کرنے کا جنون ہے۔ میری وش ہے کہ میں پوری دنیا کی سیر کروں' خاص طور پر حج کرنے جاؤں اور بخارہ شہر دیکھوں۔ پسندیدہ شخصیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' فیورٹ ٹیچر سر خرم (جو ہمیں ریاضی اور فزکس پڑھاتے تھے)۔ ریڈیو شوق سے سنتی ہوں' فیورٹ آر جے میں ساحر لودھی' ڈاکٹر اعجاز وارث' ڈاکٹر آصف' ثناء ہمایوں اور ہارون شامل ہیں۔ ہسٹری سے بہت لگاؤ ہے' سردیوں میں چائے شوق سے پیتی ہوں۔ برگر اور سموسے میں تو جان ہے' پھولوں میں سفید گلاب بہت پسند ہے' سردیوں کی بارش اچھی لگتی ہے۔ قدرتی چیزیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ فیورٹ ناول میں "پیر کامل، ایمان' امید' محبت' لاحاصل' قراقرم کا تاج محل' شب ہجر کی پہلی بارش' کروں سجدہ ایک خدا کو" اور "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" شامل ہیں۔ دوغلے لوگوں سے نفرت ہے' جو باہر سے شہد اور اندر سے زہر ہوتے ہیں' اب آتے ہیں جناب خوبیوں اور خامیوں کی طرف۔ خوبیاں...... رحم دل ہوں' سادہ مزاج ہوں' جھوٹ برداشت نہیں کرتی باقی تو میری فرینڈز اور گھر والے ہی بتا سکتے ہیں۔ خامیاں بہت ساری ہیں (میری نظر میں) بہت بولتی ہوں (اگر موڈ ہو تو) تھوڑی منہ پھٹ بھی کہہ سکتے ہیں جو چیز اچھی نہ لگے وہ منہ پر ہی بتا دیتی ہوں۔ غصہ بہت آتا ہے اور بے پروا بھی ہوں۔ دوستی کرنا اچھا لگتا ہے' اگر مجھ سے کوئی دوستی کرنا چاہتا ہے تو حاضر ہیں جناب ہم۔ دوستوں میں باسط (آئی مس یو) تم کہاں چلی گئی ہو؟ میری بی ایف ایف سویٹی سونیا اور ثناء' حمنیٰ کیسی ہو؟ فوزیہ ریاض' تہمینہ' طیبہ امانت' آسیہ' نسرین' رشیدہ' کلثوم' ثمرہ بشیر (شادی مبارک ہو) علیشہ ذوالفقار (علیشہ آپ کی ٹیچر ہوں) یہ سب بہت اچھی ہیں۔ اب اجازت دیں' اللہ آپ سب کو اور حجاب کو آباد رکھے' آمین' تعارف کیسے لگا بتایئے گا ضرور' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

نمرہ مبارک

آداب! مجھے کہتے ہیں نمرہ مبارک عرف سومی' سب

سے پہلے یہ کہ ہمارا تعارف نامہ باسکٹ کی نذر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں پہلی دفعہ شرکت کر رہی ہوں۔ غصہ کی بہت تیز ہوں اگر مجھے غصہ آ گیا تو دوبارہ کبھی حجاب میں شرکت کی کوشش نہیں کروں گی' ہر ماہ جب میری آنٹی (مامی) آنچل لے کر آتی ہیں تو میں بڑے شوق و ذوق سے آنچل کی ورق گردانی کرتی ہوں۔ اس دفعہ مجھے بھی شوق ہوا کہ مابدولت اس دنیا میں تشریف لائے ہیں تو دنیا والوں کو کچھ ہماری بھی خبر ہونی چاہیے تو جی ہم اس خوب صورت دنیا میں 20 اکتوبر 1998ء کو ضلع جھنگ کے ایک خوب صورت سے گاؤں ٹاہلی بھٹیاں میں پیدا ہوئی۔ چار بہن بھائی ہیں' میری سب سے بڑی آپی اقراء مبارک جو کہ خدا کی قدرت سے سن اور بول نہیں سکتی' جو انتہائی خوب صورت اور سلیقہ مند ہیں۔ سرگودھا میں 9th کلاس کی اسٹوڈنٹ ہیں اس کے بعد مابدولت اور پھر ہماری چھوٹی سی سویٹ سسٹر مریم مبارک جو اپنے نام کی طرح خوب صورت اور معصوم ہیں اور 6th کلاس کی طالبہ ہیں اور اس سے چھوٹا بھائی ہم سب کی آنکھوں کا تارا ننھیال و ددھیال کا چہیتا طلحہ مبارک جو کہ 4th کلاس کا طالب علم ہے۔ ہمارے ابو نہایت شفیق اور مہربان ہیں' ہم سب بہن بھائیوں میں ان کی جان ہے۔ ہماری امی اب اس دنیا میں نہیں لیکن دنیا کی عظیم ماؤں میں سے ایک تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' کاش وہ اس دنیا میں ہوتیں تو ہمیں اپنی ممتا سے نوازتیں۔ اپنے دلوں کو تھام لیجیے کیونکہ ہم اب چلتے ہیں اپنے بارے میں عظیم خیالات بتانے' میٹرک کے پیپر دے رہی ہوں' میٹرک کے بعد عالمہ کے کورس کا ارادہ رکھتی ہوں بقول میری کزنز کے میں بہت باتونی اور ضدی ہوں جو دل میں سما جائے وہ کام کر کے ہی رہتی ہوں' کیوں نہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ پسندیدہ شخصیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد پسند ہیں۔ رائٹرز میں سمیرا شریف طور' نازیہ کنول نازی' ام مریم اس کے علاوہ آنچل کی تمام رائٹرز بے حد پسند ہیں۔ بہت خوش مزاج ہوں' منہ پھٹ ہمدرد ہوں۔ ہر کسی پر بہت جلد اعتبار کر لیتی ہوں' دوسروں کی خواہشات کا بہت خیال رکھتی ہوں۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتی ہوں' دوسروں کے ماحول میں بہت جلد ایڈجسٹ ہو جاتی ہوں۔ حاسد' جھگڑالو اور منافق لوگوں سے نفرت ہے' ویسے تو جو بھی مل جائے کھا لیتی ہوں لیکن بریانی' شوارمے' برگر' ساگ' مکئی کی روٹی اور کھیر پسند ہے۔ میک اپ کرنا اچھا نہیں لگتا' سادگی پسند ہوں۔ فیورٹ کلر سرخ' سفید اور پنک ہیں اس کے علاوہ ہر وہ کلر جو مجھ پر سوٹ کرتا ہو۔ کوکنگ کرنا بہت پسند ہے' کچن میں کھانا پکنے کی خوشبو بہت پسند ہے اور اکثر کھانا پکنے کے بعد تک کچن میں ہی رہتی ہوں۔ پاکستانی ایکٹرز میں احسن خان' سارہ چوہدری' سعدیہ امام اور ارم اختر پسند ہیں۔ فرینڈز بہت زیادہ ہیں' لباس میں لمبی قمیص' پاجامہ' فراک اور ساڑھی بھی پسند ہے۔ مہندی لگانا اور چوڑیاں پہننا بہت پسند ہیں۔ سب پیار سے سومی کہتے ہیں' فرینڈز مجھے مٹی' لیموں' نیموں پانی کہہ کر پکارتی ہیں۔ اب اختتام کو چلتے ہیں سب سے اہم بات آپ کو بتانا ہی بھول گئی کہ میں اپنے بڑے ماموں آصف جو کہ ایک پرائیوٹ کالج کے پرنسپل ہیں ان کے ہاں پڑھائی کے سلسلے میں رہتی ہوں جو کہ میرے آئیڈیل ہیں' بہت نفیس طبیعت کے مالک ہیں اور ان کے تین کیوٹ سے بے بی ہیں رومان آصف' حبہ ملک' ہانیہ ملک ان سب سے مجھے بہت پیار ہے لیکن خاص کر حبہ میں میری جان ہے جو کہ بہت ہی پیاری پیاری باتیں کرتی ہے اس کے ساتھ ہی ہم سب کو الوداع کہتے ہیں' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

خالدہ رمضان

السلام علیکم! حجاب اسٹاف اور رائٹرز اور قارئین امید کرتی ہوں کہ آپ سب ٹھیک ہوں گی۔ میرا نام خالدہ رمضان ہے اور پانچ مئی کو پیدا ہوئی اور ہم چھ بہن بھائی ہیں چار بہنیں اور دو بھائی ہیں' میں پانچویں نمبر پر ہوں دو

بہنوں کی شادی ہوگئی ہے اور ایک بھائی کی۔ بھابی کا نام سبین فضل ہے، میں سیکنڈ ائر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ بہت حساس ہوں، غلط باتوں پر جلد غصہ آجاتا ہے، تکبر اور خوامخواہ نخرے دکھانے والے لوگ بہت زہر لگتے ہیں اور مجھ میں برداشت کی کمی ہے اور انا پرست بالکل نہیں ہوں۔ پسندیدہ کلر وائٹ اور میرون اور فیروزی ہے کپڑوں میں فراک، میکسی اور لانگ شرٹ بہت پسند ہے اور موسموں میں سردیاں پسند ہیں۔ دسمبر کا مہینہ پسند ہے، بارش بہت پسند ہیں لیکن خاص طور پر سردیوں کی بارش کی تو دیوانی ہوں۔ پھولوں میں گلاب اور موتیا پسند ہے اور پاکستان کے شہروں میں اسلام آباد اور راولپنڈی بہت پسند ہے۔ سفر کرنا اور خاص طور پر جہاز کا سفر بہت ہی پسند ہے۔ کھانوں میں کسٹرڈ اور چکن کباب، پاستا اور رائتہ بہت پسند ہے۔ جیولری میں ائر رنگ اور بریسلیٹ پسند ہے اور شاعری میں وصی شاہ، ارشد ملک، سعد اللہ شاہ کی شاعری بہت پسند ہے۔ ناول میں ''عشق آتش، جنت کے پتے، قراقرم کا تاج محل'' اور ''متاع جاں ہے تو'' پتھروں کی لکیروں پہ، عبداللہ، بچپن کا دسمبر، ٹوٹا ہوا تارہ، جو چلے تو جاں سے گزر گئے اور جنت کے پتے بہت پسند ہے۔ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، نادیہ فاطمہ رضوی، سباس گل، فرحت اشتیاق، نبیلہ ابر راجہ، نبیلہ عزیز، عائشہ نور محمد، ام ایمان قاضی، رفعت سراج، اقبال بانو، سید ضوبار یہ ساحر اور احمد ندیم ہاشمی بہت ہی زیادہ پسند ہیں اور آخر میں میری طرف سے تمام پڑھنے والی قارئین اینڈ رائٹرز کو سلام اللہ حافظ۔

شہزارہ شبیر

السلام علیکم! حجاب اسٹاف اور تمام قارئین، مابدولت کو شہزارہ شبیر کہتے ہیں۔ 27 دسمبر کو میں اور میری کزن زارا اس دنیا میں تشریف لائیں۔ میرا نک نیم شانو ہے اور میرے نام کا مطلب انا ہے اور نام کا بہت اثر ہے مجھ پر۔ چار بہن بھائی ہیں، سب سے بڑی ہوں اور بی ایس سی پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ اس کے بعد میری بہن ہے جو کہ فرسٹ ائر میں ہے اور پھر ایک بھائی ہے جو نہم کلاس میں ہے اور پھر سب سے چھوٹا بھائی ہے، جس کا نام حسین علی ہے اور وہ پانچویں کلاس میں پڑھتا ہے۔ میرا تعلق ضلع گجرات کے ایک چھوٹے اور پیارے سے گاؤں دوکھوا سے ہے۔ اب بات ہوجائے خوبیوں اور خامیوں تو خوبی تو کوئی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی البتہ خامیاں بہت زیادہ ہیں۔ سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ غصہ بہت زیادہ آتا ہے اس کے علاوہ اپنی سب سے بُری جو عادت لگتی ہے وہ ہے ناخن چبانا۔ اپنی اس عادت کی وجہ سے میں خود بھی بڑی تنگ ہوں، کئی دفعہ امی سے تھپڑ بھی کھا چکی ہوں لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ اس کے علاوہ حساس ہوں اور چھوٹی چھوٹی بات کو محسوس کرتی ہوں، ہر کسی پر بھروسہ کرلیتی ہوں چاہے مجھے پتا ہی کیوں نہ ہو کہ یہ بندہ جھوٹا ہے اس لیے اکثر نقصان بھی اٹھاتی ہوں اگر کسی پر سے اعتبار اٹھ جائے تو بعد میں وہ جتنی مرضی تلافی کردے لیکن پھر اس پر اعتبار نہیں کرتی۔ انا پرست ہوں لیکن اگر میری غلطی ہو تو معافی مانگ لیتی ہوں بھئی جب نام کا مطلب ہی انا ہے تو تھوڑی بہت انا تو ہوگی ہی آخر اپنے نام کی لاج تو رکھنی پڑے گی نا اور بھی بہت ساری خامیاں ہیں، لکھنے بیٹھوں تو لکھ سکتی ہوں، ہاہاہا۔ اب بات ہوجائے پسند اور ناپسند کی۔ فیورٹ کلر بلیک اور بلیو ہے، موسم بہار اچھا لگتا ہے اور سردیاں سخت بُری لگتی ہیں۔ خاص طور پر دھند کا موسم بڑا بُرا لگتا ہے کیونکہ اس موسم میں دل بہت اداس ہوجاتا ہے۔ بارش بھی بالکل اچھی نہیں لگتی اس کے علاوہ مہندی لگانا بالکل اچھا نہیں لگتا، جیولری میں چین اور بریسلیٹ پسند ہے۔ میک اپ کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا کیونکہ میک اپ کرکے بل بتوڑی لگتی ہوں اس لیے اس کے علاوہ مطالعہ کرنا اچھا لگتا ہے (کتابوں کا نہیں بلکہ ڈائجسٹوں اور ناولوں کا)۔ مطالعہ کے لیے صرف یہی کہوں گی ''تو ضروری سا ہے مجھ کو زندہ رہنے کے لیے''۔ فیورٹ رائٹرز ام مریم، نبیلہ عزیز، نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف، عفت سحر، اقراء صغیر، شازیہ

مصطفیٰ اور نمرہ احمد ہیں۔ فیورٹ کہانیاں قراقرم کا تاج محل‘ برف کے آنسو‘ کوئی ایسا اہل دل ہو‘ وردول‘ یہ چاہتیں یہ شدتیں‘ محبت دھنک رنگ اوڑھ کر‘ سنگ پارس‘ جھیل کنارہ کنکر‘ مجھے ہے حکم اذاں“ ہیں۔ ایف ایم شوق سے سنتی ہوں‘ فیورٹ آر جے طاہر عباس ہے ان کی آواز بہت پیاری لگتی ہے۔ میں اس کی فین ہوں‘ پاکستانی ایکٹرز میں مایا علی‘ حمزہ علی عباسی‘ عمران عباس‘ دانش تیمور‘ عائزہ خان‘ سمیع خان پسند ہیں اس کے علاوہ پسندیدہ ہیرو سلمان خان‘ ارجن رامپال اور ہیروئن ایشا پٹیل ہے۔ میری فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ ہیں اور میری آئیڈیل شخصیت میرے ابو ہیں‘ میرا دل کرتا ہے کہ میں ان جیسی بن جاؤں کیونکہ میرے ابو کا اخلاق بہت اچھا ہے (جبکہ مجھ میں اخلاق ہے ہی نہیں) اور میرے ابو کو رشتے اچھی طرح نبھانے آتے ہیں۔ میں اپنے امی ابو سے بہت پیار کرتی ہوں‘ کزنوں میں سب سے زیادہ آپی صدو اور زارا سے پیار ہے اور ان سے بہت کلوز ہوں ہر بات ان سے شیئر کرلیتی ہوں‘ آئی لو یو سوچ آپی صدو اور زارا۔ اس کے علاوہ فیورٹ ٹیچرز میں ٹیچر نجیلہ‘ ٹیچر عائشہ‘ ٹیچر عارفہ (کیوٹ ٹیچر اینڈ زیان کی ماما) ٹیچر وزرا (ابیہا کی ماما) ٹیچر ریحانہ‘ ٹیچر شکیلہ ہیں۔ میل ٹیچرز میں سر اقبال‘ سر سلیم‘ سر نوید‘ سر بشارت اور سر سعید ہیں۔ سب سے اچھا پیریڈ اسکول لائف کا تھا‘ اس کے بعد میں اپنی دوستوں کے بارے میں بتاؤں‘ ہمارے گروپ میں شامل ہیں زینب‘ حفظہ‘ روشان‘ عائشہ اور زارا‘ سعدیہ اور سنبل تو کبھی اور جاچکی ہیں لیکن ان کی بہت یاد آتی ہے۔ آئی مس یو سعدیہ اور سنبل‘ ہاں تو میں بتانے لگی ہوں آپ کو دوستوں کے بارے میں۔ سب سے پہلے زینب یہ ہمارے گروپ کا شاہکار ہیں‘ فلاسفر صاحبہ ہر وقت کلاس میں بیٹھ کر پوز مارنا ان کا شیوہ ہے اور بات بات پر ناراض ہونا ان کی خوبی ہے۔ اپنے آپ میں مگن رہتی ہے اور دس بار بلاؤ تو پھر سنتی ہے کیونکہ ہینڈ فری لگا لگا کر ان کو کم سنائی دیتا ہے۔ (ابھی یہ حال ہے تو بڑھاپے میں نجانے کیا ہوگا) ان سب باتوں کے باوجود زینب پُرخلوص اور سادہ لڑکی ہے۔ اس کے بعد باری آتی ہے روشان صاحبہ کی‘ ان کو کہتے ہیں ہنسی کا گول گپا کیونکہ بات بات میں ہنسنا ان کی عادت ہے۔ ان کے قہقہے پر پورا گراؤنڈ ان کی جانب متوجہ ہو لیکن ان کو پروا نہیں ان کی بلا سے گراؤنڈ والے جائیں بھاڑ میں لیکن پھر بھی روشان ایک زندہ دل اور اچھی لڑکی ہے۔ اب بات ہوجائے حفظہ رانی کی ان کو بہت بُرا لگتا ہے جب میں اس کا الٹا نام بلاتی ہوں‘ یہ ہمارے گروپ کا مزاحیہ کردار ہے اور چاہے کتنی ہی مشکل گھڑی کیوں نہ ہو ان کا کام ہے دوسروں کو ہنسانا‘ حفظہ سے میری خوب بنتی ہے۔ اب بات ہوجائے عائشہ کی‘ ان کا کام ہے ہر وقت زارا سے ڈانٹ کھانا اور ٹیچروں کے ساتھ بحث کرنا (سر عظیم اور سر فیضان کے ساتھ خصوصاً) اور جھگڑنا اس کی عادت ہے اور بات اسی فقرے پر ختم کرے گی ”تم دونوں کزنیں ہو ہی ایسی“ اس کے بعد آتی ہے زارا صاحبہ۔ ان کے بارے میں کوئی بھی غلط بات کہہ کر میں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی نہیں مارنی لہٰذا صرف اتنا ہی کہوں گی کہ زارا ایک اچھی لڑکی ہے اور بہت پیاری ہے۔ (ایمان سے جھوٹ بول رہی ہوں) اپنے ملک پاکستان اور آرمی سے عشق ہے اس کے علاوہ اپنے والدین سے بھی بے حد محبت کرتی ہوں اللہ تعالیٰ میرے والدین کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رہے‘ آمین۔ امی کے ساتھ بہت فرینک ہوں ہر بات ان سے کرلیتی ہوں۔ آنچل میں بہت سی سسٹرز اچھی لگتی ہیں ان میں دلکش مریم‘ ارم کمال‘ پروین افضل اور کوثر ناز وغیرہ‘ زندگی رہی تو پھر ملیں گے اجازت دیں‘ اللہ نگہبان۔

(عمران احمد/ابن ریاض)

س: اسلام علیکم کیسے ہیں آپ؟

ج: وعلیکم السلام! اللہ تعالیٰ کا بہت احسان و کرم ہے۔

آپ کا تعارف؟ (پیدائش، تعلیم، علاقہ، مشغلہ وغیرہ)

ج: پنجاب کے ایک ترقی پذیر بلکہ پسماندہ علاقے سے تعلق ہے۔ ہم تین بھائی اور ایک بہن ہیں۔ عمر میں سب سے بڑے اور صحت میں سب سے چھوٹے تھے سعودی عرب میں داخلے سے قبل۔ اب البتہ ہمیں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو قابو میں رکھنے میں دقت کا سامنا ہے۔ نام والدین نے عمران احمد رکھا اور تعلیمی دستاویزات میں یہی نام ہے۔ قلمی نام "ابن ریاض" سے کالم لکھتے ہیں۔ بچپن کامرہ میں گزرا اور جی ہاں ہم شادی کا لڈو بھی کھا چکے ہیں۔ ایک بیٹا ہے طحہٰ اور اس کی عمر تین سال ہے۔ مشاغل کرکٹ کھیلنا اور دیکھنا تھے۔ کھیلنا تو اب خیال و خواب ہوا۔ اب بھی دیکھتے ہیں اور قومی ٹیم کی کارکردگی سے عبرت نہیں پکڑتے۔ شکر کہ ہم ہٹلر کے دور میں نہیں ہیں ورنہ آپ کی بجائے فرشتے ہم سے انٹرویو لے رہے ہوتے۔

س: آپ کی تعلیمی قابلیت کیا ہے اور ذریعہ معاش کیا ہے؟

ج: تعلیم ہمارے پاس ہے نہیں تاہم ڈگری ماسٹرز کی ہے (انجینئرنگ میں) اور اسی ڈگری کی بنا پر ہم سعودی عرب میں بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ کیا پڑھا رہے ہیں یہ ہم نے نہیں بتانا۔

س: آپ نے لکھنے کی ابتدا کس طرح اور کس عمر میں کی؟

ج: چار یا پانچ سال کا تھا کہ اے بی سی اور الف بے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ہمیں تو پڑھنے کا شوق ہے اور وہ بھی صرف اردو۔ تو ہم مختلف فورمز پر پڑھتے تھے تو ایک دن کسی نے کچھ کہا تو ہم نے جواب میں کچھ لکھا۔ پڑھنے والوں کو اچھا لگا تو اسی فورم نے ہمیں رائٹر کا رینک دے دیا۔ ہم ان کے حسن نظر اور دور بینی کے قائل ہیں اور یہ آج سے پانچ چھ سال قبل کی بات ہے۔ شروع میں ہم اس فورم کے لیے لکھتے رہے۔ بعد ازاں اخبارات و رسائل میں بھی ہمارے کالم اور انشائیے شائع ہوئے اور یوں یہ سفر چل پڑا۔

س: پہلی تحریر شائع ہوئی تو کیا احساسات تھے؟ اس سے متعلق کوئی واقعہ جو شیئر کرنا چاہیں؟

ج: بس ہم آدم بو آدم بو پکارتے ہوئے لوگوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ جیسے شاعر کو کلام لکھ کے اپھارہ ہو جاتا ہے اور جب تک وہ داد نہ پا لے اسے چین نہیں پڑتا کچھ ایسا ہی حال ہمارا تھا۔ ہر منٹ بعد دیکھتے تھے کہ کوئی تبصرہ آیا کہ نہیں۔

س: جب چاہا لکھ لیتے ہیں یا موڈ پہ ڈیپینڈ کرتا ہے؟

ج: ہم کوئی پیشہ ور لکھاری تو ہیں نہیں سو دل آمادہ نہ ہو تو لکھ نہیں پاتا۔ کبھی چند دنوں میں ہی دو تین تحریریں لکھ لیں کبھی مہینوں بیٹھے رہے۔

س: آپ کے خیال میں کالم کا زیادہ رسپانس ملتا ہے یا انشائیہ کا؟

ج: ہم تو اپنے سکون کے لیے لکھتے ہیں۔ باقی باتوں سے غرض نہیں

س: ادبی دنیا میں کن شخصیات سے متاثر ہیں؟

ج: ہم چونکہ مزاح نگار ہیں تو ہماری پسندیدہ ترین شخصیت ابن انشاء مرحوم ہیں۔ مزاح کے علاوہ ان کی شاعری بھی ہمیں ازحد پسند ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری ہی کہانی ہے۔ ان کے علاوہ محسن نقوی، ناصر کاظمی، احمد فراز بھی بہت پسند ہیں۔

س: کالم لکھنے میں زیادہ مزہ آتا کہ انشائیے میں؟

ج: میرا تو علم محدود ہے۔ کیا آپ ان دونوں میں تمیز کر دیں گے تاکہ مجھے سوال سمجھنے میں آسانی ہو۔

س: رہنے دیجیے۔ یہ بتائیں کہ کس میگزین میں لکھنا پسند ہے؟

ج: یہ تو وہی بات ہوئی کہ انور مقصود نے وحید مراد مرحوم سے

پوچھا تھا کہ کس ہیروئن کے ساتھ کام کرنا پسند ہے۔
س: کوئی ایسی تصنیف جسے بار بار پڑھا ہو؟
ج: ہم اپنی تصانیف کو ہی بار بار پڑھتے ہیں کہ اور تو کسی نے پڑھنی نہیں۔
س: کوئی ایسا ساتھی رائٹر جس کا کام آپ کو پسند ہو اور آپ سمجھتے ہیں وہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں؟
اگر آپ کسی بھی تحریر کو گہرائی سے پڑھیں گے تو اس میں کوئی مقصدیت اور پیغام ہوگا۔ سو یہ کہنا کہ وہ اچھا نہیں لکھ رہا/رہی زیادتی ہے۔ صرف ہوتا یوں ہے کہ جس کی تحریر ہمارے نظریے سے متصادم ہوتی ہے وہ ہمیں پسند نہیں آتا/آتی آج کل تو ناول پڑھنا کم ہوگیا ہے وقت کی قلت کے باعث۔ تاہم سباس گل صاحبہ کو پڑھ رکھا ہے صدف آصف صاحبہ کو۔ اس کے علاوہ مرحومہ فرحانہ ناز کو بھی۔ ابتدائی 2000 میں تو سب خواتین مصنفات کو اس طرح پڑھ رکھا تھا کہ گھر میں خالہ خواتین کے جرائد منگواتی تھیں تو ہم ہر ماہ کا ڈائجسٹ چاٹ لیتے تھے۔ کالم نگاروں میں بھی ابن نیاز، محمد پرویز، آر ایس مصطفی، عزل صدیقی اور دوسرے دوست قابل ستائش کام کررہے ہیں۔
س: کبھی بے جا تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟
نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
نہ سہی گر میرے اشعار میں معنی نہ سہی
لکھنا کیونکہ پیشہ نہیں بلکہ دفع الوقتی مشغل ہے تو اوپر والا شعر ہم پر بھی صادق آتا ہے تاہم لکھنے کے حوالے سے تو نہیں ہوئی کوئی تنقید ماسوائے چند ایک کالموں کے کیونکہ وہ کالم بعض لوگوں کی رائے سے متصادم تھے۔ البتہ زندگی میں تو ہمیشہ ایسا ہی رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ لاج رکھی۔ اس ذات کے بے پایاں احسانوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔
س: اب تک ادب میں کتنی کامیابیاں سمیٹیں؟ کتنے ایوارڈ حاصل کیے؟
ج: حال ہی میں ہماری کتاب "شگوفہ سحر" شائع ہوئی ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ قارئین کا تحریر کو سراہنا اور اگلی تحریر کا منتظر ہونا ہی کسی لکھاری کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے۔
س: آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟
ج: وہی جو آج کل آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ایسا ادب جو قاری کی سوچوں کو جلا بخشے اور جو اس میں مثبت تبدیلی لائے۔
س: آپ کی نظر میں تخلیق کس کو کہتے ہیں؟
ج: ہماری نظر تو کمزور ہے سو عینک لگا کر اس کا جواب یہ بنتا ہے کہ ہر وہ چیز جو جسم و روح کے ملاپ سے وجود میں آئے تخلیق ہے۔
س: آج کل کے ملکی حالات پر اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔
ج: ہم سکون میں تو پورا پاکستان سکون میں۔
س: اسلامی معاشرہ کیا ہے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اسلامی معاشرہ کا نفاذ ہو؟
ج: اسلامی معاشرہ وہ ہے جو آج کل غیر اسلامی ممالک میں پایا جاتا ہے (یعنی کہ شیر و بکری قانون کی نظر میں ایک)، ہمارے ہاں قانون کی کتاب میں ایک ضرور ہیں مگر قانون کی نظر کچھ کمزور ہے۔ اسلامی معاشرے کے نفاذ میں چنداں حرج نہیں اگر اس ناچیز کو استثنا حاصل ہو۔
س: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انقلاب ہماری قوم کے لیے ناگزیر ہے؟
ج: اگر انقلاب سے مراد خون خرابا اور جنگ و جدل ہے تو ایسا انقلاب تو پہلے ہی موجود ہے۔ انقلاب ہمیں یعنی کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے پانچ چھ فٹ کے وجود میں لانا ہے۔ پھر ہی انقلاب کے ثمرات سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔
س: کیا آپ ملکی سیاست میں دلچسپی لیتے ہیں؟
ج: جی میں تو ہر لحہ یہ سوچتا رہتا ہوں کہ کسی طریقے سے کوئی چھوٹا موٹا عہدہ (وزیراعظم یا صدر کا) مجھے مل جائے تاکہ میں اپنی زندگی عوام کی خدمت میں وقف کرسکوں۔
س: ادب کے فروغ کے حوالے سے تجاویز دیں۔
ج: ادب کے فروغ کے لیے سب سے ضروری کام یہ ہے کہ موجودہ ادب پر پابندی لگا دی جائے۔ جو آج کل ہو رہا ہے اس سے زیادہ بے ادبی ادب کی نہیں ہوسکتی۔
س: کمپیوٹر کے آنے سے ادب پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟
ج: کمپیوٹر بھی باقی آلات کی طرح ایک آلہ ہے۔ اس کا استعمال ہی اس کے اچھا یا برا ہونے کا باعث بنتا ہے۔ ادب کی ترویج میں اس کا کردار یہ ہے کہ بعض کتابیں جو کہ زماں و مکاں کی مجبوریوں کے باعث ناقابل دسترس ہوتی ہیں کمپیوٹر کے باعث بآسانی مل جاتی ہیں۔ جیسا کہ یہاں سعودی عرب میں اردو کتابوں کا حصول دشوار ہے تو کمپیوٹر اس معاملے میں کسی نعمت سے کم نہیں۔ نقصان کمپیوٹر کے آنے سے یہ ہوا ہے کہ ہر کوئی چونکہ پوسٹ کرسکتا ہے تو اچھی تحریروں کی چوری معمول بن گئی ہے۔ اس کے علاوہ غیر معیاری تحریروں کی بھی بھرمار ہوگئی ہے اور

یہ سب ادب کے لیے ہرگز اچھا نہیں۔

س: بڑے انسانوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیچھے ورثہ چھوڑ جاتے ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ورثے میں کیا چھوڑیں گے؟

ج: وہ تو بڑے لوگوں کی نشانی ہوتی ہے۔ ہم تو اہل ددھیال اور بہت سا قرض چھوڑ کے جائیں گے ورثے میں۔ مذاق برطرف، یہ کتاب اور اس میں موجود انشائیے اور کالم ہی چھوڑ کے جانا ہے۔

س: کچھ غیر ادبی سوالات ہو جائیں۔

ج: بسم اللہ

س: پسند ناپسند کے بارے میں بتائیے۔

ج: پسند ہمیں بہت کچھ ہے۔ اپنا پاکستان، قدرتی مناظر اور سب سے بڑھ کے

بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

یعنی کہ ہماری سستی۔

ناپسند بلکہ بہت ناپسند ہمیں کام کرنا ہے۔

س: رنگ، موسم، کھانے میں کیا پسند ہے؟

رنگ سبز، موسم دل کا۔ موسم کوئی بھی برا نہیں لگتا۔ گرمیوں کا ایک نقصان یہ ہے کہ عصر کے بعد تک باہر کا کوئی کام کرنا بہت مشکل اور ہمارے تو کام ہوتے ہی گھر سے باہر کے۔ باقی موسموں میں ایسی پابندی نہیں۔ بچپن میں ہم نے تو چٹنی اور ایک پکوڑے کے ساتھ بھی روٹی کھائی اس کا مزہ اب بھی ڈھونڈتے ہیں۔ ویسے تنور کی مکھن سے چپڑی روٹی سرسوں کے ساتھ کھانے کا بھی الگ مزہ ہے مگر اب یہ عیاشیاں ہمارے نصیب میں نہیں۔

س: بچپن میں کوئی ایسی شرارت جس پر آپ کو بہت مار پڑی ہو؟

ج: شرارت تو نہیں کہہ سکتے۔ ایک بار گھر سے پیسے چرا کے گیند خریدی تھی۔ جس کا والدہ کو علم ہو گیا تھا۔ خوب مار پڑی تھی۔ ایسے ہی ایک بار عیدی ملی تھی تو ہم بڑے تین بہن بھائیوں نے ساری عیدی کی فانٹا بوتلیں (اس زمانے میں تین روپے میں ملتی تھی اور گاؤں میں عید پر ہی آتی تھی) پر خرچ کر دی۔ جواب میں والد صاحب نے اپنے بیٹروں والے کمرے میں بند کر دیا تھا اس فضول خرچی پر۔

س: کیا شوق سے کھایا کرتے تھے اسکول میں؟

ج: شوق کا تو پتہ نہیں پر مار ہی زیادہ کھائی۔ دراصل سفید پوش گھرانے سے تعلق کے باعث ہمیں پاکٹ منی کی عیاشی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ صبح خوب تگڑا ناشتہ کروا دیا جاتا تھا اور پھر دو بجے گھر آ کر دوپہر کے کھانے سے ہی لطف اندوز ہوتے تھے۔

س: پسندیدہ مضمون کون سا تھا آپ کا؟

ج: سب ہی پسند تھے ماسوائے بیالوجی اور ایسے مضامین کہ جن میں تصاویر بنانی پڑتی تھیں۔ تصویر ہم بناتے کچھ تھے اور بن کچھ جاتی تھی تو ہمیں یہ کام پسند نہیں تھا۔

س: بچپن میں کیا سوچا تھا کہ کیا بنیں گے؟

ج: اس پر تو ہمارا پورا کالم ہے "بچپن کی ناآسودہ خواہشیں" مختصراً ہم نے کرکٹر، ہاکی کا کھلاڑی، اداکار، گلوکار اور نجانے کیا کیا بننے کا سوچا تھا۔ جواب ہیں یہ تو کبھی نہیں سوچا تھا۔

س: خواب دیکھتے ہیں؟ کیا آپ کے خواب پورے ہوتے ہیں؟

ج: ہمیں تو صبح اٹھ کر یاد ہی نہیں ہوتا کہ خواب میں دیکھا کیا تھا۔ سو پورا کیا ہونا۔

س: آپ جامعہ میں پڑھاتے بھی ہیں؟ آپ کا مضمون؟

ج: ہم جامعہ میں بچوں کو پٹیاں پڑھاتے ہیں۔ ویسے انہوں نے ہمیں الیکٹریکل انجینئرنگ پڑھانے کے لیے نوکری دی ہے۔

س: کیا لکھنا آسان ہے؟

ج: آسان تو کھانا کھانے کے علاوہ دنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ لکھنا ایک قدرتی صلاحیت ہے۔ ہر شخص لکھ نہیں سکتا۔

س: کس ٹاپک پر لکھتے ہوئے لگتا ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا؟

ج: حق تو ادا ہو ہی نہیں سکتا کسی صلاحیت کا۔ تاہم جس تحریر کو پڑھ کر قارئین کے چہروں پر زیادہ مسکراہٹ آئے وہی ہمارے لیے طمانیت کا باعث ہوتی ہے۔

س: زندگی سے کوئی گلہ؟

ج: مجھے تو اللہ نے میری صلاحیت واوقات سے بڑھ کر نوازا ہے سو گلہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

س: آپ کی کتنی کتب مارکیٹ میں آچکی اور آپ کی پسندیدہ تحریر؟

ج: حال ہی میں "شگوفہ سحر" شائع ہوئی ہے۔ اس میں کئی تحریریں ہیں جو ہمیں بہت پسند ہیں۔ ان میں عمران اعوان سے ابنِ ریاض تک ہم بھی میر اسے کم نہیں، بچپن کی ناآسودہ خواہشیں اور ہم نے گاڑی چلائی شامل ہیں۔

س: آپ کے خاندان میں کسی کو لکھنے کا شوق ہے؟

ج: نہیں سب پڑھنے کے شائق ہیں۔

س: ہمارے ہاں خواتین مصنفات کو لکھنے کے معاملے میں

حمایت کم ملتی ہے خاص کر شادی کے بعد۔ ان حالات میں خواتین کو لکھنا چھوڑ دینا چاہیے؟

ج: ہمارے ہاں بدقسمتی سے خواتین کو ہر معاملے میں دبایا جاتا ہے۔ ان کو ان کا جائز اور اسلامی حقوق جیسے وراثت میں حصہ اور شادی میں رضامندی جیسے اہم معاملات بھی شامل ہیں تو ترجیحات میں لکھنا تو ان سے پیچھے ہی آتا ہے۔ تاہم یہ ایک قدرتی صلاحیت ہے اور جس میں ہو وہ اس کو دبا بھی نہیں سکتا۔ اس کا حل یہ ہے کہ آپ لکھیں ضرور۔ بھلے اس وقت شائع نہ کروائیں کیونکہ گھر بچانا کہیں زیادہ ضروری ہے۔ بعد میں مناسب موقع ملے گا۔ اس وقت یہی لکھا ہوا آپ کے کام آئے گا اور مزید لکھنے کے لیے مہمیز بنے گا۔ جب آپ کی طبیعت لکھنے پر مائل ہو اور آپ نہیں لکھتے تو پھر جب حالات سازگار ہوں گے تو بھی لکھنے کی صلاحیت زنگ آلود ہو چکی ہوگی اور لکھنا مشکل ہوگا۔ یہاں پر ہماری جو خواتین بہنیں شادی کے بعد لکھ رہی ہیں، ان کے خاندانوں کا شکر یہ بھی ضرور ادا کرنا چاہیے کہ جو ان پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں اپنی صلاحیت کے اظہار کے مواقع دے رہے ہیں۔

س: آج کل سب ٹی وی کے لیے لکھ رہے ہیں۔ آپ کا کوئی ناول قارئین ٹی وی ڈرامے کی شکل میں کب دیکھ سکیں گے؟

ج: کبھی بھی نہیں دیکھ سکیں گے کیونکہ ہم ناول لکھتے ہی نہیں۔

س: دوستی کیا ہے؟

ج: دوستوں میں بس دنیا و مافیہا بھول جاتا ہے انسان۔

س: شاعری پسند ہے؟ فیورٹ شاعر؟ کوئی فیورٹ شاعری؟

ج: بہت زیادہ۔ بہت سے ہیں پسندیدہ شاعر مگر اس وقت محسن نقوی کی ایک غزل

کب تلک شب کے اندھیرے میں سحر کو ترسے
وہ مسافر جو بھرے شہر میں گھر کو ترسے
آنکھ ٹھہرے ہوئے پانی سے بھی کتراتی ہے
دل وہ رہرو کہ سمندر کے سفر کو ترسے
ایک دنیا ہے کہ بستی ہے تیری آنکھوں میں
وہ تو ہم تھے جو تیری ایک نظر کو ترسے
مجھ کو اس قحط کے موسم سے بچائے رب سخن
جب کوئی اہل ہنر عرض ہنر کو ترسے

اور یہ میرا پسندیدہ شعر

عمر اتنی تو عطا کر میرے فن کو خالق
مرا دشمن میرے مرنے کی خبر کو ترسے
شور صرصر میں جو سر سبز رہی ہے محسن
موسم گل میں وہی شاخ ثمر کو ترسے

س: کوئی پیغام جو آپ دینا چاہیں۔

ج: ”اے ایمان والو تم ایسی بات نہ کرو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔“ اس آیت کو سامنے رکھ کر صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ دوسروں کی بات کو خندہ پیشانی سے سننا بھی سنت ہے۔ نبی ﷺ سے تو بہت سخت سوال نبوت اور اللہ کے متعلق کیے گئے مگر آپ ﷺ نے تو کسی کو واجب القتل نہیں قرار دیا۔ اپنا نظریہ رکھنا آپ کا حق ہے مگر یہ دوسرے کا بھی حق ہے۔ اور ان کے حقوق کا احترام بھی اسلام ہے نہ کہ آپ کی کمزوری۔

پیا کا گھر

ندا حسنین

بیس دسمبر کی رات ڈیڑھ بجے آنٹی (خالہ) اور فیصل بھائی ہمیں اپنے گھر لے جانے کے لیے آئے۔ آج شام ہی میں، سمیرا بھابی اور ماموں زاد بھائی دانیال نے گھر کی سجاوٹ اور مہندی کی رسم کے سامان کی خریداری کی تھی اور اب ہمیں سجاوٹ کے لیے اپنی خالہ کے گھر جانا تھا۔ شادی کا یہ احوال جو میں آپ سب کو سنانے جارہی ہوں یہ ہم سب کی ہردلعزیز آپی اور آپ سب کی پسندیدہ مصنفہ ندا حسنین کی شادی کا احوال ہے اور میں ان کی خالہ زاد بہن رمشہ مقصود قارئین کی دلچسپی اور ادارے کی فرمائش کے پیش نظر آپی کی شادی کا احوال آپ کی خدمت میں پیش کررہی ہوں۔

تو جناب ہم کزنز کا قافلہ آدھی شب ندا آپی کے گھر پہنچا جہاں مبشر بھائی اور سمیرا بھابی پہلے ہی ہمارے منتظر تھے۔ ڈرائنگ روم جہاں کل ندا آپی کی مایوں کی رسم ادا کی جانی تھی اس کی سجاوٹ پر سب سے پہلے غور وخوص کیا گیا تب تک دانیال نے فوراً سے بیشتر شادی بیاہ کے گانے لگادیے اور گانے لگتے ہی سمیرا بھابی نے بھاگ کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا جہاں چھوٹے میاں محمد ہادی حسنین بڑی جتن کے بعد نیند کی وادی میں سیر وتفریح کے لیے آمادہ ہوئے تھے اور اب خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ خدشہ تھا کہ گانوں کی آواز سے وہ بیدار نہ ہوجائیں اس لیے پہلی فرصت میں بھابی نے اپنے صاحبزادے کی طرف سے اطمینان کیا، ڈرائنگ روم کی سجاوٹ کا آغاز ہوچکا تھا میں رومیعہ، مسکان، بھابی اور مبشر بھائی ہم سب کاغذی پھولوں اور فیری لائٹس کی مدد سے پہلے ڈرائنگ روم اور پھر آپی کا کمرہ سجانے لگے۔ فجر کے وقت تک ہم سجاوٹ سے فارغ ہوئے اور گھر کو لوٹ آئے۔ آج کے دن ندا آپی نے مایوں بیٹھنا تھا اور ہم سب نے عصر تک خالہ کے گھر پہنچ جانا تھا۔

پیلے جوڑے میں ملبوس، نیٹ کے خوب صورت پیلے دوپٹے کا گھونگھٹ لیے ندا آپی ہم سب کی آمد کی منتظر تھیں۔ یوں تو ہم کئی ماہ سے ندا آپی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے پر اب جب دن قریب سے قریب تر ہوتے چلے جارہے تھے تو خوشی کے ساتھ

ایک الگ ہی احساس ہم سب کے دلوں میں جاگ رہا تھا' ندا آپی کے چلے جانے کا احساس۔ ہم سب ہی ندا آپی سے کافی اٹیچڈ تھے اور اب ہر پل ان کی رخصتی سے قریب ہوتا ہمارے دلوں کو اداس کرتا چلا جارہا تھا بظاہر ہم سب بے حد خوش و مسرور تھے۔ اپنے کاموں میں مصروف اور شادی کی تیاریوں میں مگن ہونے کے ساتھ ہم سب کی ہی کوشش تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت ندا آپی کے ساتھ گزاریں۔

گھر میں تقریباً سب ہی مہمان آچکے تھے' ایک دن قبل ہی آنٹی نے قرآن خوانی اور بکرے کا صدقہ وخیرات کیا تھا۔ مایوں کی رسم کا آغاز آنٹی اور خالو نے آپی کو ابٹن لگا کر اور مٹھائی کھلا کر کیا۔ آنٹی چند ماہ قبل ڈینگی وائرس کا شکار ہوئی تھیں۔ ڈیڑھ ماہ کے بیڈ ریسٹ سے اٹھتے ہی وہ شادی کی تیاریوں میں جت گئی تھیں۔ اس وقت ان کے چہرے پر شادی کی تیاری کی فکر تھی۔ اب تیاریاں مکمل ہوگئی تھیں اب ان کے چہرے پر اکلوتی بیٹی کی رخصتی کا خیال ہویدا تھا۔ رسموں کا آغاز ہوچکا تھا' باری باری گھر کی تمام خواتین نے اور پھر ہم سب کزنز نے آپی کو ابٹن لگایا' مٹھائی کھلائی' خوب ہلا گلا مچایا۔ ایک دوسرے کو بھی ابٹن لگایا گیا' یوں ایک خوب صورت شام کا اختتام خوشیوں بھرے قہقہوں کی گونج کے ساتھ ہوا۔

آنے والے دن ہمارے لیے بے حد مصروف ترین ثابت ہونے والے تھے۔ اگلے دن سے ندا آپی کو ابٹن لگانے کا آغاز ہوچکا تھا اور ساتھ ہی ہم سب نے شادی بیاہ کے گانوں پر پرفارمنس کی تیاری بھی شروع کردی تھی۔ ہم سب ہی اس شادی پر بے حد ایکسائٹڈ تھے کیونکہ ہم نے اپنے خاندان میں زیادہ تر لڑکوں کی شادی کی تیاری کی تھی کافی عرصے بعد ہمارے خاندان سے لڑکی رخصت ہونے جارہی تھی لہٰذا ہم سب ہی اس شادی کو یادگار اور ندا آپی کے لیے خاص بنانا چاہ رہے تھے سو ہم نے ڈانس پریکٹس کی اور خوب انجوائے کیا۔ امی' خالہ اور مامی نے جہاں ہماری کافی حوصلہ افزائی کی وہیں مبشر بھائی' فیصل بھائی اور فیضان نے خوب کھنچائی بھی کی اور یہی چھیڑ چھاڑ' نوک جھوک تھی ہماری جو سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیرے دے رہی تھی اور اس چھیڑ چھاڑ سے جب ہم ناراض ہوتے تب ندا آکر ہمیں مناتیں اور کھنچائی کرنے والوں کی کلاس لیتیں اور سچ پوچھیں تو پرفارمنس کی تیاری میں ندا آپی نے ہماری بے حد حوصلہ افزائی کی تھی۔

ندا آپی کے نکاح اور مہندی میں بس دو دن ہی باقی تھے۔ ہم روز رات کو آپی کو ابٹن لگاتے یہاں تک کہ علیشبہ' ماہین' لیبہ پر مشتمل چھوٹو گینگ نے بھی ابٹن لگانے کی رسم ادا کی۔ آنٹی ندا آپی سے دور دور رہ رہی تھیں شاید انہیں خدشہ تھا کہ خود پر باندھے آنسوؤں

کے بندھ بھی کے سامنے ٹوٹ نہ جائیں ان دنوں دن چٹکی بجاتے گزر رہے تھے۔ لڑکیاں تو خیر سے مشہور ہی ہیں کسی بھی موقع پر آخری وقت تک تیاری کے لیے مگر یہاں الٹی گنگا بہتی معلوم ہورہی تھی۔ مبشر بھائی، فیصل بھائی اور دانیال کی تیاری مکمل نہ ہوپائی تھی، مہندی والے دن ان تینوں نے اپنے کرتوں کی شاپنگ کی۔ سارے لڑکوں نے پیلا دوپٹہ گلے میں ڈالنا تھا مگر انہیں جو دستیاب نظر آیا وہ گلے میں ڈال لیا۔ مبشر بھائی نے تو اپنی شادی کا کلاہ ہی کھول کر گلے میں ڈال لیا۔

ندا آپی کو مہندی والے دن رامین نے تیار کیا تھا۔ رامین ندا آپی سے بے حد اٹیچڈ ہے مگر یونیورسٹی کلاسز کی وجہ سے وہ ان کے پاس رک نہیں پارہی تھی مگر اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ جس حد تک ہوسکے ندا آپی کے ساتھ رہے، مہندی والے دن میں نے خالہ اور امی کو تیار کرکے فارغ کیا اور پھر ندا آپی کو رامین نے تیار کیا۔ مرجنڈا رنگ کے فرسٹ اوپن کٹ کرتے پیلے رنگ کے لہنگے اور سی گرین رنگ کے ٹشو کے دوپٹے میں ندا آپی بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔ یہ تیاری اپنی جگہ

مگر سسرال والوں کی آمد پر ندا آپی کو گھونگھٹ میں رہنا تھا' دلہن کا نکاح گھونگھٹ میں ہونا تھا۔ لان میں پہنچ کر آپی کا فوٹو شوٹ ہوا کچھ دیر بعد لڑکے والوں کی آمد ڈھول کی دھما کے دار تھاپ پر ہوئی۔ عارفین اپنے دوستوں اور خالد بھائی ڈھول کی دھمک کے ہمراہ اپنی بہنوں اور بھابیوں کے جھرمٹ میں مسکراتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے آرہے تھے۔ دھیمی سی مسکان لبوں پر سجائے' مہندی کلر کے کرتے پر سبز واسکٹ زیب تن کیے خالد بھائی خوب جچ رہے تھے۔

عشاء کی نماز کے بعد نکاح کا آغاز ہوا' دلہا دلہن نے نکاح نامے پر دستخط کیے۔ دعاؤں کا سلسلہ شروع ہوا اور مبارک بادکی صدا فضاء میں گونجنے لگی۔ خالہ کی آنکھیں بھیگیں اور آواز آنسوؤں سے رندھی ہوئی تھی'

آپی کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ وہ پل تھے جب ہم سب ہی آپی کے لیے نیک تمناؤں کے ساتھ آبدیدہ تھے' سب باری باری ان سے گلے مل رہے تھے۔ دعائیں اور مبارک باد دے رہے تھے' پیار دے رہے تھے اور پھر آپی کو اسٹیج پر لے جایا گیا اور خالد بھائی کے برابر بٹھایا گیا۔ (سرخ دوپٹے کے گھونگھٹ میں چھپی آپی اب خالد بھائی کی امانت بن چکی تھیں۔)

رسموں کا سلسلہ دیر تک جاری رہا اور پھر ہم نے خالد بھائی کی انگلی میں مہندی لگا کر ہاتھ تھام لیا۔ لڑکے والوں اور لڑکی والوں کی نوک جھونک خوب دیر تک چلتی رہی' اس پر بڑوں کی شمولیت اور ہنسی مذاق نے رسم میں مزید جان ڈال دی۔ ہماری طرف سے چھوٹے ماموں اور امی جبکہ خالد بھائی کی طرف سے

ان کی بہنیں روشنی آپی اور رومی آپی اور مونا بھابی آگے آگے تھیں جبکہ ہم کزنز کا مقابلہ دلہے کے دوسرے بھائی بہنوں کے کزن کے ساتھ تھا خیر سے یہ رسم بھی خوش اسلوبی سے ادا ہوئی اور یوں ایک اہم ترین دن کا اختتام ہوا۔

دو دن بعد ندا آپی کی رخصتی تھی اور یہ دن پلک جھپکتے گزر رہے تھے۔ نکاح کے بعد سے آنٹی کی گھبراہٹ میں اضافہ جبکہ ندا آپی کے چہرے پر اداسی در آئی تھی۔ رخصتی سے ایک دن پہلے ندا آپی کو سروسز کے سلسلے میں صبح پارلر جانا تھا۔ وہاں سروس کے ساتھ ساتھ مہندی بھی لگنی تھی' اس دن ندا آپی نے فرمائش کی تھی آئس کریم کھانے کی۔ برات والے دن ہمیں پرفارم کرنا تھا' ہمارے مطالبے پر اس دن ڈانس فلور بھی بنوایا جا رہا تھا۔ اڑتے اڑتے خبر پہنچی تھی کہ لڑکے والوں نے بھی خوب تیاری پکڑ رکھی ہے' ڈیمو کے طور پر انہوں نے ننھی پریوں عبیرہ اور خدیجہ کے ڈانس کی ویڈیو بھی ندا آپی کو بھیجی تھی۔ ان دونوں پریوں نے ہی بہت پیارا ڈانس کیا تھا' سو ہماری طرف بھی بھرپور تیاری جاری تھی۔ آپی صبح بوائل انڈا اور دودھ پی کر پارلر روانہ ہو چکی تھیں۔ جاتے جاتے بھی اپنے خاص مہمانوں کے ساتھ کال پر مصروف رہی تھیں۔

دن کیسے گزرا کچھ پتا نہ چلا' رات نو بجے آپی کی واپسی ہوئی۔ دونوں ہاتھ پیر مہندی سے سجے ہوئے تھے' ندا آپی پارلر سے پہلے ہمارے گھر آئی تھیں۔ صبح سے شام تک پارلر میں دن گزار کر تھک گئی تھیں' کچھ دیر آرام کیا' جوس اور پھل کھائے اور پھر ہم سب خالہ کے ساتھ ان کے گھر روانہ ہوئے۔ جاتے جاتے ندا آپی رونے لگیں' ڈرائنگ روم جہاں ہم نے دس دن پہلے ندا آپی کے لیے برائیڈل شاور ارینج کیا تھا اور اس کی سجاوٹ اب تک جوں کی توں برقرار تھی۔ یہ سارے پل اب انمول یادیں بنتے جا رہے تھے اور ندا آپی انہیں دیکھ کر رو رہی تھیں ایک ہی جملہ تھا جو مسلسل ان کے لبوں سے ادا ہو رہا تھا۔

''امی! آنٹی! میں کل چلی جاؤں گی۔'' اور امی اور

خالہ بار بار گلے لگا کر پیار کرتیں۔ ان کی آنکھیں بھی بھیگنے لگیں، مجھ سے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا میں بھی گلے لگ کر رو پڑی۔ رامین ہمیں بلانے آئی تھی یہ ماحول دیکھ کر وہ بھی ندا آپی کے گلے جا لگی۔ پاپا بار بار ہمیں چپ کرا رہے تھے، خیر بہت مشکل سے خود پر ضبط کیا اگر ایسا نہ کرتے تو ندا آپی چپ نہ ہوتیں۔ امی پاپا کو کچھ دیر بعد آنا تھا لہٰذا ہم سب خالہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ فیصل بھائی ڈرائیو کر رہے تھے، ندا آپی کو آگے بٹھایا گیا تھا پیچھے خالہ، میں رامین اذہان اور دانیال بیٹھے تھے اب کیسے بیٹھے تھے، خدارا یہ نہ پوچھیں۔

اس رات کو سارے کزنز خالہ کے گھر جمع تھے، بڑے ماموں نے فیضان اور عشناء کو بھی بھیج دیا تھا کہ ندا نے بہت اصرار سے بلایا تھا آج کی رات تم دونوں وہیں قیام کرو جبکہ ندا آپی کی شادی کے دو دن بعد ان کے بیٹے شایان کی شادی تھی۔ شایان اپنی شادی کی تیاری میں مصروف ہونے کے باعث قیام کے لیے نہ آسکا۔ شمیم ماموں نے ربیا کو بھیجا تھا اس کے علاوہ ہم سب یعنی میں رامین، رومیعہ، مسکان، دانیال، اذہان، علیشبہ، لیبہ اور ماہین یہاں ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔ ندا آپی ہر تھوڑی دیر بعد رونا شروع ہو جاتیں اور ان کے ساتھ ساتھ ہم بھی رامین بظاہر بہت ضبط کر رہی تھی وہ جتنی بار ہمت ٹوٹی تو باتھ روم میں جا کر رونے لگی۔

کہتے ہیں شادی کا گھر خوشیوں کا گھر ہوتا ہے مگر لڑکی کی شادی کا گھر صرف خوشیوں کا ہی نہیں ہوتا اس میں آنسوؤں کی رم جھم برسات بھی شامل ہوتی ہے۔ ہم سب بھی وقتاً فوقتاً اس برسات میں بھیگ رہے تھے، ربیا بار بار آپی کے گلے لگ کر روتی۔

اس دن خوب ہلا گلا ہوا، پر ندا آپی اس دن ہمارے ساتھ شامل نہیں تھی۔ وہ آرام کی غرض سے سو رہی تھیں اور ہم جانتے تھے کہ وہ کچھ وقت اکیلے بتانا چاہتی تھیں یہاں تک کہ ہماری بے حد ضد کے باوجود بھی وہ ہمارے ساتھ آئس کریم کھانے نہ گئیں۔ وہ اداس تھیں، آنٹی کے چہرے پر اداسی اور فکرمندی کے سائے منڈلا رہے تھے جبکہ خالو کافی چپ چپ سے تھے اس رات ہم نے خوب ہنگامہ برپا رکھا۔ کل کے دن تو ہمارے گھر کی رونق کسی اور کے سپرد ہو جانی تھی سو آج کی رات اہم تھی، یادگار تھی سو ہم نے خوب ہنگامہ برپا رکھا اور ندا آپی کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

سب افراتفری کا شکار رہے اگلی صبح ندا آپی پارلر جا چکی تھیں۔ خالہ انہیں پارلر چھوڑ کر واپس آ گئی تھیں، معلوم ہوا وہاں آپی کی دونوں نندیں روشنی اور رومی آپی بھی تیاری کے سلسلے میں موجود تھیں۔ خالہ کو کچھ اطمینان ہوا کیونکہ وہ دونوں خواتین بے حد خوب صورت دل کی مالک تھیں اور ندا آپی کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا، لڑکوں کو ہار پھول لانے بازار بھیجا گیا بے چارے لڑکوں کی شاپنگ ابھی بھی باقی تھی۔ ندا آپی کا سارا سامان جا چکا تھا، بس ایک چھوٹا بیگ تیار کرنا تھا، خالہ نے وہ تیار کیا۔ آج کے دن کی تیاری مکمل کر کے وہ ہماری طرف آ گئیں، امی اور خالہ کو ہم نے تیار کرنا تھا۔ یہ دونوں تیار ہو کر ندا آپی کو لینے پارلر پہنچیں اور پھر وہاں سے بینکویٹ کے لیے روانہ ہو جاتیں جہاں فوٹو سیشن کے لیے فوٹو گرافر پہلے سے موجود تھے۔

امی اور خالہ کو تیار کر کے بھیجنے کے بعد ہم لڑکیاں جلدی جلدی تیار ہوئیں۔ ندا آپی بینکویٹ پہنچ چکی تھیں اور اب ہمیں پہنچنا تھا، ہم سب تیار ہو کر جلدی جلدی بینکویٹ پہنچے۔ اگر میں کہوں فوٹو گرافر کے جھرمٹ میں نازک اندام سی شہزادی اپنے لباس کو نزاکت سے تھامے کھڑی مسکرا رہی تھی تو ہرگز اس میں مبالغہ آرائی شامل نہ ہوگی۔ ندا آپی واقعی اس حد تک حسین لگ رہی تھیں۔ پاس جا کر گلے ملنے خواہش کو دل میں دبانا پڑا کیونکہ فوٹو گرافر کی ٹیم ہمارے اور آپی کے درمیان ظالم سماج بنی کھڑے تھی۔

امی دوران ایک نہایت خوش لباس، خوش گفتار

خاتون کی آمد ہوئی۔ نارنجی رنگ کے دوپٹے اور پیچ کلر کی خوب صورت گھیر دار فراک میں ملبوس وہ شخصیت کوئی اور نہیں بلکہ شہرۂ آفاق مصنفہ رفعت سراج تھیں۔

''کیا آپ ندا حسنین ہیں؟'' فوٹو سیشن میں مصروف آپی سے نرم لہجے میں استفسار کیا' آپی نے اثبات میں سر ہلایا پر آنکھوں میں ناآشنائی کا عنصر نمایاں تھا۔

''میں رفعت سراج ہوں۔'' مسکرا کر جواب دیا گیا اور آپی کے چہرے پر در آنے والی خوشی دیدنی تھی۔ رفعت سراج آپی کی پسندیدہ رائٹر میں سے ایک ہیں' کچھ عرصہ قبل ان کے درمیان دوستی جیسا قابل احترام رشتہ استوار ہوا تھا مختصر گفتگو کے بعد رفعت سراج خالہ سے بھی ملیں وہ اپنے میاں صاحب اور پیاری بیٹی کے ہمراہ آئی تھیں اور پھر بارات کی آمد نے ہم سب کو بوکھلا دیا۔ اپنا اپنا شرارہ سنبھالے پھولوں کی ٹوکری اٹھائے ہم سب استقبال کے لیے بھاگے۔ فرح مامی آپی کو برائیڈل روم میں لے جاچکی تھیں' فوٹو گرافر کی آدھی ٹیم استقبالیہ اور آدھی ٹیم برائیڈل روم کی جانب بھاگی۔ ہم نے رفعت سراج (محترمہ) کو بھی برائیڈل روم کی جانب جاتے دیکھا یقیناً وہاں دونوں رائٹرز کی تفصیلی ملاقات ہوئی تھی۔

برات کی آمد ہوچکی تھی اور اس وقت گھڑی کی سوئیاں کچھ زیادہ ہی تیزی سے گھومنا شروع ہوگئیں۔ خالد بھائی بھی برائیڈل روم کا رخ کرچکے تھے جہاں دونوں کا اب ایک ساتھ فوٹو سیشن کیا جارہا تھا جبکہ دوسری جانب ڈانس فلور سج چکا تھا۔ ہماری تیاری بھی پوری تھی اور لڑکے والے بھی فارم میں نظر آرہے تھے' دونوں ٹیموں نے باری باری پرفارم کیا ہماری طرف سے میں' رومیعہ' مسکان' رامین' بھابی' دانیال اور ذیان شامل تھے جبکہ لڑکے والوں کی طرف سے خالد بھائی کی بھانجی فاطمہ اپنے ماموں کا رفین حماد اور ابراہیم کے ہمراہ میدان میں اتری۔ خوب محفل جمی' ہماری پرفارمنس کے بعد دلہا دلہن کی انٹرنس کا مرحلہ قریب تھا' آپی کو لینے ہم برائیڈل روم پہنچے وہاں سیاہ عبایہ میں ملبوس نفیس سی خاتون میٹھے لہجے میں آپی سے محو گفتگو تھیں۔ معلوم ہوا یہ نفیس سی خاتون آنچل وحجاب کی ایڈیٹر سعیدہ نثار ہیں' انہوں نے بتایا محترم طاہر قریشی بھی رخصتی کی تقریب میں شریک ہیں' ملاقات شاید نہ ہوپائے مگر ان کی دعائیں آپ کے ہمراہ ہیں۔ ندا آپی اس محبت اور خلوص پر بے حد ممنون نظر آئیں' وقت کم تھا لہٰذا سعیدہ نثار صاحبہ سے ملاقات مختصر رہی۔

آپی کو ہمیں باہر لے جانا تھا' ہال میں اندھیرا چھانے کو تھا' انٹرنس تک پہنچتے پہنچتے ہماری ملاقات کافی مہمانوں سے ہوچکی تھی۔ آپی کی ایک بہت پیاری سہیلی سدرہ مرتضیٰ بھی پرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ ملیں۔ انٹرنس تک پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہوچکا تھا' وہاں خالد بھائی پہلے ہی آپی کے منتظر تھے' وہ دونوں اب ساتھ کھڑے تھے اور ہم سب ان کے گرد کے مکمل اندھیرا

تھا اور بس چاندنی جیسی روشنی دلہا دلہن کو اپنے ہالے میں مقید کیے ہوئے تھی۔ راحت فتح علی خان کی خوب صورت آواز میں آفرین آفرین گیت نے ماحول کو مزید خوب صورت بنا ڈالا تھا اور پھر آگے بڑھتے بڑھتے ہم دھیرے دھیرے مرحلہ وار دلہا دلہن کے سامنے سے ہٹتے چلے گئے۔ خالد بھائی ندا آپی کا ہاتھ تھامے رفتہ رفتہ اسٹیج کی جانب بڑھ رہے تھے' وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد اچھے لگ رہے تھے اور گھڑی کی سوئیاں مزید تیزی سے گردش کرنے لگیں۔ ہمیں جوتے چھپائی کی رسم بھی کرنی تھی حالانکہ لڑکے والوں نے ہر ممکن کوشش کی بچاؤ کی مگر ہم جوتا چھپانے میں کامیاب ہوگئے اور پھر دودھ پلائی کی رسم ہوئی' یہ سب بے حد خوشگوار ماحول میں ہوا اور پھر رخصتی کا وقت قریب آچکا تھا۔ خالہ کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی' سہرا بندھی کی رسم کے لیے سہرا پکڑایا گیا تو سات سہاگنوں کے سر پر لگانے کے بجائے مبشر بھائی کے سر پر لگایا' سب ہی ہنس پڑے پھر خالہ نے سات سہاگنوں کو سہرا لگا کر آپی کو باندھا تو وہ الٹا بندھ گیا۔ دوبارہ باندھا تو بھاری ہونے کے باعث نیچے ڈھلک گیا' سو فیصلہ کیا گیا سہرا رہنے دیا جائے اور چادر اوڑھا دی جائے۔ آپی کی آنکھوں سے اشک رواں تھے' سب بار بار آ کر سمجھا رہے تھے کہ ندا رونا نہیں اور آپی اور شدت سے رونے لگ جاتیں' سمجھانے والا خود بھی رونے لگ جاتا۔

باری باری ہم سب ہی آپی کو دائیں جانب سے تھام لیتے' آپی کا بایاں ہاتھ خالد بھائی نے تھام رکھا تھا۔ آنٹی (خالہ) پیچھے تھیں اور مسلسل رو رہی تھیں' ہم نے آپی کا شرارہ سنبھال رکھا تھا اور پہلی دفعہ میں نے بڑے ماموں کو آپی کو سینے سے لگا کر رخصت کرتے روتے دیکھا اور پھر مرحلہ وار شمیم ماموں' حلیم ماموں' نسیم ماموں' چھوٹے ماموں اور پاپا نے بھی سینے سے لگا کر رخصت کیا اور ساری ممانیاں' پھوپیاں' چاچی اور

ہم سب کزنز...... گلے لگ کر روتے اور آپی کو رونے سے منع کرتے اور پھر خالہ بہت دیر تک گلے لگا کر روتے ہوئے دعائیں دیتی رہیں' بہت مشکل مرحلہ تھا اور آخر میں خالد کے سینے لگ کر آپی نے کہا۔

''پاپا میری ٹامی کا خیال رکھیے گا۔'' جس پر خالد بھائی ہنس پڑے اور ہم سب مسکرادیئے۔ ٹامی سے آپی کی محبت سے ہم سب بخوبی واقف تھے اور پھر فیصل بھائی نے کہا۔

''فکر نہ کرو میں خیال رکھوں گا ٹامی کا۔'' علیشہ' ماہین اور ابیہہ تو دھاڑیں مار کر روئی تھیں یہاں تک کہ ان تینوں کا نام چھوٹو روتو گینگ پڑ گیا۔ قرآن پاک اور دعاؤں کے حصار میں آپی خالد بھائی کے ہمراہ رخصت ہوچکی تھیں۔

گھر واپس لوٹے تو احساس ہوا کہ صرف آپی ہی نہیں گھر کی رونق بھی گھر سے رخصت ہوچکی تھی۔ ہم سب کی آنکھیں ہی نہیں آواز بھی بھیگی تھی۔

ولیمے کے دن پستی رنگ کی میکسی اور بائٹل گرین رنگ کے دوپٹے میں ملبوس خوش وخرم آپی نے ہم سب کے دلوں میں اطمینان بھر دیا۔ ایک دوسرے کے ساتھ مسرور سے آپی اور خالد بھائی بے حد اچھے لگ رہے تھے۔ آنٹی اداس ضرور تھیں مگر دل سے مطمئن تھیں' ندا آپی کے سسرال والے بے حد محبت کرنے والے اعلیٰ ظرف کے مالک لوگ ثابت ہوئے' دعا ہے کہ آپی یونہی اپنے گھر ہنستی مسکراتی' خوشیاں بکھیرتی رہیں' آمین۔

(رمشہ مقصود)

موسم گل آنے کو ہے

ام ایمان قاضی

"امی آپ فارغ ہیں تو میں اندر آجاؤں؟" حیا نے ان کے کمرے میں جھانک کر کہا۔ راحیلہ چونک کر سیدھی ہوئیں۔ ظہر کی نماز کے بعد معمول کی تسبیح پڑھنے بیٹھی تھیں مگر بدلتے حالات میں اندیشوں کی ایسی ان دیکھی ہوا شامل تھی جس نے انہیں کئی فکرات میں مبتلا کر کے گردوپیش سے بے خبر کردیا تھا اور ایسی صورت حال اب اکثروبیشتر ہی درپیش رہتی تھی ان کو۔

"آجاؤ بیٹا...... اس میں بھلا اجازت کی کیا بات ہے۔" تسبیح کو سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ حیا کی جانب متوجہ ہوگئیں جس کے چہرے پر جب نگاہ پڑتی تفکرات دو چند ہوجاتے۔ کب سوچا تھا ہمیشہ ساتھ نبھانے کی قسمیں کھانے والا زندگی کا مخلص ساتھی یوں لمحوں میں ہاتھ چھڑا کر منوں مٹی اوڑھ کر سوجائے گا اور وہ اس بھری دنیا میں جوان بیٹی کے ہمراہ تنہا رہ جائیں گی۔ کہنے کو بھائی کا نام تھا مگر دنیا دکھاوے کو ہی' وہ اپنی بیوی کی آنکھوں سے دیکھنے اور اسی کے کانوں سے سننے کے عادی تھے اور حیا کے ابو کے مرنے کے بعد جب اپنے نکھٹو آوارہ بیٹے کا رشتہ لے کر آئے تھے اور انہوں نے کوئی خاطر خواہ تسلی نہیں دلوائی تھی تب سے تو وہ منہ دیکھے کی محبت بھی گئی تھی۔ مائیکروبیالوجی میں ایم ایس سی کرنے والی حیا کے لیے اس کے ابو نے بے شمار خواب دیکھے تھے۔ اسے کسی اچھے اور پڑھے لکھے نوجوان سے بیاہنے کے' مگر ان کے مرنے کے ساتھ ہی ان کے تمام خواب بھی مٹی اوڑھ کر سوگئے تھے۔

"امی میں کچھ کہہ رہی ہوں آپ کس سوچ میں گم ہیں۔" حیا کے گھٹنا ہلانے پر وہ اپنے خیالوں سے باہر آئیں۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھی تم؟" گہری سانس بھرتے انہوں نے اس کے چہرے کی جانب نگاہ کی' باپ کے جانے کے بعد وہ گویا مرجھا ہی گئی تھی۔

"کمال ہے میں نے آپ سے کہا کہ میں نے آپ کو بتائے بغیر جاب کے لیے اپلائی کیا تھا اور ابھی فریحہ نے فون کر کے بتایا ہے کہ میرٹ لسٹ میں میرا نام بھی ہے۔ کل انٹرویو ہے تو مجھے جانا ہے۔ اتنی دیر سے میں یہی بتارہی تھی آپ کو اور آپ ہیں کہ مراقبے میں گم ہیں۔"

"تم...... تم جاب کروگی؟ تمہارے ابو کو تمہیں تعلیم یافتہ دیکھنے کا شوق تھا مگر وہ تمہیں جاب کبھی بھی نہیں کرنے دیتے۔"

"اور امی آپ یہ بات مت بھولیں کہ ابو اب اس دنیا میں نہیں رہے۔" کتنی آسانی سے اس نے کہا تھا۔ وہ کتنی دیر اسے دیکھتی رہ گئیں۔ مصائب اور آلام ہی وہ کسوٹی ہیں جس پر صبر' ہمت اور حوصلہ کو پرکھنے کا صحیح موقع ملتا ہے۔ بات بات پر باپ کی انگلی پکڑ کر چلنے والی حیا ایک دم ہی اتنی نڈر ہوگئی تھی' پر اعتماد تو وہ شروع سے ہی تھی مگر کبھی خود سے بڑے بڑے فیصلے کرنے کی ضرورت ہی کب پڑی تھی اسے۔ ابو تھے ناں ہر مسئلہ' ہر مشکل دیکھنے کو۔

"کیسی جاب؟ کیا کہہ رہی ہو حیا تم نے کبھی یونیورسٹی کے علاوہ کسی جگہ کو دیکھا کب ہے...... دنیا کو برتنا کہاں آتا ہے تمہیں؟ چھوڑو یہ سب باتیں۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے تمہاری شادی کرنے کا۔ کامران کے رشتے سے انکار گئے وقتوں کی باتیں ہیں' ویسے بھی ایسی باتیں انسان کسی برتے پر کرتا ہے پہلے تمہارے ابو تھے تو مجھے اچھے کی

چاہ میں یہ رشتہ ٹھکرایا تھا۔ بھائی کل پھر آئے تھے میں نے سوچنے کے لیے رسمی سا وقت مانگا ہے تاکہ تمہیں بتادوں۔"

"آپ میری شادی اس کامران سے کریں گی، جس کے پاس نہ تعلیم ہے نہ کردار نہ مستقبل، نہ گھر، وہ خود آج تک ماموں کا محتاج ہے، مجھے کہاں سے کھلائے گا اور آپ کہاں جائیں گی میری شادی کے بعد؟ آپ نے ابو کی شہہ پر پہلے اس رشتے سے انکار کیا تھا، میں اپنے اللہ اور پھر اپنے زور بازو کے بھروسے آج اس رشتے سے انکار کرتی ہوں شادی ابھی میری ترجیحات میں نہیں...... مجھے صرف اپنا فیوچر ہی سیکیور نہیں کرنا، آپ کو بھی دیکھنا ہے کیونکہ ایسے تو آپ کو چھوڑ کر جاؤں گی نہیں، اس لیے یہ ٹاپک تو کلوز ہی سمجھیں۔ اس دفعہ مامی رشتے کی بابت دریافت کرنے آئیں تو میری بات کرایئے گا ان سے، آپ بیٹھیں میں چائے لے آؤں پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" پھر رات تک امی قائل ہوئیں یا نہیں اس نے بہر حال دوٹوک الفاظ میں ولائل دے کر ان کو کہہ دیا تھا کہ ابو ہوتے تو وہ جاب کا نام بھی نہ لیتی مگر فی الوقت نوکری کرنا اس کا شوق نہیں مجبوری ہے اور اس نے فریحہ کے ساتھ مل کر ایجوکیشن کی طرف سے نکلنے والی آسامیوں پر اپلائی کیا تھا اور اب جب جواب بھی مثبت آیا تھا تو اسے ہر صورت ہی جاب کرنی تھی کیونکہ فی زمانہ ایک ابو کی پینشن ان دونوں کی ضروریات کے لیے ناکافی تھی اگلے دن وہ اور فریحہ دونوں ہی آفس آ گئی تھیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی لڑکیاں تھیں، سب کو فارمز اور متعلقہ اسکولز کی لسٹ دے دی گئی کہ اپنی چوائس کے اسکولز لکھ دیں۔

"فری، یہ ایسے ایسے عجیب سے ناموں والے علاقے کیا ہمارے ملک میں ہیں؟" اس نے پوری لسٹ پڑھ کر پاس بیٹھی اطمینان سے اپنا فارم فل کرتی فریحہ کو ٹہوکا دیا۔

"نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ ہمارے ڈسٹرکٹ میں بھی۔" وہ مسکرا کر بولی اور دوبارہ سے اپنے فارم پر جھک گئی۔

"لیکن مجھے پتہ ہی نہیں کہ کون سی جگہ کہاں ہے تو میں کیسے اپنی چوائس لکھوں۔" وہ جھنجلائی۔

"سمپل۔" فری مسکرائی۔ "آنکھیں بند کرکے انگلی رکھو جو نام پہلے آئے وہ پہلے نمبر پر لکھ دو جیسے میں نے لکھا۔" حیا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "ہاں ناں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، جوائن کریں گے دیکھیں گے، نہ پسند آئی جاب اور جگہ تو چھوڑ دیں گے۔" فریحہ نے اسے ایسے خود کو دیکھتے پایا تو بے پروائی سے مزید نام لکھنے لگی۔

"جب ہم نے اپلائی کیا تھا فری تب تک میرا بھی صرف شوق ہی تھا مگر اب میں چاہتے ہوئے بھی تمہارے جیسی سوچ نہیں رکھ سکتی، یہ جاب میرے سروائیو کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ امی بھی صرف اسی شرط پر مانی ہیں جب ان کو پتہ چلا ہے کہ اسکول میں ٹیچر کی جاب ہے۔ وہ تو ابو کے بعد بہت کم ہمت ہوگئی ہیں۔ حالات مزید ایسے رہے تو انہوں نے کسی ایرے غیرے سے پکڑ کر مجھے بیاہ دینا ہے۔" اب وہ اندازے سے ہی کچھ اپنے فارم پر اسکولز کے نام لکھ رہی تھی کیونکہ تقریباً سب لڑکیوں نے منٹوں میں ہی فارم جمع کرا دیئے تھے۔ اب سب خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ تھوڑی دیر ہی میں انٹرویو ہونا تھا ان کا۔ انٹرویو سے فارغ ہوتے ہوتے بھی ان کو چار تو بج ہی گئے تھے۔ حیا کو تو کچھ خاص بھوک نہیں تھی مگر فریحہ اسے زبردستی نزدیکی ریسٹورنٹ لے آئی اور چیز سینڈوچز کا آرڈر دیا جو ان دونوں کا پسندیدہ تھا۔

"پاپا تو میری جاب کے حق میں ہی نہیں ہیں نہ ہی ماما...... وہ تو رمیز سے سفارش کروائی ہے۔ (رمیز اس کے منگیتر کا نام تھا جس کے ساتھ کچھ ماہ میں اس کی شادی متوقع تھی) پاپا کہتے ہیں چلو کچھ دن اپنا شوق پورا کرلو مگر ایک شرط کے ساتھ کہ ڈرائیور کے ساتھ جاؤں گی اکیلی ہرگز نہیں پھر شادی کی ڈیٹ فکس ہوتے ہی چھوڑ چھاڑ دوں گی کہ رمیز کہتا ہے مجھے ساتھ دبئی لے جائے گا۔" فریحہ کی زبان مسلسل حرکت میں تھی۔ حیا جبراً مسکرا دی کہ ابو کے بعد عجیب ہی لگتا تھا کاروبار زندگی میں حصہ لینا،

مسکرانا، کبھی وہ بھی ایسی ہی بے فکری کے عالم میں ہوتی
تھی ایسی ہی لاپروا اپنی ہی زندگی میں مگن، زندگی کو پھولوں
کی سیج سمجھ کر جینے والی، غم، دکھ یا پریشانی کیا ہوتی ہیں ان
الفاظ کو سنا اور پڑھا تو بہت بار تھا مگر برتنا بھی پڑے گا کبھی
سوچا نہ تھا۔ والدین اولاد کے لیے ایسی چھت ہوتے ہیں
جو محبت، اعتماد، اعتبار تو دیتی ہی ہے زندگی کی ضروریات بھی
اس طور پورا کرتی ہے کہ اولاد کو کچھ سوچنا ہی نہیں پڑتا کہ
کیسے ہر چیز وقت پر مل جاتی ہے۔ اس نے بے ساختہ
فریحہ کے لاپروا چہرے کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں اس
چھت کے قائم رہنے کی دعا کی۔

"چلو فری...... مجھے ذرا بھی دیر ہوجائے تو امی
پریشان ہوجاتی ہیں۔" فریحہ کا پروگرام لمبا ہوتے دیکھ کر
اس نے اسے جلدی اٹھنے پر مجبور کیا جو ابھی کولڈ ڈرنکس
آرڈر کرنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ مغرب ہونے میں
ابھی کچھ دیر تھی جب فریحہ نے اسے گھر ڈراپ کیا۔

"پھپا جی گزر گئے مگر ابھی اور لوگ تو زندہ ہیں ناں
حیا۔" وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی جب گیٹ کے پاس
سے کامران کی آواز سن کر بری طرح اچھلی۔

"کیا مطلب؟" تیکھے چتون سے اسے گھورتی ہوئی
وہ وہیں رک گئی۔ بے حد تھکے ہوئے ذہن کو اس وقت
صرف آرام اور ایک کپ چائے کی طلب تھی مگر ماموں
کے اس سپوت کا اس وقت یہاں موجود ہونے کا مطلب
تھا کہ اس کی والدہ محترمہ بھی اندر امی کے ساتھ موجود ہیں
اور جس مقصد کے لیے آج کل یہ پھیرے لگ رہے تھے
اس کے متعلق تو وہ سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"مطلب یہ ڈیئر کزن کہ تمہیں بے جا آزادی
دینے والا تمہارا باپ اب نہیں رہا۔ ابو رہے بزرگ
آدمی تو اب تو میں ہی سربراہ ہوں اس گھر کا اور
عنقریب تمہارا بھی سربراہ بن جاؤں گا تو مجھے یوں
لڑکیوں کا لور لور پھرنا ہرگز پسند نہیں۔" دل جلانے والی
مسکراہٹ حیا کو آگ ہی تو لگا گئی۔

"میرے سربراہ بننے کے خواب تم جتنی بھی جلدی دیکھنے
چھوڑ دو گے اتنا ہی تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔ کیونکہ میرا
کل بھی تمہارے بارے میں جواب ناں تھا آج بھی ناں
ہے اور یقیناً کل بھی یہی ہوگا باقی رہ گئے گھر کے سربراہ تو
میرے ابو کو اللہ نے اپنے پاس بلایا ہے مگر میری امی اللہ
کے کرم سے حیات ہیں اور اللہ انہیں ہمیشہ میرے سر پر
سلامت رکھے، آمین۔" تیز الفاظ چبا چبا کر بولتے بھی
اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ جان سے پیارے ابو جنہوں نے
اسے دنیا کے ہر سرد و گرم اور مصائب سے بچا کر رکھا تھا ان
کا ذکر بھی وہ عقیدت سے کرنا پسند کرتی تھی ان کے لیے
اس شخص کے لہجے میں بے حد تحقیر تھی وجہ ابو کا بار بار اس
رشتے کے لیے انکار کرنا تھا، جس پر وہ اور مامی ابو سے بے
حد خار کھاتے تھے مگر انہوں نے کبھی پروا بھی نہیں کی تھی۔

"میرے لیے آپ کے بیٹے سے بڑھ کر کوئی نہ ہوتا
بھائی صاحب اگر جو کسی ایک چیز میں ہی اس کا قبلہ
درست ہوتا۔ میٹرک میں ہی تعلیم چھوڑ کر بھاگ گیا اور
محلے کے ہر بندے کو اس سے شکایت ہے، تعلیم نہ سہی کوئی
ہنر ہی انسان زندگی گزارنے کے لیے اپنا لیتا ہے اپنے
شاہانہ خرچوں کے لیے ابھی تک آپ کا دست نگر ہے۔ گھر
آپ کا کرایہ کا ہے، میں اس کو بیٹی دینے کا ارادہ بھی کروں تو
کس برتے پر، صرف یہ کہ یہ میری بیوی کے بھائی کا بیٹا
ہے، میں فخر نہیں کررہا بھائی صاحب، مگر میری بیٹی نے اعلیٰ
تعلیم اپنی قابلیت کے بل بوتے پر حاصل کی سوائے
ضروری خرچوں کے مجھے کبھی اس کے اخراجات نہیں اٹھانا
پڑے کہ وہ ہمیشہ اسکالر شپ لیتی رہی ہے اللہ کی قسم میں
دولت کو اہمیت نہیں دیتا مگر اپنی بیٹی کے لیے بر دیکھتے
ہوئے میری پہلی ترجیح شرافت ہوگی اور پھر تعلیم...... وہ
شخص میری بیٹی کے ہم پلہ نہ سہی اس سے کم تر نہ ہو اور
عزت سے دو وقت کی روٹی کھلا سکے اور مجھے تو شرمندگی
سے یہ آپ کو یاد کروانا پڑ رہا ہے کہ ابھی پچھلے مہینے ہی
دوستوں کے ساتھ آپ کا بیٹا حوالات میں بھی چند دن
گزار کر آیا ہے۔" ابھی سات ماہ پہلے ہی تو ماموں اور مامی
اپنے نکمے بیٹے کا رشتہ لے کر آئے تھے ابو کے الفاظ دوبارہ

سے اس کے کانوں میں ویسے ہی گونجے جیسے یہ ابھی کل کی بات ہو۔ وہ غصے سے بھری ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ مامی کو دیکھ کر پارہ تو بے حد چڑھا مگر امی کا خاموش اشارہ بے ساختہ زبان بندی کرا گیا۔

''اے حیا...... اب تو تعلیم کا بہانہ بھی ختم ہوا تمہارا۔ پھر بھی گھر آنے کا وقت دیکھا ہے تم نے، سر پر باپ نہیں رہا تمہارے ایسی بچیوں کو تو خاص احتیاط کرنی چاہیے اس سے پہلے کہ زمانہ انگلی اٹھائے خود ہی خیال کرو۔'' سلام کے جواب میں مامی کے بھی کم وبیش وہی الفاظ تھے جو باہران کے فرزند نے اس کے گوش گزار کر کے اس کا دل جلایا تھا۔

''میں ضروری کام سے باہر گئی تھی آوارہ گردی کرنے نہیں کہ زمانہ انگلیاں اٹھانے کھڑا ہو جائے گا۔ ویسے بھی انسان کو بغیر دیکھے بھالے اور سوچے سمجھے تہمت لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر اس سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔'' کامران کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے آدھا فقرہ مامی اور آدھا فقرہ ان کے سپوت کو دیکھ کر ادا کیا۔ ''امی میں تھک گئی ہوں اپنے کمرے میں ہوں۔'' بے تاثر انداز میں امی کو اطلاع دیتی وہ اس سے پہلو بچا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''دیکھ رہی ہو راحیلہ بیٹی کی زبان کے جوہر ارے اتنا گھمنڈ بھی اچھا نہیں ہے اپنی ذات پر لڑکی ذات ہے نکیل ڈال کر رکھو تو بہتر ہے سسرال میں ایسی زبان درازی پر ماں کی تربیت پر ہی حرف آتا ہے۔'' مامی اب امی سے مخاطب تھیں۔

''بھابی وہ واقعی کسی ضروری کام سے ہی گئی تھی اپنی دوست کے ساتھ۔ دیکھی بھالی بچی ہے فریحہ۔ دونوں ساتھ پڑھتی تھیں اور حیا ہمیشہ اپنے ابو کے ساتھ کہیں باہر جاتی تھی یا کبھی کبھار فریحہ کے ساتھ پہلے تو کبھی دیر نہیں ہوئی آج بھی کوئی وجہ ہوگی اس کے علاوہ میں سمجھا دوں گی آپ سنائیں بھائی جان کیوں نہیں آئے ساتھ اور شبینہ کو بھی لے آتیں۔'' امی نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں بیٹی کا دفاع کرتے ہوئے بھائی اور بھتیجی کی بابت دریافت کیا۔

''ہاں تو کس منہ سے آتے وہ اس گھر جہاں ایک بار نہیں کئی بار ٹھکرائے گئے ہوں وہ تو میں ہی بار بار بے عزتی کرانے آجاتی ہوں۔''

''بھابی آپ کی محبت کا شکریہ جو آپ تشریف لے آتی ہیں لیکن آپ خود بیٹی والی ہیں خود سوچیں کہ جوان اولاد پر زور زبردستی نہیں کی جاسکتی پھر کامران اپنا طرز زندگی تبدیل کر لیتا تو بھی میں گنجائش نکال لیتی اب کیسے......'' وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

''کیسا طرز زندگی پھوپو چور ہوں ڈاکے مارتا ہوں کیا کرتا ہوں؟ ارے جتنا بھی کماتا ہوں دو وقت کی روٹی کھلا سکتا ہوں آپ کی بیٹی کو۔ بھوکے نہیں مر رہے ہم۔'' وہ ایک دم بول اٹھا اور لہجہ بھی اچھا خاصا بدتمیزی اور گستاخی لیے ہوئے تھا۔

''تمیز سے بات کرو کامران میں اگرچہ گھر سے باہر نہیں نکلتی مگر تم لوگوں سے ہرگز اتنی دور نہیں ہوں کہ تمہارے کارناموں کی خبریں مجھ تک نہ پہنچتی ہوں۔'' وہ بھتیجے کو ملامت کرتی بولیں۔

''اٹھو اماں اب یہ لوگ سیدھے رستے سے نہیں مان رہے تو پھر میں دیکھتا ہوں کہ کون مائی کا لعل حیا کو یہاں بیاہنے آتا ہے۔ پھوپو میں تو اب تک پھپا کی ڈھیل سمجھتا رہا ہوں مگر بیٹی کو سر چڑھانے میں آپ بھی کم نہیں ہیں۔ اچھا ہوگا اپنی زبان میں اپنی بیٹی کو سمجھا دیں ورنہ پھر مجھ سے گلہ نہ رکھنا اور پھر میری شہرت سے تو واقف ہو گئی ہیں۔''

''تمہاری شہرت سے واقف ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ جن کا کوئی نہیں ہوتا ان کا اللہ ہوتا ہے۔'' انہوں نے آہستہ سے کہا تو وہ دونوں ماں بیٹا تن فن کرتے وہاں سے چلے گئے۔ حیا ان کے جانے کے بعد فوراً کمرے میں آئی تھی۔

''دیکھا امی آپ نے ان کا رویہ ان لوگوں کا مستقل حصہ بنانا چاہتی ہیں مجھے جو کہنے کو تو اپنے ہیں مگر دشمنوں

سے بھی بدتر۔ ابو کے بعد ایک بار کسی نے آ کر پوچھا کہ زندہ ہو یا مر گئے...... ضروریات زندگی کیسے اور کس طرح پوری ہوتی ہیں، کوئی ضرورت تو نہیں، کوئی مسئلہ تو نہیں؟ اور جتنی بار بھی آئے اپنے مقصد کے لیے۔''

''تمہاری بات ٹھیک ہے حیا...... لیکن یہ حقیقت ہے کہ تمہارے ابو اب نہیں رہے، ہم دونوں اکیلی عورتیں، کیا کریں گی آخر؟ میں نے آج ساتھ والی بوا کو تمہارے رشتے کی بات چلانے کو کہا ہے، ایسے حالات میں جلد ہی تمہیں اپنے گھر کا کرنا چاہتی ہوں، کامران ہے تو میرا بھتیجا مگر اس کی باتیں اور عزائم نہیں سنے تم نے۔'' وہ بے حد فکر مند تھیں۔ حیا حسب معمول چڑ گئی۔

''امی آپ کے نزدیک ہر مسئلے کا حل میری شادی کیوں نکلتا ہے؟ دیکھ لوں گی میں سب، مگر آپ اللہ کے لیے اس طرح ہاتھ پیر چھوڑ کر مت بیٹھیں، زندگی میں اس سے بھی بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، ہمیں، آپ ایسے کریں گی تو پہلے قدم پر ہی تھک جائیں گے ہم۔ میری ہمت بنیں آپ بس۔ آج انٹرویو ہو گیا میرا ان شاء اللہ پرسوں آرڈر مل جائیں گے۔ پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔'' امی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ دنوں میں ہی وہ سمجھداری کی باتیں کرنے لگی تھی اور بہادر بھی ہو گئی تھی۔

''کھانا کیا پکایا ہے۔ پہلے آفس میں اور پھر ان فضول لوگوں نے کتنا ٹائم ویسٹ کر دیا، چلیں فریش ہو جائیں میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔ آپ نے بھی کب کھایا ہوگا کچھ اور میرا بس چلے تو ایسے لوگوں کو گھر میں نہ گھسنے دوں۔'' اس نے ٹیبل پر رکھیں کھانے پینے کے لوازمات کی باقیات سمیٹتے ناراضی سے کہا۔

''چھوڑو...... گھر آئے مہمان کی خاطر کرنا تو ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہے پھر یاد نہیں تمہارے ابو کتنے مہمان نواز ہوا کرتے تھے۔ تم ٹیبل صاف کرو میں کھانا گرم کر کے لے آتی ہوں۔'' امی اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھیں۔

⊙ ⊙ ⊙

''چاہ پیراں والی...... یہ...... یہ کہاں ہے؟'' آج اس کو آرڈرز ملے تھے۔ اس نے آفس میں ٹائپ کرتے ایک شخص کو آرڈر پر لکھا نام دکھا کر پوچھا۔

''بیٹھیں بی بی...... ابھی دیکھ کے بتاتا ہوں۔'' اس شخص نے اسے کرسی پر بیٹھنے کو کہا اور چند لمحوں میں اسے اسکول کا ڈیٹا سمجھا دیا علاقہ اور لوکیشن سمیت ہر چیز۔

''اسی ڈسٹرکٹ میں ہی ہے بی بی، دریا پار جاؤ تو سوا گھنٹہ لگتا ہے کشتی پر اور اگر بائے روڈ لوکل کنوینس پر سفر کریں تو چار سے پانچ گھنٹے اور اپنی گاڑی ہو تو پھر ساڑھے تین گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ نئے اسکول کا اجرا ہوا ہے تو ابھی سنگل ٹیچر ہوں گی آپ وہاں......''

''مم...... مگر میں اتنی دور کیسے جاؤں گی اور روزانہ کیسے اتنا ٹریول کر سکتی ہوں؟'' اس کی پریشانی دیکھ کر وہ شخص مسکرایا۔

''دیکھیں بی بی یہ تو آپ کا اپنا مسئلہ ہے اب کے جتنی بھی سیٹیں نکلی ہیں، دور دراز کے علاقوں میں ہی ہیں، اس کا بہترین حل تو یہی ہے کہ علی الصبح نکلیں تو ہی اسکول ٹائم پر پہنچ سکیں گے اور واپسی بھی مغرب تک ہو ہی جایا کرے گی۔ ہاں وہیں نزدیک کوئی ہاسٹل دیکھ کر رہائش اختیار کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' اس شخص نے حلیے، شکل وصورت اور انداز سے کسی اچھے گھرانے کی پُراعتماد اور خوب صورت لڑکی کو ہمدردی سے دیکھتے مشورہ دیا۔

''آپ آج جوائننگ دے دیں کل سے آپ لوگوں کی ایک ماہ کی ٹریننگ اسٹارٹ ہے، اسی دوران میڈیکل کروا لیں اپنا۔'' اب وہ شخص اس فیلڈ کے تقاضے دہرا رہا تھا۔

وہ آدھی ادھوری بات سنتی جوائننگ دے کر فریحہ کو ڈھونڈتی ہوئی آئی باہر وہ اسے چند لڑکیوں کے ساتھ مل گئی تھی۔

''حیا تمہارے کہاں آرڈرز ہوئے؟ میرے تو سٹی سے بیس پچیس کلومیٹر دور ایک مڈل اسکول میں ہوئے ہیں۔ کل سے ٹریننگ شروع ہے۔ مزہ آئے گا اسٹوڈنٹ

لائف سے اب ہم پریکٹیکل لائف میں قدم رکھنے جارہے ہیں۔ ہاؤ مچ امیزنگ۔'' وہ خوشی سے بولی پھر اس کے ستے ہوئے چہرے کی جانب نگاہ کی۔ ''تمہیں کیا ہوا' ٹھیک تو ہو اور کہاں ہوئے ہیں تمہارے آرڈرز؟''

''چاہ پیراں والی۔''

''آؤ پوچھیں کسی سے کہ کہاں ہے یہ اسکول۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''میں پتہ کرآئی ہوں فری' بہت دور ہے۔'' وہ آہستہ سے تفصیل بتاتی ہوئی بولی۔

''او مائی گاڈ۔'' فریحہ چیخی۔ ''تم فوراً یہ آرڈرز واپس کردو' کوئی آفت نہیں آئی ہوئی ہم پر' اگر جاب کا ہی اتنا شوق چڑھا ہے تو میں نے پہلے بھی کہا ہے تمہیں پاپا سے کہہ کر کسی آفس میں جاب دلا دوں گی۔''

''آفس میں ہی تو نہیں مانتی امی' صرف اسکول ٹیچر کا ہی سن کر بڑی مشکل سے مانی ہیں۔ تم بس ایک کام کرو فری' کسی دن میرے ساتھ چلو' ہم وہ اسکول اور جگہ علاقے دیکھ لیں' کامران کی دھمکی کے بعد امی ہر وقت ایک خوف کی حالت میں رہتی ہیں۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی جبکہ فریحہ بھی پرسوچ انداز میں سر ہلا رہی تھی۔ ان کی ٹریننگ اسٹارٹ ہوچکی تھی۔ نئی فیلڈ' نیا عزم' وہ سب بہت پرجوش تھیں پھر ٹریننگ کے دوران ہی امی نے جس رشتہ والی کے ذمہ لگایا تھا وہ ایک رشتہ بھی لے کر آگئی۔ لڑکا کسی نجی کمپنی میں درمیانی درجہ کا ملازم تھا' معقول اور شریف لوگ تھے حیا خوب چیخی چلائی' مگر اس بار امی نے اس کی ایک نہ سنی اور اسی خالہ کے ساتھ جا کر لڑکا اور گھر بار بھی دیکھ آئیں' ان لوگوں کو حیا کی جاب پر کوئی اعتراض نہیں تھا' تاہم امی نے ابھی پوری طرح ہاں نہیں کی تھی ان کو۔

''مجھے صرف دو تین سال دے دیں امی پلیز...... میری پیاری امی' میں ابھی اس قسم کے حالات کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ پھر آپ اکیلی کیسے رہیں گی' یہ سوچ سوچ کر میں کہاں سروائیو کرسکوں گی۔'' وہ امی کو حتمی موڈ میں دیکھ کر ان کے ہاتھ پکڑ کر ملتجی لہجے میں بولی۔ ویسے بھی وہ اور فریحہ ایک دن فریحہ کے ڈرائیور کے ساتھ جا کر وہ گاؤں دیکھ آئی تھیں۔ اسکول کی عمارت نئی بنی ہوئی تھی' فریحہ اپنے پاپا سے چوری چھپے اسے لے آئی تھی سو زیادہ دیر رکی نہیں تھیں وہ' چھوٹا سا گاؤں اس لحاظ سے تو حیا کو پسند آیا تھا کہ کامران ڈھونڈتا مر کیوں نہ جائے اسے نہیں ڈھونڈ سکے گا۔ ایک دو لوگوں سے بات بھی ہوئی ان کی مگر ایک گرم جوشی جس کی وہ توقع کررہی تھیں کہ شہر سے دور دراز علاقے میں حکومت نے اسکول کا اجرا کیا تھا' اس حوالے سے تو لوگوں کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ اب ان کے بچوں تک بھی علم کی رسائی ممکن تھی تاہم حیا مطمئن تھی کہ جب پہلے تعلیم کا کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا تو کیسا شعور' کیسا جوش' جب وہ آجائے گی تو لوگوں کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرے گی' پھر یقیناً وہ اس کا خیر مقدم کریں گے' شام سے پہلے پہلے وہ دونوں لوٹ آئی تھیں' تین دن بعد اس کی حاضری متوقع تھی اسکول میں جب امی نے رشتہ والوں کو ہاں کہہ دی تھی اس کی ناراضی کی پروا کیے بغیر' یہ کہہ کر انہیں چار چھ ماہ کا ٹائم دیں تاکہ وہ کچھ تیاری وغیرہ کرسکیں۔ تاہم حیا کا موڈ بہت خراب رہا' وہ ان لوگوں کے آنے پر بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اس کی ہونے والی نند خود ہی اس کے پاس آئی تھیں' پیار کرکے انگوٹھی اس کی انگلی میں ڈال کے کچھ روپے اس کے ہاتھ پر رکھے۔ حیا نے نظر اٹھا کر شاکی انداز میں امی کو دیکھا' وہ نظریں چرا گئیں۔ ان کے خیال میں حیا ابھی بچی تھی وہ ان نزاکتوں اور گزرتے وقت کی تبدیلیوں کو نہیں سمجھ پارہی تھی' جن کے اندیشے ان کا دل ہولائے دے رہی تھیں' جب شادی ہوجائے گی تو وہ سمجھ جائے گی' مگر یہ ان کی خام خیالی تھی دو دن بعد ہی کامران کی آمد امی کو ڈرا گئی مگر وہ دل کو مضبوط کیے بیٹھی رہیں۔

''کیسے ہو کامران...... کیسے آنا ہوا؟'' وہ بظاہر پرسکون انداز میں بولی تھیں۔ شکر ہے حیا گھر پر نہیں تھی ورنہ یقیناً اسی کا خطرہ تھا۔

''پھوپو اتنی بھولی نہ بنو اور نہ ہی مجھے اتنا بے خبر سمجھو میں نے کہا تھا کہ حیا صرف میری امانت ہے پھر بھی ادھر ادھر رشتے دیکھتی پھر رہی ہو‘ بس میں اپنی دی گئی مہلت آج ختم کرتا ہوں‘ کل شام میں آؤں گا گواہوں اور مولوی صاحب کو لے کر نکاح کے لیے‘ اپنی بیٹی کو بھی تیار کر دینا اور سمجھا دینا میں عورتوں کی منہ زور فطرت کے ویسے ہی خلاف ہوں۔ سو اپنی بیٹی کو اپنی زبان میں سمجھا دیں گی تو زیادہ بہتر ہے۔'' وہ ان کی اگر مگر بیٹا‘ بات سنو‘ کو نظر انداز کرتا اپنی سنا کر چلتا بنا اور ان کے لیے بے شمار فکرات چھوڑ گیا۔

●......●......●

سلطان شاہ کے ماتھے پر گہرے بل اس کے غصے کا پتہ دے رہے تھے۔

''گاؤں والوں کی اتنی جرأت کب سے ہوگئی کہ ہمارے حکم کے بغیر وہ اتنے بڑے بڑے فیصلے کرنے لگیں۔''

''سردار گاؤں والوں نے انہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کیا بس وہ شہری کڑیاں خود ہی پکڑ پکڑ کر ایک ایک سے اسکول کا پتہ پوچھتی رہیں اور ہاشم کہہ رہا تھا کہ سردار زمان شاہ بھی ملے ہیں ان سے۔'' کمدار کی بات سن کر سلطان خان چونکا۔

''ہوں...... بلاؤ زمان خان کو۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ چند لمحوں میں اسی سے ملتے جلتے نقوش رکھنے والا نوجوان اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ دونوں میں بے حد مشابہت ہونے کے باوجود بہت فرق تھا۔ سلطان شاہ کے چہرے پر خشونت اور سختی نے عجیب سی کرختگی دے رکھی تھی جبکہ زمان شاہ کا چہرہ سنجیدگی کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ معصومیت اور خوف لیے ہوئے تھا۔

''یہ شہری لڑکیاں کل ہمارے بارے میں معلومات لیتی پھر رہی تھیں تم سے...... تم نے ان سے بات چیت کی اور ہمیں بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ زمان شاہ کے جسم میں پھریری دوڑ گئی۔

''نن...... نہیں ادا...... وہ آپ کے بارے میں معلومات ہرگز نہیں لے رہی تھیں بلکہ ان میں سے ایک کی اسکول ٹیچر کی جاب ہوئی ہے ہمارے گاؤں کے اسکول میں...... اسکول کا پتہ پوچھا تھا۔ میں نے بتا دیا بس۔'' زمان شاہ کے سامنے پھر وہی منظر دوڑ گیا جب وہ حویلی کی جانب لوٹ رہا تھا تو دو لڑکیاں اسے ملیں جو اپنی وضع قطع سے ہرگز بھی اس علاقے یا نزدیکی علاقے کی نہیں لگ رہی تھیں۔ انہوں نے اشارے سے اسے روکا تھا پھر چٹ پر لکھا ایڈریس دکھا کر پوچھا تو زمان شاہ نے اپنے مخصوص سادہ انداز میں حویلی سے تھوڑی ہی دور بنے پرائمری اسکول کے بارے میں بتا دیا۔ ان میں سے ایک لڑکی نے خود ہی بتایا کہ اس کی یہاں اس اسکول میں جاب ہوئی ہے اس لیے وہ جگہ اور اسکول دیکھنے آئی ہے‘ زمان شاہ کیا کہتا‘ بس ان دونوں کے مڑتے ہی حویلی کی جانب چل دیا حالانکہ اس نے دونوں کے انداز سے ہی یہ بات محسوس کی تھی کہ وہ چاہتی تھیں وہ خود ان کے ساتھ چلتا‘ مگر وہ دونوں شاید زمان شاہ کی حقیقت نہیں جانتی تھیں تبھی گاؤں کے باقی لوگوں کی طرح اس کے رویے کو بھی عجیب خیال کرتیں۔ خود ہی اس جانب چل دیں۔

''کمدار۔'' سلطان شاہ کی زوردار آواز زمان شاہ کو اپنے خیالات سے باہر لے آئی۔ ''ایسا کرو اسکول کی عمارت میں جانور باندھ دو‘ باقی ہر چیز اور کام کے آثار بھی مٹا دو اور سامان بھی کسی اور جگہ منتقل کرو‘ آگے میں دیکھتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔'' کمدار سے فارغ ہونے کے بعد سلطان شاہ زمان شاہ کی طرف مڑا اس کے تاثرات سے ہی زمان شاہ کو خوف سے کپکپی چڑھ گئی۔ ''میری حکم عدولی کرنے والے کے بارے میں جانتے ہو ناں زمان شاہ میں کیا حشر کرتا ہوں۔''

''جج...... جی ادا۔'' وہ گھگھیا کر بولا۔

''ہوں‘ ہوں...... ابھی تمہیں صرف اپنا غصہ اور طاقت دکھائی ہے‘ کوشش کیا کرو کہ ایسی نوبت کبھی نہ آئے جب ویسے ہی حربے مجھے تم پر بھی آزمانے پڑیں۔''

رعونت اور تکبر سلطان شاہ کے لہجے اور انداز میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

''جج...... جی ادا سائیں......''

''ہوں' بہتر ہے جاؤ کھاؤ پیؤ مونچھیں اڑاؤ' مگر میرے کام میں کبھی دخل اندازی کی کوشش مت کرنا۔'' زمان شاہ وہاں سے بگٹٹ بھاگا تھا۔ زمان شاہ' سلطان شاہ کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کا قصور اتنا تھا کہ ان والد کے شہر میں کسی گانے والی کی محبت میں گرفتار ہو کر اسی محبت کی نشانی تین سال بعد گھر لے آئے تھے تو گھر میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شاہانہ بیگم سے کی گئی محبت تو کہیں خواب ہوئی مگر اس جیتی جاگتی نشانی کو اس آوارہ عورت کے ہرگز حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے جس کی راتیں کہیں اور...... اور دن کہیں اور بسر ہوتے تھے۔ محبت کی اندھی پٹی آنکھوں سے اتری تو کئی سودوزیاں سامنے آئے۔ حویلی میں زمان شاہ کو کبھی بھی اپنے باپ کی اولاد نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کی ماں کا حوالہ تمام عمر اس کے ساتھ رہا تھا۔ سلطان شاہ' زمان شاہ سے سات برس بڑا تھا اور اس کی ماں نے یہ بات اسے گھول کر پلادی تھی کہ ہمیشہ اس کو دبا کر رکھنا ورنہ کل کو یہی کمین لڑکا اس کی جائیداد کا بٹوارہ کرنے کھڑا ہو جائے گا' جب تک بڑے شاہ زندہ رہے تب تک زمان کی زندگی میں ان کی موجودگی میں کم از کم کچھ سکون رہتا تھا میٹرک تک بڑے شاہ صاحب نے اسے گھر میں اس کی اہمیت جان کر ہاسٹل میں رکھا تھا' مگر پھر سوتیلی ماں اور پھر سلطان شاہ کے اس کے سامنے اور اس پر کیے جانے والے مظالم کے نقوش بہت گہرے تھے جنہوں نے اس کی شخصیت کے کسی پہلو کو کبھی بھی اجاگر نہیں ہونے دیا۔ بڑے شاہ صاحب گو کہ اپنی زندگی میں ہی جائیداد اور زمینوں کا بٹوارہ آدھا آدھا کر کے گئے تھے مگر سلطان شاہ نے زمان شاہ کو اعصابی طور پر اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ اپنے حصے کی جائیداد تو کیا اگر بھوکا بھی رہ جاتا تو خود سے کھانا بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ اپنی طاقت کے مظاہروں کا شعور راسخ کرنے کے لیے سلطان شاہ اس کے سامنے معمولی سی غلطی پر بھی ملازمین کی کھال ادھیڑ کر رکھ دیتا' ایک بگڑے اور عیاش رئیس کی ہر خصوصیت سلطان شاہ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اپنے علاقے کے لوگوں میں تعلیم کے شعور کے وہ ویسے ہی خلاف تھے خواہ بڑے شاہ صاحب ہی کیوں نہ ہو' وہ خود کتنا ہی پڑھ لکھ گئے تھے مگر اپنے ہاریوں کو غلامی کی زنجیر میں جکڑا دیکھنا چاہتے تھے۔ خود سلطان شاہ یونیورسٹی کا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا مگر صرف نام کا' پھر زمان شاہ بھی ابھی حال ہی میں تعلیم مکمل کر کے آیا تھا مگر خود اعتمادی سے عاری ایک کمزور نوجوان جس کی زندگی کی ڈور سلطان شاہ کے ہاتھ میں تھی۔ اسکول کی عمارت اگرچہ قریب ہی تھی مگر اس کی زمین سلطان شاہ کے چچا زاد بھائیوں نے دی تھی اور وہ متنازعہ زمین تھی ان دو خاندانوں کے بیچ میں' مگر طاقت اور رسوخ میں کیونکہ سلطان شاہ کا پلڑہ بھاری تھا سو اسی کے زیر تسلط تھی۔ اپنے قبضے کو ظاہر کرنے کے لیے اس نے وہاں گھوڑوں کا اصطبل بنا رکھا تھا' ساتھ ہی کئی اور ناجائز کام بھی وہاں ہوتے تھے۔ اگر نہیں تھا تو وہاں تدریس کا عمل جس کے لیے یہ اسکول قائم تھا کہ لوگوں میں اس شعور کو کبھی پنپنے بھی نہیں دیا گیا تھا کہ تعلیم بھی زندگی کا اہم حصہ ہے۔

◉......◉......◉

''حیا...... اتنے بڑے قدم مت اٹھاؤ کہ واپسی کا راستہ نہ رہے۔'' امی نے اپنے بندھے ہوئے سامان پر ایک نظر ڈالی اور کسی قدر خوف کے عالم میں کہا۔ حیا نے کامران کی آمد اور دھمکی سنتے ہی خود بھی اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا تھا اور امی کو بھی ساتھ لگا لیا تھا۔

''آپ ڈریں مت امی' اللہ پر بھروسہ رکھیں' فری کے پاپا سے میری بات ہوگئی ہے۔ گھر کی چابی ہم ان کو دے کر جائیں گے۔ وہ خود ہی اس کی فروخت کا مسئلہ حل کر کے رقم میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرا دیں گے کیونکہ ہم واپس بھی آجائیں تو رہنا تو یہاں ہمیں پھر بھی نہیں...... کل علی الصبح فری کا ڈرائیور ہمیں پک کرے گا۔ کئی بار بتا چکی ہوں پھر بھی آپ ایسی ویسی کوئی بات بول کر میرا حوصلہ ختم

کر دیتی ہیں جب ہمارا اس دنیا میں اللہ کے سوا کوئی ہے ہی نہیں تو صرف اسی کے بھروسے پر کیوں نہ بہادری سے زندگی سے اپنا حصہ وصول کریں۔'' اس نے تین بڑے بیگ کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگا کر رکھے اور خواب دراز یں کھول کھول کر ضروری سامان ہینڈ کیری میں منتقل کر رہی تھی۔ ''ویسے کاش میں وہ منظر دیکھ سکتی جب آپ کا بھتیجا بارات لے کر آئے گا اور ہم یہاں نہیں ہوں گے۔'' ایسے حالات میں بھی اسے شوخی سوجھ رہی تھی۔ امی نے کچھ کہے بغیر اس کے پرسکون چہرے کی طرف دیکھا پتہ نہیں وہ واقعی پرسکون تھی یا خود کو ایسے ظاہر کر رہی تھی۔

⊙......⊙......⊙

''ابھی تم میری بات نہیں سمجھو گے۔'' رستم شاہ پراسراریت سے مسکرایا۔ ''لڑائی صرف ہتھیاروں سے ہی نہیں لڑی جاتی' دماغ سے لڑی جانے والی جنگیں طاقت سے لڑی جانے والی جنگوں سے زیادہ پراثر ہوتی ہیں اور دیرپا اثرات لاتی ہیں۔ فی الحال تو اسکول کے پاس والا امیر بخش کا مکان فوری خالی کروا کے استانی اور اس کی ماں کو وہاں شفٹ کرو' ضرورت کا سامان پہنچاؤ اور جب تک وہ سیٹ نہ ہو جائیں تین ٹائم کا کھانا پہنچاتے رہو۔ صرف اسکول والی زمین ہی نہیں ساتھ والی زمین پر بھی' اب دیکھنا کہ سلطان شاہ کیسے اپنا قبضہ برقرار رکھتا ہے۔'' رستم شاہ' سلطان شاہ کا چچازاد بھائی تھا۔ جو اس سے طاقت میں بھلے کم تھا مگر بہت زیرک اور عیار آدمی تھا وہ ہمیشہ مخالف کو ایسی شکست دینا پسند کرتا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس نے اس بار سلطان شاہ کو شکست دینے کے لیے عجیب ہی ترکیب سوچی تھی۔ جبھی شہر سے آنے والی استانی کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا تھا۔ حویلی کے مہمان خانے میں انہیں بھیج کر ضروری اقدامات کیے تھے۔

حیا اور امی منہ اندھیرے گھر سے روانہ ہوئی تھیں اور دن کے بارہ بجے بستی چاہ پیراں والی میں پہنچی تھیں۔ گاؤں کے چوہدری کی طرف سے ان کا پرتپاک استقبال ہوا تھا۔ اس نے پہلی فرصت میں اپنی رہائش کا بندوبست کرنے کی درخواست کی تھی۔ نتیجتاً رات سے پہلے پہلے کھانا حویلی سے ہی کھلا کر انہیں اسکول کے قریب ایک چھوٹے سے گھر میں پہنچا دیا گیا تھا جو ایک کمرے' چھوٹے سے برآمدے پر مشتمل چھوٹا سادیہاتی ٹائپ کا بنا ہوا گھر تھا۔ چھوٹے سے صحن میں ایک کونے میں ہینڈ پمپ اور دوسری سائیڈ پر غسل خانہ اور ٹوائلٹ تھا۔ اپنے گھر کے طرز زندگی کا موازنہ کرتی حیا تو شاید پہلی نظر میں ہی مسترد کر دیتی ایسی رہائش گاہ' مگر اب اس کے پیش نظر صرف رہائش گاہ نہیں تھی بلکہ ایسی محفوظ جائے پناہ بھی تھی جہاں اسے معاشی تنگی بھی نہ ہو اور فی الحال کامران کی نظروں سے بھی چھپ سکے۔ سو اس لحاظ سے شہر سے کوسوں میل دور یہ نہایت پرسکون جگہ تھی۔ بے حد تھکن ہونے کی بنا پر وہ دونوں سو گئیں کہ کمرے میں دو چارپائیوں کے علاوہ چودھری کے گھر سے بستر اور ضروریات زندگی کا دیگر سامان بھی مہیا کیا گیا تھا۔

''امی دیہاتی لوگ بہت مہربان اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ سنا اور پڑھا تھا پر آج دیکھ بھی لیا۔'' امی سے اس نے جو آخری بات کی تھی وہ یہی تھی پھر وہ نیند کی وادی میں چلی گئی تھی۔ امی مگر بہت دیر جاگتی رہی تھیں کہ سوچیں ہی اتنی تھیں جو ان کی نیند کو دور بھگا کر دماغ پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھیں۔

''اچھا امی...... میں اب چلتی ہوں' اس روز بھی فری اور میں اسکول کی عمارت باہر باہر سے ہی دیکھ کر چلے گئے تھے آج ذرا اندر سے دیکھتی ہوں۔ جو بندہ ناشتہ دینے آیا تھا اس کو دوبارہ آنے کو کہا ہے۔ اب اسی کے ساتھ جا رہی ہوں۔'' ناشتہ جو کہ حویلی سے آیا تھا کرنے کے بعد اس نے کپڑے تبدیل کیے اور پرس اٹھا کر امی کو بتا کر باہر آ گئی۔ رستم شاہ کا ملازم اس کے ہمراہ تھا۔ باہر نکلنے پر پہلا منظر ہی مبہوت کر دینے والا تھا۔ چمکتا ہوا نیلا آسمان اور تاحد نگاہ نظر آتے پیلے اور سبز سرسوں کے خوب صورت پھولوں کی چھب ہی نرالی تھی۔ گاؤں کی صاف ستھری اور

معطر فضا میں گہرے گہرے سانس ہوا کے سپرد کرنے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ حالانکہ وہ اس راستے سے گزر کر آئی تھی کل وہ اور فری جب آئے تھے تب بھی یہی مناظر دیکھے تھے مگر مناظر کی خوب صورتی اور دلکشی تبھی دل و دماغ کو متاثر کرتی ہے جب ذہن میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو اور آج وہ بالکل پرسکون تھی۔

''یہ...... یہ کیا ہے؟'' اسکول میں داخل ہو کر اسے سخت حیرت ہوئی جب اس نے وہاں گھوڑے ہنہناتے دیکھے۔

◐......◐......◐

زمان شاہ ناشتہ کرنے کے بعد کتاب اٹھا کر اسی برگد کے درخت کے نیچے چلا آیا جو بچپن سے اس کے دکھ سکھ سن کر اپنے بوڑھے سینے پر رقم کرتا چلا آ رہا تھا۔ حویلی میں اماں فاتاں، جن کا اصل نام فاطمہ تھا مگر اب فاتاں تھا' کی طنزیہ باتیں ہوتیں، اماں فاتاں' سلطان شاہ کی سگی اور زمان شاہ کی سوتیلی ماں تھیں انہوں نے ہی سلطان شاہ کے دل و دماغ میں اس کے لیے اتنا زہر بھرا تھا کہ جسے ختم کرنا اب ناممکن تھا پھر بھابی نسیم تھی' سلطان شاہ کی خالہ زاد اماں فاتاں کی بھانجی' انہی کا پرتو' وہ زیادہ وقت کتابوں کی دنیا میں گزارنا پسند کرتا' کتابوں کی دنیا اس کی دنیا سے بالکل مختلف تھی۔ بہت خوب صورت' چمکدار اور رنگ دار بچا کھچا وقت اپنی پینٹنگز کو دیتا' احساسات کو زبان دینے پر ادا سلطان اسے زندہ گاڑ دیتے اس محتاط انداز سے اپنی خواہشات پوری کر رہا تھا' مگر جب وہ بہت اداس ہوتا تو اپنی گھٹن' اپنے احساسات کینوس پر اتار دیتا' یوں زندگی کسی طور پر بہتر گزر رہی تھی۔ ابھی وہ کتاب گود میں رکھے آسمان کی وسعتوں میں نجانے کیا تلاش کر رہا تھا کہ چونک گیا کہ اس نے اس دن والی لڑکی کو رستم شاہ کے ملازم کے ہمراہ تیز تیز اپنی طرف آتے دیکھا' وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو آپ زمان شاہ ہیں سلطان شاہ کے چھوٹے بھائی' اسکول کی سرکاری عمارت میں جانور رکھ کر مجھے نہیں پتہ آپ کیا ظاہر کرنا چاہ رہے ہیں لیکن ایک دن کے اندر اندر مجھے وہ عمارت خالی چاہیے۔ ادروائز مجھے اوپر رپورٹ کرنی ہوگی کہ آپ لوگوں نے سرکاری عمارت پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے پھر حکومت جانے اور ان کا کام۔''

''بی بی ہم عورتوں کا باہر بات کرنا پسند نہیں کرتے' اس لیے اندر بیٹھ کے بات کرو کہ کیا کہنا ہے اور ہاں یہ سلطان شاہ ان دھمکیوں سے نہیں ڈرتا اس لیے جو کہنا ہے آرام سے کہو کیونکہ ہم بندے تھوڑی الٹی کھوپڑی کے ہیں۔ تم عورت ذات ہو اس لیے اتنا برداشت کر لیا ورنہ سلطان شاہ کی زمین پر کھڑے ہو کر اسی سے بدتمیزی کرنے والا دوسرا سانس نہیں لے پاتا۔'' ابھی زمان شاہ کھڑا اس کی بات سن ہی رہا تھا کہ سلطان شاہ کو حیا کے پیچھے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ حیا البتہ ناگواری سے سلطان شاہ کو کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس کے پیچھے چل پڑی۔ زمان شاہ وہیں کھڑا دیکھتا رہا۔ خود اعتمادی نہیں تھی تو کیا ہوا' خود اعتماد لوگوں کو پسند کرنے کا جذبہ تو تھا ناں اس کے اندر اور وہ لڑکی ذات ہو کر بھی کتنے دھڑلے سے بات کر رہی تھی۔ کیا سلطان شاہ سے بھی کوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا ہے؟ اسے پہلی دفعہ وہ لڑکی بے حد اچھی لگی اور اس پر بے حد رشک بھی آیا تھا۔

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ مسٹر سلطان شاہ...... کس زمانے میں زندہ ہیں آپ اور کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' وہ کتنی دیر حیرت سے چپ رہنے کے بعد پھر بولی۔

''ہاں تو بی بی...... کوئی فارسی نہیں بولی میں نے' جو تمہیں سمجھ نہیں آئی ہو' تم کو رہائش' آرام' سہولیات ہر چیز مل جائے گی' ہر مہینے کی تنخواہ لیتی رہنا کوئی نہیں پوچھے گا مگر اسکول کو آباد کرنے کی بات مت کرو' یہ غریب لوگ ہیں ان کو صرف دو وقت کی روٹی سے مطلب ہے' یہ علم' تعلیم' شعور جیسی باتیں تم شہری لوگوں کے چونچلے ہیں۔''

''مسٹر میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں یہاں علم پھیلانے کا عزم اور فرض لے کر آئی ہوں اور مجھے پورا کرنا ہے کیسے؟ یہ میں خود دیکھ لوں گی۔ آپ سے صرف اتنی

ریکویسٹ ہے کہ آج کی ڈیٹ میں مجھے اسکول کی عمارت خالی ملنی چاہیے اور صاف ستھری، چلتی ہوں۔" وہ اپنا پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں مسکرا کر اسے دیکھا اور اپنے معتمد خاص کو آواز دی۔

"جی شاہ سائیں۔"

"اسکول کی عمارت خالی کروا کے صاف کرا دو آج اور گاؤں والوں کو بتا دو کہ کوئی بھی اپنا بچہ اسکول نہیں بھیجے گا کسی صورت بھی نہیں۔"

"کیسے ظالم اور بے حس لوگ ہو تم؟ تعلیم انسان کا بنیادی حق ہے اور اس سے اسے محروم رکھنے کا حق کسی بھی انسان کو حاصل نہیں ہے۔ مجھے تو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ تم اور تمہارا بھائی دونوں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو یہ کیسی تعلیم ہے جس نے تم لوگوں کو سکھایا کہ لوگوں سے جینے کا حق چھین لو۔ میں نے جاگیردارانہ نظام اور غریب ہاری کے استحصال کا حال صرف کتابوں میں پڑھا ہے مگر اب اس کی بھیانک شکل بھی یہاں آ کر دیکھ لی ہے۔ ارے کوئی حق حاصل نہیں ہے تم جیسے لوگوں کو کتاب پکڑنے کا بھی۔ کتاب کی اتنی بے حرمتی تو وہ لوگ بھی نہیں کرتے جو جاہل، ان پڑھ ہوں۔" زمان شاہ کو واپسی پر کتاب میں مگن دیکھ کر وہ بے ساختہ اس کے پاس آئی اور سلطان شاہ کا سارا غصہ اسی پر انڈیل دیا۔ وہ پہلے تو ہونق سا اسے دیکھتا رہ گیا، پھر اس کی بات، اس کے غصے کا محرک سمجھ میں آتے ہی ایک مجروح سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

"ٹھیک کہا بی بی آپ نے، ہم جیسے لوگ جو کتاب کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے انہیں کتاب ہاتھ میں لینے کا بھی کوئی حق نہیں...... پتہ نہیں کیوں آپ کو مشورہ دینے کو دل کر رہا ہے کہ آپ یہاں سے چلی جائیں۔ بہت نازک اور کمزور لڑکی ہیں آپ اور ہمارے ہاں کی روایات کی دیواریں بہت سخت ہیں۔ ان سے ٹکرانا برداشت نہیں کر پائیں گی۔"

"کیوں...... کیوں چلی جاؤں، میں کمزور ہوں تو کیا ہوا میرے ارادے اور عزائم بہت مضبوط ہیں میں تعلیم دوں گی یہاں کے بچوں کو علم پھیلاؤں گی، دیکھتی ہوں تم اور تمہارا بھائی مجھے کیسے روکتے ہو؟" غصے سے کہہ کر وہ مڑنے کو تھی جب اس نے بے ساختہ اسے آواز دے کر روکا۔

"سنیں بی بی...... آپ کے عزائم اور ارادے بہت بلند اور نیک سہی پر یہاں کے لوگ بہت ظالم ہیں۔ وہ اپنے حکم کے جواب میں ناں نہیں سنتے، صرف سزا سناتے ہیں۔" اس پل اس کے چہرے پر عجیب سا خوف تھا۔ حیا بے ساختہ رک کر اسے دیکھنے پر مجبور ہوگئی مگر پھر سر جھٹک کر وہاں سے واپس مڑ گئی۔

کیا تھا اس لڑکی میں کہ ہر بار اس سے ملنے کے بعد وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتا تھا۔ کیا صرف اس کی بہادری اور خود اعتمادی اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی یا کچھ اور تھا۔ بہرحال اس نے سوچا کہ وہ اسے پھر مجبور کرے گا کہ وہ یہاں سے واپس چلی جائے ورنہ نقصان اٹھائے گی اور اس کے نقصان کا سوچ کر اس کا دل خوف سے کانپ رہا تھا ایسا حال تو تب بھی نہیں ہوتا تھا اس کا جب ادا سلطان اس پر اپنے رعب کی، خوف کی دھاک بٹھانے کے لیے ملازمین پر، مزارعوں پر ظلم کی انتہا کر دیا کرتا تھا۔

◉......◉......◉

"ٹھیک ہوں فری...... تم سناؤ۔" تین دن ہوئے تھے انہیں یہاں آئے اور آج اسے کال کرنے کا موقع ملا تھا۔

"تم کیسی ہو حیا؟ میرا اسکول بہت اچھا ہے، مجھے سکستھ، سیونتھ، ایٹتھ کلاس کی میتھ دی گئی ہے پڑھانے کو بہت فنٹاسٹک پیریڈ ہے یہ میری لائف کا حیا، بہت مزہ آ رہا ہے۔ میں ابھی مزید انجوائے کرنا چاہ رہی ہوں مگر رمیز کہہ رہا ہے کہ بس چھوڑو یہ جاب واب اور شادی کی تیاری کرو اور پاپا کا بھی یہی ارادہ ہے۔ تم سناؤ، کیسے ہیں لوگ، اسکول میں سیٹ تو ہوگئی۔ ہو ناں؟" فری حسب معمول تیز تیز بولے جا رہی تھی۔ حیا نے چھوٹے سے برآمدے میں چھوٹی سی پیڑھی پر بیٹھی امی کو گیس والے سلنڈر پر سالن پکاتے دیکھا اور دل کی آواز زبان پر لانے

سے پہلے ہی روک دی۔

"ہاں ٹھیک ہے' اچھا ہے فری' نیا نیا اسکول ہے تو اسٹبلش ہونے میں تھوڑا ٹائم لگے گا۔ کل سے پراپر اسکول جوائن کروں گی' آج کا دل تو صفائی وغیرہ میں گزر گیا۔" وہ آج کے دن کی روداد گول کر کے جھوٹ بول گئی کہ امی کو اگر ساری بات کا پتہ چلتا تو انہوں نے اسے یہاں رکنے ہرگز نہیں دینا تھا' بھلے شہر میں جا کر اسے کامران سے بیاہ دیتیں وہ۔ فری نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون بند کر دیا' تب تک امی سالن اتار کے اب روٹی پکانا شروع کر چکی تھیں۔ اپنے گھر میں کوکنگ رینج پر ہر چیز پکانے والی امی کے لیے پہلے دن لکڑی پر کھانا پکانا سخت دشوار ثابت ہوا تھا تب بھی رستم شاہ کا وہی ملازم کام آیا تھا جو دن میں ایک بار کام وغیرہ کے بارے میں پتہ کرنے آتا تھا۔ اسی کو حیا نے امی سے پیسے لے کر دیئے تھے کہ انہیں شہر سے گیس والا سلنڈر منگوا کر دیا جائے' دو دن اسی مشکل سے گزارنے کے بعد تیسرے دن سلنڈر کی فراہمی پر امی نے سکون کی سانس لی تھی حالانکہ ملازمہ رستم شاہ کے گھر سے پیغام بھی لائی تھی کہ جب تک گیس والے چولہے کا بندوبست نہیں ہوتا کھانا حویلی سے آتا رہے گا۔ امی نے منع کر دیا تھا' وہ ویسے ہی ان لوگوں کی بے حد مشکور تھیں اور انہوں نے ملازم سے کہلوا بھیجا تھا کہ حویلی جا کر کہہ دیں کہ بہت شکریہ ان کی نوازشوں کا' مگر وہ لوگ اس مکان کا کرایہ بھی دیں گے۔

"اور سناؤ حیا...... کیسا رہا آج کا دن' کوئی بچے وغیرہ بھی آئے اسکول یا نہیں؟" ساتھ کھانا کھاتے امی نے حیا کا نوالہ حلق میں ہی اٹکا دیا۔ مگر اس نے فری کو دیا جانے والا جواب فرفر ان کو بھی سنا دیا۔ پھر جب رات کو سونے کے لیے لیٹی تو ملازم (رستم شاہ کا) کی باتیں بے اختیار ذہن میں چکرانے لگیں۔

"آپ تو بی بی صاحب خوامخواہ زمان شاہ جیسے بھلے مانس پر غصہ ہو گئیں وہ تو خود بیچارہ سلطان شاہ کے ظلم کا شکار ہے۔" پھر اس نے زمان شاہ کے بارے میں اسے ساری تفصیل بتا دی۔ حیا کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے کہاں کا غصہ کہاں اتارا تھا۔

"اس لیے تو وہ بیچارہ بار بار مجھے واپس جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔" آخری سوچ جو اس کے ذہن میں آئی وہ یہی تھی۔

صبح اسکول جانے کے لیے وہ تیار ہوتے ہوئے مسلسل یہی سوچتی رہی کہ اگر ایسے ہی وہ خودسر جاگیردار اپنی ضد پر اڑا رہا تو وہ کمزور سی لڑکی کیا کر پائے گی۔

"خیر میں بھی آخری حد تک کوشش کروں گی۔ جاب رہے نہ رہے بعد کی بات ہے' کم از کم حکام بالا تک اس ظلم کی شکایت تو ضرور ہی کر کے رہنی ہے۔ ہوسکتا ہے یہاں کی جہالت کسی ایک فرد کی کوشش کی مرہون منت ہو۔" مطمئن ہو کر اس نے پرس اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ صبح کی تر و تازہ اور خالص فضا میں سانس لینا اسے بہت بھلا لگا پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے وہ برگد کے گھنے پیڑ کے پاس آ کر رک گئی جہاں کل وہ کتاب اٹھائے نظر آیا تھا' آج کینوس پر منظر کی خوب صورتی کو کینوس پر اتارتا نظر آیا۔ تاحد نگاہ لہلہاتے سبز اور پیلے پھولوں کے اوپر افق سے ابھرتا سورج کا منظر اتنا حسین تھا کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گئی۔

"ونڈرفل......" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ زمان شاہ چونک کر مڑا۔ کاٹن کے گلابی سوٹ پر بلیک شال اوڑھے وہ سیدھی اس کے دل میں اترتی چلی گئی۔

"السلام علیکم! بی بی مت آیا کریں میرے سامنے کہ آپ کو دیکھ کر جینے کو دل کرتا ہے اور خوش ہونے کو جبکہ خوش ہونے کی مجھے اجازت نہیں اور خوشی کے بغیر جینا بھی کیا جینا؟" اس نے دل میں سوچا۔

"سوری اس دن میں کچھ زیادہ ہی بول گئی اور یہ نہیں کہ میں نے غلط کہا تھا' بالکل ٹھیک کہا تھا' مگر غلط انسان سے کہا یہ بات مجھے بہت بعد میں پتہ چلی۔"

"یہاں تو لوگ انسانوں کو مار کے پلٹ کے نہیں پوچھتے اور آپ ایک بات کہہ کر معافی مانگ رہی ہیں۔ جبکہ آپ نے تو صحیح کہا تھا۔" وہ یاسیت سے مسکرایا۔

"جب آپ جانتے ہیں کہ میں نے ٹھیک کہا تو پھر آج تک چپ کیوں ہیں۔ ظلم سہنے والا اور ظلم کو برداشت کرنے والا تو ظالم سے بھی بدتر ہے۔" اس کی بات سن کر وہ اپنے اسی مخصوص اداسی والے انداز میں مسکرایا۔

"بی بی...... آپ بہت معصوم ہیں' آپ نے یہ لفظ صرف کتابوں میں پڑھے ہیں۔ اللہ نہ کرے کبھی ان کو برتنا بھی پڑے۔ الفاظ کا نظر سے گزرنا اور بات ہے اور اپنے اوپر جھیلنا اور بات ہے۔ میں مانتا ہوں میں بہت کمزور ہوں اور آپ کو بھی کہتا ہوں کہ پلیز اپنی ضد چھوڑیں' یہاں خواب دیکھنے والوں کی آنکھیں نوچ لی جاتی ہیں۔"

"اف اللہ زمان شاہ...... کتنی مایوسی ہے آپ کے اندر۔ مرد کو ایسی باتیں اور انداز زیب نہیں دیتا میں صرف یہ جانتی ہوں کہ سچ کی طاقت ایک دن اپنا آپ منوا لیتی ہے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے آپ کو اپنی آخری سانس تک لڑنا چاہیے کیونکہ شیر کا ایک دن ہی گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر بھاری ہوتا ہے۔ آپ مجھے روز نصیحتیں کرتے ہیں کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس چلی جاؤں' آج میں آپ کو دعوت دیتی ہوں حق کی اس جنگ میں میرا ساتھ دیں اور نہ صرف اپنا حق زندگی سے وصول کریں بلکہ غریبوں کو بھی ان کا حق دلوانے میں میرا ساتھ دیں۔ دیکھیے گا پھر زندگی کتنی خوب صورت لگے گی' جب اس میں منزل کو پالینے کا مقصد ہوگا۔"

"زندگی تو ویسے بھی خوب صورت لگنے لگی ہے بی بی' جب سے آپ کو دیکھا' آپ کے عزائم دیکھے' تو جینے کو دل کرتا ہے۔" اسے مضبوطی سے قدم اٹھاتے جاتا دیکھ کر وہ سوچ رہا تھا مگر ادا سلطان کے خوف کا درخت بہت تناور تھا جس کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کی نوزائیدہ محبت کی تو ابھی ننھی منی کونپل ہی شہر دل سے پھوٹی تھی وہ کہاں اس کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ "اچھی لڑکی' میں چاہتے ہوئے بھی تمہارا ساتھ نہیں دے پاؤں گا۔"

اسکول کی عمارت جانوروں سے خالی کروالی گئی تھی۔ حیا نے گھوم پھر کر پورے اسکول کا جائزہ لیا۔ ایک کرسی کو ٹشو پیپر سے صاف کر کے بیٹھنے کے قابل بنایا اور کچھ سوچ کر پرس میں سے اپنا موبائل نکالا جب انہیں ٹریننگ دی گئی تھی تمام افسران بالا کے نمبرز بھی نوٹ کروائے گئے تھے تاکہ کسی بھی مسئلے کی صورت میں ٹیچرز یا ہیڈز رابطہ کر سکیں۔ اے ای او صاحبہ کو کال کر کے تمام صورت حال بتائی۔ سلطان شاہ والا واقعہ حذف کر کے۔

"ہاں تو بیٹا...... دور دراز کے علاقوں میں اسکولز قائم کرنے کا مطلب ہی یہی ہے' تعلیم کی روشنی ایسے تمام لوگوں تک پہنچانا جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر علم تک ان کی رسائی نہیں...... آپ جیسے ٹیلنٹڈ لوگوں کو اس لیے اپائنٹ کیا گیا ہے کہ اپنی اعلیٰ تعلیم کو صحیح مصرف میں لے آئیں' علاقہ کا وزٹ کریں۔ گھر گھر جا کر بچوں کو ان کے والدین کو تعلیم کی اہمیت کے بارے میں بتائیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے میم' مگر مجھے لگتا ہے کہ ان لوگوں کو علم حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ورنہ تیسرا دن ہے آج مجھے آئے ہوئے کوئی ایک اس حوالے سے مجھے نہیں ملا جس کو تعلیم کی ترسیل سے کوئی مطلب ہو نہ تو والدین میں سے نہ بچوں میں سے۔" وہ مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے بولی۔

"تو بیٹا' ایسے میں تو دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے آپ پر' تعلیم اور علم کی تبلیغ تو قسمت والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ جائیں لوگوں کے پاس' پھر طلباء کی تعداد کے مطابق ڈیمانڈ بھجوائیں آپ کو کتابیں اور فرنیچر بھجوا دیا جائے گا۔ بلکہ فرنیچر تو ہوگا وہاں' میں خود بھی وزٹ کرتی ہوں ایک آدھ ہفتہ تک۔" انہوں نے ایک دو باتیں اور کر کے فون بند کر دیا تھا۔ حیا طویل سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی پھر وہ بستی کے بہت سے گھروں میں گئی مگر خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔

"شوق تو ہے بی بی پر یہاں تو پیٹ بھرنے کو ہی کچھ نہیں' گھر کا ایک ایک فرد کام کر کے خون پسینہ کرتا ہے تب ہی ایک وقت کی روٹی کی بات بنتی ہے۔ ایسے میں بچوں کو اسکول بھیجیں یا کام پر......" کم وبیش ہر گھر میں ایک ہی

بات مختلف الفاظ میں سننے کو ملی تھی مگر ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں ایک عورت کی بات نے اسے چونکا دیا تھا۔

"کس کو شوق نہیں ہوتا بی بی کہ اس کے بچے پڑھ لکھ کر افسر نہ سہی کچھ تو بن جائیں مگر ہم غلام لوگ ہیں جی نسلوں سے غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہم چاہیں بھی تو ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں...... کیوں کرتے ہو ایسا؟ اسی غلامی کے ہاتھوں تنگ ہو پھر بھی اپنی آنے والی نسلوں کو غلامی کے اندھیرے دے کے جانا چاہتے ہو۔ کون روکتا ہے تمہیں؟"

"کوشش کی تھی جی ایک دفعہ میرے بڑے بیٹے کو پڑھنے کا بے حد شوق تھا اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے میں کلومیٹر دور کے اسکول میں داخلہ کروایا تھا' بڑے شاہ صاحب کو پتہ چلا تو اس سال کی فصل کا اناج نہیں دیا ہمیں' میرے آدمی کو کام سے نکال باہر کیا اور کہا کہ آئندہ اسکول بھیجا تو بچے کی زندگی کی بھی خیر نہیں' بس جی جان کا خوف روٹی کے خوف سے بھی بڑا اور برا ہوتا ہے وہ دن اور آج کا دن' بڑے شاہ صاحب کی منتیں ترلے کر کے منایا اب وہ بھی اپنے ابا کے ساتھ شاہ صاحب کی زمینیں سنبھالتا ہے۔ اب تو چھوٹے کو بھی ساتھ لے جانے لگے ہیں۔"

اس عورت کی بات سن کر حیا حیرت اور دکھ سے گنگ رہ گئی۔ آج وہ ہلکی سی مایوسی کا شکار بھی ہو رہی تھی۔ جہاں غلامی اور جہالت کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ وہ لوگ خود چاہتے ہوئے بھی اس سے نہیں نکل پا رہے تھے تو بھلا ایک کمزور سی لڑکی کیا کر سکتی تھی......

"میں پھر بھی کہوں گی اماں کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے آپ اس وقت نہ آتیں اس شاہ کے دباؤ میں' آج آپ کا بیٹا کتنے تعلیمی مراحل طے کر چکا ہوتا۔" کہہ کر وہ اس کی مجبوریوں کی لمبی ہوتی داستان کو وہیں ادھورا چھوڑ کر چلی آئی۔ کیا ایسا کرے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے' یہی سوچتی سوچتی وہ بستی سے بہت دور نکل آئی تھی جب گاڑی کے ٹائر بالکل پاس ہی رکنے کی آواز پر وہ چونک کر رک گئی۔ مسلح گارڈ کے ہمراہ مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ سلطان شاہ کو اترتا دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ دونوں بھائیوں کی شکلوں میں بے پناہ مشابہت تھی۔ مگر نیتوں کا عکس بعض چہروں کو روشن اور بعض کو تاریک بنا دیتا ہے۔ سلطان شاہ کا چہرہ بھی اسے ایسا ہی لگا ایک ظالم اور جابر بادشاہ وقت کے چہرے جیسا جس کے چہرے پر ظلم کی سیاہی چھلک رہی تھی۔ جبکہ زمان شاہ کے چہرے پر ایک نرمی سی تھی۔ معصومیت کے امتزاج کے ساتھ۔

"ہاں تو بی بی' شوق پورا کر لیا نوکری کا' دیکھ لیا ناں کہ یہاں مکھی بھی ہمارے حکم کے بغیر پر نہیں مارتی اور تم انسانوں کو ورغلا رہی ہو۔ ارے یہ لوگ مر جائیں گے مگر ہم سے بے وفائی کا سوچ بھی نہیں سکتے...... یہ غلام پیدا ہوئے غلام ہی مریں گے۔ ان کو خواب دکھا کر مت ان کی زندگی کو مشکل بناؤ۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر کھاؤ پیو موج کرو' یہاں رہنا چاہو تو مرضی۔ ہے تمہاری' ہر ماہ کی تنخواہ لیتی رہو نہ بھی منظور ہو تو تمہارا ٹرانسفر کرا دیتے ہیں' اتنی نرمی ہم کسی سے بھی نہیں برتتے۔ مگر تم پر نجانے کیوں ترس آتا ہے ہمیں۔" مونچھوں کو بل دیتا' آنکھوں میں عجیب سی چمک لیے وہ جیسے اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"مسٹر سلطان...... آپ شاید بھول گئے ہیں کہ آپ اللہ نہیں ہیں جو رزق روٹی کے دینے یا روکنے کا اختیار آپ کے پاس ہو' مجھے آپ کی کسی بھی قسم کی مدد کی ہرگز ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کسی مشورے کی اور مت بھولا کریں کہ اللہ کی لاٹھی' بہرحال بے آواز ہوتی ہے۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تھی تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ کتنی ہی دور تک وہ اپنی پشت پر نوکیلی نظریں محسوس کرتی رہی پھر گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز پر ہی وہ بے ساختہ رکی تھی۔

"اف اللہ...... اس خبیث انسان کی باتوں میں آ کر مجھے پتہ ہی نہیں چلا غصے میں میں کتنی دور نکل آئی۔" کوفت سے اس نے سوچا پھر تھوڑی دور اسے خانہ بدوشوں کی کچھ جھونپڑیاں دکھائی دے گئیں' کچھ سوچ کر وہ ان کی جانب چل پڑی۔ تھوڑی دیر بعد احساس ہوا کہ اللہ کا کوئی

بھی کام کسی بھی مصلحت سے عاری نہیں ہوتا۔ وہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے بس انسان ہی اس کی حکمت کو جاننے سے قاصر ہے۔ وہاں ان پندرہ بیس گھروں میں عورتیں یہ جان کر بے حد خوش ہوئیں کہ ان کے علاقے میں بھی کوئی اسکول ہے اور قریباً سترہ اٹھارہ بچے تو اسی وقت اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئے جب پتہ چلا کہ اتنی پیاری سی لڑکی ان کو پڑھائے گی اور کتابیں بھی دے گی۔

"ابھی تو چھٹی کا ٹائم ہو چکا ہے بچو...... کل آپ لوگ صبح آٹھ بجے اسکول آنا صاف ستھرے کپڑے پہن کر پھر کچھ دنوں تک میں آپ لوگوں کو یونیفارم بھی بنوادوں گی۔" کالے رنگ والی بدذائقہ چائے پھر بھی اس لمحے اس کو بے حد لذیذ لگ رہی تھی واپسی پر وہ بے حد خوش اور مطمئن تھی پہلا قدم مشکل اور پرخطر ضرور تھا مگر اس نے اٹھا ہی لیا تھا۔ واپسی پر برگد کے پیڑ کے نیچے زمان شاہ کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے پاس آئی۔

"کہاں تھیں آپ آج۔ اسکول بھی بند تھا گھر بھی نہیں گئیں آپ میں بے حد پریشان تھا کہ کہیں خدانخواستہ آپ کو کسی نے نقصان نہ پہنچادیا ہو۔" وہ بے حد پریشان سا ہو کر جس وقت اس کے پاس آیا اس کی بے تابی دیکھ کر حیا حیران رہ گئی اور دل کو انجانی سی خوشی بھی ہوئی۔

"میں پورے گاؤں میں دیکھ آیا ہوں آپ کو اور اب مسلسل دو گھنٹے سے یہاں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔"

"آج میں بہت خوش ہوں زمان شاہ پتہ ہے کیا ہوا؟" وہ خوشی سے سارے دن کی روداد سناتی چلی گئی۔

"آج میرے پاس چند بچے ہیں کل شمع سے شمع جلے گی میں صرف یہاں پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھی کل ہی مجھے آئیڈیا آیا کہ مجھے نزدیکی بستیوں میں جانا چاہیے صرف یہاں کے لوگ ہیں ناں تمہارے بھائی کی رعایا اس سے آگے تو اس کی مطلق العنانی نہیں چلے گی۔"

"پہلے میں آپ سے کہتا تھا کہ آپ واپس چلی جائیں مگر اب آپ کا عزم مجھے ایسا کرنے سے روک رہا ہے۔ اللہ کرے جو خواب آپ دیکھ رہی ہیں اس کی تعبیر آپ کو ویسی ملے جیسی آپ چاہتی ہیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

"صرف دعائیں ہیں زمان شاہ میرے ساتھ میرا ساتھ نہیں دو گے؟" اس کے چہرے پر نظریں جما کر وہ کسی امید کے تحت بولی۔

"کچھ لوگوں کی صرف دعائیں ہی آپ کا زادِ راہ ہوتی ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی وہ آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتے۔ کیونکہ یہ بات نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ چلنا نہیں چاہتے بلکہ اس لیے کہ ان کا ساتھ آپ کے سفر کو مزید مشکل بنا سکتا ہے۔" دور کہیں آسمانوں کی وسعتوں میں تکتے اس نے کچھ عجیب سا جواب دیا جو حیا کے سر کے اوپر سے گزر گیا۔

"پتہ نہیں کتنی بھاری بھاری فلسفیانہ باتیں کرتے ہو تم حالانکہ تمہاری عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔ زندگی بہت خوب صورت ہے اسے انجوائے کرو۔ مجھے دیکھو تمہیں لگتا ہوگا کہ بہت بہادر ہوں دنیا کا کوئی غم مجھے چھو کر نہیں گزرا مگر غم کا ڈھنڈورا پیٹنے یا خود پر طاری کرنے سے دنیا آپ کے اوپر حاوی ہوتی ہے اور انسان خود ختم ہو جاتا ہے۔ غموں کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔" پھر اس نے اپنی زندگی کے حالات کی تصویر کھینچ کر اس کے سامنے رکھ دی۔ "اوپر اللہ اور زمین پر ایک ماں کے سہارے میں زندگی سے اپنا حصہ وصول کرنے نکلی ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ جہاں میں ذرا سا کمزور پڑی وہاں میرے کزن یا تمہارے بھائی جیسے لوگ میری تاک میں ہیں مگر جب تک عزم جوان ہے اور اپنے اللہ پر بھروسہ ہے میں نے ہار نہیں ماننی۔ میرے ابو بہت اسٹرانگ انسان تھے اور انہوں نے مجھے بھی یہی سکھایا ہے کہ جینا ہے تو سر اٹھا کے جیو۔" اس نے اس کی زندگی کے حوالے سے کچھ باتیں ملازم کی زبانی سنی تھیں کچھ باتوں باتوں میں وہ خود مایوسی کا اظہار کر جاتا جبھی حیا نے اسے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ بہت خوش قسمت ہیں بی بی...... کہ آپ کو مضبوط قوتِ ارادی والے والدین کی سرپرستی حاصل رہی

جنہوں نے بھرپور محبت اور اعتماد دے کر آپ کی ذات میں بہت سی خوبیاں اجاگر کردیں، جن میں سرفہرست حالات کا جوان مردی سے مقابلہ کرنا ہے۔ میرا کیس آپ سے ٹوٹلی مختلف ہے۔ ایک غلط بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھنے والی ماں کا احساس ہی جان لیوا تھا میرے لیے رہی سہی کسر باپ کی اس بے رخی نے پوری کردی جو انہوں نے ساری زندگی مجھ سے روا رکھی مجھ سے لاتعلق رہ کر شاید وہ اپنی پہلی بیوی اور گھر والوں کے سامنے اس غلطی کا ازالہ کرنا چاہتے تھے جو میری ماں سے محبت پھر شادی کی صورت میں کی تھی اور جس کا خمیازہ مجھے تمام عمر بھگتنا پڑا۔ چاروں طرف سے یہ احساس دلانے والے لوگ تھے کہ میری ماں کا تعلق کس جگہ سے تھا۔ مدد کے لیے کبھی باپ کی طرف دیکھنا بھی چاہا تو انہوں نے نظریں چرالیں بجائے یہ کہنے کے کہ اگر اس میں اس عورت کا خون ہے تو میرا بھی تو ہے۔ میری بھی تو اولاد ہے یہ، مگر ایسی کوئی بات سننے کے لیے کان ترس گئے میرے۔“ لہورنگ آنکھوں کے ساتھ وہ اپنی ناکام اور درد بھری زندگی کا ورق ورق اس کے سامنے کھول رہا تھا۔ ”ابا کی بے رخی، اماں (سوتیلی ماں) کے طنز سب سے بڑھ کر ادا سلطان کی رعب دار شخصیت نے میرے اندر کی خوبیوں کو کہیں اندر ہی دفن کردیا۔ ابا کے مرنے کے بعد میں مزید تنہا رہ گیا۔ میں اب چاہوں بھی تو اپنے خوف عدم اعتماد پر قابو پانا ناممکن ہے میرے لیے۔ دو لوگوں کو اونچا بولتے دیکھ کر میں خوف زدہ ہوجاتا ہوں۔ ادا سلطان کے سامنے تو شاید کبھی ایک جملہ بھی میرے منہ سے پورا نہیں نکلا۔“ اس نے جیسے خود کا مذاق اڑایا۔ ”یہ تو آپ دنیا کی وہ واحد ہستی ہیں جن کے سامنے میں پتا نہیں کیوں اپنے سب دکھ بیان کر جاتا ہوں اور آج تک اس کی وجہ نہیں تلاش کرسکا کہ کیا وہ بات ہے جو مجھے آپ کی طرف کھینچتی ہے۔“ اب وہ زمین کو دیکھتا، جوتے کی نوک سے کچی زمین کی مٹی اکھیڑتا ہولے ہولے بول رہا تھا۔ حیا کو اس پل اس معصوم اور سادہ انسان پر بیک وقت پیار اور ترس آیا۔

”اور کیسے حالات رہے ہوں گے تب بھی میرا یہ ماننا ہے کہ انسان کو حالات کے دھارے پر خود کو چھوڑنے کی بجائے ہاتھ پاؤں مار کر خود کو بچانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ پھر بھی ناکامی ہو تو وہ مقدر رہتا ہے، آپ تو مرد تھے، جب کسی قسم کے سازگار حالات نہیں تھے تو بھی آپ کو مقابلہ کرنا چاہیے تھا، آپ بھی ٹھیک اسی طرح اس گھر کے بیٹے ہیں جس طرح سلطان شاہ، اپنے ابا سمیت ان کی تمام جائیداد کے بھی برابر حصہ دار، ابھی بھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے، بہت کچھ بدل سکتے ہیں، صرف ذرا سی ہمت کرنے سے۔ آپ کے پاس تعلیم ہے، دماغ ہے، صرف طاقت نہیں ہے تو کیا ہوا؟ جو ہے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے اندر کے بزدل مرد کو ماردیں۔ آپ بھلے میرا ساتھ نہ دیں، میں آپ کے ساتھ ہوں اور جب تک یہاں ہوں آپ کو بہادری کے راستے پر چلنے کی تلقین کرتی رہوں گی۔ انسان کو جینا چاہیے تو بادشاہ کی طرح، غلام کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ چلتی ہوں امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔“ سورج کے سائے ڈھلتے دیکھ کر وہ واپسی کے لیے قدم بڑھا گئی اور زمان شاہ کے لیے سوچوں کے نئے در وا کرگئی۔

وہ جو بہادری اور عزم کے کئی سبق حیا سے پڑھ کر آیا تھا، پہلے ہی قدم پر بھولتے محسوس ہوئے، جب گھر آنے پر پہلا سامنا ہی ادا سلطان شاہ سے ہوا۔

”آؤ بھئی زمان شاہ، مجھے خوشی ہو رہی ہے یہ جان کر کہ میرا بھائی بھی جوان ہوگیا ہے۔“ استہزائیہ انداز میں کہتے انہوں نے زمان شاہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اسی مخصوص نظر سے جو زمان شاہ کے چھکے چھڑادیا کرتی تھی۔

”بڑا جی دار ہے بھئی تو، تو اتنی جلدی یاری گانٹھ لی شہری استانی سے کہ گھنٹے گھنٹے گزار کے جاتی ہے تیرے پاس۔“ زمان شاہ کا اگرچہ خون کھول اٹھا تھا، حیا کے متعلق غلط بات سننا بہت تلخ تجربہ تھا اس کا۔

”میں جانتی ہوں کہ کیسی زندگی گزاری ہوگی آپ نے“

”وہ نہیں ادا...... وہ......“

”سب جانتا ہوں میں، بس...... بس...... بس...... او“

اس کو اپنی زبان میں سمجھا کہ واپسی چلی جائے یہاں سے۔ نہ ورغلائے یہاں کے معصوم لوگوں کو ورنہ اچھا نہیں ہوگا اس کے حق میں۔" وہ رعونت سے کھڑے ہوگئے اور ٹہلتے ہوئے بولے۔

"کوشش کروں گا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کوشش نہیں زمان شاہ..." وہ دھاڑے۔ "اسے روکنا ہے ہر صورت' اگر تجھے پسند ہے تو تیری شادی کراسکتا ہوں اس سے مگر یہ اسکول والا کام چھوڑنا ہوگا اسے۔" وہ اس کے پاس آ کر رک گئے۔ "سمجھ گئے ناں زمان شاہ اور جانتے ہو ناں تم اچھی طرح کہ اپنی حکم عدولی کرنے والے کا ہم کیا حشر کرتے ہیں... وہ نہیں جانتی تم تو جانتے ہو نہ سمجھا دینا اسے اپنی زبان میں۔" زمان شاہ کو سب کچھ بھول گیا تھا' یاد رہی تھی تو دادا سلطان کی شادی والی بات؟ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ اس نے ڈرتے ڈرتے خود سے پوچھا۔ پھر وہ یہ جان کر حیران ہوا کہ اس کے تخیل میں حیا کا تصور اتنا قوی تھا کہ اس نے اسی سرشاری کی کیفیت میں اسی تصور کو اس خوبی سے کینوس پر اتارا کہ خود ہی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پوری رات اسی کام میں مصروف رہ کر بھی تھکن کا شائبہ تک نہ تھا۔ شاید محبت اسی کو کہتے ہیں۔ اس صبح اسی خوب صورت احساس کے گھیرے میں اسے وہ روز مرہ کے کیے جانے والے کام بھی اچھے لگنے لگے جو اماں فاتاں نے اس کے ذمہ لگائے ہوئے تھے۔ منہ اندھیرے باڑے کی صفائی اور جانوروں کا دودھ نکال کر ان کا چارہ کاٹنا پھر ان کو کھلانا اور اپنے مخصوص وقت پر وہ باہر نکلنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اماں فاتاں کا پیغام آیا کہ اپنی نگرانی میں کھیتوں سے سرسوں لاکر گودام میں رکھوائے اور اس کے علاوہ بھی کئی چھوٹے موٹے کام ایسے تھے جن میں اسے شام تو نہیں سہ پہر ضرور ہوجانی تھی۔ اس کا مطلب آج بی بی سے ملاقات ممکن نہیں... اس نے مایوسی سے سوچا۔ زندگی بہت خوب صورت ہوجاتی ہے جب اس میں کوئی مقصد ہو اسے حیا کی کہی بات یاد آئی۔ واقعی بی بی مجھے لگ رہا ہے کہ زندگی خوب صورت ہے کہ میری زندگی کا مقصد آپ ہیں۔ آپ کو پاسکوں نہ پاسکوں نصیب کی بات ہے' مگر محبت کے اس سفر میں' میں تنہا ہرگز نہیں ہوں یہ خیال ہی مجھے ہواؤں میں اڑائے دے رہا ہے۔ اس کے لب مسکرائے۔

◐......◐......◐

اسکول آتے ہوئے برگد کے اسی پیڑ کی جگہ پر بے ساختہ رکی مگر اس کی جگہ خالی دیکھ کر دل بھی جیسے خالی سا ہوگیا تھا۔ محبت ایسی ہی تو ہوتی ہے ہر سود و زیاں سے بے نیاز۔ بھلا کب ایک ایسے شخص کی خواہش کی تھی حیا نے جو دیہاتی بھی ہو بزدل اور عدم تحفظ کا شکار بھی' وہ خود جیسی تھی اپنے لیے ویسے ہی جیون ساتھی کا بھی سوچ رکھا تھا۔ مضبوط' بہادر جس کی پناہ میں اسے سارے دکھ بھول جائیں جبکہ زمان شاہ اس کی سوچ سے بڑھ کر بزدل اور کمزور تھا لیکن اس کی ساری خامیوں پر اس کی ایک خوبی بھاری تھی۔ سادہ' خالص اور سچے دل کا۔ پھر تعلیم میں بھی تو اس کے ہم پلہ تھا۔ بزدل تھا تو کیا ہوا' وہ اسے اپنے جیسا بنالے گی۔ دماغ کو تاویلیں دیتے دل کی توجیحات پر وہ خود ہی ہنس پڑی اور ایک ترنگ سے اسکول کی طرف بڑھ گئی پھر اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی جب ایک ساتھ اٹھارہ بچے آئے تھے خانہ بدوشوں کی بستی سے چار سے بارہ سال کی عمر تک کے لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ اس نے اسمبلی کروائی تھی۔ انہیں خود ہی پڑھنا سکھایا' پھر اسی دن ایک بڑا بچہ جس کی عمر تقریباً بارہ سال ہوگی کو چھٹی کے بعد لے کر نزدیکی بستی کا بھی چکر لگایا' پہلے کی نسبت وہ اب زیادہ پر اعتماد اور پرعزم تھی وہاں بھی بہت سارے لوگوں نے اپنے بچوں کو بھیجنے کا عندیہ دیا۔ واپسی پر بچے کو اپنے گھر بھیج کر وہ اکیلی ہی گاؤں کی سمت آرہی تھی جب مخصوص جگہ پر زمان شاہ کو بے قراری سے اپنا انتظار کرتا پایا۔

"صبح کدھر گم تھے آپ؟ میں نے انتظار کیا تھا آپ کا۔" وہ اس کے پاس آ کر رکتے ہوئے بولی۔

"بس بی بی جن دنوں میں فارغ نظر آتا ہوں سمجھیں

اماں فاتاں کی نظر کرم نہیں پڑی ہوتی۔ مجھ پر اور ایک دفعہ پڑ جائے تو کام پر کام نکالے چلے جاتی ہیں میں بھی آج ملنا چاہ رہا تھا آپ کو ایک خاص چیز دکھانی تھی۔'' آج تو زمان شاہ بھی اپنے ہمیشہ والے موڈ سے یکسر ایک نیا زمان شاہ لگا جس کا چہرہ محبت کی روشنی سے چمک رہا تھا۔

''مجھے نہیں دیکھنی کوئی چیز۔'' یک دم وہ خفگی سے بولی۔ زمان شاہ کا چہرہ تاریک ہوگیا۔

''ارے تم تو پریشان ہی ہوگئے۔'' اس کا چہرہ دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ''میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ مجھے بی بی مت بلایا کرو میرا نام لیا کرو یوں لگتا ہے اپنی اماں فاتاں سے مخاطب ہو۔'' اس کے اس طرح کہنے پر اب کے زمان شاہ کی ہنسی بے ساختہ تھی پھر وہ خود ہی سنجیدہ ہوگیا۔

''کیا ہے کہ میں ابھی اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ آپ کا نام اپنی زبان پر لاسکوں۔'' کہہ کر اس نے اسے رات کی محنت اور محبت کا منہ بولتا ثبوت اس کی اپنی شکل کی صورت میں دکھایا جسے دیکھ کر حیا حیرت سے گنگ رہ گئی۔

''بہت خوب صورت...... بہت عمدہ...... مجھے تمہارا گفٹ ہمیشہ یاد رہے گا۔'' اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''اچھا حیا بی بی...... آپ کی اور میری بات چیت ادا سلطان کی نظر میں آگئی ہے اور بھی لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ میں پتہ نہیں کیسے اتنی بڑی بات فراموش کرگیا۔ آپ یہ میرا نمبر رکھ لیں جو بات کرنی ہوگی فون پر کرلیا کریں۔ اس طرح یہاں ملنا مناسب نہیں نہ ہی میں آپ کے بارے میں کوئی ایسی بات سن سکتا ہوں۔'' وہ سنجیدہ ہوگیا۔

''تھینک یو زمان شاہ...... مجھے خود خیال کرنا چاہیے تھا کہ ہر علاقے کی کچھ اقدار اور روایات ہوتی ہیں جن کی پاسداری وہاں کے لوگوں کا اولین فرض ہے تم ایسا کرنا گھر آنا میں تمہیں اپنی امی سے ملواؤں گی۔''

''نہیں بی بی...... میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میرا آپ کی زندگی میں مکمل دخل آپ کی زندگی کو زیادہ مشکل کردے گا آپ آئندہ اس طرح اکیلی مت کہیں جایا کریں کسی بچے کو ساتھ لے کر نکلا کریں۔'' سلطان شاہ کی گفتگو ذہن میں گردش کرنے لگی تو وہ متفکر سا اس سے بولا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے مقصد کے حوالے سے اتنی پرجوش اور پرعزم تھی کہ اسے ادا سلطان کی تنبیہہ کے بارے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

''چلیں میں آپ کو گھر تک چھوڑ دوں۔'' کہتے ہوئے ساتھ ہی وہ قدم بڑھا کر اس کے آگے ہولیا۔ اس کے ساتھ چلتے حیا نے بے اختیار یہ سفر اور ہم سفر دائمی ہونے کی دعا کی۔

''سنو......'' جب وہ واپس مڑنے کو تھا اس نے اسے روکا۔

''بے شک ہم ملا نہ کریں لیکن تم...... تم روزانہ ایک دفعہ اس جگہ آ تو سکتے ہو ناں...... مجھے اب تمہیں روز دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے۔'' کہتے ساتھ وہ جھپاک سے اندر غائب ہوگئی۔ زمان شاہ کو بے پایاں مسرت کے احساس نے ہمکنار کرتے ہوئے اس نے آج واضح انداز میں اپنی محبت کا احساس بخش دیا تھا واپسی کا سفر گویا پھولوں کے راستے پر طے ہوا تھا اس کا۔

◉......◉......◉

اگلی صبح عام دنوں سے زیادہ روشن اور خوب صورت تھی۔ وہ اپنے مقررہ مقام پر موجود تھا مگر اس بار ایک خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا تھا ان کے بیچ اس کے بعد حیا نے اپنی راہ اور زمان شاہ نے اپنی راہ لی تھی۔

''ٹیچر...... یہ ایک بھائی دے کے گئے آپ کے لیے۔'' بڑا سا پیکٹ تھا بچوں نے اس کے حوالے کیا تھا۔ کھولنے پر اندر بہت سی کلر پینسلز ریزر شاپنرز اور کاپیوں کے ساتھ کلرڈ کتابیں بھی تھیں۔ حیا نے سارا سامان نکال کر آخر میں ایک چٹ نکالی جس پر درج تھا۔

''روشنی کے اس سفر میں زمان شاہ کی ایک ادنیٰ سی کوشش مستقبل کے معماروں کے لیے۔'' پڑھ کر اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔ اس نے اسے باتوں باتوں میں بتایا کہ بچوں کو کتابیں تو حکومت کی طرف سے مل گئی ہیں

مگر تعلیم کے لیے دیگر لوازمات بھی چاہیے ہوتے ہیں جو غریب ہونے کی وجہ سے بچوں کے والدین شاید پورا نہیں کر پا رہے۔ اس وقت وہ خاموش رہا تھا مگر آج اس کے ایک عمل نے حیا کے دل میں جہاں اس کی قدر کو بڑھایا تھا وہاں بچوں میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔ سب سے بڑھ کر خوشی کی بات اس کے لیے یہ ہوئی تھی کہ بارہ تیرہ مزید بچے نزدیکی بستی سے بھی آئے تھے اس کے اسکول اور حکومت کی طرف سے تعینات کی گئی چیکنگ ٹیم نے بھی اس کا اسکول اسی دن چیک کیا تھا اور بچوں کی تعداد اور اس کی کارکردگی سے متاثر ہوتے ہوئے یقین دلایا تھا کہ بچوں کی تعداد کے حساب سے مفت کتابوں اور فرنیچر کی فراہمی بھی یقینی بنائی جائے گی۔

امی اس سے سارے دن کی روداد سننے کے بعد اب پرسکون نیند میں تھیں کچھ انہوں نے بھی حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا اس لیے خاصی مطمئن تھیں۔ اب حیا نے ایک نظر ان کو دیکھتے اپنی شال کو مضبوطی سے خود سے لپیٹا اور موبائل لے کر باہر آ گئی۔ مسکراتے لبوں سے اس نے وہ نمبر ملایا جو اسی وقت اس کے ذہن پر نقش ہوگیا تھا جب اس نے چٹ اس کے حوالے کی تھی۔ دوسری جانب سے گویا اسی پیش رفت کا انتظار تھا۔ جبھی پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کرلی گئی۔

”شکریہ زمان شاہ مگر مجھے اس وقت زیادہ خوشی ہوگی جب حق اور سچ کے اس سفر میں آپ کسی ڈر اور خوف کے بغیر میرا ساتھ دیں گے۔“ اس کی بات سن کر وہ مسکرا دیا۔ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ پھر وہ اسے بتاتی رہی کہ کیسے آج کل اسے اسکول میں بے حد مزہ آ رہا ہے۔ اس نے بتایا اب وہ پروگرام بنا رہی ہے کہ سیکنڈ ٹائم بچوں کو گھر بھی بلا لیا کرے۔ امی کے پاس وہ قرآن پاک پڑھیں گے اور وہ خود انہیں پڑھایا کرے گی۔ زمان شاہ کو اسے سننا ہمیشہ اچھا لگتا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔ دیہاتوں میں چونکہ رات جلدی ہوجاتی ہے سو گیارہ بجے اسے احساس ہوا کہ اس پر نیند طاری ہو رہی تھی کیونکہ وہ ایک گھنٹے سے سردی میں کھڑی اس سے بات کر رہی تھی۔ پھر بات ختم کر کے وہ جب اندر آئی سردی نے شدت اختیار کرلی۔ ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے وہ امی کے بستر میں چلی آئی پھر نیند آتے آتے بارہ تو بج ہی گئے ہوں گے جب زوردار کھٹکے پر امی کی آنکھ کھلی۔ ایسا لگا تھا دروازے کو کسی نے دھکا لگایا ہو۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھیں ان کے اس طرح اٹھنے سے حیا بھی اٹھی۔

”کیا ہوا امی؟“

”حیا..... حیا باہر کوئی ہے؟“ امی کی لرزتی آواز پر حیا نے تکیے کے نیچے ٹٹول کر اپنا موبائل نکال کر لائٹ آن کی۔ لائٹ گئی ہوئی تھی اس لیے کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اب حیا کے موبائل کی روشنی میں ہی انہوں نے پھر دروازے کو باہر سے دھکا لگنا محسوس کیا پھر ایک مرد کی کرخت سی آواز آئی۔

”دروازہ کھولو نہیں تو ہم دروازہ توڑ دیں گے۔“ یعنی وہ تعداد میں ایک سے زیادہ تھے۔ امی کے تو ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے انہوں نے حیا کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

”کون ہے باہر؟“ اب کے حیا نے بستر پر بیٹھے بیٹھے پوچھا اگرچہ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ جتنی بھی بہادر بنتی اس قسم کی صورت حال سے پہلی بار واسطہ پڑا تھا۔ کوئی خیال بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں آیا اور اس کے ہاتھ جانا پہچانا نمبر ڈائل کرنے لگے۔ اب دروازہ واقعی اس انداز میں دھڑ دھڑایا جا رہا تھا کہ جیسے نہ کھلنے پر توڑ کے ہی دم لیں گے۔ مسلسل پانچ سات منٹ اسی طرح کی کوشش جاری رکھی جاتی تو ٹوٹ بھی سکتا تھا اگر تو ایک سے زیادہ آدمی باہر موجود تھے۔

”ہیلو......“ نیند سے بوجھل آواز حیا میں جیسے نئی توانائی دوڑا گئی۔

”زمان...... زمان یہاں ہمارے گھر میں اس وقت چور موجود ہیں یا ڈاکو مجھے نہیں پتہ وہ دروازہ کھولنے پر اصرار کر رہے ہیں اور دروازہ توڑنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔“ وہ بے تحاشا روتے ہوئے بولی اس کے ہاتھ کانپ

رہے تھے جبکہ امی تو اتنی خوف زدہ تھیں کہ ان کی آواز تک نہیں نکل پا رہی تھی اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ چکے تھے ابھی وہ پوری طرح سے بات نہ بتا پائی تھی کہ سیل کی بیٹری ایک دم ڈاؤن ہونے کی وجہ سے سیل آف ہوگیا۔ دفعتاً فضا میں ایک زوردار فائر کی آواز نے دلوں کو دہلا دیا اور چند ہی لمحوں بعد بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔

"حیا...... واپس چلو اللہ کے لیے واپس چلو عزت سے بڑھ کر ایک عورت کے لیے دنیا کی کوئی چیز قیمتی نہیں ہوتی۔ آج وہ لوگ اندر آ جاتے تو سوچا ہے کہ کیا ہوتا؟" امی اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں جبکہ حیا صورت حال کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے فی الحال ساکت بیٹھی تھی۔ اسی دوران لائٹ بھی آ گئی۔ موبائل کب کا آف ہو چکا تھا۔ کمرے میں ملگجی سی روشنی پھیل گئی۔ امی نے ہمت کر کے اٹھ کر لائٹ جلائی۔

"دفع کرو ایسی نوکری کو حیا جس میں عزت جانے کا خطرہ الگ ہو اور جان جانے کے بھی لالے پڑے ہوں۔ صبح کی پہلی کرن نمودار ہوتے ہی ہم نے یہ گاؤں چھوڑ دینا ہے اور تم نے اس بار کوئی بحث نہیں کرنی۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی؟ ہماری قسمت میں جو ہونا لکھا ہے وہ دیہات ہو یا شہر ہر صورت ہونا ہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ کسی اور گھر کے دھوکے میں یہاں آ گئے ہوں۔ ہمارے پاس کیا رکھا ہے جو کوئی ڈاکا ڈالنے یہاں آئے گا۔ پھر انہوں نے ہمیں نقصان بھی تو نہیں پہنچایا اور واپس چلے گئے۔ مجھے لگتا ہے انہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ غلط جگہ آ گئے ہیں۔"

"بس کرو حیا میں اب تمہاری ایک نہیں سنوں گی اور نہ ہی ان مفروضوں پر یقین کر کے بیٹھی رہوں گی۔" وہ رات ان دونوں کے لیے بہت بھاری اور کڑی تھی۔ اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ حیا کا تو خوف زائل ہوگیا مگر امی ابھی تک اسی کے زیر اثر تھیں۔ فجر کی نماز سے قبل انہوں نے شکرانے کے نفل پڑھے اور چارپائی کے نیچے سے بیگ نکال کر یہاں وہاں دھری چیزیں اور کپڑے اس میں ڈالنے لگیں۔

"کیا کر رہی ہیں امی؟"

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں حیا۔" وہ اب اس کی کوئی ضد ماننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"اچھا مجھے ایک بار رستم شاہ کے پاس تو جانے دیں انہیں بتاؤں گی سب بات تو وہ کوئی حل بھی نکال لیں گے اس کا۔ مجھے تھوڑا سا وقت دیں پلیز...... میری ساری محنت کو اس طرح اکارت نہ کریں۔ صدیوں پرانی رسوم اور جاہلیت پر پڑے بھاری قفل میری محنت اور کوشش سے اب کھلنے کو ہیں۔ آپ یقین کریں کہ مجھے تھوڑا سا وقت دیں پھر میں آپ کی ہر بات مانوں گی۔" ہمیشہ کی طرح آج بھی اس نے ضد کر کے تاویلیں دے کر امی سے اپنی بات منوا ہی لی تھی۔

◉......◉......◉

"کیسی ہیں بی بی...... کیا ہوا کون لوگ تھے رات؟ آپ نے ادھوری بات کر کے مجھے پریشان ہی کر دیا۔ میں فوراً ہی آیا تھا یہاں مگر تب تک وہ لوگ وہاں سے فرار ہو چکے تھے پھر تب سے اب تک میں یہیں آس پاس ہی رہا ہوں۔ آپ کا سیل بھی آف تھا اور اس وقت میں آپ کے گھر نہیں آنا چاہتا تھا۔" شدید کہر بھری صبح میں بھاری شال خود سے لپیٹے سردی سے سرخ ہوتا چہرہ لیے وہ بے حد پریشان تھا اور دھند کی ایک دبیز چادر نے سارے منظر کو خود میں سمو لیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ بہت قریب آنے پر اس کی کالی شال کی جھلک نظر آئی تھی اسے تب پتہ چلا تھا کہ کوئی ذی روح تھا وہاں اس کے علاوہ بھی۔ حیا کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔

"مجھے یہ سلطان شاہ کا کام لگتا ہے زمان۔ وہ اب اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔" وہ نفرت سے بولی۔ زمان شاہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"آپ چھوڑیں یہ سب بی بی واپس چلی جائیں۔ وہ اپنی راجدھانی میں نہ تو کسی کی مداخلت برداشت کرتا ہے

نہ اپنے اصولوں کی روگردانی۔"

"نہیں زمان شاہ میں ایسے ہار نہیں مانوں گی۔ مجھے ایک دفعہ رستم شاہ نے اپنے گھر میں ایک کمرہ دینے کی پیشکش کی تھی۔ سوچ رہی ہوں امی کو لے کر وہیں شفٹ ہو جاؤں' رینٹ تو ہم یہاں بھی دیتے ہیں' وہاں کا بھی دے دیں گے بس یہ ہے کہ وہاں امی بھی مطمئن ہوں گی اور وہ اتنی آسانی سے وہاں ایسے ہتھکنڈے نہیں آزمائے گا۔ میں نے ان ننھی ننھی کلیوں کی آنکھوں میں جو خواب سجائے ہیں انہیں اتنی آسانی سے نوچنے نہیں دوں گی۔" عزم پھر بھی جوان تھا زمان شاہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"بی بی آپ سلطان شاہ کو جانتی نہیں ہیں' وہ نہ تو رستم شاہ سے ڈرتا ہے نہ کسی اور سے' وہ آپ کو یہاں سے نکالنے کے لیے کوئی اور ترکیب لڑائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو نقصان پہنچے اللہ کے لیے آپ چلی جائیں یہاں سے۔"

"تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تو میرے ارادے کو بھی متزلزل مت کرو۔ ویسے بھی جو شخص اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھا سکتا دوسرے کا کیا سہارا بنے گا۔" اس بار اس نے غصے سے کہا اور زمان شاہ کے چہرے پر پھیلی شکستگی دیکھے بغیر وہاں سے بھاگ گئی۔ رستم شاہ نے اس کی بات تحمل سے سنی تھی۔

"میں نے تو پہلے بھی کہا تھا بی بی کہ آپ یہاں مہمان ہیں اور پھر آپ کا درجہ تو یوں بھی بلند ہے کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک اچھے مقصد کے لیے آئی ہیں تو آپ یہاں میرے گھر پر رہیں۔ میری اماں ہیں' بیوی ہے' بھرا پرا گھر ہے' آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ باقی کون لوگ تھے جنہوں نے آپ کو ہراساں کیا اس کا بھی جلد ہی پتہ چل جائے گا۔" ان سے بات کرتے ہی وہ امی کو لے کر رستم شاہ کے گھر آ گئی۔ دو دن سے اس نے زمان شاہ کو نہیں دیکھا تھا۔ پھر اپنا تلخ لہجہ اور بات یاد آئی تو شرمندہ ہو گئی۔ اتنی جلدی بھلا وہ اس پر سے اس کی فطرت اور ماحول کے چڑھائے گئے رنگ کیسے اتار سکتی تھی۔ اس کے لیے وقت چاہیے تھا۔ وہ ناراض ہوگا' مجھے اسے کال کرنی چاہیے۔ اس نے سوچا۔

آج بھی وہ ایک بچے کے ہمراہ سروے کے لیے نکلی تھی۔ پھر پلک جھپکتے میں ایک جیپ اس کے پاس رکی اور لمحوں میں وہ سارا کچھ ہو گیا جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس کے ساتھ جو بچہ تھا وہ شور مچاتا' چیختا رہ گیا اور گاڑی منٹوں میں ہی دھول اڑاتی وہاں سے غائب ہو گئی۔

اس کے اغوا کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی اور وہ جو سمجھے بیٹھی تھی کہ زمان شاہ اس سے ناراض ہے اسے سلطان شاہ نے دو دن سے شہر بھیجا تھا زمین کے لیے رقم کی کچھ ادائیگی ہونی تھی سو اپنے ایک خاص بندے کے ساتھ زمان شاہ کو بھی بھیجا تھا' وہ اسی شام کو پہنچا تھا پھر جس وقت اسے پتہ چلا کچھ دیر تو سن دماغ لیے وہ بیٹھا رہ گیا پھر تیر کی تیزی سے ادا سلطان کے پاس آیا تھا۔

"آپ نے ہی اغوا کرایا ہے ناں اسے؟" پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ جس پل وہ وہاں آیا تھا اور پھر بولا تو ادا سلطان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"جوانی اندھی ہوتی ہے سنا تھا' پر آج دیکھ بھی لیا' اپنی آنکھوں سے۔ میرے سامنے زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالنے والا بھائی آج مجھ پر آنکھیں نکال کے کھڑا ہے۔ کہا تھا ناں تمہیں کہ سمجھا دو اسے۔ اب اسے کھلا تو نہیں چھوڑ نا تھا میں نے کہ غلاموں کو ورغلا کر میرے سر پر بٹھا دے اور میں دیکھتا رہوں۔"

"غلام نہیں ہیں لوگ آپ کے' نہ زرخرید نوکر' پورا حق ہے ان کا تعلیم پر' شعور پر' زندگی کی ہر ضرورت پر اور وہ معصوم لڑکی صرف انہیں تعلیم کا شعور دینے آئی تھی بس۔" اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ سلطان شاہ کا زوردار گھونسہ اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر گیا پھر سلطان شاہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اسے گھونسوں اور لاتوں پر رکھ لیا۔

"یہی بغاوت نہیں چاہتا میں جو اس نے تم میں پیدا کی اور جو میرے لوگوں میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنے کیے کی ایسی عبرتناک سزا بھگتے گی وہ کہ اس کی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔" مغلظات بکتے ہوئے سلطان شاہ کی زبان ان دونوں کے قصیدے پڑھ رہی تھی اور ہاتھ اور پاؤں بری طرح سے زمان شاہ کو زدوکوب کرنے پر مجبور تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ خوف کی آخری سرحد کے پار ہی حوصلے اور ہمت کی حد شروع ہوتی ہے اور بات جہاں محبت کی ہو تو پھر انسان خود پر تو زیادتی برداشت کرسکتا ہے، جس سے محبت کرتا ہو اس پر نہیں۔

"بولوں گا' ایسے ہی بولوں گا لوگوں کے حق میں اور بی بی کے اس مشن کو ویسے ہی آگے بڑھاؤں گا۔" اس نے اس بے خوفی سے کہا کہ خود سلطان شاہ دم بخود رہ گیا۔ برسوں سے کی گئی محنت اکارت ہوتی محسوس ہوئی اس پل۔ جو کام حیا سمجھا کر نہ کرپائی تھی اس کی جدائی کے چند گھنٹوں نے زمان شاہ سے کروالیا تھا۔ پھر سلطان شاہ کو مزید سوچنے یا عمل کرنے کا موقع نہ مل سکا کہ زمینوں پر پانی کے مسئلے پر ایک لڑائی میں اس کے اور رستم شاہ کے مزارعوں میں شدید لڑائی ہوئی تھی۔ رستم شاہ کا ایک بندہ مارا گیا تھا سلطان شاہ کے بندے کے ہاتھوں جبکہ دوسرا شدید زخمی تھا۔ سلطان شاہ فی الحال اسی معاملے کو سلجھانے کی الجھن میں زمان شاہ کی اتنی بڑی تبدیلی پر زیادہ غور نہ کرسکا۔

○......○......○

"امی....." ہچکیاں لیتے ہوئے اس کی سسکی نکلی تھی۔ گاڑی میں بے ہوش ہوجانے کے بعد اسے ایک تنگ سے اندھیرے کمرے میں ہوش آیا تھا۔ کچھ دیر یونہی لیٹی رہی کہ حواس ابھی پوری طرح سے قابو میں نہ تھے' پھر جیسے ہی گزرے واقعے کی فلم ذہن کی اسکرین پر چلی تو اندازہ ہوا کہ وہ کتنی بڑی مشکل میں پھنس چکی ہے۔ آنسو روانی سے بہنے لگے کچھ ہی دیر میں وہ زاروقطار روتے ہوئے کسی کو مدد کے لیے بلا رہی تھی۔ مگر یوں لگتا تھا کہ اس کے سوا یہاں کوئی ذی روح موجود ہی نہ ہو۔ صرف ایک پلنگ جس پر وہ لیٹی ہوئی تھی۔ لکڑی کے دروازے کے پٹ مضبوطی سے بند تھے اور دس فٹ کے اس کمرے میں کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس کا پرس بھی غالباً ان لوگوں نے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا۔ تین چار گھنٹے روتے اور کسی کو مدد کے لیے پکارتے اس کا گلا بیٹھ گیا پھر جب وہ امید ہی چھوڑ بیٹھی تھی' لکڑی کے دروازے پر آہٹ پر اس نے اپنا دوپٹہ اپنے گرد مضبوطی سے کسا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ایک خوف ناک سے شکل والے گن مین کے ساتھ سلطان شاہ کو دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچ لے۔

"ہاں تو استانی صاحبہ' دیکھ لیا اپنی ضد کا انجام۔" اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ایسا مت کرو سلطان شاہ مجھے واپس جانے دو' میری امی بہت پریشان ہوں گی میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہارے گاؤں سے واپس چلی جاؤں گی۔" اس کی آواز بھرا گئی اس ظالم سے التجا کرتے ہوئے' اس بار سلطان شاہ کے حلق سے بے اختیار ایک قہقہہ نکلا۔

"سلطان شاہ اتنے مواقع کسی کو نہیں دیتا جتنے تمہیں دیئے مگر تم اسے شاید ہماری کمزوری سمجھی تھی۔ وہ ہماری کمزوری نہیں تھی۔" وہ اس کے بے حد قریب آگیا۔ "تم ہمارے دل کو بھا گئی ہو' اس لیے اب تمہاری رہائی بھی ہماری شرائط پر ممکن ہے۔" حیا سمٹ کر مزید پیچھے ہوئی۔

"کیسی شرائط سلطان شاہ...... میں نے کہا ناں' میں لکھ کر دیتی ہوں تمہیں کہ اب کبھی تمہیں نظر نہیں آؤں گی پلیز مجھے جانے دو۔"

"نہ...... نہ حیا بی بی...... ایسے رونا' گڑگڑانا تم جیسی جی دار لڑکی کو زیب نہیں دیتا۔ تمہاری بہادری ہی تو بھا گئی ہے سلطان شاہ کو' ہم سے ویسے ہی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو' تمہیں اپنے دل کی رانی بنا کر رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے ہم نے۔" حیا کی تو خوف سے آنکھیں پھٹ گئیں اس کی فرمائش سن کر۔

"جلد ہی نکاح ہوگا ہمارا...... پھر دھوم دھام سے لے کے جائیں گے تمہیں گاؤں اپنی دلہن بنا کے۔" جیسے ہی سلطان شاہ نے اس کے نرم گال کو چھوا وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر چیخ پڑی۔

"بکواس مت کرو سلطان شاہ، میں تمہاری زرخرید غلام نہیں ہوں جو میری زندگی کا ہر فیصلہ تم کرو گے۔" ساری نازک صورت حال کو بھول کر وہ اس لمحے وہی پرانی حیا تھی۔

"رہنا تم نے ہماری بن کے ہے۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے، نکاح میں آ کر رہو یا بغیر نکاح...... یہ فیصلہ تم پر چھوڑتے ہیں۔ جلد ہی دوبارہ آئیں گے۔" اسی اطمینان اور سکون سے کہہ کر وہ چلا گیا یہ سوچے بغیر کہ حیا پر کتنی مشکل گھڑی اتری تھی اس پل۔

◐......◐......◐

"جب تک آپ کی ٹیچر نہیں آتیں، آپ کو میں پڑھاؤں گا۔" ہم نے ان کے خواب کو آگے لے کر جانا ہے، آپ کو اس گاؤں کے تمام بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا خواب حیا کے ادھورے کام کو وہ ڈنکے کی چوٹ پر پورا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ صرف یہی نہیں اس نے سلطان شاہ کے خلاف جا کر حیا کے اغوا کی رپورٹ بھی درج کرائی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ مقامی علاقے کے ایس ایچ او نے فون کر کے سلطان شاہ کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا اور بتایا تھا کہ وہ فی الحال رپورٹ درج نہیں کر رہا لیکن اگر زمان شاہ شہر چلا گیا اور اوپر کہیں بات پہنچا دی تو ایک ٹیچر کو غائب کروانے والی بات زیادہ دیر چھپ نہیں سکے گی اور نہ ہی وہ کچھ کر پائے گا اگر اس پر اوپر سے دباؤ ڈالا گیا کیونکہ زمان شاہ نے مقامی تھانے کے چکر لگا لگا کر ان کا ناطقہ بند کیا ہوا تھا۔ سلطان شاہ ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ وہ فی الحال اسی مسئلے کو دبانے میں لگا تھا جو اس کے خاص آدمی کے ہاتھوں رستم شاہ کے بندے کا قتل ہوا تھا اگر وہ شخص پکڑا جاتا تو سلطان شاہ کے بھی بہت سے کالے کارنامے کھلنے کا خطرہ تھا جبکہ اس بار رستم شاہ کی کھل کر سامنے آیا تھا اس کے خلاف۔

حیا کی امی کی رو رو کر حالت غیر ہو چکی تھی۔ آج چار روز گزر جانے کے بعد بھی حیا کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ وہ چونکہ سلطان شاہ کی حیا سے چپقلش سے ناواقف تھیں اس لیے یہ جاننے یا اندازہ لگانے سے قاصر تھیں کہ یہ سب اس کا کارنامہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ رستم شاہ نے ان کو تسلی دی تھی کہ وہ کوشش کر رہے ہیں ان کی بیٹی کے بارے میں جلد پتہ لگانے کا مگر ان کو کسی پل چین نصیب نہیں تھا۔

◐......◐......◐

"یہ کیا بکواس ہے زمان شاہ...... مجھے بھول گئے ہو یا میرے نظر سے اوجھل ہونے کو میری کمزوری سمجھ بیٹھے ہو۔" سلطان شاہ نے عدالتی نوٹس ٹیبل سے اٹھا کر زمان شاہ کے منہ پر مارا جو عدالت کی طرف سے زمان شاہ نے بھیجا تھا کہ چونکہ وہ اپنے والد کی تمام جائیداد میں سلطان شاہ کے برابر کا حق دار ہے سو جلد از جلد اس کے حصے کی جائیداد اس کے حوالے کی جائے۔

"یہ میرا حق ہے سلطان شاہ اور اس سے آپ تو کیا کوئی بھی مجھے محروم رکھنے کا روادار نہیں۔" سلطان شاہ کے سامنے تن کر کھڑا وہ زمان شاہ ہرگز نہیں تھا جس کی اپنے بھائی کو دیکھ کر گھگھی بندھ جاتی تھی بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا حق طلب کرتا اس کی ٹکر کا زمیندار لگ رہا تھا۔

"اور ہاں...... آپ کا وطیرہ ہے کہ جو آپ کی غلط سرگرمیوں اور کالے کرتوتوں سے واقف ہو جائے یا آپ کی حکم عدولی کرے اسے آپ غائب کرا دیتے ہیں یا راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ میں عدالت کو اور اپنے وکیل کو پہلے ہی بتا دیا ہے کہ مجھے کچھ ہو جانے کی صورت میں ذمہ دار سلطان شاہ کو سمجھا جائے۔ ابھی بھی وقت ہے کہ حیا کو چھوڑ دیجیے۔ جس دن میں نے اسے ڈھونڈ لیا آپ کو کہیں جائے پناہ نہیں ملے گی۔" سلطان شاہ نے بغور اس کا انداز اور لہجہ ملاحظہ کیا اور مضبوط قدم اٹھاتا زمان شاہ کے سامنے ٹھہرا۔

"اب مزہ آئے گا زمان شاہ..... سلطان شاہ شیر ہے اس لیے اسے لڑائی کا مزہ بھی شیروں کے ساتھ آتا ہے۔ یہ جائیداد میرے باپ کی ہے اور اس پر حق صرف اس کی خاندانی اولاد یعنی سلطان شاہ کا ہے۔ تم سے جو بن پڑتا ہے وہ جا کے کرو اور رہی استانی تو وہ جلد ہی تمہاری بھابی کے درجے پر فائز ہونے والی ہے۔ جلد ہی اس نئی حیثیت میں ملو گے اس سے۔" ایک کمینی مسکراہٹ کے ساتھ سلطان شاہ نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔

"بکواس بند کرو سلطان شاہ..... تم ایسا کچھ نہیں کرو گے اس کے ساتھ۔ دیکھو میں اپنی جائیداد والی شرط سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں، تم اسے آزاد کردو۔ اس کی ماں کی حالت بہت خراب ہے۔" زمان شاہ نے پہلے غصے میں پھر مصالحتی انداز میں کہا۔

سلطان شاہ اس کی بات سن کر اور حیا کے لیے اس کی بے تابی دیکھ کر قہقہے لگاتا چلا گیا۔ زمان شاہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر پیر پٹخ کر وہاں سے چلا گیا۔

"ہاں بچل..... زمان شاہ بہت پر پرزے نکالنے لگا ہے۔ اس کی صرف جان بخشی کرنی ہے، بس، باقی جو چاہے حال کرو، اجازت ہے تمہیں، خیال رہے کہ کچھ عرصہ تک بستر سے اٹھنے نہ پائے وہ اور واقعے کو بالکل حادثے کا رنگ دینا ہے۔ ہم اس وقت کوئی نیا مسئلہ لینے کے حق میں نہیں ہیں۔ سمجھ گئے ہو ناں میری بات؟" زمان شاہ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد ایک طنزیہ مسکراہٹ سلطان شاہ کے چہرے پر آئی اور موبائل پر اپنے خاص کارندے کو زمان شاہ کے متعلق ہدایات دیں۔

◉.....◉.....◉

حیا نے خالی خالی نظروں سے اپنے پاس پڑے شادی کے تمام لوازمات کو دیکھا اور کوئی خیال آنے پر ایسے پیچھے دھکیل دیا جیسے وہ زہریلے ناگ ہوں، ایک گھنٹہ پہلے ہی وہی عورت اس کے پاس یہ سب رکھ کر گئی تھی جس کے بارے میں وہ سمجھی تھی کہ شاید وہ گونگی اور بہری ہو کیونکہ وہ جب سے یہاں لائی گئی تھی وہی عورت بس تین ٹائم کھانا رکھ کر بغیر کچھ کہے سنے چلی جاتی، اس نے بہت منتیں کی تھیں اس کی کہ اسے جانے دیا جائے، روئی گڑگڑائی بھی تھی مگر وہ ان سنی کر کے چپ چاپ چل دیتی تو تب حیا نے سمجھا تھا کہ شاید وہ سننے اور بولنے کی قوت سے محروم ہے۔ آج جب اسے بولتے سنا تو حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔

"خان نے کہا ہے کہ یہ سب پہن کر تیار رہو وہ کچھ دیر میں پہنچنے والے ہیں۔ کہنا نہ ماننے پر نتائج کی ذمہ دار رہنا۔" اس نے کسی روبوٹ کے سے انداز میں یہ پیغام سنایا اور اس کی بات سنے بغیر ہمیشہ کی طرح باہر چلی گئی۔ پھر سہ پہر سے شام ڈھل گئی، حیا کا آنے والے لمحات کا سوچ کر برا حال تھا۔

"یا اللہ..... میری عزت کی حفاظت کرنا۔ کہاں ہو تم زمان شاہ دیکھو تو تمہارے بھائی نے کیسا ظلم توڑا ہے۔ مجھ پر اور تمہیں تو شاید علم بھی نہیں ہوگا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی اور اسے یاد کرتی رہی۔ پھر رات کا اندھیرا بڑھتے ہی چہل پہل کی آواز پر وہ خوف کے مارے کھڑی ہوگئی۔ اردگرد کچھ ایسا تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے وہ اپنی حفاظت کر سکے لیکن ایسا تو وہ کئی بار کر چکی تھی وہاں صرف ایک چارپائی کے کوئی اضافی تنکا بھی موجود نہ تھا۔ ایک سے زائد قدموں کی آواز پر وہ سمٹ گئی اور دروازہ کھلنے پر جو پہلا فرد نظر آیا تھا اسے دیکھ کر اس کی نظریں وہیں ٹھہر گئی تھیں۔ وقت گویا رک گیا تھا۔

"زمان شاہ.....!" لفظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے اور وہ خود بھاگ کر اس کے بازو سے آ لگی۔

"زمان..... مجھے بچالو..... مجھے لے جاؤ اپنے بھائی کی قید سے..... میں وعدہ کرتی ہوں اب مڑ کر یہاں کبھی قدم نہیں رکھوں گی۔" روتے روتے وہ پتہ نہیں کیا کیا بول رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا..... میں آ گیا ہوں ناں، سب ٹھیک ہو جائے گا..... میں آپ کو کہیں جانے نہیں دوں گا۔ ابھی فی الحال یہاں سے نکلنا ہے کیونکہ جلد ہی یہاں

پولیس کی ریڈ متوقع ہے۔" وہ نرمی سے اس کے آنسو پونچھ کر اسے الگ کرتا ہوا بولا۔ زمان شاہ اکیلا نہیں تھا وہاں اس کے ساتھ رستم شاہ اور دو تین لوگ اور بھی تھے جنہوں نے اسے زمان شاہ کے ساتھ گاڑی پر بھجوا دیا تھا۔ برائی جتنے بھی اپنے پر کیوں نہ پھیلالے ظلم کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو...... جب حد سے گزرتا ہے تو اسے مٹنا ہی ہوتا ہے سلطان شاہ نے بھی ظلم کی حد کردی تھی۔ تب ہی اللہ نے اس کی رسی کو زیادہ دراز نہیں ہونے دیا۔ شہر میں مقدمے کی پیشی کے بعد واپسی پر اس کی گاڑی کو شدید حادثہ پیش آیا اور وہ جانبر نہ ہوسکا۔

"میں نے اللہ سے تمہاری واپسی کے لیے اتنی دعائیں کیں، دن رات تمہاری تلاش کے لیے کہاں کہاں نہیں پھرا اور اب جب میرے اللہ نے سب کچھ ٹھیک کردیا۔ آپ کو مجھ سے ملادیا۔ آپ کے اسکول کے بچوں کا آپ کی غیر موجودگی میں آپ سے بھی بڑھ کر خیال رکھا۔ انہیں پڑھایا اور سب سے خوشی کی بات میرے کہنے پر کچھ لوگوں نے اپنے بچے بھی اس اسکول میں بھیجے سلطان شاہ کا خوف رکھے بغیر۔ اب آپ جانے کی بات کررہی ہیں؟" گاڑی میں جب وہ مسلسل روتے ہوئے واپسی کی رٹ لگائے بیٹھی تھی۔ زمان شاہ نے اسے بتایا تھا۔ "رستم خان کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ہے کہ ان کا ساتھ نہ ہوتا تو میں آپ تک نہ پہنچ سکتا۔ آپ کی امی ابھی تک ان کے گھر پر ہیں۔ رستم خان نے ان سے آپ کی برآمدگی کا وعدہ کیا تھا۔ سلطان شاہ کے خاص کارندے کی نشاندہی میں نے کی تھی اسے قابو رستم خان نے کیا۔ دولت بڑے بڑوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیتی ہے۔ اس شخص نے صرف آپ کا پتہ ہی نہیں بتایا بلکہ سلطان شاہ کے کئی کارناموں کا بھی بتایا' یہ فارم ہاؤس جہاں آپ کو رکھا گیا تھا سلطان شاہ کی وہ خاص اور خفیہ جگہ ہے جہاں پر اس کے بہت سے ناجائز کام پایہ تکمیل تک پہنچتے تھے۔" زمان شاہ نے اب مزید بتایا۔

حیا نے بے اختیار خوف سے جھرجھری لی کہ اگر سلطان شاہ آج آجاتا تو...... پھر اپنے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سکون سے اپنا سر سیٹ کی بیک سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔

◐......◐......◐

"حیا...... جلدی آئیں بھئی اسکول کا ٹائم ہورہا ہے۔ آپ کو اسکول چھوڑ کے پھر مجھے شہر جانا ہے۔" باہر سے زمان شاہ کی آواز آئی تو حیا نے جلدی جلدی اپنی تیاری کو آخری ٹچ دیا اور خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ باہر آگئی۔ جہاں اس کا بے حد چاہنے والا شوہر اس کا منتظر تھا۔ تخت پر بیٹھی امی نے مسکرا کر دونوں کو ساتھ اسکول جاتے دیکھا اور دل ہی دل میں ان کی نظر اتاری تھی۔

چاہنے والے تو بہت ہوتے ہیں۔ مگر اصل چاہنے والا وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کے لیے خود کو بدل ڈالے۔ زمان شاہ اس کا اصل چاہنے والا تھا' جس نے نہ صرف حیا کے لیے خود کو بدلا تھا بلکہ اس کے ساتھ مل کر اس علاقے کے لوگوں کی بہتری کے لیے کوشاں تھا۔ اب گاؤں کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں کا بچہ اسکول نہ جاتا ہو حیا کو یقین تھا کہ چراغ سے چراغ جلا تو یہ جہاں یونہی منور ہوگا۔ بیس دن پہلے ہونے والی ان دونوں کی شادی میں پورے گاؤں نے بڑی مسرت سے شرکت کی تھی۔ انہیں اپنا یہ نیا زمیندار بے حد پسند آیا تھا جو ان کے دکھ درد میں برابر کا شریک تھا۔ وہ جلد ہی گاؤں میں ایک ہسپتال بنوانے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ چمکتے سورج' کھلتے پھولوں اور معطر ہوا نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ چلتے دیکھا پھر اپنی چمک' خوشبو اور تازگی بڑھادی تھی۔ بہاروں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ موسم گل آنے کو تھا نہ صرف ان کے لیے بلکہ پورے گاؤں والوں کے لیے۔

بے حسی اور بے بسی

سلمیٰ غزل

پورا محلہ سوگوار تھا' ہر آنکھ پرنم تھی' مولا بخش اور حلیمہ کے دکھ میں سب برابر کے شریک تھے۔ غریبوں کے پاس کچھ ہو نہ ہو مگر آپس میں بھائی چارگی اور محبت ضرور ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی ہر خوشی اور غم سانجھا' مگر غریبوں کے لیے شاید سب سے سستی تفریح بچوں کی فوج بنانا ہے' ہر گھر میں غریبی' مفلسی اور بیچارگی تھی مگر بچوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مولا بخش کو جب تین بیٹیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی شکل میں اپنی نعمت سے نوازا تو پورے محلے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ دونوں میاں بیوی اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے مگر حلیمہ کی ساس اٹھتے بیٹھتے حلیمہ کو سناتی رہتی تھیں۔

''بہو بیٹے کے لیے بھائی ہونا ضروری ہے لڑکیاں تو اپنے گھر کی ہو جائیں گی' اکیلا جنا کیا بھاڑ بھونے گا' بھائی کا سہارا بھائی بنے گا' کندھے سے کندھا ملا کر چلنے والا۔'' حلیمہ جل کر جواب دیتی۔

''اماں کیا میں لکھوا کر لائی ہوں کہ بیٹا ہی ہوگا اگر بیٹی ہوگئی تو......؟''

''اے لو کیوں ایسی منحوس فال منہ سے نکالتی ہو تم ارادہ کرو اللہ نے چاہا تو بیٹا ہی ہوگا۔''

''اماں یہ بھی تو سوچیں کھانے والے ہم اتنے اور کمانے والا صرف اکیلا مولا بخش' میں چاہتی ہوں میرا بچہ تعلیم حاصل کرے بچیوں کو تو مولا بخش نے پانچ جماعتوں کے بعد اٹھا لیا مگر میں اپنے شہزادے کو اعلیٰ تعلیم دلواؤں گی'' حلیمہ نے اپنے اکلوتے بیٹے اختر کو چومتے ہوئے کہا کئی سال گزر گئے پھر اچانک حلیمہ امید سے ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ''رحمت نعمت'' دونوں سے نواز دیا۔ بیٹے کی خوشی میں سب چوتھی بیٹی کا دکھ بھول گئے اور حلیمہ دونوں بیٹوں کی تعلیم کے لیے اونچے اونچے خواب دیکھنے لگی۔ اور ان خوابوں کو تعبیر دینے کے لیے خود اس نے بھی کمر کس لی اور بنگلوں میں کام کرنے لگی مگر پھر بھی پورا نہ پڑتا تھا' مہنگائی کے عفریت نے ہر گھر میں ڈیرا جما لیا تھا' کبھی کبھی حلیمہ پریشان ہوتی تو دکھ سے سوچتی۔

''یا اللہ یہ دولتمند لوگ زیادہ کی ہوس میں ہر جائز اور ناجائز کام آنکھ بند کر کے کیے جاتے ہیں کیا انہیں ہم غریبوں کے خالی گھر اور اوندھے چولھے نظر نہیں آتے کیا' کیا یہ دولت کے پجاری قیامت تک بوریاں سمیٹنے کے لیے زندہ رہیں گے؟ اور یہ مال ومتاع قبروں میں ان کے ساتھ ہی جائے گا؟ جس کے لیے یہ گناہ کر رہے ہیں' وہ تو ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے بھی نہیں آئیں گی اور یہ دولت قبر میں ان کو سانپ بچھو کی طرح ڈسے گی۔'' پھر وہ خود ہی اپنے خیالات پر لعنت بھیج کر توبہ کرنے لگتی۔

''اللہ جی مجھے معاف کر دینا مجھے پتہ ہے ہم غریبوں کی یہ آزمائش ہے اور میرا ایمان ہے کہ اس جہاں میں ہم عیش کریں گے اور یہ دولت کے پجاری اس دنیا میں اپنے کیے کی سزا بھگتے گے۔'' اختر اب دسویں جماعت میں آ گیا تھا اور حلیمہ پھولے نہیں سما رہی تھی۔ وہ اس کے خاندان کا پہلا لڑکا تھا تب وہ حادثہ پیش آ گیا جس نے اس گھر کے مکینوں کو سر سے پاؤں تک ہلا کر رکھ دیا۔

مولا بخش کا ہاتھ مشین میں آ گیا اور وہ ایک ہاتھ سے محروم ہو گیا۔ ایک پیر سے پولیو کی وجہ سے وہ پہلے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہی لنگڑا کر چلتا تھا اب تو کسی کام کا نہیں رہا تھا' حلیمہ اس کی جان بچ جانے پر ہی اللہ کی شکر گزار تھی۔ شروع شروع میں تو پڑوسیوں اور کارخانے کے مالکوں نے کچھ مدد کی مگر کب تک' آس پاس بھی سب انہی جیسے لوگ تھے اور اب گھر میں فاقوں کی نوبت آنے لگی تھی۔ مولا بخش کو معذوری نے کافی چڑچڑا بنا دیا تھا۔ سارا دن گالیاں دیتا اور چیختا چلاتا رہتا تھا۔ کارخانے کے مالک نے رحم کھاتے ہوئے باپ کی جگہ بیٹے کو کارخانے میں رکھنے کی پیش کش کردی تھی مگر حلیمہ کسی صورت اختر کو اسکول سے اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ آخر ایک دم مولا بخش کو غصہ آ گیا۔

''نیک بخت کب تک تو اپنے لاڈلے کو پڑھائے گی۔ پڑھ لکھ کر بھی کوئی افسر نہیں لگنے والا تیرا بیٹا آج کل تو پڑھے لکھے لوگوں سے زیادہ ان پڑھ کما لیتے ہیں' محنت مزدوری کرکے۔ کسی مشہور ادیب کا لکھا میرا دوست سنا رہا تھا کہ ''اس ملک کو جتنا نقصان پڑھے لکھے اور امیر لوگوں نے پہنچایا ہے اتنا ان پڑھ لولوں نے نہیں پہنچایا۔'' کچھ ایسا ہی بتا رہا تھا کیونکہ غریب کو محنت مشقت میں شرمندگی محسوس نہیں ہوتی بس چار پیسے عزت سے مل جائیں اور تیرا یہ بیٹا اگر پڑھ گیا تو کسی کام کا نہیں رہے گا' نوکری بھی آج کل بغیر پیسوں کے نہیں ملتی' بکتی ہے اب۔ پھر یہ تین میں رہے گا نہ تیرہ میں۔ میری مان تو اس کو میری جگہ رکھوا دے کم از کم دال دلیہ تو چل ہی جائے گا' کل کو بیٹیوں کی بھی شادی کرنی ہے اور تیری بڈھی ہڈیوں میں بھی کتنا دم خم رہے گا تو اپنے ارمان اختر کے چھوٹے بھائی افسر پر پورے کرلینا۔''

حلیمہ کو بھی حالات نے بے بس کردیا' مجبور ہو کر اس نے اختر کو اسکول سے اٹھالیا اور وہ باپ کی جگہ کارخانے میں کام کرنے لگا۔ شروع شروع میں تو اس کو اسکول چھوڑنے کا بڑا ملال تھا مگر آہستہ آہستہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس نے بھی کام میں دل لگالیا' اب تو وہ اوور ٹائم بھی کرلیتا تھا اس دن وہ کام سے واپس آیا تو بہت خوش تھا۔

''اماں صاحب بتا رہے تھے کارخانے کی چوتھی منزل بھی بننا شروع ہونے والی ہے اور وہ اب مجھے لکھنے پڑھنے کا کام دے دیں گے اور میری تنخواہ بھی بڑھ جائے گی۔''

''اماں!'' وہ خوش ہو کر بولا۔ ''میں نے پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دینے کا سوچ لیا ہے تو چاہتی تھی نا کہ میں بہت پڑھوں تو اب میں پرائیویٹ ہر سال امتحان دیا کروں گا اور ایک دن بڑا آدمی بن کر تجھے دکھاؤں گا تب تجھے میں بٹھا کر کھلاؤں گا اور کوئی کام نہیں کرنے دوں گا۔'' اختر نے پیار سے کہا تو حلیمہ خوشی سے نہال ہوگئی۔

زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا گھر میں اگر خوشحالی نہیں تھی تو فاقے بھی نہیں ہو رہے تھے۔ مولا بخش نے بھی ایک بڑی دکان پر چوکیداری شروع کردی تھی جہاں اس کا کام نوکروں پر نظر رکھنا اور آنے جانے والوں کی نگرانی کرنا تھا اس طرح کچھ رقم بھی ہاتھ آ جاتی تھی۔

آج صبح ہی سے حلیمہ بے چین بے چین گھوم رہی تھی اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا' نہ کام پر جانے کو دل کر رہا تھا' عجیب سی بیقراری نے اس کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ ہاتھ پاؤں سن اور دل بیقرار ہو رہا تھا' وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی اختر کام پہ اور افسر اسکول جا چکا تھا تب ہی پڑوس کا حمزہ بھاگتا ہوا آیا۔

''خالہ خالہ ابھی ابھی ٹی وی میں بتایا ہے کہ وہ کارخانہ جس کی چوتھی منزل بن رہی تھی جہاں ہمارا اختر کام کرتا ہے گر گئی ہے خالہ اختر کہاں ہے؟'' حلیمہ کی چیخوں سے پورا محلہ گونج اٹھا۔ پورا محلہ اس بلڈنگ کے پاس اکٹھا ہو گیا جس کو پولیس اور فوج کے جوانوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا اور کسی کو آگے نہیں جانے دے رہے تھے۔ لوگوں کی چیخوں اور آہ وزاری سے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا' آسمان کا سینہ شق ہو رہا تھا' کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہو کتنوں کے پیارے ملبے تلے دبے تھے زندہ یا مردہ ان کی آہ و بکا سے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ کرین کی مدد سے ملبے کے نیچے سے جب کوئی ذی روح باہر آتا تو لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں۔

زندہ دیکھ کر خوشی سے اور مردہ دیکھ کر غم میں۔ حلیمہ نے چیخ چیخ کر اپنا گلا بٹھا لیا تھا رو رو کے اب تو اس کے آنسو بھی خشک ہو گئے تھے وہ دونوں ہاتھوں سے زمین کھرچ رہی تھی' ملبہ ہٹانے کی کوشش میں اس کی انگلیاں زخمی ہو گئی تھیں مگر اس کو تکلیف کا احساس نہیں تھا تب ہی ان کا پڑوسی رسول بخش بھاگتا ہوا آیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل حلیمہ کی طرف بڑھایا۔

''حلیمہ بہن اختر۔'' حلیمہ نے بیقراری سے موبائل کان سے لگا لیا جس سے اختر کی بڑی کمزور سی آواز آ رہی تھی۔

''اماں میں مر جاؤں گا خدا کے لیے مجھے بچا لو میرا دم گھٹ رہا ہے مجھے ڈر بھی لگ رہا ہے' اماں میں بہت تکلیف میں ہوں' مجھے پیاس لگی ہے' میرا دم نکل رہا ہے' اماں تمہیں اللہ کا واسطہ' مجھے یہاں سے کسی طرح نکالو میں مر جاؤں گا۔''

حلیمہ بیقراری سی اس کو پکارتی رہی مگر آواز آنی بند ہو گئی' یا تو بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی یا پھر اختر کی ہمت' حلیمہ چیخ چیخ کر رونے لگی اور فوجی جوانون کے آگے گڑگڑاتے ہوئے بولی۔

''صاحب میرا بیٹا بہت تکلیف میں ہے وہ زندہ ہے ابھی اس نے مجھ سے موبائل پر بات کی ہے' اس کو کسی طرح نکالو صاحب' آپ کو اللہ رسول کا واسطہ۔''

اس کی گریہ وزاری سے سب متاثر ہوئے مگر بے بس اور مجبور تھے۔ ٹنوں کے حساب سے ملبے کو ہٹانا وہ بھی ناکافی سامان کے ساتھ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا دوسرا دن ہو گیا اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی شاید موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی جن جن کے پیارے اندر تھے سب ساری رات ملبے کے باہر بیٹھے دعائیں کرتے رہے' اور فوجی جوان پوری رات کرین کی مدد سے لوگوں کی جانیں بچانے کی کوشش کرتے رہے کئی جوان اور بوڑھے زخمی حالت میں زندہ نکل آئے لیکن ان میں اختر نہیں تھا مگر ایک آس اور امید نے حلیمہ کے دل کو جکڑا ہوا تھا دو دن سے پانی کے سوا ایک لقمہ بھی اس کے منہ میں نہیں گیا تھا اور پھر ایک لاش نکل آئی جو اختر کی تھی' موبائل اس کے ہاتھ میں دبا تھا اذیت اس کے چہرے پر رقم تھی' آنکھوں میں زندگی کی رمق نہیں تھی' لیکن جینے کی آس اور امید ضرور تھی۔

حلیمہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی دو دن بعد ہوش آیا اختر منوں مٹی تلے چین کی نیند سو چکا تھا اور کسی فلاحی ادارے کی طرف سے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا' لوگ

بریانی اور زردے کے مزے لوٹ رہے تھے بقول اکبرالہ آبادی۔

بتاؤ مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا!

حکومت کی طرف سے مرنے والوں کے لیے پانچ پانچ لاکھ دینے کا اعلان کیا گیا حسب روایت' یعنی ایک زندگی کی قیمت پانچ لاکھ ایک پورے خاندان کی تباہی و بربادی کی قیمت پانچ لاکھ۔ حالات نے حلیمہ کو چپکی لگادی تھی وہ جاہل ضرور تھی مگر باشعور بھی تھی وہ سوچتی۔ ''کیا حکومت کا کام مرنے کے بعد زخموں پر نمک چھڑکنا رہ جاتا ہے؟ اگر ان کے مریں تب بھی یہی کریں گے؟ کیا اس ملک میں کوئی قانون' کوئی اصول کوئی قاعدہ نہیں' کوئی پوچھنے والا روکنے ٹوکنے والا نہیں' جس کا جب دل چاہے دو تین منزلیں بنالے بغیر اجازت بغیر یہ جانے کہ اس میں کتنی جانوں کا رسک ہے یہ بلڈنگ مزید بوجھ اٹھانے کے قابل ہے بھی کہ نہیں' حکومت کے کسی کارندے نے آ کر معائنہ نہیں کیا' کسی انجینئر نے اس کی ساخت کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی' کسی متعلقہ شعبے نے تحقیقات نہیں کی اور لوگوں کے گھر اجڑ گئے' کارخانہ بند ہوگیا' پانچ لاکھ کا اعلان ہوگیا کیا اس دکھ کا مداوا کرسکتے ہیں یہ پیسے' ایک گھر کا چراغ گل نہیں ہوا بلکہ پورا خاندان جیتے جی مرگیا' خواہشات نے دم توڑ دیا' سنہرے خواب بکھر گئے ماں کے مستقبل کے اجالوں کو موت کی تاریکیوں نے نگل لیا کیا حکومت میرے خوابوں کی تعبیر لاسکتی ہے؟

سب کو صبر آ گیا تھا لیکن حلیمہ تو جیسے جیتے جی مرگئی تھی۔ سارا دن خلاؤں میں گھورتی رہتی' کسی نے کھلادیا تو کھالیا ورنہ اس کی تو بھوک پیاس جیسے ختم ہوگئی تھی' گھر کے حالات دگرگوں تھے' حکومتی کارندوں نے ابتدا میں تو خیال رکھا پھر یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ پانچ لاکھ کا اعلان' اعلان کی حد تک ہی تھا۔ رات گئی بات گئی۔ حلیمہ کام پر نہیں جارہی تھی اور مولا بخش کی آمدنی آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ہر طرف کسمپرسی' بے بسی اور ہو کا عالم تھا' اب تو گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں رہا تھا۔ حلیمہ بے دلی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب اپنے جڑواں بچوں کی آوازیں سن کر رک گئی۔

''افسر تو کب اختر بھائی جتنا بڑا ہوگا۔'' بہن نے پوچھا۔

''تجھے بہت میرے بڑے ہونے کی فکر پڑی ہے' بڑا بھی ہو ہی جاؤں گا۔'' افسر نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''بڑا ہوگا تب ہی تو اختر بھائی کی طرح کام پر جائے گا۔'' صالحہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اختر بھائی تو اللہ کے گھر چلے گئے۔'' افسر افسردگی سے بولا۔ ''ہاں تو یہی تو میں کہہ رہی ہوں تو بھی جلدی سے بڑا ہو کر اللہ کے گھر چلا جانا تاکہ ہمیں کچھ تو کھانے کو اچھا مل جائے' تجھے یاد نہیں اختر بھائی کے مرنے کے بعد کتنے دن تک ہم قورمہ' بریانی اور حلوے کھاتے رہے۔ اب تو کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے۔ اب تو بھوک برداشت نہیں ہوتی' پتہ نہیں تو کب مرے گا۔'' صالحہ نے حسرت سے کہا اور ان معصوم بچوں کی گفتگو نے حلیمہ کو سر سے پاؤں تک ہلا کر رکھ دیا۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا' زندہ لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی یہ آج حلیمہ نے جانا اور ایک عزم اور حوصلے سے اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ زندگی ابھی باقی تھی' اور اس کو اپنے ارادوں' ہمت' محنت اور مشقت سے سب کو زندہ رکھنا تھا کیونکہ وہ صرف اختر کی نہیں سب کی ماں تھی۔

قسط نمبر 16

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

لالہ رخ بٹو کے رویے کی لاتعلقی کے متعلق جان کر متفکر ہو جاتی ہے ایسے میں دلاور کی اچانک موجودگی مہرو اور لالہ رخ دونوں کو ناگوار گزرتی ہے دلاور لالہ رخ سے بات چیت میں مصروف ہوتا ہے اس دوران اس کی نگاہیں مہرو کا طواف کرتی رہتی ہیں دلاور ایک کرپٹ انسان ہے جو بہت سے کیسز میں مطلوب ہے پولیس کے چھاپوں کے ڈر سے وہ روپوش ہو جاتا ہے اور بٹو کے لیے اس کی غیر موجودگی اطمینان کا سبب بنتی ہے۔ سونیا کی بے تکلفی فراز کو خدشات میں مبتلا کر دیتی ہے اسے کامیش کی مصروفیات اور دیگر سرگرمیوں سے قطعاً دلچسپی نہیں ہوتی ایسے میں وہ اپنی دوستوں کے ساتھ ملائشیا جانے کا ارادہ کرتی ہے لیکن کامیش اسے ہرگز اجازت نہیں دیتا، کامیش کے انکار پر وہ سخت برہم ہوتی ہے اور فراز کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہے مگر فراز اس کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے لندن جانے کا ارادہ کر لیتا ہے جب ہی وہ لالہ رخ کو بھی اس بات سے آگاہ کرتے جلد لوٹ آنے کا ذکر کرتا ہے سونیا ماں کے سامنے اپنی شادی کی اصلیت واضح کر دیتی ہے کہ اس شادی کا اصل مقصد فراز سے بدلہ لینا ہے ساحرہ یہ سن کر ششدر رہ جاتی ہے۔ عنایہ باسل حیات سے دوستی کی خواہاں ہوتی ہے جب ہی وہ اسے سرپرائز دینے کی خاطر اپنے والد باسل کے گھر پہنچ جاتی ہے لیکن باسل کو یہ سرپرائز پسند نہیں آتا اور وہ اس سے کتراتا رہتا ہے باسل کا دوست احمد زرینہ کو پسند کرنے لگتا ہے لیکن وہ یہ بات ابھی اپنے دوستوں سے بھی شیئر نہیں کرتا لیکن فراز کے ساتھ زرینہ کو ریسٹورنٹ میں دیکھ کر چونک جاتا ہے۔ فراز اپنے لندن جانے سے قبل زرینہ اور زرتاشہ کو لنچ کرانے ریسٹورنٹ میں لاتا ہے جب ہی باسل بھی فراز کو ان دو لڑکیوں کے ساتھ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ ماریہ کی مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے ولیم کے بعد سسرال بھی اس کے بدلتے رویے پر خائف نظر آتے ہیں جب ہی وہ اس کی جاسوسی کے لیے میک کو منتخب کرتے ہیں جو اس پر کڑی نظر رکھتا ہے اور ولیم کی اس میں ناپسندیدگی دیکھ کر اپنا پروپوزل پیش کرتا ہے۔ جس پر ماریہ ششدر رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

''ہائے اللہ یہ ریسٹورنٹ تو بالکل خوابوں جیسا ہے' کتنا خوب صورت ڈیکوریٹڈ ہے نا' مجھے تو بہت پسند آیا۔'' زرینہ بے حد خوشی سے بولی تو زرتاشہ نے اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اُف زری...... اب بس بھی کرو ایسا لگ رہا ہے کہ زندگی میں پہلی بار کسی ریسٹورنٹ میں آئی ہو۔'' انتہائی دلفریب اور دلکش سے ماحول میں جہاں مدھم لائٹوں کے علاوہ بہت دھیمی آواز میں سافٹ سا میوزک چل رہا تھا۔ ماحول واقعی بے حد خواب ناک اور طلسم انگیز تھا زرینہ زرتاشہ کی جانب دیکھ کر مزے سے بولی۔

''میڈم...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میں زندگی میں پہلی بار یہاں آئی ہوں ورنہ ہمارے علاقے میں ایسی جگہ کہیں نہیں ہے۔'' زرینہ نے زرتاشہ کی بات کا اب کوئی بھی جواب نہیں دیا تھا، زرتاشہ نے تھوڑا خفیف سا ہو کر فراز کی جانب

دیکھا جو زرینہ کی خوشی اور جوش دیکھ کر دھیمے انداز میں مسکرا رہا تھا وہ فراز کے سامنے زرینہ کی اتنی بے قراری دیکھ کر خوامخواہ میں شرمندہ ہوئے جا رہی تھی۔

”فراز بھائی آپ بھی بھلا کیا سوچتے ہوں گے کہ یہ لڑکی کس قدر پینڈو ہے جو یہاں آ کر بالکل ہی آپے سے باہر ہو رہی ہے۔“ زرتاشہ کنفیوژ سی ہو کر اپنی دونوں انگلیوں کو آپس میں پھنساتے ہوئے شرمندگی سے بولی تو فراز اس پل کھل کر مسکرا دیا پھر اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگا۔

”ارے زرتاشہ ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ مجھے تو زرینہ کی خوشی دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔“ اسی دوران ویٹر نے آ کر مینو کارڈ انہیں لا کر دیا تو تینوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کل ہمارے اساتذہ کو کیا ہو گیا ہے نمبر ز اتنی کنجوسی سے دیتے ہیں جیسے ان کی جیب سے نکل رہے ہوں۔ شکر ہے سر مبین نے مجھے پاسنگ مارکس دے دیئے ورنہ اپنا ڈبہ تو گول ہو جاتا۔“ عدیل رشین سلاد کے ساتھ فرنچ فرائز پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے تسلسل بولے جا رہا تھا کچھ دیر بعد اسے جب احمر اور باسل کی خاموشی کا احساس ہوا تو اس نے قدرے حیرت سے سر اٹھا کر دیکھا۔ باسل حیات اور احمر یزدانی دونوں سامنے کی جانب نگاہیں مرکوز کیے بالکل چپ چاپ بیٹھے تھے چونکہ عدیل کی ان لوگوں کی جانب پیٹھ تھی لہٰذا وہ ان لوگوں کو دیکھ نہیں سکا تھا۔

”ہائیں یہ تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے اتنے خاموش کیوں ہو؟“ عدیل نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا مگر ان دونوں کی پوزیشن میں ذرا بھی فرق نہیں آیا پھر مزید کچھ کہتے کہتے عدیل رکا اور سرعت سے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو زرتاشہ اور زرینہ پر نگاہ پڑتے ہی اس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں وا ہوئے آنکھوں میں چمک سی اتر آئی۔

”اوہ تو یہ بات ہے۔“ وہ کھل کر مسکراتے ہوئے خود سے بڑبڑا کر بولا پھر ان لوگوں کی جانب واپس گھوما۔

”مجھے تو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ یہاں دو پریاں آئی ہیں۔“ اس بار عدیل کی آواز پر وہ دونوں چونکے تھے۔

”باسل یار پلیز مجھ سے سیٹ چینج کر لے میں تو محروم رہ جاؤں گا۔“ وہ بے پناہ شرارت آمیز لہجے میں بولا تو باسل نے نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

”ابے احمر تو ہی مجھ سے کرسی چینج کر لے۔“

”شٹ اپ عدیل......“ اس پل احمر یزدانی نجانے کیوں اچھا خاصا جھنجھلا گیا تھا بے اختیار عدیل کو ڈپٹ گیا حقیقت تو یہ تھی کہ اسے زرینہ کی یہاں موجودگی وہ بھی کسی مرد کے ہمراہ سے بے حد کھٹک رہی تھی جب کہ باسل حیات اندر ہی اندر مخمصے میں مبتلا تھا کہ فراز بھائی کے ساتھ آخر یہ دو لڑکیاں کون تھیں جو اپنے لباس اور انداز سے ان کے سرکل کی لڑکیوں سے بے حد مختلف تھیں اور شاید آج پہلی بار وہ فراز شاہ کو اتنا خوش و مطمئن سا دیکھ رہا تھا ورنہ جب بھی اس نے فراز کو لڑکیوں کے جھرمٹ میں دیکھا وہ ہمیشہ ان ایزی اور بچا بچا سا نظر آیا۔ باسل حیات سمجھ گیا تھا کہ فراز کی زندگی میں ان دونوں لڑکیوں کی بہت خاص اہمیت ہے۔

”اونہہ...... صحیح کہتا ہے باسل یہ ساری لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ شرافت کا لبادہ اوڑھ کر دوسروں کو اپنے فریب کے جال میں پھنسانے والی۔“ احمر دل میں بولا۔ نجانے کیوں احمر اس قدر بدگمان ہو چلا تھا حالانکہ زرینہ سے اس کی صرف دو مرتبہ ملاقات ہوئی تھی وہ تو اس کے نام کے علاوہ اس کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ زرینہ اور زرتاشہ دونوں نے اپنی من پسند ڈشز کا آرڈر دے دیا تھا اب وہ تینوں بے حد خوشگوار موڈ میں آپس میں محو کلام تھے۔

”ایک منٹ گرلز...... آپ لوگ بیٹھیں میں ذرا ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔“ فراز یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھا تو دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگیں احمر یہ تمام منظر سلگتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ نجانے اس پل

اسے کیا ہوا وہ بنا سوچے سمجھے اپنی کرسی سے اٹھا اور دوسرے ہی لمحے زرینہ کے سر پر جا پہنچا۔
''اوہ تو بہت انجوائے کیا جارہا ہے۔'' اس دن تو احمر نے جان بوجھ کر زرینہ کو طیش دلانے کے لیے اس سے جھگڑا کیا تھا تاکہ وہ غصے میں مزید حسین ہوتا اس کا چہرہ دیکھ سکے مگر آج وہ حقیقت میں اس سے جھگڑنے آن پہنچا تھا۔ زرینہ نے اس آواز پر بے پناہ چونک کر دیکھا تھا' احمر یزدانی اس وقت عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''آ......آپ یہاں بھی آ پہنچے۔'' زرینہ کافی حیران کن انداز میں بولی پھر دوسرے ہی لمحے بے حد ناگواری سے گویا ہوئی۔
''دیکھیے مسٹر......میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی' آپ پلیز یہاں سے جائیے۔'' جب کہ باسل اور عدیل احمر کی اس حرکت کو بے حد اچنبھے اور تحیر کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔
''باسل......یہ احمر کو کیا ہوگیا' کافی غصے میں لگ رہا ہے۔'' عدیل کچھ پریشان سا ہوکر بولا اس وقت باسل نے بھی کافی الجھ کر عدیل کو پھر احمر کو دیکھا۔
''مجھے بھی آپ جیسی لڑکیوں سے بات کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر احمر نے پلٹنا ہی چاہا کہ زرینہ کی بے حد کاٹ دار آواز ابھری۔
''ایک منٹ مسٹر......یہ آپ کا مجھ جیسی لڑکیوں سے کیا مطلب ہے؟ اور آپ میرے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہیں۔ آپ ہوتے کون ہیں مجھ سے اس طرح کی بات کرنے والے؟'' زرینہ تو جیسے غصے میں آپے سے باہر ہوگئی تھی' لال بھبوکا چہرہ لیے وہ اپنی کرسی سے اٹھی تھی' باسل معاملے کی نزاکت کو بھانپ کر بے ساختہ کھڑا ہوکر ان کی میز کی جانب بڑھا۔
''میں آپ کو......'' احمر بھی مشتعل سا ہوکر نجانے آگے کیا بولنے جارہا تھا کہ یک دم باسل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سختی سے دبایا تھا جس کی بدولت وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گیا جبکہ زرتاشہ باقاعدہ اپنی جگہ سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔
''اینی پرابلم احمر......کیا یہ تمہاری کوئی رشتہ دار ہیں۔'' باسل بے پناہ نرمی سے گویا ہوا تو زرینہ چیخ کر بولی۔
''جی نہیں ہماری کوئی جان پہچان نہیں ہے مگر نجانے ان حضرت کو کیا دماغی پرابلم ہے ہمیشہ مجھ سے الجھنے کھڑے ہوجاتے ہیں۔'' زرینہ کی بات پر باسل نے احمر کو سرزنش بھرے انداز میں دیکھا پھر نرمی سے بولا۔
''ایم سوری مس میں ان کی جانب سے معافی مانگتا ہوں۔'' وہ بخوبی جان گیا تھا کہ یہ دونوں لڑکیاں یقیناً فراز بھائی کے لیے کوئی خاص ہی ہیں لہٰذا زرینہ سے وہ معافی مانگ گیا تھا' زرینہ ابھی کچھ کہتی کہ اسی دم فراز وہاں آ پہنچا اور باسل کو یہاں دیکھ کر بڑی خوشگوار حیرت سے بولا۔
''ارے باسل تم......تم بھی یہاں موجود ہو۔''
''جی فراز بھائی آپ کیسے ہیں؟'' فراز کی بات پر باسل نے مسکرا کر استفسار کیا جبکہ احمر یہ سب دیکھ کر چونک گیا تھا۔
''آئی ایم فائن مائی ینگر برادر......ارے ان سے ملو یہ ہیں میری سسٹرز زرتاشہ اور زرینہ......اور زرینہ یہ میرا چھوٹا بھائی۔'' فراز بڑی خوش دلی سے تعارف کروا رہا تھا جب کہ میری سسٹرز کے نام پر احمر کو زور کا جھٹکا لگا تھا۔ اب وہ بے پناہ شرمندگی وندامت میں گھرا سر جھکائے کھڑا تھا۔ زرتاشہ زرینہ اور باسل تینوں نے ایک دوسرے سے علیک سلیک کی۔
''فراز بھائی آپ کو اتنی دیر کیوں ہوگئی تھی؟'' زرتاشہ قدرے پریشان سی ہوکر بولی تھی' کیوں کہ ابھی کچھ دیر پہلے جو سین ہوا تھا اس نے زرتاشہ کو اندر ہی اندر بے پناہ خائف کردیا تھا۔

"اوہ سوری زرتاشہ وہ میرا ایک جاننے والا مل گیا تھا۔" فراز شرمندگی سے وضاحت دے کر بولا جب کہ اسی پل باسل نے اجازت چاہی۔

"اوکے فراز بھائی آپ لوگ لنچ انجوائے کیجیے ان شاء اللہ آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ احمر کو انتہائی کٹیلے انداز میں دیکھ کر اس کے ساتھ اپنی میز پر آیا اور پیسے نکال کر میز پر رکھ کر دونوں کو باہر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا جب کہ عدیل دونوں کو بے حد الجھے اور نا سمجھی والے انداز میں دیکھتے ہوئے ان دونوں کے پیچھے ہولیا۔

⁂
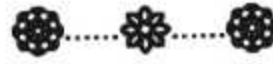
نیلگوں آسمان اس وقت بادلوں سے پوری طرح اٹا ہوا تھا جب کہ فضا میں محو سفر باد صبا بھی خاموش سی تھیں۔ سرو قد درخت بھید بھری سنجیدگی لیے ہاتھ باندھے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے جب کہ اطراف میں لگے رنگ برنگے پھول بڑے باتہذیب بچوں کی طرح اپنی جگہ ایستادہ ماحول کے پیش نظر سر نہواڑے بیٹھے تھے۔ ماریہ اپنے اپارٹمنٹ کے باہر بنے چھوٹے سے باغیچے کی لکڑی کی بنچ پر بیٹھی یہاں ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھی۔ اس پل اس کے ذہن کی سوچیں بے حد منتشر ہو کر اسے تھکائے دے رہی تھیں' اسے بار بار میک کی باتیں اور بک شاپ میں اس کے ساتھ ہونے والی وہ وحشت ناک ملاقات یاد آ رہی تھی۔

"نیور...... میں ہرگز میک سے شادی نہیں کروں گی' یا فراس نے مجھے اس لیے دی تا کہ وہ میرے پر کاٹ سکے مجھے پابند سلاسل کر سکے۔" وہ بے تحاشا مضطرب سی ہو کر خود سے بولی پھر بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے مسلتے ہوئے اٹھی پھر دوسرے ہی لمحے دوبارہ بیٹھ گئی۔

"تو...... تو کیا پھر میں ولیم سے شادی کرلوں۔" وہ بڑبڑائی۔

"ہوں...... اس کا تو مطلب یہ ہوگا کہ کھائی سے بچ کر کنویں میں کود جاؤں تو...... تو پھر میں کیا کروں؟" وہ اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو اپنے ماتھے سے رگڑتے ہوئے بے حد ڈسٹرب ہو کر بولی۔

"جو بھی ہو مگر میں اس میک سے تو کبھی شادی نہیں کروں گی۔"

"تو پھر میں کروں تو کیا کروں؟"

"اُف کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں' ان لوگوں نے مجھے اتنی ہوشیاری سے ٹریپ کیا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کر پا رہی۔"

"اوہ گاڈ میں کیا کروں۔" وہ خود ہی سے سوال و جواب کیے جا رہی تھی پھر سامنے درختوں پر بیٹھے رنگ برنگے پرندوں کو دیکھ کر وہ حسرت آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"مجھ سے اچھے تو یہ آزاد پنچھی ہیں اپنی مرضی کے مالک جدھر دل چاہے اڑ کر جا سکتے ہیں اور میں...... مجھے تو یہ لوگ پاتال میں دھکیلنے کے درپے ہیں جہاں صرف وحشت ہی وحشت اور گھٹن ہے۔" وہ ابھی مزید کچھ اور سوچتی کہ اسی دم سامنے سے سرخ اوور کوٹ اور بلیک مفلر لپیٹے جیسکا اسے آتی دکھائی دی' بے ساختہ وہ ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی وہ بڑی خاموشی سے اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی جبکہ ماریہ محض خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا جیسکا ایسی سچوئشن میں میری کوئی مدد کر سکتی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے سمجھ سکے مجھے کوئی راستہ بتائے مگر نہیں وہ تو خود......"

"کیا سوچ رہی ہو ماریہ؟" اسی پل جیسکا کی آواز اس کے پہلو سے ابھری تو وہ اپنے دھیان سے یک لخت چونکی پھر

ایک گہری سانس بھر کر بولی۔

"کچھ خاص نہیں بس اسٹڈی کے بارے میں کچھ ٹینس ہوں، بہت حرج ہوگیا ہے میرا۔" وہ بات بنا گئی تھی چند ثانیے جیسکا نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا پھر ہموار لہجے میں گویا ہوئی۔

"میرے خیال میں ماریہ شاید تمہیں یہ سال اپنا ڈراپ کرنا پڑے۔" اس بات پر ماریہ نے اسے بے حد اچنبھے سے دیکھا۔

"مطلب...... میں سمجھی نہیں جیسکا تم کہنا کیا چاہ رہی ہو میں یہ سال کیوں ڈراپ کروں گی؟"

"اس لیے کہ جیکولین آنٹی......" وہ پل کی پل تھوڑا ٹھہری پھر تیزی سے بولی۔

"آنٹی نے تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس کردی ہے ولیم کے ساتھ۔" ماریہ کے وجود کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا وہ بے ساختہ جیسکا کو دیکھتی چلی گئی پھر دوسرے لمحے گردن اٹھا کر آسمان کو تکنے لگی اس وقت اس کے لبوں پر بڑی تلخ مسکراہٹ تھی۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنا کچھ بھی نہیں بچا سکی، کچھ دنوں بعد میں اپنا سب کچھ گنوا دوں گی سب کچھ...... ہوں بڑا آسان سمجھا تھا میں نے یہ سب کچھ مگر میں ہار گئی...... ہار گئی میں۔" وہ بڑے استہزائیہ انداز میں دل ہی دل میں بولے گئی جب ہی جیسکا نے اسے مخاطب کیا۔

"ماریہ تم کچھ بولو گی نہیں۔" اس پل وہ بھی کافی اپ سیٹ لگ رہی تھی۔

"ہوں کیا بولوں جیسکا...... تم کیا سننا چاہتی ہو میرے منہ سے۔"
"وہی جو اس وقت تمہارے دل میں ہے ماریہ......"
"تم نہیں سن پاؤ گی۔"
"مگر کیوں ماریہ...... میں سنوں گی پلیز تم مجھے بتاؤ نا۔" جیسکا مصر ہوئی جب ہی جیسے ماریہ ہوش میں آئی تھی بے ساختہ اس نے جیسکا کو دیکھا جو منتظر نگاہوں سے اسے تک رہی تھی جبکہ ماریہ ہنوز خاموش بیٹھی رہی پھر کافی دیر بعد بے حد دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔
"کب کی ڈیٹ فکس کی ہے مام نے؟" جیسکا نے بمشکل ماریہ کی بات سنی تھی پھر سنجیدگی سے پوچھا۔
"اگلے مہینے کی چوبیس تاریخ۔" پھر کچھ سوچتے سوچتے اچانک وہ بڑی پرجوش سی ہو کر بولی۔
"ہم ایک کام کر سکتے ہیں ماریہ......" جواباً ماریہ نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ جلدی سے گویا ہوئی۔
"کیوں نہ ہم ولیم سے بات کریں کہ وہ خود ہی اس شادی سے منع کر دے۔" ماریہ نے جیسکا کو غائب دماغی کی کیفیت میں دیکھا۔
"ویسے وہ تم سے بے حد خفا ہے تم نہ اس کا فون اٹینڈ کرتی ہو نہ اس سے ملاقات...... بے چارا بہت اپ سیٹ ہو رہا تھا، تمہارے اس رویے کو لے کر اور کچھ بدگمان بھی۔" اسی پل ماریہ کا شعور پوری طرح بیدار ہوا تو اس نے بے حد پریشان ہو کر جیسکا کو دیکھا۔
"اگر میں نے ولیم سے شادی نہیں کی یا اگر اس نے خود ہی شادی سے انکار کر دیا تو پھر وہ میک مجھ سے شادی کرے گا۔" وہ حواس باختہ سی ہو کر دل ہی دل میں خود سے بولی پھر فوراً سے پیشتر کہنے لگی۔
"نہیں جیسکا ہم ولیم سے کچھ نہیں کہیں گے وہ ایک اچھا لڑکا ہے میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتی اور ویسے بھی وہ میرا بہت پیارا فرینڈ ہے۔" ماریہ کے منہ سے یہ سب سن کر جیسکا نے حیرانی کے ساتھ ساتھ بے حد الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

"یہ سب کیا ہے...... تم پاگل تو نہیں ہو گئے تھے احمر...... یہ کون سا طریقہ تھا کہ تم پبلک پلیس پر سب کے سامنے اس لڑکی کے سر پر جا کر کھڑے ہوئے اور اسٹوپڈ شکی مردوں کی طرح اسے باتیں سنانے لگے اور جب کہ تم خود بتا رہے ہو کہ صرف دو بار تمہاری اس سے ملاقات ہوئی ہے۔" باسل جب سے ریسٹورنٹ سے آیا تھا احمر پر بے پناہ برہم ہو رہا تھا اسے احمر کی حرکت بے حد بری لگی تھی۔
"میں تو خود حیران تھا باسل کہ یہ اپنا احمر ہے ارے میں تو یہ پوچھتا ہوں کہ بھلا اسے اتنا پوزیسو ہونے کی کیا ضرورت تھی وہ تو شکر ہے باسل تو صحیح وقت پر پہنچ گیا ورنہ تو یہ موصوف ہاتھا پائی پر اتر آتے۔" عدیل بھی خاصی کڑی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے لتاڑنے والے انداز میں بولا جب کہ احمر نادم سا بیٹھا تھا۔
"مجھے تو زیادہ غصہ اس بات کا ہے کہ وہ میرے کزن کی جاننے والی تھی اگر اس کو میں بروقت نہ روکتا تو فراز بھائی کے سامنے کتنی شرمندگی اٹھانے پڑتی۔" باسل ہنوز لہجے میں گویا ہوا جب ہی احمر یزدانی خجالت آمیز لہجے میں بولا۔
"ایم سوری گائز...... پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا میں مانتا ہوں کہ مجھ سے یہ سب ٹھیک نہیں ہوا مگر نجانے کیوں اسے کسی اور لڑکے کے ساتھ دیکھ کر میں تو جیسے اپنے اوپر کنٹرول ہی کھو بیٹھا تھا۔"
"ہوں کہاں تو موصوف کسی لڑکی کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے اور اب یہ عالم ہے کہ اس کی ایک دو جھلک دیکھ کر ہی یہ مجنوں بن گئے ہیں۔" عدیل طنزیہ لہجے میں بولا۔

"احمر تم جس لڑکی کے لیے اتنا اتاؤلے ہورہے ہو اس کے بارے میں بھلا جانتے ہی کیا ہو تم؟ سوائے اس کے نام کے۔"

"ہاں باسل تُو بالکل صحیح بول رہا ہے' واقعی میں تو نام کے علاوہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" احمر اپنے سیدھے ہاتھ سے اپنے بالوں کو مٹھی میں دبوچتے ہوئے کافی مضطرب سا ہو کر بولا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

"میں مہوش سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" اس بات پر عدیل اور باسل نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا پھر باسل ایک گہری سانس بھر کر احمر کی بے قراری ملاحظہ کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھو احمر تم جو اس لڑکی کے لیے اتنا جذباتی ہو رہے ہو نا یہ بالکل ٹھیک نہیں اور پھر تمہیں اس کے بارے میں معلوم بھی کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ منگنی شدہ ہو یا پھر کسی اور کو پسند کرتی ہو۔"

"باسل بالکل صحیح کہہ رہا ہے احمر تو نے تو مجنوں رانجھے کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔" عدیل نے باسل کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے آخر میں قدرے حیرت سے کہا۔

"ہوں باسل یو آر رائٹ' آخر میں اس کے بارے میں جانتا ہی کتنا ہوں' ہو سکتا ہے کہ وہ......" آخری جملہ احمر خود ہی ادھورا چھوڑ گیا تو اسی دم باسل کے کمرے کا دروازہ بج اٹھا' باسل کے یس کہنے پر ملازم لوازمات سے بھری ٹرالی لے کر اندر داخل ہوا تو وہ سب اس جانب متوجہ ہو گئے۔ جبکہ احمر کا ذہن اب بھی الجھا ہوا تھا۔

❁.........❁.........❁

کامیش آج بہت عرصے بعد اپنے دوستوں سے ملا تھا اپنے کالج کے زمانے کے دوستوں سے خوش گوار یادیں تازہ کر کے اور ان کے ساتھ ڈھیر ساری باتیں کر کے وہ بڑے اچھے موڈ میں گھر میں داخل ہوا تھا جب کہ سونیا ساحرہ کے ہمراہ سیٹنگ روم میں بیٹھی ڈرائی فروٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہ مام سے علیک سلیک کر کے وہیں بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے کامیش آج تو تمہارا موڈ بہت اچھا لگ رہا ہے اور نجانے کتنے دنوں بعد میں تمہیں یونیفارم کے علاوہ کسی اور ڈریس میں دیکھ رہی ہوں۔" ساحرہ کچھ حیرت و خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی تو کامیش شاہ دھیرے سے مسکرا دیا پھر بڑی دلکشی سے گویا ہوا۔

"بس مام آج بہت دنوں بعد کچھ فرصت ملی تو اپنے پرانے دوستوں سے ملنے چلا گیا تھا۔" اسی دم ساحرہ کا موبائل فون بج اٹھا' وہ کامیش کی بات کو ان سنی کر کے فون سننے لگی جب ہی کامیش وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا' ابھی اسے اپنے روم میں داخل ہوئے چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ سونیا دندناتی ہوئی اس کے سر پہ آ پہنچی۔

"اچھا تو اپنے دوستو کے ساتھ تمہیں وقت گزارنے کے لیے فرصت ہے اور میرے ساتھ چند گھڑیاں بیتانا تمہارے لیے ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔" سونیا اپنا دایاں ہاتھ کمر کی خم پر رکھ کر اتنے عجیب و غریب انداز میں بولی کہ کامیش تو چند ثانیے حیرت و استعجاب میں گھرا اسے دیکھتا رہ گیا۔ یہ وہ سونیا اعظم خان تو ہر گز نہیں تھی جو ہائی کوالیفائیڈ ایم بی اے پاس لڑکی تھی جو ایک ویل ایجوکیٹڈ اور ویل مینرڈ گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

"بولو کامیش کوئی جواب ہے تمہارے پاس آخر مجھ سے شادی ہی کیوں کی تھی تم نے جب تمہارے پاس میرے لیے ٹائم ہی نہیں تھا تو۔" چند ثانیے کامیش بے پناہ ناگواری سے سونیا کے اس انداز کو دیکھتا رہا پھر سخت لہجے میں بولا۔

"یہ تم مجھ سے کس ٹون میں بات کر رہی ہو سونیا اس وقت تم اور ایک جاہل گنوار عورت میں مجھے بالکل بھی فرق محسوس نہیں ہو رہا۔" یہ سن کر تو سونیا کے تلوے پر لگی اور سر پر بجھی تھی۔

"واٹ ڈو یو مین مسٹر کامیش...... تم کہنا کیا چاہتے ہو ہاں؟ تم جانتے نہیں میں اعظم شیرازی خان کی اکلوتی بیٹی ہوں

سمجھے۔'' جبکہ دوسری جانب جیسے کامیش کے اندر آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔
''مجھے اپنے باپ کی دھونس دینے کی آئندہ غلطی بھی مت کرنا اور ہاں اب اگر دوبارہ تم نے مجھ سے اس لہجے اور انداز میں بات کی تو دوسرے ہی لمحے تم اس گھر سے باہر نظر آؤ گی' سمجھیں۔'' وہ اپنی شہادت کی انگلی اس کی جانب کرتے ہوئے بہت مشتعل انداز میں بولا اور تیزی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔
''ہوں مائی فٹ میں تمہاری دھونس میں آنے والی نہیں ہوں۔'' کامیش کے وہاں سے چلے جانے کے بعد وہ بڑبڑائی پھر سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

❁.......❁.......❁

زرتاشہ اس پل اپنے بستر پر لیٹی مسلسل آج ریسٹورنٹ میں ہونے والے واقع کے متعلق سوچے جارہی تھی' حقیقت میں وہ احمر یزدانی کے عجیب وغریب رویے کی بناء پر اچھی خاصی خوف میں مبتلا ہوگئی تھی' وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔ چھوٹے دل کی مالک بچپن میں بھی وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت جلد پریشان ہوجاتی تھی تب اس کی بڑی بہن لالہ رخ اس کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہوجاتی تھی اسے اپنی بانہوں میں جیسے چھپالیتی تھی اور پھر اس کا سارا ڈر تمام خوف بھاپ کی مانند اڑ جاتا تھا اور وہ یک دم بالکل پرسکون ہوجاتی تھی۔ نیلگوں رنگ کے نائٹ بلب کی ملگجی سی روشنی میں دونوں اپنے اپنے بستروں میں لیٹی سوچوں کے ساغر میں غوطہ زن تھیں جب ہی زرتاشہ کی کچھ سہمی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔
''زری...... مجھے تو اس مہوش کے بھائی سے بہت ڈر لگ رہا ہے' نجانے اسے ہو کیا گیا تھا آخر وہ کیوں ہاتھ دھو کے تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ مجھے وہ لڑکا کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا' وہ تو شکر ہے فراز بھائی وقت پر آگئے ورنہ......'' اس پل اس نے ایک جھرجھری لی تھی' زرمینہ نے بغور اس کی بات سنی پھر سنجیدگی سے بولی۔
''تاشو میں خود اس اسٹوپڈ کی اس حرکت سے ڈپریسڈ ہوں' نجانے اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔'' زرمینہ کی بات پر زرتاشہ کرنٹ کھا کر اپنے بستر سے اٹھ بیٹھی اور دوسرے ہی لمحے تیزی سے اپنے بستر سے اٹھ کر لائٹ آن کردی۔
''تمہیں کیا ہوگیا؟'' زرمینہ اپنے کمبل سے منہ نکالتے ہوئے کافی حیرانی سے بولی تو زرتاشہ سرعت سے اس کے قریب آ کر بولی۔
''زری...... کیا تمہیں بھی ڈر لگ رہا ہے' ہائے اللہ اب کیا ہوگا زری...... ایک تو تم بھی نا فراز بھائی نے تمہارا منہ لٹکا دیکھ کر دوبارہ تم سے پوچھا بھی تھا کہ کوئی بات ہے کیا مگر تم ہنس کر ٹال کیوں گئیں ان کو بتادینا تھا نا' ہائے اب ہم کیا کریں گے۔ فراز بھائی بھی تو لندن جارہے ہیں۔'' اس وقت زرتاشہ کے چہرے پر خوف وپریشانی کے ساتھ بدحواسی بھی ٹپک رہی تھی۔ زرمینہ نے حقیقی معنوں میں اپنا سر پیٹ لیا۔
''یا اللہ کسی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر' ارے عقل کی دشمن میں نے یہ نہیں کہا کہ میں خوف زدہ ہوں بلکہ یہ کہہ رہی ہوں کہ ڈپریسڈ ہوں' سمجھیں اور اس لنگور شتر مرغ کی چونچ سے خوف زدہ ہوتی ہے میری جوتی۔'' وہ آخر میں دانت پیس کر بولی پھر مزید کہنے لگی۔
''میں نے فراز بھائی کو صرف اسی لیے نہیں بتایا کہ کہیں وہ میرے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کرلیں سمجھیں۔''
''نہیں زری...... فراز بھائی ایسے نہیں ہیں وہ ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں۔'' زرتاشہ فوراً سے پیشتر بولی پھر کچھ سوچ کر دوبارہ گویا ہوئی۔
''ایک بات تو بتاؤ زری...... جب تم یہاں آئی تھیں تو تھوڑا بہت تو تم بھی ڈرتی تھیں نا پھر اچانک تم اتنی بہادر کیسے بن گئیں؟'' زرتاشہ کی بات پر زرمینہ نے ایک گہرا سانس لیا پھر سنجیدگی سے بولی۔

"تاشو میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ دنیا ڈرنے سہنے والوں کے لیے نہیں ہے اگر تم اس سے خوف زدہ ہوگی تو یہ تمہیں اور ڈرائے گی اور ویسے بھی میں ڈرپوک ہرگز نہیں ہوں بس یہاں شروع شروع میں نئے ماحول نے شہر کی بدولت کچھ گھبرا گئی تھی اب میڈم کی سمجھ میں آ گیا نا۔" آخر میں زرتاشہ کے سر پر زرمینہ نے چپت رسید کی تھی جس پر وہ بے ساختہ چونکی۔

"سمجھ میں آ گیا جھانسی کی رانی۔" زرتاشہ اسے چھیڑنے والے انداز میں بولی پھر دوسرے ہی لمحے دونوں ہنس دیں۔

❁ .... ❁ .... ❁
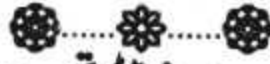
امی کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے بڑی دیر سے خاموش بیٹھی تھیں لالہ رخ بھی اپنی جگہ ایستادہ سوچوں کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس نے امی کو مومن جان سے ہونے والی تمام گفتگو میں سے فقط اتنا بتایا تھا کہ وہ کافی طیش میں آ گئے تھے اور یہ کہ انہیں اس کا بولنا خاصا ناگوار گزرا تھا باقی کی باتیں وہ حذف کر گئی تھی ورنہ یقیناً وہ سب کچھ سننے کے بعد پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ افسردہ بھی ہو جاتیں۔ لالہ رخ سوچ سوچ کر تھک گئی تھی کہ آخر پھوپا جان کو اس اقدام سے کیسے باز رکھا جائے اور اگر اس معاملے کی خبر کہیں مہرو کو مل گئی تو وہ یقیناً آسمان سر پر اٹھا لے گی خاموشی کی دیوی جو پیر پسارے بڑی دیر سے ان دونوں کے درمیان بیٹھی تھی امی کی آواز پر سر پر پیر رکھ کر وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کریں لالہ...... میں مومن کی فطرت کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں وہ کوئی بھی کام بنا اپنی غرض اور لالچ کے کرتا ہی نہیں یقیناً گلاب بخش نے اس رشتے کے عوض اسے کوئی بھاری فائدہ پہنچانے کا وعدہ کیا ہوگا تب ہی وہ اتنا بے قرار ہو رہا ہے۔" امی کے لہجے میں اس وقت سوچ کے ساتھ ساتھ پریشانی کے رنگ بھی بخوبی جھلکے تھے۔ لالہ رخ نے کافی چونک کر ان کی بات سنی تھی پھر ایک گہری سانس فضا کے حوالے کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہوں آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں امی...... میں نے جس طرح پھوپا جان کو اس معاملے میں اتنا بے چین و بے قرار دیکھا تھا ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ آج ہی مہرو کا نکاح اللہ نہ کرے وہاں پڑھوا دیں۔"

"تو پھر بیٹا اب ہم کیا کریں گے بھلا کس طرح اس مومن جان کو اس رشتے سے باز رہنے پر راضی کریں گے۔" وہ بڑی بے قراری سے بولی تھیں مہرو کا معصوم اور بھولا چہرہ اس پل ان کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا یہ سراسر اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے کے مترادف تھا۔

"اُفوہ...... امی آپ پریشان نہ ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ ہمارے اوپر ڈالا ہے تو اس سے نکلنے کا راستہ بھی وہی بتائے گا آپ کیوں فکر کرتی ہیں امی اللہ کی ذات پر بھروسہ کیجیے ان شاء اللہ اس مصیبت سے ہم ضرور باآسانی نکل آئیں گے۔" وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی تو امی محض اسے دیکھتی رہ گئیں۔

❁ .... ❁ .... ❁

خواب مرتے نہیں
خواب دل ہیں نہ آنکھیں نہ سانسیں کہ جو
ریزہ ریزہ ہوئے تو بکھر جائیں گے
جسم کی موت سے یہ بھی مر جائیں گے
خواب مرتے نہیں
خواب تو روشنی ہیں، ہوا ہیں، ہوا ہیں
جو کالے پہاڑوں سے رکتے نہیں
ظلم کی دوزخوں سے بھی نہیں

روشنی اور ہوا اور ہوا کے علم
مقتلوں میں پہنچ کر بھی جھکتے نہیں
خواب تو حرف ہیں
خواب تو نور ہیں
خواب سقراط ہیں
خواب منصور ہیں

فراز اپنے آرام دہ بستر میں نیم دراز اپنے پسندیدہ شاعر کی کتاب پڑھنے میں محو تھا جب ہی اس کے سیل فون کی محض بپ بجی تھی اس نے ذرا ترچھی نگاہ کر کے سائیڈ ٹیبل پر پڑے فون کو دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا کر اسکرین کی جانب نگاہ ڈالی تو لالہ رخ کا نام جگمگاتا دیکھ کر ایک بے حد دلکش سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کرلیا دوسرے ہی پل وہ فون کان سے لگا کر "ہیلو" بولا تو لالہ رخ نے اپنے شائستہ انداز میں اسے سلام کیا پھر پہلی ہی بات اس نے یہ پوچھی۔

"میں نے اس وقت آپ کو فون کر کے ڈسٹرب تو نہیں کیا۔" فراز لالہ رخ کے لہجے میں ہچکچاہٹ کو بخوبی محسوس کر کے دوستانہ انداز میں گویا ہوا۔

"بالکل نہیں...... لالہ رخ...... بتایئے سب خیریت ہے؟ اور بوٗ کے کیا حال ہیں؟"

"بوٗ اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہے اور......" پھر وہ بوٗ کے متعلق سب کچھ بتاتی گئی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہوئی چلئے آپ دونوں کی پریشانی تو ختم ہوئی نا۔" وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے گویا ہوا تو لالہ رخ خاموش ہوگئی پھر دھیرے سے استفسار کرتے ہوئے بولی۔

"آپ کے لندن جانے کی تیاری مکمل ہوگئی؟" وہ بات تو اس پل فراز سے کر رہی تھی مگر ذہن میں مہرینہ سوار تھی۔

"جی آل موسٹ۔ اچھا لالہ رخ اب فوراً مجھے وہ بات بتادیجئے جو اس وقت آپ کے دماغ میں چل رہی ہے۔" فراز اس قدر اچانک اور یقین سے بولا کہ یک دم سیل فون لالہ رخ کے ہاتھ سے چھوٹتے ہوئے بچا اس نے بے حد حیران ہو کر اپنا فون کان سے ہٹا کر اسے دیکھا پھر دوبارہ کان سے لگاتے ہوئے وہ اپنے استعجاب کو چھپائے بغیر بولی۔

"آ...... آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے فراز کہیں آپ کے پاس کوئی علم تو نہیں ہے۔" اس بات پر فراز کا قہقہہ بالکل بے ساختہ تھا وہ لالہ رخ کی بات پر خوب محظوظ ہوا۔

"ارے بالکل نہیں لالہ رخ، میرے پاس کوئی علم نہیں ہے دراصل میں اس پل آپ کی غائب دماغی کو نوٹ کر گیا تھا جب آپ مجھ سے لندن جانے کا پوچھ رہی تھیں اور انسان غائب دماغ تب ہی ہوتا ہے جب اسے کوئی الجھن فکر یا پریشانی لاحق ہوتی ہے۔" اس پل لالہ رخ فراز کے شارپ مائنڈ ہونے کی دل سے معترف ہوگئی جب ہی مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ آپ سے بہت سنبھل کر بات کرنا پڑے گی۔" جواباً وہ محض ہنس دیا پھر کچھ توقف کے بعد لالہ رخ دوبارہ گویا ہوئی۔

"آپ نے ٹھیک سمجھا فراز...... میں واقعی اس وقت بہت الجھی ہوئی ہوں آپ بھی بھلا کیا سوچتے ہوں گے کہ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی پریشانی آپ کے سامنے لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔" آخر میں اس کا لہجہ شرمندگی میں ڈوب گیا۔

"پلیز یقین کریں لالہ...... میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا اور نہ ہی سوچوں گا۔ اچھا اب مجھے وہ بات بتایئے جس نے

آپ کو الجھا رکھا ہے۔" فراز کے نرم خو لہجے اور بے پناہ خوب صورت لفظوں پر اسے کافی ڈھارس ہوئی وہ ہموار لہجے میں بولی۔

"فراز مہرو میری صرف کزن نہیں بلکہ میری سہیلی میری بہن میری غم گسار سب کچھ ہے، وہ بہت سیدھی ہے۔ بہت بھولی اور شفاف لڑکی اپنے شریک سفر کو لے کر اس کے کچھ خواب ہیں، بہت معصوم سی آرزوئیں ہیں اس کی مگر اس کے ابا......" وہ کچھ پل ٹھہری پھر سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

"اب ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا کہ ہم اس مصیبت سے بھلا کیسے نکلیں اور مہرو اسے تو کچھ بھی نہیں معلوم فراز...... اگر اس بے چاری کو پتا لگا تو اس کے نازک دل کو بہت ٹھیس پہنچے گی کہ اس کے باپ نے......" اتنا بول کر وہ خود ہی خاموش ہوگئی۔ فراز بہت سنجیدگی سے سب سنتا رہا پھر کچھ توقف کے بعد بڑے نارمل انداز میں بولا۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اور میرے پاس ایک زبردست آئیڈیا ہے۔" لالہ رخ فراز کی بات پر چونک کر استفسار کرتے ہوئے بولی۔

"وہ کیا؟" اور پھر جو کچھ فراز شاہ نے اس کے گوش گزار کیا اسے سن کر وہ اپنی جگہ سے دو فٹ اچھل پڑی۔

"مگ......مگر فراز......"

"اُفوہ...... اگر مگر کچھ نہیں یہ بیسٹ پلان ہے اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ یہ پورا کام کرے گا بس تم پہلی فرصت میں بنّو کو وہاں دوڑا دو۔" فراز اتنی سرعت سے آپ سے تم پر آیا کہ لالہ رخ محض دیکھتی رہ گئی پھر کچھ سوچ کر ایک گہری سانس بھر کر بولی۔

"کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ یہ آئیڈیا کام کرے گا؟"

"آف کورس بالکل کرے گا اچھا اگر ایسا نہ ہوا تو جو چور کی سزا وہ میری......او کے۔"

"مگر فراز یہ کچھ بچگانہ سی بات نہیں ہوگی۔" وہ ابھی بھی متذبذب کا شکار تھی جب ہی فراز اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"دیکھو لالہ رخ گاؤں کے لوگ ایسی باتوں پر بہت جلدی یقین کر لیتے ہیں، تم دیکھنا اس بات کے بعد سے وہ گلاب بخش اور اس کا بیٹا مہرو سے دو سو کوس دور بھاگیں گے۔"

"اچھا چلیں ٹھیک ہے میں کل ہی بنّو کو اس مشن پر لگاتی ہوں۔" لالہ رخ بادل نخواستہ راضی ہوتے ہوئے بولی اور پھر فراز کو اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر گئی۔

❀......❀......❀
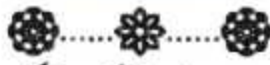
چائنیز ریسٹورنٹ کے بے حد رومانوی ماحول میں ہال کے کونے کی جانب موجود میز پر اس وقت باسل حیات، عنایہ دانش ابراہیم کے ساتھ بیٹھا تھا۔ آج شام عنایہ نے اسے فون کر کے فقط اتنا کہا تھا کہ وہ آٹھ بجے رات مطلوبہ ریسٹورنٹ پر پہنچ جائے۔

"مگر عنایہ میں......" باسل نے کچھ کہنا چاہا تب وہ فی الفور اس کی بات کاٹتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"اگر مگر کچھ نہیں باسل جی...... بس ٹھیک آٹھ بجے تم کو یہاں پہنچنا ہے او کے میں تمہارا انتظار کروں گی۔" اس کے بعد عنایہ نے باسل کا جواب سنے بناء ہی فون بند کر دیا تھا جب کہ باسل 'ارے......ارے' کرتا رہ گیا تھا پھر اپنا سیل فون دیکھ کر وہ کافی زچ ہو کر بولا تھا۔

"اُف یہ لڑکی کتنی ضدی ہے۔" اب وہ اس کے سامنے تھوڑا شرمندہ سا بیٹھا تھا۔

"تم مجھے بتا تو دیتیں کہ آج تمہارا برتھ ڈے ہے مجھے تو بہت اکورڈ لگ رہا ہے کہ یوں خالی ہاتھ تمہارے برتھ ڈے ڈنر

پر آ گیا۔" عنایہ اس وقت انتہائی اسٹائلش سے بلیک سوٹ میں ملبوس چہرے پر سافٹ سا میک اپ کیے اور لائٹ سی جیولری پہنے کینڈل کی مدھم سی روشنی میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ باسل کی بات پر وہ دلکشی سے ہنسی پھر مگن سے انداز میں گویا ہوئی۔

"اوہ کم آن باسل...... اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں رہا مجھے گفٹ دینے کا سوال تو میں کون سا کہیں بھاگی جا رہی ہوں بعد میں دے دینا۔" ڈارک بلیو جینز پر آف وائٹ شرٹ پہنے باسل نے اس کے اوپر کیمل رنگ کا کوٹ پہن کر اپنی پرسنلٹی کو بے حد ڈشنگ اور ہینڈسم بنا دیا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا اسی اثناء میں ویٹر نے سوپ سرو کیا تو دونوں کچھ پل کے لیے اس جانب متوجہ ہو گئے۔

"باسل تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟" سوپ کا چمچ منہ میں ڈالنے کے بعد عنایہ نے یک دم استفسار کیا تو باسل نے قدرے چونک کر اسے دیکھا جس پر وہ جلدی سے کہہ اٹھی۔

"پلیز باسل یہ مت کہنا کہ ہاں میں نے محبت کی ہے اپنی مام اور ڈیڈ سے اوکے۔" وہ اتنی بے ساختہ بولی تھی کہ باسل یک دم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا پھر یونہی ہنستے ہوئے بولا۔

"اوگاڈ عنایہ...... یو آر ٹو مچ۔" اس پل عنایہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی باسل خاموش ہوا تو وہ دوبارہ بولی۔

"ارے بابا مجھے جواب تو دو بتاؤ نا ایسی کوئی لڑکی تمہاری زندگی میں آئی جسے دیکھ کر تمہیں لگا کہ اس جیسا پوری دنیا میں کوئی نہیں۔" آخر میں اس کا انداز ڈرامائی ہو گیا تھا باسل نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"نہیں یہ سچوئشن تو فی الحال میرے ساتھ نہیں ہوئی کیا تمہارے ساتھ ایسا ہوا؟" اس پل وہ سوپ باؤل کی جانب متوجہ ہو چکا تھا جب ہی عنایہ کی بے حد سنجیدہ سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہاں...... تھا میری زندگی میں کوئی ایسا شخص جس کو دیکھ کر مجھے یوں لگتا کہ اگر یہ انسان مجھے نہ ملا تو شاید میں جینا چھوڑ دوں گی۔" اس پل باسل نے بے پناہ متعجب ہو کر سر اٹھا کر عنایہ کو دیکھا تھا اتنا سنجیدہ عنایہ کو دیکھ کر اسے خفیف سا جھٹکا لگا تھا۔ ہر لحہ ہنستی مسکراتی شوخیاں کرتی عنایہ کا یہ روپ ناقابل یقین تھا۔

"اس کا نام دل آویز تھا میرا دل...... ہونہہ۔" آخر میں وہ جیسے خود کا ہی مذاق اڑاتے ہوئے بولی اس لمحے نجانے وہ کس خیال میں گم ہو گئی تھی پھر اچانک حال کی دنیا میں لوٹتے ہوئے وہ تیزی سے خود کو سنبھال کر بولی۔

"یو نو واٹ باسل یہ محبت وحبت کچھ نہیں ہے محض کتابی باتیں اور لفاظی ہے۔ ایک تخیلاتی دنیا کا کردار ہے محبت جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے حقیقی دنیا میں ہے تو صرف غرض مفاد اپنا فائدہ۔" بولتے بولتے اس پل عنایہ کا لہجہ بے پناہ تلخ و ترش ہو گیا۔ باسل محض خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"باسل دنیا کا ہر رشتہ غرض پر ٹکا ہے دو اور لو کے اصول پر ہم صرف اسی سے ملتے ہیں اسی کے ساتھ اپنا وقت گزارنا چاہتے ہیں جن سے ہمیں کوئی فائدہ مل رہا ہوتا ہے۔" بظاہر اتنی خوش باش رہنے والی لڑکی اندر سے اتنی شکستہ اور تلخ ہو گی یہ باسل حیات کو بالکل معلوم نہیں تھا اسے بغور دیکھتے ہوئے باسل سہولت سے گویا ہوا۔

"نہیں عنایہ...... اب ایسا بھی نہیں ہے کچھ رشتے اتنے خالص اور شفاف ہوتے ہیں کہ ان کے اندر ذرہ بھر بھی کھوٹ یا ملاوٹ نہیں ہوتی جنہیں کوئی غرض کوئی مفاد نہیں ہوتا بس وہ سراپا محبت ہوتے ہیں۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ وہ دل آویز کہاں گیا؟" بولتے بولتے باسل یک دم موضوع بدلتے ہوئے استفسار کرنے لگا اس وقت عنایہ تھوڑا چونکی پھر بے حد بے پروائی سے اپنی پرانی جون میں واپس آتے ہوئے بولی۔

”مر گیا۔“

”کیا......“ باسل اپنی سیٹ سے یوں اچھلا جیسے اس میں کانٹے اُگ آئے ہوں۔

”ہاں بابا مر گیا......اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ گفٹ کیا دو گے؟“ باسل متحیر سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

❁......❁......❁

وہ آج جلدی آفس سے گھر آ گیا تھا‘ اس پل وہ فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب بڑھا ہی تھا کہ یک دم ساحرہ کی آواز اسے اپنے کمرے کے دروازے سے سنائی دی جو اسے مسلسل آوازیں دے رہی تھی اس لمحے اس نے ساحرہ کے لب و لہجے میں واضح گھبراہٹ اور پریشانی محسوس کی تھی۔ فراز بھی کچھ متفکر سا ہو کر دوبارہ دروازے کی جانب آیا‘ جواب ساحرہ کھول چکی تھی۔

”اوہ تھینک گاڈ فراز......تم گھر آ گئے‘ سونیا کے سر میں اچانک بہت شدید درد اٹھا ہے‘ تم پلیز اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔“ ساحرہ کی بات پر فراز یک دم رک گیا۔

”مام کال کر کے ڈاکٹر سہیل حق کو بلوا لیتے ہیں نا۔“ اس نے فوراً سے پیشتر اپنے فیملی ڈاکٹر کا نام لیا جو اکثر اوقات ان کے گھر پر چیک اپ کے لیے آتے تھے۔

”وہ آؤٹ آف کنٹری ہیں‘ سونیا پہلے ہی انہیں فون کر چکی ہے اب تم دیر کیوں کر رہے ہو جلدی سے اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ نا۔“ ساحرہ تیز تیز بولتے ہوئے آخر میں سرزنش بھرے لہجے میں بولی تو طوعاً و کرہاً فراز کو جانا پڑا۔

”او کے مام......میں لے کر جا رہا ہوں۔“ وہ ساحرہ کے ہمراہ سونیا کے بیڈ روم میں پہنچا تو سونیا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھی۔

”سونیا جانو......ہری اپ یہ فراز آ گیا ہے تم فوراً ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔“ ساحرہ اس کے پاس بستر پر بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے بولی۔

”آنٹی میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“ وہ جیسے کراہ رہی تھی فراز بھی کچھ پریشان سا ہو گیا تھا چند قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب آیا۔

”اچھا اب تھوڑی سی ہمت کرو اور میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو۔“ ساحرہ سونیا کو سہارا دے کر باہر تک لائی‘ سونیا کے گاڑی میں بیٹھتے ہی فراز نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پھر کافی تیز ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنے ایریے سے باہر آیا تھا۔ وہ جلد از جلد سونیا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتا تھا‘ ابھی اسے ڈرائیو کیے مشکل سے پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ یک دم گاڑی چلاتے ہوئے اس کی نگاہ فرنٹ سیٹ پر اپنے تئیں درد سے بے حال بیٹھی سونیا پر پڑی تو وہ یک دم جیسے کرنٹ کھا کر اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ سونیا بے حد مگن سے انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھنے میں محو تھی۔

”سونیا آر یو او کے؟“ وہ حیران سا فقط اتنا ہی بول سکا تھا جس پر سونیا نے بڑے نارمل انداز میں دیکھ کر اس سے کہا۔

”ہاں کیوں مجھے کیا ہوا ہے۔“ فراز نے اس وقت بے حد الجھ کر اسے دیکھا اور پھر اگلے ہی پل وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اشتعال و ناگواری کی ایک تیز لہر اس وقت اس کے اندر سے امڈی تھی جس نے اس کے دماغ کو بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا اس کا پیر بے اختیار بریک پر جا پڑا‘ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی جب کہ سونیا نے تیزی سے ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھا اور خود کو ونڈ اسکرین سے ٹکرانے سے بچایا۔

”او گاڈ فراز......یہ کون سا طریقہ ہے گاڑی روکنے کا۔“

”سونیا اس گھٹیا حرکت کا مطلب کیا ہے؟“ وہ سونیا کی بات کو یکسر نظر انداز کر کے سلگتے ہوئے لہجے میں بولا تو سونیا

بڑے اطمینان اور مزے سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔
''اس حرکت پر تم نے ہی مجھے مجبور کیا ہے فراز...... اگر سیدھی شرافت سے تم مجھے آؤٹنگ پر لے آتے تو مجھے سر درد کا بہانہ بنانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔''
''کیا بکواس ہے سونیا..... آخر تم یہ چیپ حرکتیں کر کے کیا جتانا چاہتی ہو؟''
''میری چاہت کو چیپ حرکتیں تو مت کہو۔'' سونیا نروٹھے پن سے اسے ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بولی تو فراز بری طرح زچ ہو اٹھا۔
''اللہ کے واسطے سونیا...... پلیز بند کر دو یہ سب ڈرامے ان چیزوں سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا الٹا کامیش تم سے بدگمان ہو جائے گا۔''
''اونہہ کون کس سے بدگمان ہوتا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔'' اس پل سونیا کے لہجے میں اتنی کاٹ اور زہریلا پن تھا کہ فراز نا چاہتے ہوئے بھی وحشت زدہ سا ہو گیا پھر یک دم ڈھیلا پڑتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔
''دیکھو سونیا...... تم میری سب سے اچھی دوست ہو اور اب میرے چھوٹے بھائی کی عزت میری بھابی ہو۔ میں تمہارا دل سے احترام کرتا ہوں اور تمہارے......''
''آخر تم کب تک مجھے اپنا دوست کہہ کہہ کر میرے دل میرے جذبات سے کھیلتے رہو گے فراز......'' بے حد ٹھنڈے مگر عجیب سے انداز میں وہ اس کی بات درمیان میں سے کاٹ کر گویا ہوئی جس پر فراز نے بے حد متعجب سا ہو کر سونیا کو دیکھا جس کا چہرہ اس پل خطرناک حد تک سنجیدہ تھا وہ چپ کا چپ بیٹھا رہ گیا۔
''بولو فراز...... بتاؤ آخر کب تک مجھے اپنا بیسٹ فرینڈ کہہ کر میرے ساتھ اپنے وقت کو رنگین بناتے رہو گے؟ میری فیلنگز کو سمجھتے ہوئے بھی انہیں حقیر جان کر ان کا مذاق اڑاتے رہو گے۔'' قدرے توقف کے بعد وہ سانپ کی مانند جیسے پھنکاری تھی۔ فراز تو جیسے اس پل سانس لینا بھی بھول گیا تھا جوں کا توں بیٹھا سونیا کی گوہر افشانیاں بے حد اچنبھے سے سن رہا تھا۔
''مسٹر فراز شاہ...... تم نے میرا استعمال کیا ہے اپنے وقت کو رنگین بنا کر اور جب تمہارا مجھ سے دل بھر گیا تو تم نے مجھے چھوڑ دیا مگر فراز شاہ...... تم اس بھول میں قطعی مت رہنا کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی۔ جس طرح تم نے میری زندگی میں زہر گھولا ہے اسی طرح میں بھی تمہاری زندگی کو جہنم بنا دوں گی۔'' اس پل اس کا تنفس دھونکنی کی مانند تیز تیز چلنے لگا تھا بہت دیر بعد فراز کچھ بولنے کے قابل ہوا۔
''تم مجھ پر الزام تراشی کر رہی ہو سونیا...... میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا' تمہارے ساتھ یہ سب جھوٹ ہے غلط ہے۔ اللہ کے واسطے سونیا...... تم اپنے اس نام نہاد بدلے کی آگ میں کامیش جیسے اچھے انسان کو کھو دینے کی غلطی مت کرنا اگر تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں تمہارا قصوروار ہوں تو دیکھو میں تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہا ہوں۔'' وہ اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹا کر دونوں ہاتھوں کو اس کے سامنے جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔
''میں مانتا ہوں کہ تمہاری فیلنگز کو میں سمجھ گیا تھا مگر صرف تمہاری دل آزاری کے ڈر سے میں نے تمہیں انکار نہیں کیا اور پھر میں تمہاری شدت پسند طبیعت سے بھی واقف تھا۔ بچپن کے بہت سے واقعات میری یادداشت میں محفوظ تھے جب تمہیں اپنی من پسند چیز نہ ملنے پر کس طرح تم نے خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی اس لیے میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ تم مجھ سے مایوس ہو کر کوئی ایسا ویسا قدم اٹھا بیٹھو مگر افسوس کہ آج بھی تم ایسا ہی کر رہی ہو۔ کامیش کو خود سے بدظن کر کے اسے دور کر کے تم اپنی زندگی کا سب سے بڑا نقصان کرو گی' سونیا اگر تم کامیش کو محبت اور توجہ دو گی تو یقیناً وہ بھی

تمہاری تمام شکایات دور کردے گا مجھے اس بات کا پورا یقین ہے۔"
"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو فراز کہ بچپن میں میں خود کو نقصان پہنچایا کرتی تھی جب میری مرضی پوری نہیں ہوتی تھی مگر اب مجھے عقل آگئی ہے۔ میں خود کو نقصان پہنچانے کے بجائے اب دوسروں کو نقصان پہنچاؤں گی۔" وہ سانپ کی طرح بل کھا کراتنے عجیب انداز میں بولی کہ فراز کے دماغ کی نسیں وائلن کے تار کی طرح کھنچ گئیں۔
"خیر یہ بتاؤ اس وقت تم مجھے کہاں لے کر جارہے ہو؟ ہوں ایسا کرتے ہیں ساحل سمندر چلتے ہیں۔" بے حد سرعت سے اس پل اس نے اپنا رنگ بدلا تھا' وہ اتنے مگن سے انداز میں بولی تھی جیسے کچھ دیر پہلے وہ بڑے خوش گوار ماحول میں باتیں کررہے تھے۔ فراز نے چند ثانیے اسے انتہائی سپاٹ انداز میں دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے اپنے لبوں کو سختی سے بھینچے گاڑی ریورس کرکے گھر کے راستے کی جانب موڑ دی تھی۔

❀......❀......❀

خون کو منجمد کردینے والی سردی سے بچنے کے لیے وادی کے لوگوں نے جگہ جگہ لکڑیاں اکٹھی کرکے آگ سلگا رکھی تھی۔ سہ پہر کے اس لمحے میں بھی بے حد خنکی اور ٹھنڈ تھی' وادی کے نوجوان اپنے دوستوں کے ہمراہ الاؤ کے اطراف میں گرم چادر اوڑھے سر پر اونی ٹوپی چڑھائے ایک دوسرے سے باتوں میں محو تھے' لالہ رخ خود کو اچھی طرح گرم شال میں لپیٹے بنّو کے گھر کی جانب محو سفر تھی' جب ہی دور سے وہ اسے آتا دکھائی دیا۔
"اوہ اللہ کا شکر ہے کہ بنّو آرہا ہے۔" لالہ رخ خود سے تشکر آمیز لہجے میں بولی پھر وہیں کھڑی ہوکر اس کا انتظار کرنے لگی تھوڑی ہی دیر میں وہ کچھ حیران حیران سا لالہ رخ کے پاس پہنچا تھا اس نے بھی لالہ رخ کو دور سے دیکھ لیا تھا۔
"ارے لالہ باجی...... سب خیر تو ہے نا کیا آپ میرے گھر آرہی تھیں؟" بنّو استفہامیہ لہجے میں کچھ متعجب سا ہوکر بولا تو لالہ رخ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوئی۔
"ہاں بنّو میں تمہارے ہی گھر تم سے ملنے آرہی تھی' دراصل مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی تھی تم آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے لیے واپس ذیلی سڑک کی جانب مڑتے ہوئے بولی تو بنّو بھی اس کے ساتھ ہولیا۔
"بنّو...... تم چاچا گلاب بخش کو تو جانتے ہو گے نا۔" یہ قصبہ بہت مختصر سے خطہ میں پھیلا ہوا تھا جہاں آبادی بھی کافی کم تھی لہٰذا تقریباً سب ہی ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ لالہ رخ کی بات پر بنّو یک دم پرجوش سا ہوکر کہنے لگا۔
"ہاں باجی کیوں نہیں' میں جانتا ہوں جی وہ اپنا جمیل ہے نا وہ وہیں تو کام کرتا ہے۔"
"کون جمیل بنّو؟" لالہ رخ یک لخت اپنی جگہ رک کر بولی جواباً بنّو بھی رک گیا تھا پھر تیزی سے بولا۔
"باجی وہ جمیل ہے نا میرے چھوٹے بھائی کا دوست ہے اکثر ہمارے گھر بھی آتا ہے وہ وہیں چاچا گلاب بخش کے بنگلے پر کام کرتا ہے۔" یہ سن کر لالہ رخ یک دم اچھل پڑی۔
"سچ بنّو...... اوہ یہ تو بہت اچھا ہوگیا' ہمارا کام اور بھی آسان ہوگیا۔" لالہ رخ دبے دبے جوش اور مسرت آمیز لہجے میں خود سے بولی تو بنّو نے اسے نا سمجھی والے انداز میں دیکھا پھر کچھ الجھن بھرے لہجے میں استفسار کرتے ہوئے گویا ہوا۔
"باجی کون سا کام ہمارا آسان ہوگیا؟" اس دم لالہ رخ نے بنّو کو دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر ہموار لہجے میں بولی۔
"دراصل بنّو بات یہ ہے کہ مہرو کے ابا مہرو کا بیاہ چاچا گلاب بخش کے بیٹے سے رچانا چاہتے ہیں۔" وہ ابھی فقط اتنا ہی بولی تھی کہ بنّو اپنی جگہ سے اچھلتے ہوئے بے پناہ حیرت سے بولا۔
"وہ اظہر بابو...... مگر وہ تو جی بیمار ہے میرا مطلب ہے کہ وہ تو......" بنّو از خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ گیا تو لالہ رخ نے بغور

اسے دیکھا پھر نرمی سے بولی۔
"میں جانتی ہوں بٹو۔"
"تو پھر مہرو باجی کا بیاہ تو اظہر بابو سے بالکل نہیں ہونا چاہیے وہ تو بے چارا ہر دوسرے مہینے علاج کے لیے شہر جاتا ہے جی۔" اس وقت بٹو کے لب و لہجے میں مہرینہ کو لے کر بے حد فکر ہی فکر تھی۔ لالہ رخ بے ساختہ ایک سانس بھر کر رہ گئی۔
"یہی تو مسئلہ ہے بٹو...... دراصل مہرو کے ابا زبردستی اس کی شادی چاچا کے نشئی بیٹے سے کرنے پر بضد ہیں۔" بٹو نے تڑپ کر اسے دیکھا۔
"مگر یہ تو سراسر ظلم ہے جی نری زیادتی ہے مہرو باجی کے ساتھ۔"
"میں جانتی ہوں بٹو...... بس اسی لیے ہم نے ایک ترکیب سوچی ہے اس رشتے سے جان چھڑانے کے لیے۔"
"وہ کیا جی......" بٹو نے متعجب ہو کر استفسار کیا تو لالہ رخ نے قدرے محتاط نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھا پھر تھوڑا بٹو کے پاس آ کر بولی۔
"بٹو بس تم کسی طرح وہ جو لڑکا ہے نا جمیل جو چاچا گلاب بخش کے بنگلے پر کام کرتا ہے اس کے کان میں یہ بات ڈال دو کہ اپنی مہرو پر کسی چیز کا سایہ ہے۔" بٹو بے ساختہ اپنی جگہ سے اچھلا پھر چند ثانیے لالہ رخ کو کافی الجھی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔
"ہاں بٹو تم کہو کہ خدانخواستہ مہرو پر کسی چیز کا اثر ہے پھر چاچا گلاب بخش خود ہی اپنے بیٹے کا رشتہ دینے سے انکار کر دیں گے کیوں کہ مہرو کے ابا تو کسی طرح مان ہی نہیں رہے۔" آخر میں وہ کچھ اضطرابی انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنساتے ہوئے بولی تو آہستہ آہستہ بٹو کے حیران اور ہونق چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ چہک کر بولا۔
"ارے واہ باجی یہ ترکیب تو کمال کی ہے مہرو باجی کی اظہر بابو سے جان چھڑانے کی۔ بس اب آپ فکر ہی نہ کرو جی میں موقع دیکھتے ہی یہ بات جمیل کے کان میں ڈال دوں گا۔" یہ سن کر لالہ رخ کو یوں محسوس ہوا جیسے پہاڑ اس کے سر سے تھوڑا سرکا ہو پھر ذہن میں ایک خیال در آیا تو وہ تھوڑا پریشان سا ہو کر بولی۔
"مگر بٹو اس بات کا خاص دھیان رکھنا کہ اس کی ذرا سی بھی بھنک کسی کے کان میں نہ پڑے اور ہاں مہرو کو تو اس سارے معاملے کی بالکل ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے۔" لالہ رخ کی بات کو بغور سنتا بٹو آخر میں بڑے مضبوط انداز میں بولا۔
"باجی آپ بالکل پروا نہ کرو جی میں یہ کام بہت ہوشیاری سے کروں گا اور مہرو باجی کو بھی ان شاء اللہ کچھ بھی پتا نہیں لگے گا۔"
"شکریہ بٹو...... تم نے تو میرا بہت بڑا بوجھ ہلکا کر دیا۔"
"باجی یہ کیا بات کہی آپ نے' کیا میں غیر ہوں جو آپ اس طرح میرا شکریہ ادا کر رہی ہو اور کیا میرا مہرو باجی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ افسردگی بھرے لہجے میں بولا تو لالہ رخ یک دم مسکرا دی پھر خلوص سے گویا ہوئی۔
"بالکل تعلق ہے تمہارا' اچھا آئی ایم سوری اگر تمہارے دل کو ٹھیس لگی۔" پھر وہ اسے اللہ حافظ کہہ کر اپنے گھر کی جانب چل پڑی۔

❁......❁......❁
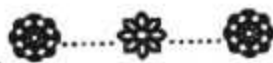
فراز انتہائی غصے کے عالم میں گاڑی سے اترا تھا جب کہ سونیا اس کے برعکس بڑے خوشگوار موڈ میں تھوڑا تھوڑا گنگناتے ہوئے ترنگ سے گاڑی سے باہر آئی تھی۔ فراز لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے جوں ہی گھر میں داخل ہوا بالکل سامنے لاؤنج

میں کامیش کو بیٹھا دیکھ کر اس کے اعصاب کو اس پل خفیف سا جھٹکا لگا تھا وہ بے ساختہ تیزی سے چلتے ہوئے ٹھٹکا تھا جب کہ چند ہی لمحوں میں سونیا بھی اس کے پیچھے پیچھے آ دھمکی تھیں اس پل کامیش نے دونوں کو بڑی توجہ سے دیکھا تھا جب کہ فراز شاہ خوامخواہ کافی پزل سا ہو گیا تھا۔

"ارے کامیش تم...... تم اس وقت گھر کیسے آ گئے؟" فراز کی زبان بہت ہی بے تکے انداز میں اس وقت پھسلی تھی پھر دوسرے ہی پل وہ اپنی بات کو سنبھالنے کی غرض سے بولا۔

"چلو اچھا ہوا تم گھر آ گئے اب اپنی بیگم کو سنبھالو ان کی طبیعت کچھ صحیح نہیں ہے ام نے مجھے تو گھر میں داخل ہوتے ہی الٹے قدموں ڈاکٹر کے پاس دوڑا دیا تھا۔" فراز پس پردہ اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کر رہا تھا نجانے کیوں اس پل اسے کامیش شاہ کی نگاہیں بہت سرد اور طنزیہ محسوس ہوئی تھیں جب ہی سونیا بڑے اٹھلائے ہوئے انداز میں کامیش کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مگر میری طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے بلکہ بہت فریش اور خوش۔"

"اے میرے اللہ یہ عورت جو میری عزت اوقات وقار کو مٹی میں ملانے کے در پے ہے اسے اس کے مذموم مقاصد میں کبھی بھی کامیاب مت ہونے دینا۔" اس پل فراز کی بے بسی ولاچاری عروج پر جا پہنچی تھی وہ بے ساختہ دل ہی دل میں اپنے رب سے گڑگڑا کر بولا تھا جب ہی کامیش کی سپاٹ سی آواز لاؤنج میں گونجی۔

"فراز یار اس وقت چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے تم پلیز ممتاز سے چائے کا کہہ دو جب تک میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" اس وقت کامیش نے بھی سونیا کو بالکل توجہ نہیں دی تھی۔ فراز نے تھوڑا چونک کر اسے دیکھا پھر بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

"اوکے برادر...... تم فریش ہو کر آؤ پھر ہم دونوں ساتھ میں چائے پیتے ہیں۔" سونیا جو دونوں بھائیوں کو بغور دیکھ رہی تھی اس پل اندر سے بری طرح جھلس کر رہ گئی۔

❀......❀......❀

وہ اسے ہر جگہ ڈھونڈ چکی تھی مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا ولیم ایک ہفتے کے لیے مانچسٹر اپنے انکل کے پاس گیا ہوا تھا جیسکا کے کہنے کے مطابق آج وہ کالج آیا تھا مگر اب تک وہ اسے دکھائی نہیں دیا تھا۔

"او گاڈ ولیم...... اب میں تمہیں کہاں تلاش کروں۔" وہ تھکن زدہ لہجے میں خود سے بولی پھر معاً اس کی نگاہ کالج کے مین گیٹ پر پڑی تو ولیم اسے وہیں کسی لڑکے کے ہمراہ کھڑا دکھائی دیا یک دم ماریہ کے قدموں میں جیسے بجلی سی بھر گئی۔ وہ تقریباً بھاگنے والے انداز میں اس تک پہنچی تھی۔

"اوہ مائی گڈنس ولیم تم مل گئے میں اتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔" ماریہ پھولی پھولی سانسوں کے درمیان بمشکل بولی تھی جب کہ اسی پل کسی سے گفتگو کرتے ولیم نے اسے کچھ حیرت سے دیکھا تھا پھر تھوڑی بہت بات چیت کر کے اسے رخصت کر دیا وہ کافی روڈ انداز میں ماریہ سے مخاطب ہوا۔

"کیوں...... تم مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں ماریہ؟" ماریہ چند لمحوں کے لیے بالکل چپ وساکت سی کھڑی رہ گئی پھر کچھ دیر بعد ندامت آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"ولیم میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے بہت ناراض ہو میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے نا...... تمہاری خفگی بالکل جائز ہے۔" ماریہ انگریزی میں سنجیدگی سے بولی تو اپنے دونوں بازوؤں کو سینے پر باندھ کر ولیم خاموشی سے محض اسے یک ٹک تکتا رہا۔

"یقین مانو ولیم...... یہ سب کچھ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو ولیم......

دراصل میں گزشتہ دنوں اپنے ڈیڈ کی وجہ سے کافی ڈپریسڈ رہی۔" ماریہ بات بنانے کی غرض سے بولی جب ہی ولیم کافی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"تمہارے ڈیڈ تو بچپن سے ہی ایسے ہی ہیں پھر اب تمہیں کیوں ان کا رویہ تکلیف دینے لگا۔"

"وہ اس لیے ولیم کے زندگی کے اس موڑ میں مجھے اپنے فادر کی کمی کا احساس ہونے لگا ہے ان کا بے پرواہ رویہ اب مجھے تکلیف دیتا ہے۔"

"تو اس سلسلے میں، میں کیا کرسکتا ہوں؟" ولیم اس سے اب تک ناراض تھا جب ہی بڑے روکھے انداز میں بولا تھا جواباً ماریہ نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا پھر دھیمے سے انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ولیم تمہاری ناراضگی کیسے دور ہوگی، پلیز مجھے معاف کردو نا؟" ڈارک براؤن مخمل کے اوور کوٹ میں بلیک مفلر پوری طرح اپنے چہرے کے گرد لپیٹے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی ولیم چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر دوسرے ہی پل کھل کر مسکرا دیا جب کہ ماریہ نے ولیم کو دیکھ کر اطمینان کا سانس بھرا۔

❁......❁......❁

سرمئی شام اس وقت ہلکی سی خنکی لیے طبیعت کو بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ آج اتوار ہونے کی وجہ سے زرتاشہ اور زرینہ ہاسٹل کے خوب صورت سے باغیچے میں بیٹھیں ماحول سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ یہاں وہاں کی باتوں میں بھی مصروف تھیں جب ہی مہوش وہاں آ دھمکی۔

"ہیلو گرلز اور کیا ہو رہا ہے بھئی؟" وہ دھپ سے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی تو زرینہ نے رخ موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ خاص نہیں بس ایسے ہی باتیں کررہے تھے۔" زرینہ کے جواب پر مہوش محض سر ہلا گئی پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"مجھے تم دونوں کو ایک نیوز دینی ہے یار۔" اس پل مہوش کا بجھا بجھا انداز ان دونوں نے بخوبی محسوس کیا تھا جب ہی وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"کیسی نیوز سب ٹھیک تو ہے نا؟" زرینہ سنجیدگی سے استفسار کرتے ہوئے بولی تو مہوش محض خاموشی سے اپنے ہاتھ سے باغیچے کی گھاس نوچنے لگی پھر کچھ دیر بعد منہ لٹکا کر بولی۔

"اگلے مہینے میری منگنی ہو رہی ہے۔"

"ارے واؤ...... یہ تو بہت زبردست نیوز ہے، مگر تم کیوں اتنی ڈپریس ہو رہی ہو یہ تو بہت اچھی بات ہے مہوش۔" زرینہ بے ساختہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی تو زرتاشہ بھی تائیدی انداز میں گویا ہوئی۔

"بالکل مہوش...... لڑکیاں تو اپنی منگنی، شادی کی خبریں ایسے خوشی سے بے حال ہو کر لہک لہک کر اتراتے ہوئے سناتی ہیں اور ایک تم ہو کہ اتنا برا منہ بنایا ہوا ہے۔" مہوش خاموشی سے سر جھکائے دونوں کی باتیں سنے گئی اس پل وہ رائل بلو اور بلیک رنگ کے کنٹراسٹ کے کاٹن کے اسٹائلش سے سوٹ میں کافی اداس سی لگ رہی تھی۔

"مہوش اگر تم چاہو تو ہم پر بھروسہ کرسکتی ہو اصل بات کیا ہے تم بلا جھجک بتا سکتی ہو۔" زرینہ بغور اسے دیکھتی ہوئی سنجیدگی سے بولی تو اسی دم مہوش نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر مایوسی بھرے انداز میں سر نفی میں ہلا کر گویا ہوئی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے زری...... تم لوگوں کو بتا کر خوامخواہ میں اپ سیٹ کیوں کروں۔"

"چلو اگر ہم تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم تم اپنے دل کی بات کہہ کر اپنا بوجھ تو ہلکا کرسکتی ہو نا۔" زرتاشہ

بڑے خلوص سے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے دباتے ہوئے بولی تو یک دم مہوش کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی جیسے اس نے بڑی تیزی سے پلک جھپک کر اپنے اندر اتارا پھر بڑی دھیمی آواز میں بولی۔

"وہ میرا پھوپی کا بیٹا ہے، ہم پچھلے چار سال سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت جیسے طلسمی رشتے میں بندھے ہوئے ہیں مگر......" وہ پل بھر کو گہرا سانس لے کر رکی پھر دوبارہ گویا ہوئی۔

"ہماری فیملی میں ابھی چند ہی ماہ پہلے پراپرٹی کے حوالے سے کچھ جھگڑے ہوگئے ہیں جس کی بناء پر اب میری فیملی مرتضیٰ کے ساتھ میرا رشتہ جوڑنے کو بالکل تیار نہیں ابھی یہ سب کچھ چل رہا تھا کہ نجانے کیوں یہ لنگور اٹلی سے ٹپک پڑا اپنا پرپوزل لے کر اور میرے گھر والوں نے بھی ہاں کردی۔" آخر میں مہوش کا انداز بے پناہ جلا بھنا ہوگیا تھا۔ زرینہ اور زرتاشہ بے اختیار مسکرادیں۔

"اس دن بھائی سے میری اسی لیے اتنی گرما گرم بحث ہورہی تھی۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔" زرتاشہ اپنی کنپٹی پر شہادت کی انگلی بجاتے ہوئے بولی جس پر زرینہ نے اسے غور سے دیکھا پھر طنزاً بولی۔

"یا آئن اسٹائن کا لک دینے کے بجائے اس بارے میں سوچو کہ ہم مہوش کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔"

"ہاں تو تم سوچو نا زرینہ میڈم...... ویسے بھی تمہیں ہی جھانسی کی رانی بننے کا بہت شوق ہے اور اس معاملے میں ہم کیا کرسکتے ہیں؟" زرتاشہ حقیقت پسندانہ انداز میں صاف گوئی سے بولی تو مہوش نے دونوں کو باری باری دیکھا پھر مایوسی سے بولی۔

"زرتاشہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے یار...... بھلا تم دونوں میرے لیے کیا کرسکتے ہو۔" زرینہ سوچ میں پڑگئی پھر تیزی سے گویا ہوئی۔

"لیکن ایک آدھی چھوٹی موٹی کوشش تو کی جاسکتی ہے نا۔" زرینہ تو جیسے مہوش کی مدد کرنے کو کمربستہ ہوگئی۔ زرتاشہ نے اسے بے حد اچنبھے سے دیکھا پھر بڑے کٹیلے انداز میں بولی۔

"اس کا وہ ہٹلر نما چنگیز خان کا پوتا بھائی تم بھول گئیں زری جو بلاوجہ یوں لڑنے لگتا ہے جیسے بھارت پاکستان سے اب اگر تم نے اس معاملے میں اپنی ٹانگ اڑائی تو وہ تمہارا ابھرتہ بنادے گا سمجھیں۔"

"ارے ہٹاؤ اس چوزے سے تو ڈرتی ہوگی میری جوتی۔" زرینہ نے جیسے مکھی اڑائی تھی پھر مزے سے بولی۔

"تاشو میری جان...... ابھی تم نے جانا ہی نہیں کہ یہ زرینہ چیز کیا ہے۔" اس پل زرتاشہ نے اسے کافی پریشانی سے دیکھا۔

"یا اللہ زری پلیز اب کوئی نیا تماشہ مت شروع کردینا یار یہ ان لوگوں کا فیملی میٹر ہے۔ تم کس خوشی میں اس میں کود رہی ہو اور اس کا بھائی...... زری وہ تمہیں چھوڑے گا نہیں۔" زرتاشہ اور زرینہ دونوں آپس میں شروع ہوگئی تھیں جب کہ مہوش دونوں کو بڑے فکرمندی سے دیکھ رہی تھی جب اچھی خاصی دیر ہوگئی تو مہوش کو ٹوکنا پڑا۔

"زرینہ زرتاشہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے اب کوئی فائدہ نہیں ہے اگلے مہینے میری منگنی ہورہی ہے اور دو مہینے بعد شادی اور پھر میری فیملی بھلا تمہاری بات کیونکر مانے گی اور بھائی...... نجانے ان کو تم سے کیا بیر ہوگیا تھا جو تمہارے اوپر چڑھائی کردی تھی۔" آخر میں وہ کافی الجھ کر نا سمجھنے والے انداز میں بولی۔

"مگر مہوش لڑنے سے پہلے ہی ہتھیار پھینک دینا بزدلی ہے۔" زرینہ مہوش کو بغور دیکھ کر نرمی سے بولی جس پر زرتاشہ اچھی خاصی چڑ گئی جب ہی تنک کر طنزاً بولی۔

"او بہادر خان کی پوتی اب اندر چلو ورنہ کہیں اس وقت کوئی اور بہادر تم سے ملنے نہ آدھمکے۔" پھر تینوں وہاں سے اٹھ کر اندر چلی آئیں کیوں کہ شام کے ڈھلنے کے ساتھ ہی چہار سو رات کے تاریک سائے پھیلتے چلے گئے تھے۔

❀.......❀.......❀

"مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہیں تھی لالہ...... کتنی ذلیل ہو تم اتنے دنوں تک تم نے مجھ سے یہ بات چھپائے رکھی واقعی بہت گھنی ہو لالہ تم۔ اب یہاں سے دفع ہو جاؤ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" مہرینہ بے حد برا مانتے ہوئے اسے کھری کھری سناتے ہوئے آخر میں منہ پھلا کر لالہ رخ کی جانب سے چہرہ موڑ گئی جس پر لالہ رخ نے اس کو کافی بے بسی سے دیکھا۔

"اُف مہرو...... تمہیں تو کچھ بھی سمجھانا مانو ہاتھی کو سائیکل پر بٹھانے سے زیادہ مشکل ہے۔ ارے میری بہنا ایسی بات ہرگز نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو میں نے تم سے چھپایا نہیں تھا بس بتانے میں تھوڑی دیر ہو گئی۔ تم جانتی ہو نا کہ میں اپنے چکروں میں کتنی الجھی رہتی ہوں۔"

"ہوں بات فراز بھائی سے دوستی تک جا پہنچی اور مجھے کچھ پتا ہی نہیں چل سکا بہت زیادتی کی ہے تم نے لالہ میرے ساتھ۔" وہ ہنوز لہجے میں بولی تو لالہ رخ نے بے ساختہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا پھر انتہائی زچ ہو کر سر اٹھا کر بولی۔

"جیسی بات تم سمجھ رہی ہو ویسی ہرگز نہیں ہے یہ وہ والی دوستی نہیں ہے سمجھیں۔"

"اچھا تو پھر یہ پاک چین والی دوستی ہے نا۔" مہرو اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کمر پر ہاتھ ٹکا کر لڑاکا عورتوں کی طرح طنزاً بولی تو لالہ رخ اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئی پھر کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"فراز بہت ڈیسنٹ لڑکا ہے مہرو...... کھلے اور شفاف دل و دماغ کا مالک اس کے اندر اس طرح کی کوئی خرافات نہیں ہے۔" مہرو نے بغور اس کی بات سنی پھر معاً کوئی خیال ذہن میں آیا تو وہ تیزی سے اس کے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے اشتیاق آمیز لہجے میں بولی۔

"ویسے لالہ مجھے پہلی ہی نظر میں فراز بھائی بہت اچھے لگے تھے ہائے کاش تمہاری ان سے شادی ہو جائے۔" مہرو کی بات پر وہ زور سے اچھلی پھر اسے جھڑکنے والے انداز میں بولی۔

"بکومت مہرو...... تم بھی نا کیا کیا فضولیات سوچنے لگیں۔ اچھا چلو اب کمرے سے باہر نکلو امی کے پاس جا کر بیٹھتے ہیں وہ کب سے اکیلی وہاں بیٹھی ہیں۔"

"ہاں...... ہاں ٹھیک ہے مگر میری ناراضگی ابھی تک برقرار ہے تم یہ ہرگز مت سمجھنا کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔" مہرو اپنی شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے لالہ رخ سے کڑے انداز میں بولی تو لالہ رخ بے ساختہ ہنس کر بولی۔

"اچھا...... اچھا میری رانی۔" جواباً مہرو "اونہہ" کہہ کر باہر کی جانب پلٹ گئی جب کہ لالہ رخ کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی۔

❀.......❀.......❀

اس کا دماغ اس پل لاوے کی مانند پک رہا تھا دل میں بے تحاشا غصہ تاسف کے ساتھ ساتھ دکھ بھی تھا اسے سونیا سے اس قدر گھٹیا پن کی امید نہیں تھی اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے شادی سے منع کرنے پر سونیا اس حد تک جا سکتی ہے وہ اس پل اپنے کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہلتا ہوا مسلسل آج گاڑی میں سونیا کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچے جا رہا تھا اور ہر بار اس کے اشتعال میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

"او گاڈ یہ سونیا میری زندگی کے ساتھ ساتھ کامیش کی بھی زندگی سے کھیل رہی ہے۔" وہ ایک جگہ رک کر اپنے بالوں کو

مٹھی میں جکڑتے ہوئے بے حد متفکر سا ہو کر خود سے بولا پھر چند ثانیے کچھ سوچ کر ایک بار پھر خود سے گویا ہوا۔

”اگر میں پہلے ہی قدم پر سونیا کو روک دیتا تو...... کیسے روکتا میں، وہ کتنی جذباتی اور جنونی ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ اینٹ سے اینٹ بجا دیتی۔ مس حیا کے ساتھ اس نے کتنا برا سلوک کیا تھا صرف اس لیے کہ وہ مجھ سے ہنس کر بات چیت کرلیا کرتی تھیں اور یہ محض اس کا بہانہ ہے مجھے قصوروار اور مجرم ٹھہرانے کا...... میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی کرتی جیسا اس وقت کررہی ہے۔ اونہہ اتنی سیدھی اور معصوم نہیں ہے وہ کہ جب ابتدا میں ہی اسے میں روک دیتا تو وہ اچھے بچوں کی طرح خاموش ہو کر بیٹھ جاتی۔“ وہ ایک بار پھر کمرے میں چکر لگانے لگا۔ اس وقت اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔

”وہ یقیناً آرام سے نہیں بیٹھے گی جب اسے میرے لندن جانے کا پتا چلے گا کچھ نہ کچھ تو وہ ضرور کرے گی، مجھے کامیش اور مام ڈیڈ کی نگاہوں سے گرانے کی کوشش کرے گی۔“ پھر وہ یک دم اپنے بستر پر گرا اور چت لیٹا چھت کو تکتے ہوئے خود کلام ہوا۔

”تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا کچھ ایسا کروں کہ سونیا کو میرے لندن چلے جانے کے بعد ہی پتا چلے۔“ پھر وہ دیر تک اس بابت سوچتا رہا۔

❁......❁......❁

ابرام آج گھر آیا تو لاؤنج میں ماریہ کو ولیم کے ہمراہ خوش گپیوں میں مصروف پایا، یہ دیکھ کر ابرام کو خوش گوار حیرت کا جھٹکا لگا۔

”ارے برو آپ بھی آئیے نا پلیز...... ہمیں جوائن کیجیے۔“ ماریہ اسے دیکھ کر بولی تو ابرام کے لبوں پر اس پل بے حد دلکش مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ ولیم بھی اس وقت کافی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ ماریہ کی بات پر وہ خفیف سے انداز میں اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اسی جانب آ گیا۔

”برو ہم پکنک پلان کررہے ہیں، آپ اور جیسکا بھی ہمارے ساتھ چلیں گے بس آپ ہمیں یہ بتا دیجیے گا کہ کس دن آپ کا آف ہوگا۔“ ماریہ خوش دلی سے بولی جب کہ ولیم اس پل مسکراتی نگاہوں سے ماریہ کو دیکھتا رہا۔

”آف کورس میں ضرور تمہیں بتا دوں گا۔“ ابرام نے بھی بڑی خوشی سے ماریہ کو جواب دیا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی پھر کچھ توقف کے بعد کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی۔

”میں سب کے لیے کافی لے کر آتی ہوں۔“ اور اس پل کچن کی جانب آتے ہوئے ماریہ کے چہرے پر کچھ دیر پہلے چھائی شگفتگی سنجیدگی میں ڈھل گئی۔ کیبنٹ سے کافی کا ڈبہ نکال کر کافی پیالی میں ڈال کر اس میں شوگر ملاتے ہوئے اس کا ذہن مختلف سوچوں کی اڑان بھرنے میں محو تھا پھر وہ تین مگ تیار کرکے انہیں ٹرے میں رکھ کر جونہی باہر آئی لاؤنج کی سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل فون بج اٹھا، پل کی پل اس کی نگاہ اپنے سیل فون کی جانب اٹھی وہ ٹرے ابرام کو پکڑا کر اپنے فون کی جانب آ گئی، اسکرین اس وقت ان نون نمبر بلینک کررہا تھا۔ ماریہ نے لیس کا بٹن دبا کر جونہی اپنے کان سے لگا کر ہیلو کہا، میک کی گمبھیر اور پُرسوز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”ویری گڈ ماریہ ڈیئر...... تم اپنے ٹریک پر واپس آ رہی ہو۔“ بے ساختہ ماریہ کے جسم میں سنسناہٹ سی پھیل گئی، پورا اپارٹمنٹ ہیٹڈ ہونے کے باوجود اس کے وجود میں سردی کی لہر دوڑ گئی اس نے ایک گھٹی گھٹی سانس بھری پھر دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔

”میں نے تم لوگوں کی بات سمجھ لی ہے میک، فکر نہیں کرو میں اپنی پچھلی غلطی کبھی نہیں دہراؤں گی۔“ اس پل اس کے

حلق میں کانٹے سے اُگ آئے تھے آج زندگی میں پہلی بار اسے کسی کے آگے بولنے میں بے حد دشواری محسوس ہوئی تھی۔ بار بار وہ تھوک نگل کر اپنے حلق کو تر کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

''مجھے امید ہے کہ تم یہ سب سچ کہہ رہی ہو ماریہ اور میری دعا بھی یہی ہے کہ خدا نہ کرے یہ جھوٹ اور فریب ہو وگرنہ اگر ایسا ہوا تو جو سلوک اور برتاؤ تمہارے ساتھ کیا جائے گا اسے دیکھ کر مجھے بھی افسوس ہوگا۔'' بظاہر نرم و شیریں لہجے کے پیچھے سنگین خوف ناک دھمکی سن کر ماریہ کا جیسے جسم کا سارا خون سمٹ کر کنپٹیوں میں آ گیا تھا۔

''میک تم اتنے شکی کیوں ہو میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں یہ کوئی جھوٹ اور فریب نہیں ہے اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو پھر میں کیا کرسکتی ہوں۔'' ماریہ اپنے لہجے کو بے زار اور بے پروا بناتے ہوئے بولی البتہ اندر ہی اندر وہ بے حد خائف ہورہی تھی اس پل دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر ہی نکل آئے گا۔

''اینی ویز تم ولیم کے ساتھ انجوائے کرو اور ہاں اپنی شادی میں مجھے ضرور انوائٹ کرنا' او کے۔'' یہ کہہ کر میک نے لائن کاٹ دی جب کہ ماریہ سناٹوں میں گھری جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

❁......❁......❁

لالہ رخ گھر بھر کی تفصیلی صفائی میں مگن تھی جب ہی بنّو اس کے گھر آن پہنچا۔

''باجی میں پہلے آپ کے گیسٹ ہاؤس گیا تھا پر وہاں جاکر پتا چلا کہ آج آپ نے چھٹی کی ہے۔'' بنّو کو لالہ رخ اپنے ہمراہ بیٹھک میں لے آئی تھی' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تو لالہ رخ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔

''ہاں بنّو آج میں نے چھٹی کرلی تھی' دراصل آج کچھ طبیعت سست سی ہورہی تھی تو سوچا گھر پر کچھ آرام ہی کرلوں۔''

''مگر باجی آپ تو ابھی بھی کام میں لگی ہوئی ہو۔'' بنّو لالہ رخ کے چہرے پر جگہ جگہ مٹی کے لگے دھبوں کو دیکھ کر ہنس کر بولا تو لالہ رخ بھی ہنس دی پھر سہولت سے بولی۔

''ارے بنّو اپنے گھر کے کام بھی بھلا کوئی کام ہوتے ہیں کیا' اچھا یہ بتاؤ تمہاری جمیل سے ملاقات ہوئی؟'' وہ قدرے بنّو کی جانب کھسک کر آخر میں بولی تھی جب کہ بنّو بھی بڑے رازدارانہ لہجے میں گویا ہوا۔

''ہاں باجی میری اس سے ملاقات بھی ہوئی تھی اور ہمارا کام بھی بن گیا۔''

''ہائے کیا سچ۔'' لالہ رخ بے ساختہ پرجوش ہوئی پھر بڑی بے صبری سے کہنے لگی۔ ''تم...... تم نے اس سے کیا کہا بنّو...... مجھے ساری بات بتاؤ۔''

''بس باجی وہ کل شام ہی میرے بھائی منے کے پاس آیا تھا میں نے تو پہلے یہاں وہاں کی باتیں کیں پھر یونہی چھل پیری اور بھوت وغیرہ کی باتیں کرنے لگا۔''

''اچھا پھر کیا ہوا؟'' انداز میں بے تابی ہی بے تابی تھی' بنّو بھی لہک لہک کر بتا رہا تھا۔

''پھر کیا ہونا تھا' میں نے جمیل سے باتوں باتوں میں کہا کہ آج کل یہ بھوت پریت کی باتیں بڑی عام ہوگئی ہیں اب تم باجی مہرو کو ہی دیکھ لو...... میں اتنا کہہ کر رکا تو وہ اپنی پوری آنکھیں نکال کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔''

''کیوں بھئی باجی مہرو کو کیا ہوا؟''

''میں نے کہا جمیلے میں تجھے ایک بڑی خاص بات بتا رہا ہوں مگر تجھے وعدہ کرنا ہوگا کہ اس بات کا ذکر تُو کسی سے نہیں کرے گا...... پھر باجی میں نے اس سے کہا کہ باجی مہرو پر بھی کچھ اثر وغیرہ کا چکر ہوگیا ہے۔ بس پھر کیا تھا تو وہ ایسے سہم گیا جیسے سچ میں اس کے سامنے کوئی بھوت آ گیا ہو۔'' آخری جملہ بنّو نے ہنستے ہوئے کہا تو لالہ رخ کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوگئی کچھ دیر تو بنّو خاموشی سے لالہ رخ کو دیکھتا رہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

''باجی آپ کیا سوچ رہی ہو جی؟'' بٹو کی آواز پر لالہ رخ نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولی۔

''سوچ رہی ہوں بٹو کے ہمارا یہ پلان پتا نہیں کامیاب ہوگا بھی یا نہیں۔'' رسٹ کلر کے لیلن کے سوٹ میں اس کے اوپر کالا سوئٹر پہنے لالہ رخ کچھ متفکر لگ رہی تھی۔

''باجی...... اللہ سے اچھی امید رکھیے مجھے تو پورا یقین ہے کہ یہ ترکیب ضرور کام کرے گی۔'' اس پل بٹو کے لب و لہجے میں بے حد مضبوطی اور اعتماد تھا لالہ رخ محض خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁

اس کی نظریں بظاہر ہال کی دیوار پر لگے پلازمہ پر چلتی مووی پر تھیں مگر اس کا ذہن اس پل کہیں اور تھا سارا بیگم ادھر اُدھر کام کرنے کے دوران سونیا کی غائب دماغی بغور نوٹ کر چکی تھیں۔ صوفے پر اپنی گود میں کشن رکھے بیٹھی سونیا جب بہت دیر تک ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہی تب سارا بیگم اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں جب کہ سونیا اپنے دھیان سے چونک کر انہیں دیکھنے لگی پھر قریب ہی رکھے ریموٹ سے ٹی وی کا والیوم ہلکا کر کے ان کی جانب متوجہ ہوگئی۔

''کام ختم ہوگئے آپ کے؟'' وہ خوش گوار موڈ میں بولی تو سارا بیگم مسکرانے لگیں پھر بڑی محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگیں۔

''اگر کام ختم کرلوں گی تو پھر میں بور ہونے لگوں گی' اسی لیے میں کوئی نہ کوئی کام کرنے کے لیے خود ہی نکال لیتی ہوں۔'' سارا بیگم کی بات پر سونیا محض سر ہلا گئی پھر کچھ توقف کے بعد سارا بیگم سونیا کو بغور دیکھتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئیں۔

''سونیا بیٹا میں یہ بات مانتی ہوں کہ فراز نے تمہارے ساتھ کسی بھی طور پر اچھا نہیں کیا یقیناً اس نے تمہیں ٹھکرا کر اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی ہے مگر سونیا میری جانو...... تم کیوں فراز سے انتقام لینے کے چکر میں اپنی زندگی کو یوں بے چین اور ڈسٹرب کر رہی ہو بیٹا۔'' سونیا نے اس پل بہت مشتعل سی ہو کر اپنی ماں کو دیکھا تھا جب ہی سارا بیگم اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولیں۔

''میری گڑیا میں تمہاری ماں ہوں اور جو کچھ میں اس وقت کہہ رہی ہوں اس میں صرف اور صرف تمہاری بھلائی اور فائدہ ہے۔ فراز کو بھول جاؤ بیٹا' وہ تمہارا ماضی تھا اور کامیش تمہارا حال ہے تمہارا سنہرا مستقبل اس کے ساتھ جڑا ہے روشن تابناک اور خوشیوں سے لبریز تمہارا آنے والا کل۔ ارے کامیش جیسے مکمل انسان کے تو لڑکیاں سپنے دیکھتی ہیں تم اس فراز کی خاطر کامیش کو اپنے ہاتھوں سے نہ گنواؤ چندا۔'' اس پل سونیا کا چہرہ سرخی مائل ہوگیا اس نے بمشکل اپنی ماں کی پوری بات سنی تھی۔

''اونہہ...... کتنی آسانی سے آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں فراز کو بھول جاؤں۔ نیونیور مما...... میں یہ بات تو بھول سکتی ہوں کہ اس کو کبھی میں نے چاہا تھا محبت کی تھی اس سے مگر جس رعونت اور غرور سے اس نے میری انا میری نسوانیت پر ٹھوکر لگائی تھی وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی مما' کبھی نہیں......'' انتہائی غضب ناک ہو کر وہ بولتے بولتے آخر میں چلا ہی پڑی جب کہ اس پل سارا بیگم نے بے حد متوحش ہو کر اسے دیکھا۔

''میں اس دن کا صفحہ اپنی زندگی کی کتاب سے کبھی نہیں نکال سکتی جس وقت اس نے مجھے آسمان سے دھکا دے کر منہ کے بل پاتال میں دھکیل دیا تھا۔'' سونیا کو بے اختیار وہ دن یاد آ گیا جب وہ بڑی خوش و مگن سی ہو کر فراز شاہ کے ساتھ ڈنر پر گئی تھی اسے لگ رہا تھا کہ بس چند ساعت کے بعد اس کے روپہلے سنہرے تمام سپنے اپنی تعبیر تک پہنچنے والے ہیں وہ ایک

پرکیف سی کیفیت میں ڈوبی اس پل جیسے خود کو بھی فراموش کرنے چلی تھی مگر یہ کیا' فراز نجانے کیا کچھ بولے جارہا تھا یک دم اسے لگا جیسے کوئی قہقہہ لگا کر اس کے اوپر ہنس رہا ہو اس نے بے اختیار ادھر اُدھر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا پھر یک دم اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے اندر بے تحاشا ہنس رہا ہے اس کا مذاق اڑا رہا ہے' اس کی خوش فہمیاں اس کے خواب اس پل بے ہنگم قہقہے لگاتے ہوئے اپنی آنکھوں میں نمی بھی بڑی بے دردی سے رگڑ رہے تھے۔ جب یہ شور نا قابل برداشت ہوا تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی پھر اس کے کمرے کی ایک بھی چیز سلامت نہیں رہی تھی' سب اس کی وحشت کی نذر ہو گیا تھا جب کہ سارا بیگم کو اسے سنبھالنا بے حد مشکل ہو گیا تھا۔

''مما مجھے نفرت ہے فراز سے' بے تحاشا بے پناہ۔ میں اس کی زندگی کی ہر خوشی چھین لینا چاہتی ہوں' اسے برباد کر دینا چاہتی ہوں مما۔'' سونیا اس لمحے اتنی نفرت اور زہریلے لہجے میں بولی کہ سارا بیگم کا دل یک دم وحشت زدہ سا ہو گیا وہ محض بے بس نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

چاندنی راتیں ہو...... چاندنی راتیں
سب جگ سوئے ہم جاگیں
تاروں سے کریں باتیں ہو
چاندنی راتیں ہو...... چاندنی راتیں

مہرو بڑے دل سوز انداز میں گانا گا رہی تھی جب کہ پروین شاکر کی کتاب میں سر دیے لالہ رخ نے دوبارہ ڈسٹرب ہو کر اسے سر اٹھا کر دیکھا تھا جب کافی دیر تک مہرو بی بی یونہی گانے کا سر اور تانگ توڑتی رہیں تب اس نے بڑی بے زاری سے کتاب بند کر کے مہرو کو تپ کر دیکھا۔

''اللہ کے واسطے مہرو...... اب بس کر دو کیوں اس بے چارے گانے کو تختہ دار پر چڑھا رکھا ہے اب جان چھوڑ دو اس کی اور تمہیں کون سا غم لگ گیا ہے جو تم بھری دوپہر میں یہ چاندنی راتیں والا گانا گا رہی ہو؟''

''لالہ...... میرا دکھ کوئی نہیں سمجھتا کوئی نہیں ایسا جو میرے غم کو سمجھے میری دلجوئی کرے۔'' مہرو بیگم شمیم آرا کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے بولی تو لالہ رخ نے اسے کچھ دیر حیرت سے دیکھا پھر ایک گہرا سانس لے کر طنز سے بولی۔

''اچھا اب کون سی نئی چیز تمہارے سر پر سوار ہو گئی ہے' میرے خیال میں وہ خالدہ کا مسئلہ بھی تم نے حل کر دیا تھا جسے بیٹھے بٹھائے اس شخص سے محبت ہو گئی تھی جس کو دنیا سے گئے ہوئے بھی عرصہ بیت گیا۔'' مہرو کا کام ہی یہ تھا وادی کی ساری لڑکیوں سے تو کیا عورتوں تک سے اس کی دوستیاں تھیں جو اپنے الٹے سیدھے مسئلے اسی سے حل کرواتی تھیں۔

''ارے ہاں نا بابا' میں نے اسے سمجھا دیا تھا اچھی طرح...... میں نے اس سے کہا کہ اگر وحید مراد ابھی زندہ بھی ہوتا تو تمہارے تایا کی عمر کا ہوتا اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ مرے ہوئے لوگوں سے محبت کرو گی تو وہ تمہیں اپنی دنیا میں بلالیں گے۔ پھر کیا تھا فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی اور وحید مراد کی مغفرت کی دعا کرنے کے بعد کہنے لگی۔ آج کل ٹی وی پر بڑے اچھے اچھے ہیروز آ رہے ہیں نا۔'' مہرو نجانے کہاں سے کہاں نکل گئی تھی' لالہ رخ نے بے ساختہ اپنا سر تھاما پھر انتہائی گھٹ کر بولی۔

''او اللہ کی بندی' مجھے خالدہ کی کتھا نہیں سننی تھی' تمہارا کیا مسئلہ ہے یہ بتاؤ۔'' معاً مہرو کو کچھ یاد آیا تو وہ دوبارہ سرد آہیں بھرنے لگی۔

''ہائے لالہ...... تجھے کیا بتاؤں اس کی مونچھیں۔''

''مونچھیں.......کس کی مونچھیں......'' لالہ رخ نے بڑے اچنبھے سے اسے دیکھ کر استفسار کیا۔
''اتنی کالی اور گھنی جیسے کالی گھٹائیں لالہ میں نے آج سے پہلے اتنی اچھی مونچھیں کسی کی نہیں دیکھیں یار......'' مہرو خیالوں میں ڈوبی ہوئی گم صم انداز میں بولی تو اس پل لالہ رخ کا دل چاہا کہ ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے سر پر دے مارے۔
''یا وحشت مہرو......اب ان مونچھوں سے آگے بھی بڑھو گی تم۔''
''آ......ہاں ہاں۔'' وہ جیسے ہڑبڑا کر الرٹ ہوئی اور لالہ رخ کی طرف دیکھنے لگی۔
''لالہ میں نے ایک بار اس کی تصویر دیکھی پھر دوبارہ دیکھی پھر تیسری بار اور......اور جب شاید پندرھویں بار دیکھی تو مجھے لگا کہ مجھے اس مونچھوں والے سے محبت ہوگئی ہے۔'' آخر میں وہ ندامت سے سر جھکا کر گویا اقرار جرم کرتے ہوئے بولی تو لالہ رخ نے بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا پھر دوسرے ہی لمحے بڑے ضبط سے استفسار کرتے ہوئے گویا ہوئی۔
''اچھا کہاں دیکھی وہ تصویر تم نے؟'' لالہ رخ کی بات پر مہرو نے بڑے جوش سے سر اٹھا کر کہا۔
''لالہ میگزین میں، کل میں رحمت کاکا کی دکان سے میگزین لے کر آئی تھی اس کے اندر اس کی تصویر تھی لالہ......بس کیا بتاؤں کل ساری رات میرے خوابوں میں وہی مونچھوں والا آتا رہا اف کتنا ہینڈسم اور ڈیسنٹ ہے وہ شخص پتا ہے خواب میں وہ مجھ سے کیا کہہ رہا تھا 'مہرو پلیز اتنا آئینہ نہ دیکھو ورنہ یہ بے چارا تمہارے حسن سے جل کر ٹوٹ جائے گا پھر مجھے دوسرا لگوانا پڑے گا۔'' مہرو بھاری مردانہ آواز نکالتے ہوئے بولی تھی پھر بڑے ترنگ سے گویا ہوئی۔
''ہائے لالہ......بس کیا بتاؤں اس مونچھ والے نے تو میرے دل کو قید کرلیا۔'' لالہ رخ بڑے صبر سے اس کی باتیں سنتی رہی پھر کافی کلس کر بولی۔
''کہاں ہے وہ میگزین' نجانے کس کی تصویر دیکھ لی جو تم بدحواس ہوئے جارہی ہو۔''
''میں نہیں لائی میگزین' اگر تصویر دیکھ کر تمہیں بھی وہ اچھا لگ جاتا تو پھر دونوں سہیلیوں میں لڑائی ہوجاتی۔'' مہرو اس پل اپنے پراندے میں لگے گھنگھروؤں کو ہولے ہولے بجاتے ہوئے بولی تو لالہ رخ جی سے جان سلگ گئی۔
''میرے پاس تمہاری طرح فالتو ٹائم اور دماغ ہرگز نہیں ہے جو یہ سب حماقتیں کرتی پھروں سمجھیں۔'' یہ کہہ کر لالہ رخ اپنے کمرے سے نکلی تو مہرو
''ارے......ارے سنو تو کہی......'' کہہ کر پیچھے دوڑی۔

❀......❀......❀

سونیا کچھ دنوں کے لیے سارا بیگم کے گھر رہنے آئی تھی جب کہ فراز شاہ کو ایسا لگا کہ قدرت نے اس کی بہت بڑی مدد کی تھی ورنہ اگر وہ سونیا کے سامنے اپنے لندن جانے کا اعلان کرتا تو یقیناً وہ بہت خطرناک ری ایکشن دکھا سکتی تھی اس نے دل ہی دل میں اللہ کا بے حد شکر ادا کیا تھا۔
رات کو کھانے سے فارغ ہوکر فراز کامیش کے بیڈ روم میں چلا آیا وہ اس وقت شاید کسی کیس کی فائل دیکھ رہا تھا نجانے کیوں فراز کو محسوس ہوا کہ کامیش کے انداز میں سرد مہری ہے۔
''اور سناؤ تمہارا کام کیسا چل رہا ہے؟'' فراز نے اس سے استفسار کیا تو کامیش ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے گویا ہوا۔
''ایک دم فرسٹ کلاس' ان فیکٹ مجھے ایک کیس کے سلسلے میں چار دن کے لیے اندرون سندھ کے ایک پسماندہ گاؤں میں جانا ہے۔ بس تم دعا کرو کہ اس مشن میں ہمیں کامیابی مل جائے بڑا اسپائسی اثر ورسوخ والا ہے یہ مشن' کوئی

رکاوٹ نہ آئے۔"

"اللہ تمہیں ہر مشن میں کامیاب کرے اور جبکہ تم حق اور سچائی کے راستے پر گامزن ہو تو اللہ یقیناً تمہاری نصرت فرمائے گا۔" فراز پرخلوص لہجے میں بولا تو کامیش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ فراز کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔

"کامیش میں کچھ بزنس ایشوز کی وجہ سے کل رات لندن جارہا ہوں۔" اس پل کامیش نے تھوڑا چونک کر دیکھا پھر ہموار لہجے میں گویا ہوا۔

"اچانک جارہے ہو۔"

"نہیں اتنا اچانک بھی نہیں ہے' ڈیڈ تو کافی ٹائم سے کہہ رہے تھے مگر میں ہی کچھ بزی تھا۔ اب جانا ناگزیر ہوگیا ہے تو جارہا ہوں۔" فراز کی بات پر کامیش نے اثبات میں سر ہلایا تو فراز اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اپنا خیال رکھنا کامیش...... کام میں اتنے محو نہ ہو جانا کہ خود پر سے دھیان ہٹالو ویسے بھی مجھے تم کچھ کمزور لگ رہے ہو۔" فراز کی بات پر کامیش ہنس دیا پھر مسکراتی آواز میں گویا ہوا۔

"یہ تمہاری محبت کی نظر مجھے کمزور دکھا رہی ہے' خیر تم بھی اپنا خیال رکھنا اوکے۔" فراز نے اس کی بات سن کر محبت سے اسے گلے لگالیا۔

❁......❁......❁

زرتاشہ امی سے فون پر بات کرکے فارغ ہوئی تو زرینہ کو وہ کچھ الجھی الجھی سی محسوس ہوئی۔

"سب خیریت تو ہے نا تاشو...... امی ٹھیک ہیں؟" زرینہ نے ناول پڑھنے کے دوران سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے کہ سب بخیر و عافیت ہے۔" وہ ایک گہری سانس بھر کر بولی پھر چلتی ہوئی زرینہ کے بستر پر ٹک گئی زرینہ اس کو بغور دیکھے گئی۔

"تو پھر تم اتنی چپ چپ کیوں ہو' کیا گھر یاد آرہا ہے؟" زرینہ اپنے پاؤں سمیٹ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"نہیں ایسا کوئی خاص تو نہیں' اچھا خیر تم بتاؤ تمہارا ناول کہاں تک پہنچا۔"

"ارے یار اس ناول کا ہیرو تو بہت ہی کھڑوس ہے' بے چاری ہیروئن کو آٹھ آٹھ آنسو رلا رہا ہے۔" وہ ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے بولی جب ہی زرتاشہ کے منہ سے فوراً پھسلا۔

"لالہ کو فلو ہوگیا ہے' سر میں بھی بہت درد ہو رہا تھا۔ امی بتارہی تھیں کہ اس حالت میں بھی وہ آفس چلی گئی' ہلکا ہلکا ٹمپریچر بھی ہے اور دیکھو ذرا ادرک اور کالی مرچوں والی چائے بھی نہیں پی اس نے' ہمیشہ اسے پینے میں وہ بچوں کی طرح تنگ کرتی ہے۔" زرینہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ اُمڈی تھی جب زرتاشہ محو گفتگو تھی تو لالہ کا نام اس کے کان میں پڑا تھا مگر اس نے توجہ نہیں دی تھی مگر اب اسے زرتاشہ کے الجھنے کی وجہ بخوبی سمجھ میں آگئی تھی۔

"اچھا" وہ اپنے لہجے کو سرسری سا بنا کر دوبارہ ناول کھول کر بیٹھ گئی۔ "ابھی تو وہ سو رہی تھی جب اٹھے تو فون کرلینا تم اسے۔" یہ کہہ کر زرتاشہ اس کے بستر سے اٹھی تو زرینہ بڑی بے پروائی سے بولی۔

"ٹھیک ہوجائیں گی آپی...... فلو اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے اب اس وقت میں کیا فون کروں۔" زرینہ کے جواب پر وہ حیران سی ہوکر پلٹی تھی پھر کافی غصے میں اسے دیکھ کر بولی۔

"اچھا ویسے تو آپی آپی کہتے تمہارا منہ نہیں سوکھتا تھا اب جب کہ وہ بیمار بستر پر پڑی ہے تو تمہیں ایک فون کرنے میں

بھی موت آ رہی ہے۔" اس پل زرینہ اندر ہی اندر قہقہہ لگا کر ہنس رہی تھی مگر چہرے پر سنجیدگی طاری کیے وہ کچھ بے زاری سے بولی۔

"افوہ تاشو...... تم تو خوامخواہ میں جذباتی ہو رہی ہو خدانخواستہ آپی بیمار تھوڑی ہے بس تھوڑ بہت نزلہ زکام ہی تو ہوا ہے نا' ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔" زرتاشہ اس کی بات سن کر کچھ بولتے بولتے یک دم خاموش ہو گئی پھر پلٹ کر واش روم کے اندر گھس گئی جب کہ زرینہ بے آواز ہنستی چلی گئی۔

❁......❁......❁
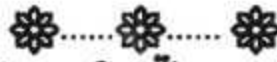
وہ رات دیر تک پڑھائی میں مصروف رہی تھی' یہی وجہ تھی کہ صبح اس پر سستی اور کاہلی سوار تھی آج اسے کالج جانے کی ہمت نہیں ہوئی تو اس نے چھٹی کرنے کا فیصلہ کیا پھر ابرام اور جیکولین کے ساتھ ناشتا کر کے وہ کچھ دیر مزید آرام کرنے کی غرض سے اپنے بستر پر آ گئی۔ ابرام اور جیکولین ناشتے سے فارغ ہو کر دونوں اپنے اپنے کاموں پر جا چکے تھے لہٰذا اس وقت وہ اپنے فلیٹ میں بالکل اکیلی تھی پھر ماریہ کچھ سوچ کر اپنا سیل فون اٹھا کر ولیم کو وائس میسج کرنے لگی۔

"سوری ولیم...... میں آج کالج نہیں آ رہی' کل رات دیر تک اسٹڈی کرتی رہی لہٰذا اس وقت مجھے بہت نیند آ رہی ہے' اوکے ہم شام کو بات کریں گے۔" ولیم کو میسج بھیج کر وہ سیل فون ایک طرف رکھ کر ابھی بستر پر لیٹنے ہی والی تھی کہ یک دم ڈور بیل بج اٹھی۔ ماریہ بے ساختہ چونک پڑی اس نے یک لخت اپنے کمرے کی دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا جو اس پل صبح کے گیارہ بجنے کا عندیہ دے رہی تھی۔

"اس وقت بھلا کون ہو سکتا ہے؟" وہ خود سے الجھ کر بولی پھر اسی وقت اس کا موبائل فون بھی بج اٹھا ماریہ نے سرعت سے اٹھایا تو میک کالنگ اسکرین پر جگمگاتا دیکھ کر وہ ٹھنڈی پڑ گئی پھر بڑی دقتوں سے اس نے کال ریسو کی تو میک فوراً بولا۔

"میں تمہارے دروازے پر کھڑا ہوں' ماریہ مجھے معلوم ہے کہ تم اندر ہو دو منٹ میں آ کر دروازہ کھولو۔" وہ بے حد سنجیدگی سے حکمیہ لہجے میں بولا تو ماریہ بھونچکا سی بیٹھی رہ گئی پھر تواتر بجتی بیل پر وہ ہڑبڑا کر کمرے سے بھاگی تھی' بڑی سرعت سے اس نے دروازہ کھولا تو دروازے کی جانب پیٹھ کیے میک نے گھوم کر اسے بہت پرتپاک مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔

"میں نے سوچا آج میں تمہارا گھر تو دیکھوں جہاں تم رہتی ہو۔" یہ کہہ کر وہ اندر گھستا ہی چلا گیا جبکہ چند ثانیے ماریہ وہیں دروازے پر الجھی کھڑی رہی پھر جلدی سے ڈور بند کر کے اندر کی طرف آئی جہاں میک اب آرام دہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

"میک تم اس طرح اچانک کیسے چلے آئے۔" وہ کچھ متوحش سی ہو کر انتہائی نا سمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بس تمہارے ہاتھ کی کافی پینے چلا آیا۔" وہ اس پل یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ ان کا بہت اچھا فیملی فرینڈ ہو وہ خاموشی سے کچن کی جانب پلٹی اور تھوڑی دیر میں ٹرے میں کافی کا مگ لیے چلی آئی۔

"تمہارا اپارٹمنٹ تو بہت پیارا ہے۔" وہ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے ستائش بھرے انداز میں بولا تو وہ بڑی پھیکی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر محض "تھینکس" بول پائی تھی۔

"دراصل ماریہ ایڈم میں تمہارے روم کی تلاشی لینے آیا ہوں۔" میک مگ سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے سہولت سے بولا جب کہ اس پل ماریہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

محبت ہجر کی صورت

شہناز راجپوت

سب لوگ آہستہ آہستہ اٹھ کر جارہے تھے۔ مگر وہ بدستور ویسے ہی ساکت بیٹھی تھی۔ کیسی تلخ حقیقت تھی جسے قبول کر کے بھی وہ یقین نہ کرپارہی تھی اک ہلکی سی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر نہ تھی حالانکہ اس کا ابھی ابھی نکاح ہوا تھا۔ اس کے ساتھ...... جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا لیکن ان حالات میں جب وہ اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔ ماں جیسی جنت...... وہ کتنی دکھی تھی۔ باپ تو پہلے ہی ساتھ چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اب ماں بھی...... آج کتنا اذیت ناک دن تھا؟ کتنی خوش تھی وہ۔ جب اسکول میں اچانک محبوب سلطان نے فون پر یہ منحوس خبر سنائی تھی۔ کتنے لمحے بے یقینی کی نذر کر کے وہ روتی بلکتی ماتم کناں گھر پہنچی تھی۔ کومل فریاد کی گویا دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔ اس دن وہ اتنا روئی تھی کہ ساری زندگی کے آنسو اس دن بہا ڈالے تھے۔ وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گئی تھی۔ یہ احساس کیسا جان لیوا تھا۔ وہ جیسے سرتاپا بکھر کر رہ گئی تھی اور اس کی ٹوٹی ذات کو محبوب سلطان نے سمیٹا تھا۔ اپنا نام دے کر...... نکاح جیسے پاکیزہ رشتے میں باندھ کر۔

اور پھر کچھ ہی دیر میں کومل فریاد اپنے اور محبوب سلطان کے مابین ہر تلخی و رنجش کو بھلا کر شاہوں کی حویلی پہنچ گئی تھی۔ کچھ دن پہلے وہ جو محبوب شاہ سے اس قدر روٹھی ہوئی تھی اب پل بھر میں ہی جیسے سارا غصہ ختم ہوگیا تھا۔ محض اس کے اس اقدام کے سبب وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ یہ بھی کہ محبوب شاہ کسی اور کی امانت تھا۔ اس کی نظر میں تو اس وقت وہ ایک دھوکے باز تھا۔ کومل اسے یہی تو سمجھتی تھی پھر اس سے نکاح کیوں کیا......؟ کومل نے ابھی تک نہیں سوچا تھا۔ اب بھی گھٹنوں میں سر دیے وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ جب کہ محبوب شاہ اس کے پاس ہی بیٹھا لب کچل رہا تھا۔

اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ کومل کو روتے دیکھ کر مگر اس کی تسلی پر کومل کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔ محبوب شاہ نے لب بھینچ لیے اور اسے یونہی رونے دیا۔ وہ ایک بار اس کا سارا بوجھ ہلکا کروانا چاہتا تھا۔ اگلے دو دن محبوب سلطان نے اس کا بڑا خیال رکھا اور شاید اسی وجہ سے کومل سنبھل گئی تھی یا پھر یاد ہی کرنا نہ چاہتی تھی۔ مگر محبوب سلطان نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے جو بے یقینی اور شک دیکھا تھا محبوب شاہ اس شک کو دور کرنا چاہتا تھا اور کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا کہ کومل فریاد کے دل میں دوبارہ کبھی اس کے بارے میں کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو لیکن فی الحال یہ سب کرنے کا وقت نہیں تھا۔ کومل ابھی اک عظیم دکھ سے دوچار تھی۔

وہ بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی تھی۔ رو رو کر اس کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور لب لرز رہے تھے۔ جب دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا۔ وہ خوف کے مارے اچھل کر بیٹھ گئی۔ جب وہ اندر آئی انداز جارحانہ تھا۔ جیسے اسے مار ہی ڈالے گی۔ کومل نے حیران ہو کر متورم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تو تم ہو کومل......؟" وہ گھوم پھر کر اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ "تمہیں پتا ہے کہ تم اک کانٹا بن کر آئی ہو محبوب شاہ کی زندگی میں......؟"

"اک...... ایک...... کانٹا...... ؟" کومل کے لبوں سے ٹوٹے پھوٹے لفظ نکلے۔

"ہاں کانٹا" اس نے چبا کر کہا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا اور آپ ہیں کون؟" کومل نے ماؤف ہوتے دماغ سے پوچھا۔ وہ طنز سے مسکرائی پھر بولی۔

"میں سائرہ ہوں۔ محبوب شاہ کی منگیتر اور اس کا پیار۔ میں اس کو بہت چاہتی ہوں اور وہ بھی...... لیکن اب تم آگئی ہو

"کومل...... اب بس بھی کرو...... تمہیں روتا دیکھ کر مجھے بھی تکلیف ہوگی۔"

ہماری زندگی میں ناسور بن کر۔" سائرہ نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کا لفظ لفظ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ کومل کا دل جیسے بند ہوگیا ہو۔ اسے سب یاد آنے لگا۔ مسرت نے کہا تھا کہ وہ منگنی شدہ ہے اور اپنی منگیتر کو بہت چاہتا ہے تو گویا سب سچ تھا۔ کومل نے سن ہوتے دماغ سے سوچا پھر چیخ اٹھی۔

"نہیں...... یہ جھوٹ ہے محبوب سلطان نے صرف کومل سے پیار کیا ہے ورنہ وہ مجھ سے نکاح کیوں کرتا؟" کومل نے پتا نہیں خود کو تسلی دی تھی یا پھر سائرہ کو جواب۔

"ہونہہ نکاح...... تمہاری ماں نے مرتے وقت اس کو کہا تھا تم سے نکاح کرنے کے لیے۔" سائرہ نے کٹیلے لہجے میں کہا۔ کومل کے اندر کچھ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔ یقین اسے ابھی بھی نہیں آیا تھا اور سائرہ سارے ثبوت دکھا کر اسے یقین دلانے کے ارادے سے ہی یہاں آئی تھی۔ شاید تبھی چند تصویریں کومل کے آگے پھینک کر اسے زہر خند لہجے میں برا بھلا کہتی باہر چلی گئی۔ وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ لیکن کومل سن

ہی کہاں رہی تھی۔ وہ تو تصویریں دیکھ رہی تھی۔ جن میں محبوب سلطان کے ساتھ سائرہ تھی۔ یک دم غصے کی لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔ اس نے شیشے کے گلدان کو نیچے پھینک دیا۔ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی چاہت کا مان، غرور سب ختم ہوگیا تھا۔ وہ جو محبوب سلطان کو کڑے حالات میں سہارا دینے پر گزشتہ ہر بدگمانی بھول گئی تھی پھر سے بکھر گئی۔ اس پر محبوب سلطان اگلے دن بنا کومل سے ملے انگلینڈ چلا گیا تو کومل مزید دل برداشتہ ہوگئی۔ وہ اس کے آنسو اپنی پوروں پر چن لے گا اس کے دل میں پنپتی ہر بدگمانی کو دور کر کے اسے اپنی بھرپور چاہت کا یقین دلائے گا مگر اس کے پیٹھ موڑ کر جانے سے جیسے تصدیق ہوگئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ان تصویروں میں محبوب شاہ کو مسکراتے دیکھا تھا۔ اس کا دل جیسے تیز دھار آلے سے کٹ گیا تھا۔ وہ تصویریں رکھ کر سر بیڈ کی پشت سے لگا کر بیٹھ گئی۔ اداس، غمگین دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں

ڈوبی ہوئی آنکھوں سے کئی آنسو لڑھک گئے اور وہ گزرے دنوں کی یاد میں گم ہوگئی۔ جہاں وہ اس کے ساتھ تھا۔

□......♥......□

ساری رات بارش ہوتی رہی تھی اور یہ چھوٹا سا گھر ٹین کی چھتوں کے باعث ٹپکتا رہا تھا۔ کومل ساری رات نہیں سوئی تھی۔ ایک تو کمرے کی پرانی چھت بارش کی شدت نہ سہہ پارہی تھی اوپر سے مسرت کی کھانسی؛ کومل ساری رات بالٹی کمرے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھتی رہی تھی۔ ساتھ ساتھ مسرت کی خبر گیری کرتی رہی تھی۔ صبح ہوتے تک جہاں بارش تھمی؛ وہیں کومل بھی تھک کر چور ہوگئی۔ فجر کی نماز پڑھ کے وہ باہر نکلی تو نیند کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہورہی تھیں لیکن سونے کا مطلب تھا اسکول سے چھٹی۔ پہلے ہی امی کی بیماری کے باعث وہ پورا ہفتہ اسکول سے رخصت پر رہی تھی۔ اب مزید کی گنجائش کہاں تھی۔ سو وہ کاموں میں جت گئی۔ سارے گھر کی صفائی کی ڈیوڑھی سے پانی نکالا۔ پھر نہا کر کپڑے بدل کر وہ کچن میں آگئی اپنے اور مسرت کے لیے ہلکا پھلکا ناشتا تیار کرکے وہ جلدی جلدی نوالے نگلنے لگی تھی کہ کہیں دیر نہ ہوجائے۔ پھر وہ مسرت کا ناشتا لے کران کے کمرے میں آئی۔ مسرت کو ناشتا کروا کر دوائی دی اور برتن کچن میں رکھ کر واپس آگئی۔

”اچھا امی...... میں چلتی ہوں۔“ کومل نے کہا۔

”فی امان اللہ۔“ مسرت نے کومل کو اللہ کی امان میں دیا اور چارپائی پر لیٹ گئیں۔ ایک حادثے کی وجہ سے مسرت ٹانگوں سے معذور ہوکر رہ گئی تھیں اور اس کڑے وقت میں سوائے کومل کے ان کا سہارا تھا ہی کون...... کومل باہر سے دروازہ بند کرکے جاتی تھی۔ آج بھی وہ باہر سے دروازہ لاک کرکے ہر طرف سے تسلی کرکے نکلی۔ ضرورت کی تمام چیزیں وہ مسرت کے پاس ہی رکھ آئی تھی۔ لہٰذا مطمئن تھی۔ چھوٹی سی گلی تنگ علاقے میں جگہ جگہ ننگ دھڑنگ بچے گلیوں میں کھیلتے پھر رہے تھے۔ صبح سویرے ہی آدھا دن لگ رہا تھا۔ بس اسٹاپ تک وہ پیدل ہی آتی تھی۔ اتنے وسائل ہی کہاں تھے پہلے گھر کو کھینچ تان کر چلانا اوپر سے گھر کا کرایہ بجلی گیس کا بل رہی سہی کسر امی کی بیماری نے نکال دی تھی۔ وہ نازک سی لڑکی کیا کیا کرتی۔ بس اسٹاپ پر بینچ پر بیٹھی وہ سوچوں میں الجھی تھی جب گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ کومل نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے بلیک کرولا میں محبوب سلطان بڑی جاندار مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

”السلام علیکم!“ پہل اس طرف سے ہوئی تھی۔

”وعلیکم السلام!“ کومل نے ہولے سے جواب دیا۔

”کیسی ہیں آپ؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ کومل نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا۔ سفید شلوار قمیص میں محبوب سلطان کو کومل بڑی پیاری لگی۔ کچھ کومل کا لیے دیے رہنے والا انداز تھا جس نے محبوب سلطان کے دل میں نئے رنگ بھر دیے تھے۔ یہ ان کی جانے کون سی ملاقات تھی لیکن مجال ہے جو کومل اس امیر شاندار بندے سے کبھی کھل کر بات کرسکی ہو۔ گو کہ کومل کے دل میں بھی محبوب سلطان کے لیے پسندیدگی کے جذبات تھے لیکن کومل نے کبھی بھی کھل کر محبوب سلطان کو نہیں سوچا۔ وہ ہمیشہ ہی دامن بچا جاتی تھی۔ آخر وہ کسی اور کی امانت تھی۔ فراز...... جس کے ساتھ فریاد رضا نے اپنی زندگی میں ہی کومل کو جوڑ دیا تھا۔ اب کومل کیسے کسی اور کو سوچتی لیکن یہ بات بھی سچ تھی کہ کومل فراز کو پسند نہیں کرتی تھی۔ خاص کر اب جب کہ چچا چچی نے انہیں بے گھر کردیا تھا۔

”آئیے...... میں آپ کو ڈراپ کردوں۔“ محبوب سلطان نے پیش کش کی۔

”نہیں، تھینکس میں چلی جاؤں گی۔“ کومل نے پہلی بار نظریں اٹھا کر جواب دیا۔

”تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ بیٹھے اور چلیے۔“ محبوب سلطان نے مسکرا کر کہا تو کومل کا دل پہلو میں زور سے دھڑکا اور اس پر اگلی نظر پڑتے ہی جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔

”نہیں...... میری بس آجائے گی۔“ کومل نے گھبرا کر جواب دیا۔

”اچھا...... واہ کتنی گاڑیاں؛ بسیں رکھتی ہیں آپ۔“ محبوب سلطان نے پرشوق نظروں سے کومل کو دیکھا۔

"میرا مطلب ہے......"

"ہم سب کے مطلب جانتے ہیں مانا کہ آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں لیکن اک رشتے کی لاج رکھتے ہوئے ہی بیٹھ جایئے۔"

"کیسا رشتہ......!" کومل حیران ہو کر بولی۔

"مسرت آنٹی نے مجھے اپنا بیٹا بنا رکھا ہے۔ بھول گئیں آپ۔" محبوب سلطان نے اس کے لیے کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی۔ کومل نے سڑک پر نگاہ دوڑائی بس کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے۔ اوپر سے لوگوں کی نظریں۔ وہ ناچار دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

سارا راستہ وہ کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے نظاروں کو ہی دیکھتی رہی۔ اسکول کے سامنے گاڑی رکی تو وہ جلدی سے نیچے اتری اور تیز تیز چلتے ہوئے اسکول کے گیٹ سے اندر چلی گئی۔ محبوب سلطان کے خوب صورت لب کومل کی اس ادا پر مسکرائے تھے اور دل شادمان ہوگیا۔ اس نے کچھ دیر کومل کے نقش قدم کو دیکھا اور گاڑی نکال لے گیا۔

□......♥......□

فریاد رضا پر قسمت خوب مہربان تھی اعلیٰ عہدہ پیسے کی فراوانی اور اس کے ساتھ ہی فرماں بردار بیوی، کچھ عرصہ بعد کومل کے گھر آنے کی خوشی نے ان کو کئی دن تک مسرور رکھا۔ فریاد رضا کو بیٹی کی بڑی خواہش تھی۔ اللہ نے ان کی جلد سن لی مگر کومل کی پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیاں پیدا ہوئی تھیں۔ سو ڈاکٹر نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مسرت اب ماں نہیں بن سکتیں۔ مسرت کئی دن تک دکھی رہیں۔ آخر کومل کے خوب صورت وجود نے انہیں سارے غم بھلانے پر مجبور کر ہی دیا۔ کومل نازوں سے پرورش پانے لگی۔ فریاد رضا کا ایک ہی بھائی تھا کمال رضا۔ جو ان کے ساتھ ہی شاندار بنگلے کے اوپر والے پورشن میں رہتے تھے۔ ان کی بیوی افشاں ایک بدفطرت خاتون تھیں۔ جنہیں سوائے اپنے بیٹے فراز کے اور کسی سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ افشاں نے کمال کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ کمال اپنی بیوی کے حسن کے اسیر تھے افشاں کے سحر میں گرفتار جب کومل آٹھ دس سال کی ہوئی تو فریاد نے کومل اور فراز کی منگنی کردی۔ پیسے کی فراوانی افشاں کے لاڈ اور جا و بے جا حمایتوں نے فراز کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ فراز کو جوئے کی بھی لت تھی۔ دن گزر رہے تھے مگر برا دن اس وقت آیا جب فریاد رضا کمپنی کے طرف سے کسی کام سے اسلام آباد جا رہے تھے اور جہاز کریش ہوگیا۔ فریاد رضا موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ مسرت یہ دکھ نہ سہہ سکیں کومل خود اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔

افشاں جسے پہلے بھی مسرت اور کومل کے وجود گھر میں کھلتے تھے اب مزید کھلنے لگی۔ وہ سارے گھر پر خود حکومت کرنا چاہتی تھی۔ لیکن فریاد کی مستحکم حیثیت کی وجہ سے خاموش تھی مگر اب افشاں خاموش نہ رہی اور اس نے کمال رضا کو باور کروادیا کہ وہ ان دونوں کو علیحدہ کردے۔ پہلے تو افشاں کو فریاد رضا کی پرکشش جاب نے کومل اور فراز کا رشتہ ہونے پر خاموش کروادیا تھا لیکن اب جب وہ نہ رہے تھے تو وہ فراز اور کومل کا رشتا بھی ختم کرنا چاہتی تھی لیکن ایک تو فراز کومل کو پسند کرتا تھا۔ دوسرا کمال ایسا نہیں ہونے دینا چاہتے تھے سو افشاں خاموش ہوگئی۔ کافی دن تک جب کمال نے کوئی اقدام نہ کیا تو افشاں نے صاف کہہ دیا کہ یا تو مجھے اس گھر میں رکھو یا ان کو۔ افشاں کے اس طرح صاف کہہ دینے پر کمال رضا اب سنجیدگی سے سوچنے لگ گئے پھر افشاں کے جذباتی طور پر ڈرانے دھمکانے پر سب ختم ہوگیا اور کمال رضا نے مسرت اور کومل کو حالات کی دھار پر بہت کم حصہ دے کر الگ کردیا۔ کومل نے اسکول میں جاب کرلی اور ایک ٹیچر کی مدد سے یہ چھوٹا سا گھر کرائے پر لے لیا۔ اتنے دن وہ "رضا پیلس" میں ہی رہے تھے۔ جہاں کے مکینوں نے ان کے سر سے سایہ اٹھنے کے بعد نگاہیں پھیر لی تھیں۔ کومل کو ان لوگوں سے نفرت ہونے لگی تھی۔ مگر اس دن تو کومل پر صدموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ جب مسرت بازار سبزی لینے گئی تھیں اور گاڑی کے نیچے آ کر معذور ہو کر رہ گئی تھیں۔ محبوب سلطان جس کی گاڑی سے ٹکرا کر مسرت سڑک پر گری تھیں۔ اس افتاد پر سچ مچ گھبرا کر رہ گیا تھا۔ قصور اس کا ہرگز نہیں تھا مسرت سوچوں میں الجھی خود ہی اس کی گاڑی کے عین سامنے آ گئی تھیں اور محبوب سلطان کے لاکھ بچاؤ کے باوجود مسرت گاڑی سے ٹکرا گئیں۔ محبوب سلطان شہر کے مہنگے

اسپتال سے مسرت کی ٹانگ کی ہڈی جو ٹوٹ چکی تھی پلستر کروا کر وہ مسرت کے بتائے پتے پر انہیں لے آیا۔ محبوب سلطان نے مسرت کو گھر لے جا کر چارپائی پر لٹایا اور خود دوائیاں اور کچھ پھل وغیرہ لینے نکل گیا۔ گھر کی حالت دیکھ کر اسے اندازہ ہو ہی چکا تھا کہ گھر کے مکین کیسے دور سے گزر رہے ہیں۔ محبوب سلطان ابھی گلی کے نکڑ پر ہی پہنچا تھا جب اسے فیروزی کاٹن کے سوٹ میں ملبوس ایک لڑکی آتی دکھائی دی۔ کچھ تھا اس میں کہ محبوب سلطان جیسا مرد بھی ٹھٹک گیا تھا۔ کومل نے بھی حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ بھلا اس گندے محلے میں اس شاندار اور امیر بندے کا کیا کام؟ حیران ہوتی وہ گلی میں گھس گئی۔ محبوب سلطان نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اسی گھر میں گئی تھی۔ جہاں سے وہ آیا تھا۔ وہ واپس مڑ گیا۔ یہ جاننے کے لیے کہ یہ کون ہے۔ ابھی دروازے پر ہی تھا جب کومل کی آواز سنائی دی۔

"امی...... کیا ہوگیا آپ کو......؟" کومل مسرت کی حالت دیکھ کر پریشان ہوئی۔

"ایکسیڈنٹ ہوگیا۔" مسرت نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"گاڑی چلانے والا اندھا تھا کیا؟" کومل مسرت کے پاؤں کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ کومل مسرت کو بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں بیٹا...... ایسا نہیں بولتے۔"

"کون تھا وہ؟" کومل غصے کے مارے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ مسرت گم سم سی اسے دیکھنے لگیں۔

"بیٹا وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ وہ مجھے اسپتال بھی لے کر گیا اور سارے اخراجات بھی اٹھائے پھر گھر چھوڑ کر گیا۔" مسرت نے بتایا۔

"ہونہہ...... اچھا آدمی۔" کومل نے دانت چبا کر کہا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شخص اس کے سامنے آئے اور وہ اسے کچا چبا ڈالے۔ "یہ امیر لوگ تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بے حس و سنگ دل۔" محبوب سلطان کے لب مسکرا دیے اتنا تو وہ جان ہی چکا تھا کہ یہ لڑکی ان کی بیٹی ہے۔

"بیٹا...... وہ سچ میں بہت اچھا ہے۔" مسرت نے کہا۔

"اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا امی...... آپ ہی تو اب میرا سہارا ہیں۔" کومل بھیگے لہجے میں بولی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔ میں ٹھیک ہوں۔" مسرت اپنی تکلیف ضبط کر رہی تھیں۔ محبوب سلطان دکھی ہوگیا۔

"آپ کتنی تکلیف میں ہوں گی۔ ایک بار وہ میرے سامنے آجائے چھوڑوں گی نہیں میں اسے۔" کومل ایک بار پھر اسے کوسنے لگی تو کھلے دروازے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے محبوب سلطان اندر آ گیا۔

"مت چھوڑیے پلیز۔ آپ کا مجرم حاضر ہے۔" محبوب سلطان نے کہا۔ کومل نے پلٹ کر دیکھا سامنے اسی شاندار سے آدمی کو دیکھ کر قدرے سٹپٹا کر رہ گئی۔ وہ کیا بولتی۔ اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس آدمی کی مسکراتی آنکھیں اور شاندار شخصیت توبہ' کتنا مشکل تھا اس کے سامنے ٹھہرنا۔ مسرت بھی بدقت اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"بیٹی...... یہی ہے وہ اچھا آدمی محبوب سلطان۔"

کومل بس خاموشی سے دیکھتی رہی۔ محبوب سلطان کومل کو لطف اندوز انداز میں دیکھ رہا تھا اور وہی لمحہ تھا جب محبوب سلطان کے دل میں کومل بس گئی اور کومل کے دل میں وہ انکاری تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ کومل کے دل نے محبوب سلطان کی اچھائیوں کو قبول کرلیا۔ محبوب سلطان میں وہ سب خصوصیات تھیں جو ایک اچھے انسان میں ہونی چاہیئں۔ محبوب سلطان نے ایک بیٹے کی طرح مسرت اور اس کے گھر کی دیکھ بھال کی تھی۔ اس نے کئی بار کہا بھی کہ وہ یہ گھر چھوڑ کر اس کے ساتھ چلیں لیکن کومل نے منع کردیا۔ وہ ایک بااعتماد اور انا پرست لڑکی تھی۔ اس کی انا یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ محبوب سلطان کی کوئی بھی عنایت قبول کرتی۔

کومل صبح سے ہی گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ آج اتوار تھا۔ کومل کی اسکول سے چھٹی تھی۔ اس نے مشین لگائی اور سارے کپڑے دھو کر صفائی ستھرائی کی وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ کومل دوپٹا اوڑھ

کر دروازہ کھولنے چلی گئی۔ مگر محبوب سلطان کو دیکھ کر وہ نروس ہوگئی اونچے پائنچے کہنیوں تک چڑھی آستین اور بھیگے کپڑے محبوب سلطان نے بہ مشکل خود کو اس کے سحر سے نکالا اور سلام کیا۔ کومل ہٹ کر دوسرے کمرے میں گھس گئی تھی۔ محبوب سلطان کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔ وہ مسرت کے کمرے میں آ گیا۔

''السلام علیکم! آنٹی۔'' اس نے خوش گوار لہجے میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا/ جیتے رہو۔ آؤ بیٹھو کیسے ہو؟'' مسرت نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھے۔

''میں ٹھیک ہوں آنٹی...... آپ کیسی ہیں؟'' محبوب سلطان نے دریافت کیا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' مسرت نے جواب دیا۔

''آنٹی...... یہ پھل اور دوائیاں......'' محبوب سلطان نے شاپر آگے کیا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی بیٹا...... کومل سب کر دیتی ہے۔'' مسرت نے کہا۔ وہ ہمیشہ ہی ہچکچا جاتی تھیں۔ اب بھی ہچکچا رہی تھیں۔

''تکلف ابھی تک...... کیا آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں؟''

''نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' مسرت نے کہا اور شاپر پکڑ لیا۔

''اس تک چڑھی کومل کو مت بتایئے گا۔'' محبوب سلطان نے مسکرا کر کومل کا ذکر کیا۔ مسرت مسکرادیں۔

''اسے تو خود ہی پتا لگ جائے گا۔'' مسرت نے جواب دیا۔

''ویسے بڑی تیز ہے آپ کی بیٹی۔''

''اچھا...... میں تو سمجھتی تھی کہ میری بیٹی اللہ میاں کی گائے ہے۔ بھولی بھالی۔'' مسرت نے کہا۔

''اف آنٹی...... اتنی خوش فہمی۔'' محبوب سلطان نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا آنٹی...... مجھے ایک کام ہے...... میں چلتا ہوں۔''

''کہیں کومل سے ڈر کر تو نہیں جارہے۔'' مسرت نے مذاقاً کہا تو وہ کھل کر مسکرایا اور باہر آ گیا۔ وہ دشمن جاں اسے کہیں بھی نظر نہ آئی تو وہ ایک نظر بند دروازے کو دیکھتا باہر چلا گیا۔ وہ کیسے نہ جانتا کہ کومل دروازے کے سوراخ سے اسی کا دیدار کررہی ہے اور جب سے وہ مسرت کے پاس گیا تھا تب سے ہی وہ سوراخ سے چپکی بیٹھی تھی۔ اس ڈر سے کہ کہیں محبوب چلا نہ جائے اور وہ اسے دیکھ نہ پائے بڑی آسانی سے محبوب سلطان نے کومل فرہاد کے دل کو اپنا بسیرا بنالیا تھا۔

□......♥......□

گھر میں کمال چچا اور افشاں چچی آئے ہوئے تھے۔ کومل ابھی ابھی اسکول سے لوٹی تھی۔ کچھ تو پہلے سے ہی تھکی ہوئی تھی۔ ان کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مزید بے زاری در آئی۔ بے دلی سے ان کو سلام کیا کہ جو کچھ بھی تھا تہذیب تو نبھانی ہی تھی اور پھر وہ لوگ چاہے جتنا مرضی برا رویہ اپنائے رہے تھے تو اپنے لیکن کومل فرہاد کا رویہ اول روز کی طرح ہی سرد تھا۔ آج بھی اس کے انداز میں بے زاری تھی۔ اسے آج بھی ان لوگوں سے اکتاہٹ ہوتی تھی۔ کومل نے چائے بنا کر بسکٹ رکھے اور کپڑے چینج کرنے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو وہ لوگ جاچکے تھے۔ چپ چاپ مسرت کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ مسرت کا چہرہ قوس قزح بنا ہوا تھا۔ جانے چچا چچی کیسی ہفت اقلیم کی دولت انہیں دے گئے تھے جو وہ اسے خوش ہو رہی تھیں۔

''تمہیں پتا ہے تمہارے چچا چچی کیوں آئے تھے؟''

''نہیں۔'' کومل نے نفی میں سر ہلایا اور توقف کے بعد پوچھا۔ ''کیوں آئے تھے۔''

''تمہاری شادی کی بات کرنے۔'' مسرت نے جیسے کومل کے سر پر بم پھوڑا۔

''شش...... شادی......؟'' کومل ہکلائی۔

''ہاں اب تم بتاؤ کہ تم راضی ہو نا۔'' مسرت خوش تھیں کہ ان کی زندگی میں ہی کومل اپنے گھر کی ہوجائے گی گو کہ مسرت کا دل مطمئن نہیں تھا لیکن پھر بھی امید ضرور تھی کہ شاید بہو بننے کے بعد ان لوگوں کا سلوک تبدیل ہوجائے

اور وہ پورے دل سے کومل کو اپنالیں اور پھر یہ منگنی تو پانچ سال سے طے تھی۔ اپنا سمجھ کر وہ ان کے گھر کے حالات جانتے تھے۔ اگر یہ رشتا ٹوٹ جاتا تو پھر کومل کا کیا ہوتا۔ رشتے آسمان سے تو نہیں ٹپکتے آج کے معاشرے میں تو لوگ امیر بہوئیں اور بیویاں تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ ان لوگوں کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا اور بھی کئی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مسرت اس شادی پر رضا مند تھیں۔ محبوب سلطان کو مسرت پسند کرتی تھیں۔ وہ ایک اچھا لڑکا تھا۔ وہ کومل کی نظروں میں اس کے لیے پسندیدگی بھی دیکھتی تھیں۔ لیکن یہ صرف وہی جانتی تھیں کہ محبوب سلطان کسی اور سے منسوب تھا۔ اور دوسرا انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ یہ رشتا ٹوٹ جانے پر کہیں کمال رضا اور افشاں ہمیشہ کے لیے نہ چھوٹ جائیں۔ اب ان کے بعد ان کی بیٹی کا کون سہارا بنتا۔

”نہیں، میں راضی نہیں ہوں۔“ کومل کھڑی ہو کر سرد و سپاٹ لہجے میں بولی تو مسرت ہق دق رہ گئیں۔

”کیوں بیٹا...... تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟“

”پتا نہیں لیکن آپ ایک بات جان لیجیے کہ میں فراز کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہوں گی۔ وہ مجھے قطعاً پسند نہیں۔“ کومل قطعیت سے بولی۔

”کومل......! ہوش و حواس میں رہ کر بات کرو۔“ مسرت کافی حد تک غصیلے لہجے میں بولیں۔

”میں پورے ہوش میں ہوں لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ اس رشتے پر راضی ہیں...... ؟ بھول گئیں کہ ان لوگوں نے ہمیں گھر سے بے گھر کیا تھا۔ آپ بیمار تھیں اور وہ اپنے ہو کر بھی ہماری مدد کو نہ آئے۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود آپ راضی ہیں؟ فراز کے سارے کرتوت جانتے ہوئے بھی آپ مجھے جہنم میں دھکیل رہی ہیں؟“ کومل غصے میں بولی۔ مسرت اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ پہلی دفعہ مسرت سے یوں کھل کر مخالفت کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ تو پانچ سال سے اپنا نام فراز کے ساتھ جڑا دیکھتی آ رہی تھی۔ پھر جانے کیسے اس کی سوچ کا دھارا پلٹ گیا تھا۔

شاید محبوب سلطان کی وجہ سے...... کومل یہ بات نہیں جانتی تھی کہ محبوب سلطان منگنی شدہ ہے۔

”کومل...... میں ماں ہوں تمہاری ہم اس معاشرے میں رہتے ہیں اور یہاں وہی نہیں ہوتا۔ جو ہم سوچتے یا ہم چاہتے ہیں بلکہ کبھی کبھی یہاں ہماری سوچوں کے برعکس ہوتا ہے۔ ہمیں معاشرے میں اپنا وقار بحال رکھنے کے لیے بھی کبھی کڑوے گھونٹ بھی بھرنے پڑتے ہیں۔“ مسرت اب تھکے ہارے انداز میں اسے سمجھا رہی تھیں۔

”تو آپ بھریں یہ کڑوے گھونٹ...... میں ہرگز یہ نہیں کروں گی۔“ کومل چیخ کر بولی اور باہر جانے لگی۔

”تو پھر اپنے ہاتھوں سے مار دو مجھے......“ پیچھے مسرت کی آواز اسے سنائی دی تھی لیکن وہ دوسرے کمرے میں جا کر بند ہو گئی۔

□......♥......□

شام تک کومل کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اب اسے اپنے رویے پر پشیمانی ہوئی اور کہیں دور دل میں ایک خلش بھی جاگی تھی۔ مسرت اس سے خفا ہو گئی تھیں اور تب سے بھوکی پیاسی تھیں۔ وہ کھانا لے کر مسرت کے پاس آ گئی۔ وہ ابھی تک کومل سے ناراض تھیں اور نگاہیں پھیرے ہوئے تھیں۔

”امی......“ کومل نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر پکارا۔ دوسری طرف خاموشی ہنوز برقرار تھی۔

”امی......“ کومل کو ان کی خاموشی سے وحشت محسوس ہوئی تو وہ بے قراری سے بولی۔

”کیا ہے......؟“ مسرت سرد لہجے میں بولیں۔

”آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟“ کومل نے پوچھا۔

”میں کون سا حق رکھتی ہوں تم سے ناراض ہونے کا؟“ مسرت غیریت سے بولیں۔ تو کومل کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ وہ کھانا سائیڈ پر رکھ کر وہیں بیٹھ گئی اور مسرت کے ہاتھ پکڑ لیے۔

”امی...... مجھ سے ایسے بات مت کریں میں سہہ نہیں سکوں گی۔“ کومل کے آنسو نکل پڑے۔

”تمہیں کون سی کسی کی پروا ہے جو تمہاری پروا کوئی کرے۔“ مسرت طنزیہ بولیں۔

”امی...... میرا مطلب آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا۔ مجھے

معاف کردیجیے اور کھانا کھائیے۔"

"تم نے کوئی غلطی کی ہے جو میں تم کو معاف کروں؟"

مسرت نے خفگی سے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں......" کومل نے اعتراف کیا۔

"تو گویا تمہیں احساس ہوہی گیا کہ تم نے غلطی کی ہے فراز کے لیے انکار کرکے......؟" مسرت کا انداز جتانے والا تھا۔

"ہرگز نہیں...... میں نے غلطی یہ کی ہے کہ میں نے اپنی ماں کا دل دکھایا ہے۔" کومل نے ان کی غلط فہمی دور کی چند ساعت تو مسرت خاموش ہوگئیں۔ بولیں تو ان کی آواز کسی کنوئیں سے آتی سنائی دی۔

"کیسی عجیب لڑکی ہو تم اپنے مرے باپ کو دکھ پہنچا کر بھی بے پرواہو۔ ان کے طے کیے رشتے کو توڑ کر تمہارا خیال ہے بڑے خوش ہوں گے تمہارے پاپا۔" مسرت نے طنز کیا۔

"پلیز امی......" کومل کا لہجہ بھیگ گیا۔

"اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ نوبت نہ آتی۔"

"امی میں نے اس رشتے سے انکار تھوڑی کیا ہے۔ میں بس ذہنی طور پر ابھی تیار نہیں ہوں۔ اس شادی پر۔" کومل نے جیسے بات گھمائی۔

"کیوں...... جب میں مرجاؤں گی تب کرو گی تم شادی......؟" مسرت نے دشواری سے کہا۔

"پلیز امی...... آپ ہر بار ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں۔ کوئی سہارا ہے میرا آپ کے بعد......؟" کومل نے پوچھا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ شادی کرلو۔" مسرت نے ایک بار پھر بات شادی پر لا پٹخی تو کومل جھنجلا کر رہ گئی۔

"آپ کھانا کھائیے۔ اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔" کومل کوفت زدہ سی اٹھ کر چلی گئی۔

□......♥......□

"بیٹا...... فراز نے فون کیا تھا۔ افشاں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" کومل نے چند لمحے امی کو خاموشی سے دیکھا۔

"اوہ...... اور آپ کو فوراً تیمارداری کا بخار چڑھ گیا ہوگا۔" وہ طنزیہ لہجے میں تپ کر بولی۔

"کومل...... میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ تم جا کر مزاج پرسی کرآؤ۔" مسرت نے بات سمیٹنی چاہی۔

"امی......" کومل زچ ہوکر بولی۔ "آپ بیمار تھیں تو آئے تھے وہ لوگ۔" کومل نے دکھ سے پوچھا۔ مسرت کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لیکن پھر بھی اسے سمجھانے کو بولیں۔

"دیکھو بیٹا...... یہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فعل ہے کہ وہ بھی بیمار کی تیمارداری کرنے کے لیے جاتے تھے۔ خواہ بیمار دشمن ہی کیوں نہ ہو۔"

"امی آپ کب تک ایسا کریں گی؟ وہ لوگ اس قابل نہیں ہیں اور نہ ہی میں اتنی اعلیٰ ظرف ہوں۔" وہ تنک کر بولی۔ اس کے لہجے میں غصے کی آمیزش تھی۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں؟ کل قیامت کے دن تم سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تمہاری کوئی تیمارداری کرنے آیا تھا یا نہیں بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے انسانیت کے ناتے اپنا فرض نبھایا تھا۔" مسرت حکمت کے موتی بڑے احسن طریقے سے اس کے گوش گزار رہی تھیں۔ کومل نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی اسکول لگنے میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا۔

"اچھا امی میں چلتی ہوں۔" ان کو کوئی بھی مناسب جواب دیے بغیر وہ بولی۔

"لیکن......"

"ٹھیک ہے میں چلی جاؤں گی۔" مسرت کی بات منہ ہی میں تھی۔ جب کومل بول پڑی۔ مسرت خوش ہوگئیں۔

"اللہ حافظ...... دھیان سے جانا۔" مسرت مطمئن ہوگئی تھیں۔

"لیکن صرف آپ کے لیے۔" کومل جاتے جاتے جتانا نہ بھولی تھی۔ مسرت مسکرادیں۔

سارا دن کومل وہاں جانے کے بارے میں ہی سوچتی رہی اور پھر اسکول کی چھٹی کے بعد وہ ایک حتمی فیصلہ کرکے "رضا پیلس" جانے کے لیے رکشا رکوا کر بیٹھ گئی۔ یہ جانے بغیر کہ وہاں ایک نئی مصیبت اس کی راہ دیکھ رہی ہے۔

□......♥......□

رکشا ایک بڑے بنگلے کے سامنے رکا تھا۔ کومل نے کرایہ دیا اور اس بلڈنگ کو دیکھنے لگی۔ یہ وہی رضا پیلس تھا جہاں وہ

بڑی شان سے رہتی تھی۔ رضا پیلس بنگلے کی درمیانی سطح پر سنہری حروف سے لکھا تھا۔ کومل دکھی ہوگئی۔ اس کا دل چاہا واپس بھاگ جائے لیکن پھر خود کو سنبھال کر وہ آگے بڑھی اور سیاہ گیٹ کھول دیا چوکیدار کو سلام کیا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔ چوکیدار وہی تھا پرانا جس نے اسے روکا نہیں تھا یا پھر اسے پہلے سے خبر کردی گئی تھی اندرونی دروازہ کھول کر کومل نے بڑے سے لاؤنج میں قدم رکھا۔ گھر میں صرف چند لائٹس ہی آن تھیں۔ جانے کیوں کومل کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی۔ بہ مشکل خود پر کنٹرول رکھتے ہوئے وہ آگے بڑھی۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ واپس بھاگ جائے لیکن ملے بغیر جانا بھی تہذیب کے خلاف تھا۔ کچھ دیر وہ یونہی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔

"شنو!" ملازمہ کو دیکھ کر اسے پکارا۔ شنو اسے دیکھ کر حیران ہوئی پھر اس کی طرف آئی۔

"آپ آ گئیں۔" شنو کا انداز عجیب سا تھا۔

"کیوں؟" کومل نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔

"کچھ نہیں خیر آپ اوپر چلی جائیں۔ اوپر ہی آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

"اوپر چچی میرا انتظار کررہی ہیں؟" کومل نے حیران ہوکر پوچھا۔

"پتا نہیں۔" شنو کا مبہم سا رویہ اسے الجھا گیا تھا۔ کومل نے تھوڑی دیر کچھ سوچا پھر سر جھٹک کر اوپر کی طرف بڑھ گئی۔ اسے ایسے لگا تھا جیسے شنو اس کے یہاں آنے پر متذبذب ہو۔ اوپر دائیں ہاتھ فراز کا کمرا تھا اس کے آگے والے دو کمرے چھوڑ کر تیسرا کمرا افشاں کا تھا۔ کومل وہیں بڑھی تھی۔ جب فراز کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے اسے اپنے بازو پر آہنی گرفت محسوس ہوئی اور وہ فراز کے کمرے کے اندر کھنچتی چلی گئی۔ اس اچانک افتاد پر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔

"کون ہو تم...... چھوڑو مجھے۔"

"گھبراؤ نہیں جان من یہ میں ہوں تمہارا ہونے والا شوہر۔" فراز کی ہوس سے پر آواز اسے کسی انہونی کا احساس شدت سے کروا گئی۔ وہ خود کو یہاں آنے پر ملامت کرنے لگی لیکن اب کیا ہوسکتا تھا کومل فریاد اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کرچکی تھی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔

"کرنٹ تو مت مارو یار......" فراز بولا۔

"بکواس بند کرو، مجھے چھوڑو ورنہ میں چلاؤں گی۔" کومل نے دھمکی دی۔

"گھر میں کوئی نہیں ہے۔ تمہاری چیخیں سننے کے لیے۔" فراز نے ایک اور بم بلاسٹ کیا۔ "جن کی بیمار پرسی کے لیے تم یہاں آئی ہو وہ یہاں نہیں ہیں۔" وہ خباثت سے ہنسا۔

"تم...... تم نے مجھے دھوکے سے یہاں بلایا؟" کومل صدمے سے بولی۔

"اوہ کم آن ڈیئر...... پھر کیا ہوا۔ ہم تو ویسے بھی میاں بیوی جلد ہی بن جائیں گے۔" کومل کو اس لمحے فراز زہر لگا۔ اس کا دل نفرت سے لبالب بھر گیا۔

"خاموش رہو اور مجھے جانے دو۔" کومل چیخ کر بولی۔ مگر فراز کی گرفت سخت تھی۔ کومل ہاتھ پاؤں مار کر اپنا بچاؤ کررہی تھی۔ جب کومل کے ہاتھ کے نیچے کوئی چیز آئی تھی وہ بٹن تھا۔ اس نے پش کردیا۔ پورا کمرہ روشنیوں میں نہا گیا۔ ایک لمحے کو فراز کی گرفت کمزور پڑی تو کومل نے اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ فراز غراتا ہوا اس کے پیچھے لپکا۔ کومل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایک بار پھر رضا پیلس نے اسے گہرے دکھ سے دوچار کیا تھا۔ وہ سیڑھیوں کے پاس آ کر ایک لمحے کو رکی۔ اپنی بے ترتیب سانسوں کو ہموار کرکے وہ پلٹی تو فراز اس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی باہر نکل گئی اور اسی بھاگم بھاگ میں گیٹ تک پہنچ کر ایک رکشا رکوایا اور بیٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

فراز کے چنگل سے وہ معجزاتی طور پر بچ گئی تھی۔ لیکن دل اک اور ضرب کھانے کے بعد اس گھر سے مکمل طور پر اچاٹ ہوگیا تھا آگے کومل کے لیے سوچنا بھی محال تھا۔ آج فراز اپنے ارادے میں کامیاب ہوجاتا تو...... آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے رواں ہوگئے تھے۔

گہری خاموشی کے لبادے میں لپٹی کومل گھر آئی تھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور وجود پر لرزش طاری تھی۔ وہ خوف سے اپنے آپ میں سمٹی جا رہی تھی۔ جب سے وہ آئی تھی کمرے میں گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ مسرت نے اسے کئی آوازیں دی تھیں۔ لیکن کومل ان سنی کیے بدستور بیٹھی رہی۔ اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے کومل کو یہ تک اندازہ نہیں ہوا تھا کہ گھر میں کوئی داخل ہوا ہے نا صرف داخل ہوا تھا بلکہ مسرت کو پریشان دیکھ کر اس کے کہنے پر اس کے کمرے میں بھی آ گیا تھا۔

"آپ نے ماتم میں آپ دروازہ لاک کرنا بھول گئیں اگر کوئی چور گھس آتا تو......؟" محبوب سلطان کی خوب صورت آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو کومل نے سر اٹھایا۔ روئی روئی غلافی آنکھوں کے تیر محبوب سلطان کے دل کو چھلنی کرنے لگے۔ محبوب سلطان نے ان آنکھوں میں جھانکا تو جیسے دل دھڑکنا بھول گیا۔ کومل چادر درست کرتی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ مگر معاملے کی سنجیدگی محبوب سلطان بھانپ چکا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" محبوب سلطان نے پریشانی سے پوچھا تو کومل نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر سر جھکا دیا۔ محبوب سلطان کے لہجے میں موجود اپنائیت اور نرمی نے اسے دلگیر کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار سوچنے لگی کہ کیا کوئی غیر انجانے لوگوں کے لیے اتنا کر سکتا ہے لیکن کومل کو کون سمجھاتا کہ محبوب سلطان اتنی خبر گیری اور اتنی فکر ان لوگوں کے لیے کیوں رکھتا ہے۔ اس کی توجہ کے لیے تو کئی لڑکیاں ہر وقت تیار رہتی تھیں جنہیں خود ہی محبوب سلطان گھاس نہیں ڈالتا تھا۔ محبوب سلطان کی مقناطیسی شخصیت ہی ایسی شاندار تھی۔ مگر وہی شاندار شخصیت رکھنے والا محبوب سلطان، جس کے دل میں سائرہ جیسی لڑکی جو اس کی منگیتر تھی جگہ نہ بنا سکی۔ وہاں کومل فریاد جانے کب گھر کر گئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" کومل نے ہولے سے جواب دیا۔ آج وہ محبوب سلطان کے سامنے گھبرا نہیں رہی تھی۔ شاید اس نے بھی محبوب سلطان کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا تھا۔ اس سے پہلے فراز سے منسوب ہونے کے سبب جو جھجک تھی اب اس کی گھٹیا حرکت کے سبب اس سے شدید نفرت پر مجبور کر گئی تھی۔ تو محبوب سلطان کے مدھم نقوش دل کے ہر حصے پر گہرے ہو گئے تھے۔ اور یہ تو کومل فریاد کی خوش قسمتی تھی کہ جسے اس نے چاہا وہ پہلے ہی اس کے سحر میں گرفتار تھا۔ محبوب سلطان جس کے دل پر پہلے ہی سے کومل قابض تھی اور اس وقت تو گویا ہر حد پار ہو گئی۔ پہلی محبت کیسی اثر انگیز ہوتی ہے یہ محبوب سلطان نے وہیں کھڑے کھڑے جان لیا تھا اور پھر کومل کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر خود بخود اپنی ازلی خوش مزاجی پر آ گیا۔

"لیکن یہاں چوروں کو آنے کی کیا ضرورت ہے یہاں تو خود ہی چور موجود ہے۔" محبوب سلطان نے اپنی بات کا جواب خود ہی دیا تھا۔ ایک شرارت کے ساتھ۔

"یہاں کون چور ہے؟" کومل نے چونک کر پوچھا۔

"وہی جو ہمارے سامنے کھڑا ہے۔" محبوب سلطان کے برجستہ جواب نے اسے سٹپٹا کر رکھ دیا۔ وہ گھبرا گئی۔

"میں نے کیا چوری کیا ہے؟"

"میرا دل۔" محبوب سلطان پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو کومل سٹپٹا گئی۔ اسے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔

"زیادہ گھبرائیے مت، میں آپ کو چور نہیں کہہ رہا۔ چور تو میں ہوں۔" محبوب سلطان نے مسکرا کر کومل کو اس مشکل سے نکالا۔

"وہ کیسے؟" اک دھیمی سے مسکراہٹ نے کومل فریاد کے لبوں کا راستہ بھی دیکھ لیا۔

"آپ میرا آئینہ جو ہوئیں۔" محبوب سلطان قہقہہ لگا کر وہاں سے باہر چلا گیا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ ویسے بھی وہ یہاں کومل کی اداسی دور کرنے آیا تھا۔ جو ہو چکی تھی۔ مسرت سے مل کر وہ گھر چلا گیا۔ پھر آنے کے لیے اور کومل فریاد محبوب سلطان کی باتوں کا مفہوم سمجھنے لگی۔ جو زیادہ مشکل نہیں تھا۔

محبوب سلطان اپنے ماں باپ کا اکلوتا لختِ جگر تھا۔ سلطان شاہ کی آنکھوں کا تارا۔ محبوب سلطان اپنے والدین میں باپ کے زیادہ قریب تھا۔ وجہ بانو شاہ کی سخت مزاجی اور فطری رعونت۔ محبوب سلطان، سلطان شاہ سے اپنے دل کی ہر بات شیئر کرتا تھا۔ اس نے سلطان شاہ کو یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ کومل فریاد کو پسند کرتا ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ خود سلطان شاہ اور بانو کی پسند کی شادی تھی۔ جسے ارینج میرج کا رنگ دیا گیا تھا کہ بانو شاہ ان کی پھوپی زاد اور بچپن کی منگیتر تھی لیکن سلطان شاہ اس کی بات سن کر الجھ گئے تھے۔ کیونکہ بانو شاہ کو سائرہ جی جان سے پیاری تھی اور انہوں نے سائرہ سے سلطان شاہ کے ساتھ مشورہ کر کے محبوب سلطان کی منگنی کردی تھی۔ جسے آج تک محبوب سلطان قبول نہ کرپایا تھا۔ سائرہ اسے کسی طور بھی پسند نہ تھی۔ سائرہ بانو شاہ کی بھتیجی تھی۔ جوانہی کے ساتھ گاؤں سے دور شہر میں صرف اسی بنا پر رہتی تھی کہ اسے گاؤں میں گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ وہ محبوب سلطان پر جی جان سے فدا رہتی' یہ اور بات کہ محبوب سلطان نے کبھی اسے پسندیدہ نظروں سے نہ دیکھا تھا۔

□......❤......□

محبوب سلطان تھکا ہارا سا گھر آیا تھا۔ حویلی ہر روز کی طرح ویران تھی سلطان شاہ آفس میں تھے بانو شاہ محو آرام تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر تسمے کھولنے لگا تھا۔ جب سائرہ وہاں آگئی۔

"السلام علیکم!" سائرہ خوشی سے بھرپور لہجے میں چہک کر بولی۔

"وعلیکم السلام!" محبوب شاہ نے سلام کا جواب دیا اور ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی پنک کلر کی کامدار لمبی قمیص کے ساتھ پائجامہ پہنے شولڈر کٹ بالوں کو پونی ٹیل کی شکل دیے۔ دوپٹے کو گردن کے گرد لپیٹے وہ کسی بھی طرح ایک عام دیہاتی لڑکی نہ لگ رہی تھی۔ محبوب شاہ نے آن کی آن میں ایک اور چہرہ دیکھ لیا۔ دوپٹے کے ہالے میں شرم سے بھرپور دھیمی مسکراہٹ والا چہرہ...... جو بنا کسی تردد کے اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اسے نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ تسمے کھولنے لگا۔ جوتے اتار کر سائیڈ پر رکھے اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے پرسکون انداز میں بیٹھ گیا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح سائرہ کو نظر انداز کیا تھا اور وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی پیچ و تاب کھانے لگی۔

"مجھے دیکھ کر بے زار کیوں ہوجاتے ہیں آپ؟" آج اس نے پوچھ ہی لیا۔

"یہ اپنے آپ سے پوچھو تم......" محبوب شاہ نے اسے دیکھ کر جواب دیا تو وہ خاموش سی ہوگئی۔ پھر ڈھٹائی سے بولی۔

"کیوں...... میں نے کیا کردیا ایسا؟"

"یہ بھی تم اپنے آپ سے پوچھو۔" وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا اور سائرہ غصے سے بل کھا کر رہ گئی پھر پیر پٹختی بانو شاہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"پھوپو......"

"جی پھوپو کی جان......" بانو شاہ کے لہجے میں جانے سائرہ کے لیے اتنی چاشنی کہاں سے آجاتی تھی۔ "کیا ہوا؟" بانو شاہ کا پوچھنا محال ہوگیا۔ وہ بھڑک اٹھی۔

"یہ آپ جا کر اپنے اس سپوت سے پوچھیے۔" سائرہ نے حسب عادت دو کی چار لگائی تو بانو شاہ غصے سے لال بھبوکا چہرہ لیے محبوب شاہ کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئیں۔ اپنے نظر انداز کیے جانے کا بدلہ سائرہ اچھی طرح لینا جانتی تھی۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکرادی۔

"یہ سب کیا ہے؟" بانو شاہ غصے سے بولیں۔

"کیا......؟" محبوب شاہ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

"کیوں تم سائرہ کو تنگ کرتے ہو؟"

"آپ نے میری اس کے ساتھ منگنی کرتے وقت مجھ سے پوچھا تھا......؟ آپ یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ میں اسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

"کیوں...... اس میں کیا برائی ہے؟" بانو شاہ بھڑک اٹھیں۔

سائرہ شاہ ان کے اکلوتے مرحوم بھائی کی بیٹی تھی اور کئی

مربعوں کی اکلوتی وارث بھی..... بانو شاہ نے منصوبے کے تحت اسے محبوب سلطان سے منسوب کیا تھا ان کا خیال تھا کہ آخر کار محبوب سلطان راضی ہو ہی جائے گا۔

"آپ سیدھی طرح پوچھیے کہ آپ جاننا چاہتی ہیں کہ مجھے وہ کیوں پسند نہیں ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں یا نہیں......؟" محبوب سلطان کسی طریقے سے بانو شاہ کو اپنی پسند کے بارے میں باخبر کرنا چاہتا تھا۔ سو یہ موقع اسے موزوں لگا۔

"ہاں تو بولو۔"

"میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔" محبوب شاہ نے بتایا' عام سے انداز میں مگر بانو شاہ بھڑک اٹھیں۔

"کیا......! تمہاری یہ مجال...... یہ بھی نہ سوچا کہ سائرہ کا کیا ہوگا؟"

"زبردستی تھوپے گئے فیصلے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔"

"خاموش رہو۔ تم بھول گئے ہو کہ تم اپنی ماں سے بات کر رہے ہو؟" بانو شاہ تنفر سے بولیں۔

"بڑا غرور ہے آپ کو اپنے بیٹے پر تو ایسی بہو ڈھونڈیے جس کو میرے ساتھ دیکھ کر لوگ بھی داد دیں نا کہ ایسی لڑکی جو کئی ہاتھوں کا کھلونا ہو۔" محبوب شاہ نے طنز کے تیر پھینکے۔ وہ سائرہ کی آوارہ مزاجی کے بارے میں جانتا تھا۔ خاموش تھا تو صرف بانو شاہ کی خاطر بانو شاہ نے کچھ دیر کے لیے اسے دیکھا آخری حربہ آنسوؤں کا آزمایا جس سے ان کے خاوند اور خود بیٹے کا دل بھی نرم پڑ جاتا تھا اب بھی یہی ہوا کہ یہ ہستی ان دونوں کے لیے بہت قیمتی تھی۔

"ماں پلیز...... روئیے مت دیکھیے میرا ارادہ آپ کو دکھی کرنے کا نہیں تھا۔" محبوب شاہ گھبرا کر ان کے نزدیک آیا۔ وہ ایک فرماں بردار بیٹا تھا۔ تبھی تو ماں کے ایک اشارے پر منگنی کرلی۔ یہ تو سائرہ کے رنگ ڈھنگ کھلنے کے بعد اور کومل کی محبت کا اثر تھا کہ وہ اب اس نام نہاد رشتے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

"تو پھر وعدہ کرو کہ آئندہ سائرہ کو تنگ نہیں کرو گے۔" بانو شاہ نے اس کے نرم پڑ جانے پر فائدہ اٹھایا۔

"ٹھیک ہے۔" محبوب شاہ نے سر تسلیم خم کر دیا۔

☐......♥......☐

ان دنوں محبوب سلطان کی محبت نے کومل کو اندر تک سرشار کیا ہوا تھا۔ اب وہ جب بھی آتا' کومل گھبرا کر کمرے میں بند ہونے کے بجائے اس سے ہنستی بولتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ محبوب سلطان کے دل میں اس کی محبت کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ کومل کے یہ بدلے رنگ اور کھلا کھلا چہرہ جہاں ہمہ وقت مسکراہٹ رہتی' مسرت کی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔ فراز کے معاملے کو کومل یکسر نظر انداز کر چکی تھی۔ اس نے ماں کے ساتھ اس بابت کوئی بات نہیں کی تھی کہ وہ مزید بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ اس دن جب کومل مسرت کے پاس بیٹھی تو ان کے سوال سے گھبرا کر رہ گئی۔

"کومل...... اب تم اتنی خوش کیوں رہتی ہو؟" انہوں نے کچھ کریدنا چاہا۔ کومل چند ساعت چپ رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

"بولونا۔" مسرت نے ایک بار پھر کہا۔ تو وہ گڑبڑائی۔

"تو کیا اب میں خوش بھی نہیں رہ سکتی؟"

"ایک بات بتاؤ کومل...... کیا تم محبوب سلطان کے بارے میں جانتی ہو؟" محبوب سلطان کے اچانک ذکر پر کومل گھبرا گئی۔ اس نے ایک نظر مسرت کے چہرے کو دیکھا پھر سر جھکا گئی۔

"کیا مطلب' کیا جانتی ہوں اور مجھے اسے کیوں جاننا ہے؟"

"تو کیا تم محبوب سلطان کو پسند نہیں کرتیں۔ شاید یہ نہیں جانتی کے وہ منگنی شدہ ہے اور اپنی منگیتر کو بہت چاہتا بھی ہے۔" مسرت اسے صاف الفاظ میں تنبیہہ نہیں کرنا چاہتی تھیں سو اپنی باتوں میں اسے کچھ بڑھا کر بتایا۔

"کیا......؟" کومل پر ایک ساتھ کئی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے اور وہ گم سم سی ہو کر رہ گئی۔

"دیکھو بیٹا...... میں تمہاری ماں ہوں' تمہارے اندر تک جھانک سکتی ہوں تم ان راہوں کی مسافر مت بنو جن کی کوئی منزل نہیں ہے۔" مسرت اسے سمجھا رہی تھیں۔ "اس

سے نا صرف محبوب سلطان کی بلکہ تمہاری فراز اور محبوب سلطان کی ہونے والی بیوی اور چاہت کی زندگی پر بھی اثر پڑے گا۔" مسرت نے لفظ چاہت کو چبا کر ادا کیا۔ کومل نے ان کے لہجے میں کچھ خاص محسوس کیا تو گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیا سچ میں محبوب سلطان کسی اور کو......؟" وہ سوچوں کے بھنور میں الجھی تو الجھتی چلی گئی۔

"بیٹا...... کسی اور کے بجائے تم فراز کے بارے میں سوچو جو تمہارا کل ہے، مستقبل ہے۔ جو تمہیں عزت، نام، تحفظ دے گا۔" مسرت نے کہا۔

"عزت......؟" کومل نے طنز سے سوچا۔ ایک بار دل میں آئی کہ مسرت کو اس کی گھٹیا حرکت کے بارے میں بتا دے مگر پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ان سوالوں کے جواب سوائے محبوب کے اسے اور کوئی نہیں دے سکتا تھا۔

□......♥......□

آج اسکول سے چھٹی کے بعد کومل نے محبوب سلطان کو فون کیا اور وہ فوراً اسے پک کرنے آ گیا تھا۔ کومل خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے، آج سورج کہاں سے نکلا تھا جو کومل صاحبہ نے ہمیں یاد کیا؟ اور لیجیے کومل صاحبہ...... آپ کا محبوب سلطان حاضر ہے۔" محبوب شاہ عادت کے مطابق شروع ہو چکا تھا۔ کومل نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی۔

"کیا ہے...... کیا کھانے کا ارادہ ہے؟" محبوب شاہ نے شاید کومل کی سرد مہری کو محسوس نہیں کیا تھا تبھی بولا۔

"تمہاری منگنی ہوئی ہے؟" ان گزرے دنوں میں کومل نے آپ سے تم تک کا رستا بڑی تیزی سے طے کیا تھا۔ اس اچانک سوال پر محبوب سلطان نے ایک لمحے کو گاڑی روکی پھر سڑک پر چلتی ٹریفک کے پیش نظر دوبارہ چلا دی۔ اس کی ہنسی پل بھر میں لبوں سے دور ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا، خاموش کیوں ہو گئے جواب دو نا۔" کومل نے طنزیہ پوچھا۔

"ہاں......" محبوب سلطان نے جواب دیا۔

"سائیڈ پر گاڑی روکیے۔" کومل نے کہا، اس کا انداز سادہ سا تھا۔ محبوب سلطان نے سائیڈ پر گاڑی روک دی وہ سمجھا تھا کہ شاید کومل اس سے کچھ اور کہنا چاہتی ہے۔ خود محبوب کو بھی یہی وقت مناسب لگا تھا۔ کومل کو سب سچ بتانے کے لیے لیکن اگلے ہی لمحے وہ حیران رہ گیا۔ جب کومل گاڑی سے باہر نکلی۔

"مجھے جواب مل گیا۔" کومل سرد مہری اور قطعاً اجنبی لہجے میں بولی اور رکشا کو روک کر بیٹھ کر چلی گئی۔ محبوب سلطان اسے پکارتا گاڑی سے نکلا لیکن رکشا جا چکا تھا۔ وہ گاڑی میں واپس بیٹھا ارادہ تھا کہ اس کے پیچھے جائے لیکن آفس سے میٹنگ کے لیے کال آ گئی۔ اس نے اسٹیئرنگ پر ایک مکا رسید کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے زن سے نکال لے گیا۔

□......♥......□

"میں تیار ہوں، شادی کے لیے۔" کومل کے جواب نے پل بھر میں مسرت کو خوش گوار حیرت سے ہم کنار کیا تھا۔ تو گویا ان کا سمجھانا کارگر ثابت ہوا تھا۔ مسرت سوچنے لگیں جب کہ کومل سے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ وہ باہر نکل گئی۔ فراز بے شک اسے عزت نہیں دے سکتا تھا اس نے جو بھی کیا اس کے ساتھ لیکن اس دغا باز دوغلے شخص سے لاکھ گنا اچھا تھا کم از کم اس کے دل کے ساتھ کھیلا تو نہیں تھا یہی سوچ کر کومل نے بنا سوچے سمجھے جذباتیت میں آ کر ہاں کر دی تھی۔

اس نے محبوب سلطان سے دریافت تک نہ کیا تھا کہ آخر اس نے اس کے ساتھ اتنا بڑا بھیانک مذاق کیونکر کیا۔ پہلے جب مسرت نے اسے بتایا تھا کہ محبوب سلطان منگنی شدہ ہے تو اسے ذرا بھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ بدگمان نہیں ہونا چاہتی تھی۔ لیکن دل کو تسلی دینا بھی ضروری تھا۔ اس کے جواب پر اس کا دل جیسے مردہ سا ہو گیا تھا۔ اسے محبوب سلطان سے ایسی امید نہیں تھی۔ اس کا نازک دل ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ اس کے خواب ٹوٹ کر چکنا چور ہو گئے تھے۔ اس کی خواہش اس کا پیار سب ہی تو بے سود رہا تھا۔ لاحاصل خواہشوں کے پیچھے بھاگنے سے انسان سوائے تھکن کے اور کچھ نہیں پاتا اور

کومل کو یہ بات خوب سمجھ میں آ گئی تھی۔ سو اس نے اپنے دل کو مار کر پل صراط پر چلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اعتباری کا صلہ جو اسے ملا تھا اسے پا کر وہ بے اعتباری پر ہی بھروسا کرنا چاہتی تھی لیکن محبوب سلطان اب بھی اس کے دل پر قابض ضرور تھا اور شاید ہمیشہ وہ بے وفا دل کے نہاں خانوں میں زندہ رہتا۔ شام کے پھیلتے سائے دیکھ کر وہ اٹھی اور کھانا پکانے لگی۔ اپنے آپ کو وہ کسی حد تک سنبھال چکی تھی۔

□......♥......□

میٹنگ اٹینڈ کرنے کے دوران اس کا دھیان کومل میں ہی الجھا رہا تھا۔ جانے کیا سوچ گی وہ میرے بارے میں اگر میرے بارے میں کچھ غلط...... آگے سوچنا بھی محال تھا۔ اسے ایک فون کال کرنے تک کی فرصت نہ ملی تھی۔ اب جو اسے وقت ملا تو وہ اسے کال کرنے لگا۔ ایک کے بعد دو تین چار پھر گیارہویں کال بھی کاٹ دینے پر اس کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔ اس سے ملنے کا ارادہ کر کے وہ چیزیں سمیٹنے لگا تھا۔

"محو بیٹا......" سلطان شاہ اس سے مخاطب تھے۔

"جی پاپا" اس نے تابعداری سے کہا۔

"کہیں جا رہے ہو؟" انہوں نے ازلی میٹھے اور محبت سے بھرے لہجے میں پوچھا۔

"جی پاپا...... آپ کو کوئی کام تھا؟"

"مگر تم تو جا رہے ہو۔"

"آپ کا کام پہلے...... کہیے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ کہ باپ کا محبت سے پر وجود ہمیشہ اسے پہلے ہی عزیز تھا۔ "بعد میں کچھ اور......" ماں کے منہ سے تو یہ محبت آج تک نصیب نہ ہوئی تھی۔

"بیٹا...... ائیر پورٹ جا کر سارے معاملات نمٹا لو۔ مہر صاحب کا فون آیا تھا۔ انہوں نے کسی کو بھیجنے کے لیے کہا ہے۔" سلطان شاہ نے بتایا۔ اگلے ہفتے محبوب شاہ انگلینڈ بزنس کے سلسلے میں جا رہا تھا۔ اسی سلسلے میں سلطان شاہ بات کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے میں ہو آتا ہوں۔" اس نے تابعداری سے کہا۔ بیٹے کی فرماں برداری پر سلطان شاہ مسکرا اٹھے جب کہ محبوب شاہ کومل کے بارے میں سوچتا رہا پھر سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

□......♥......□

کومل اسکول گئی ہوئی تھی مسرت گھر پر اکیلی تھیں۔ اب وہ تھوڑا تھوڑا چلنے لگی تھیں۔ کافی بچت کے بعد کومل نے انہیں بیساکھی خرید دی تھی۔ جس کے سہارے وہ آسانی سے چل پھر سکتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اب کومل باہر سے دروازہ بند کر کے نہیں جاتی تھی۔ کومل کے جانے کے بعد افشاں اور کمال رضا آ گئے تھے۔ مسرت نے ہی انہیں فون کر کے بلایا تھا۔ مگر افشاں کے تیور کافی بگڑے ہوئے تھے۔ وہ فراز کو بتائے بغیر یہاں آئے تھے۔ افشاں کو شنو نے کومل اور فراز کے بارے میں الف سے ے تک بتایا تھا۔ کہ کیسے کومل گھر آئی تھی اور فراز کے کمرے میں اوپر چلی گئی تھی۔ جس انداز میں افشاں کو یہ سب بتایا گیا تھا وہ اس سب کا دوسرا مطلب ہی نکال پائی تھی۔ سو اب بگڑے تیوروں کے ہمراہ وہ یہاں آئی تھی۔ فراز تو تھا ان کا لاڈلا۔ جس کو وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں۔ یہاں تک کہ اس سے پوچھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ ان کی سوچ کے مطابق کہ کومل ہی اصل قصوروار تھی۔ سو وہ سارا قصور کومل پر رکھ کر یہاں آ پہنچی۔

"افشاں بھابی...... آیئے بیٹھیے۔" مسرت نے گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ "ہم بیٹھنے کے لیے نہیں آئے بس بات کر کے واپس جائیں گے۔" افشاں زہر خند لہجے میں بولی۔ کمال کو وہ تمام تفصیل بتا چکی تھی۔ وہ بھی خاموش تھے۔

"کیا بات ہے کمال بھائی؟" وہ کمال ضبط سے پوچھنے لگی تھیں۔ مگر کمال افشاں کی طرف دیکھنے لگے۔

"اپنی بیٹی کو سنبھال کر رکھو اسکول کے نام پر جانے کیا گل کھلاتی پھر رہی ہے۔" افشاں نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا۔ مسرت تڑپ کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوگیا افشاں......! کوئی بات ہے تو بیٹھ کر سلجھاتے ہیں۔" مسرت نے کہا۔

"بیٹھ کر سلجھانے والی بات ہوتی تو ہم تم سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔ اگر تم میں سمجھ ہوتی تو اپنی اس بدکردار بیٹی کی ایسی

تربیت نہ کرتیں۔ توبہ ہے میرے گھر میں میرے بیٹے سے ملنے وہ اکیلی چلی آئی ایسی کیا وجہ تھی جو اسے اس حد تک گرنا پڑا؟" افشاں نے تلخی سے کہا۔
ان دونوں سے نفرت تو انہیں پہلے سے تھی۔ اب جو موقع ملا تو ہاتھ سے کیوں جانے دیتیں سو وہ خوب زہر اگل رہی تھیں اور مسرت کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ افشاں کومل کے کردار کو خوب اچھال رہی تھی اور مسرت میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ کچھ بول ہی سکتیں۔
"اپنی بیٹی کو بٹھا کر رکھو ہماری طرف سے یہ رشتا ختم......" مسرت کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
"رکیے، کمال بھائی، افشاں...... ایسے مت کرو وہ آپ کا خون ہے، کومل ایسی نہیں ہے۔ آپ اس سے منہ موڑیں گے تو کون اپنائے گا اسے؟" مسرت چیختی چلاتی رہی تھیں لیکن وہ دونوں پتھر بنے وہاں سے چلے گئے تھے۔ مسرت روتی پیٹتی بیٹھ گئیں۔
"میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔" مسرت یہی بولے جارہی تھیں۔ یکا یک ان کے سینے میں بائیں جانب درد اٹھا تھا۔ وہ بے اختیار کراہ کر رہ گئیں۔ درد بڑھتا ہی جارہا تھا۔ عین اسی لمحے محبوب سلطان کی گاڑی وہاں رکی تھی۔ اس نے کمال رضا اور افشاں کو کومل کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ حیرانی سے آگے بڑھا اور گھر کے اندر داخل ہونے پر وہ پریشان ہو کر رہ گیا۔
"آنٹی......" وہ ان کی جانب بڑھا۔ وہ زمین پر بیٹھی دل پر ہاتھ رکھے درد سے دہری ہورہی تھیں۔
"بیٹا......" انہوں نے اکھڑتے سانسوں سے کہا۔
"چلیے آنٹی اسپتال......" محبوب سلطان نے انہیں اٹھانا چاہا لیکن انہوں نے منع کردیا۔
"بیٹا...... میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میری کومل بے گناہ ہے تم اس کو اپنا لینا۔" یہ آخری الفاظ تھے جو ان کے منہ سے نکلے تھے اور اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہوگئیں تھیں۔
"آنٹی......" محبوب سلطان نے اس لمحے انہیں پوری شدت سے ہلایا تھا۔ ان میں اسے ممتا دکھتی تھی۔
کچھ ہی عرصے میں مسرت اس کے دل کے بہت قریب ہوگئی تھیں۔ مسرت کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اچانک صدمہ ان پر جان لیوا حملہ کر گیا تھا اور اپنی بیٹی سے کوئی صفائی طلب کیے بغیر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئی تھیں۔ محبوب سلطان نے ایک لمحے کو بے سہارا رہ جانے والی معصوم کومل کو سوچا اور اس کے دماغ میں مسرت کے الفاظ ابھرے تھے۔
"وہ بے گناہ ہے، اسے اپنا لینا۔" ایک ہی پل میں محبوب سلطان نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کومل کو یوں اکیلے ایک دن بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس نے فون کر کے سلطان شاہ کو ساری صورتِ حال بتا کر ان سے مشورہ لیا تھا۔ انہوں نے بھی کومل کو گھر لے کر آنے کا مشورہ دیا اور بنا کسی مضبوط رشتے کے محبوب سلطان کومل کو گھر کیسے لے جاسکتا تھا۔ سو اس نے مولوی صاحب کو فون کیا اور خود مسرت کے کفن دفن کا انتظام کرنے لگا۔ اس سے پہلے اس نے کومل کو فون کردیا تھا۔ جو اگلے آدھے گھنٹے میں موجود تھی۔ وہ بدحواس سی گھر پہنچی تھی اور آ کر جیسے مسرت کے ساکت وجود کو دیکھ کر بکھر اٹھی تھی۔ وہ بے تحاشا روئی تھی تڑپی تھی۔ محبوب سلطان نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

□......♥......□

مسرت کی وفات کو آج تیسرا دن تھا۔ ان تین دنوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جب کومل نہ روئی ہو۔ اسے اپنوں کی بے حسی پر ٹوٹ کر رونا آیا جو آخری رسوم میں بھی شامل نہ ہوئے تھے۔ ان تین دنوں میں کومل کی ساری زندگی بدل چکی تھی۔ اس دن جب محبوب سلطان نے اس سے نکاح کیا تھا۔ اک بدگمانی کے باوجود کومل نے نکاح کے پیپرز پر سائن کیے تھے شاید اس انتہائی صدمے نے اسے توڑ دیا تھا اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے دور تھی۔ وہ مکمل طور پر اس دکھ میں ڈوبی سب کچھ بھول چکی تھی۔ جنازے پر سلطان شاہ بھی شریک ہوئے تھے۔ جنہوں نے اسے ایک بیٹی کی طرح حوصلہ دیا تھا۔ ان کے سینے سے لگ کر کومل کو بالکل

اپنے باپ کا احساس ہوا تھا وہ خوب روئی تھی۔ اب وہ محبوب سلطان کی حویلی آ گئی تھی۔ جہاں اس کے آنے سے خوب بھونچال آیا تھا۔ وقت اور حالات کتنی ہی کروٹیں بدلیں مگر زندگی رکتی نہیں۔ زندگی رکنے کا نہیں چلتے رہنے کا نام ہے۔ سو زندگی اسی طرح چل رہی تھی اور جانے کب تک یونہی چلتی رہنی تھی۔ محبوب سلطان کو اچانک انگلینڈ جانا پڑا تھا۔ اور اس سے ملے بغیر ہی چلا گیا۔ جانے اسے کیا ہوا تھا۔ کومل جو تین دنوں میں محبوب شاہ کی اس قدر دیکھ بھال پر بدگمانی ختم کر بیٹھی تھی کہ محبوب سلطان شاہ ہی اس کا اصل ہمسفر ہے اور سوائے اس کے اور کسی کو نہیں چاہتا۔ ایک بار پھر ٹوٹ پھوٹ گئی۔ جب سائرہ اس کے پاس آئی تھی اور اسے وہ ثبوت فراہم کیے تو اسے یہ ماننا ہی پڑا کہ وہ تنہا و بے سہارا ہے۔ دنیا میں اس کا کوئی نہیں۔

❑......♥......❑

شام کے سائے جوں جوں گہرے ہوتے جا رہے تھے ویسے ویسے پارک کی رونق کو چار چاند لگ رہے تھے۔ شام میں آبیاری کے بعد نم گھاس سے اٹھتی مٹی کی خوش بو ایک بھیگا بھیگا سا احساس جگاتی تھی۔ چہل قدمی سے دل کو ایک انجانا سا سکون ملتا تھا۔ بسیروں کو لوٹتے پرندوں کی چہچہاہٹ اور رنگ بدلتا آسمان گویا انسانوں کی دن بھر کی تھکن دور کر جاتے تھے۔ وہ ہر شام ہی پارک میں آ کر ڈھلتے وقت کی خوب صورتیاں دیکھا کرتی تھی۔ آج بھی پارک کی ایک بینچ پر وہ اداس سی غمگین بیٹھی تھی بالکل تن تنہا۔ جیسے اپنائیت کے ہر احساس سے عاری تھی۔ شکست در شکست کسے کہتے ہیں یہ اس سے بہتر بھلا اور کون جان سکتا تھا۔ کومل فریاد شاید فریادیں ہی کرتی رہ جاتی اگر محبوب سلطان اسے سہارا نہ دیتا مسرت کے جانے کے بعد وہ بالکل ٹوٹ گئی تھی۔ اکیلی ہو گئی تھی۔ محبوب سلطان دو ماہ کے لیے انگلینڈ گیا تھا۔ پچھلے ہفتے اور انگلینڈ جا کر جیسے اسے بھول ہی گیا تھا۔ اس ایک ہفتے میں اس نے ایک بار بھی کومل کو فون نہیں کیا تھا۔ اسے کیا ہو گیا تھا۔ کومل کچھ نہیں جانتی تھی۔ لیکن تین دنوں نے اس کے ساتھ نے کومل کے دل میں محبوب سلطان کے پیار کی جڑیں مزید مضبوط کر دی تھیں۔ سائرہ کے زہر اگلنے پر تڑپا تھا شاید وہ بھی یقین کا دامن نہ تھام پاتی اگر محبوب سلطان گریز کا رویہ نہ اپناتا یا شاید وقت اسے سائرہ اور اس کے مابین رشتے کی وضاحت کا موقع دے دیتا اور اس سے پہلے کہ پارک میں ہجوم بڑھ جاتا وہ اٹھ کر واپس چلی آتی تھی۔ اب بھی جب لوگوں کا مزید ہجوم بڑھا تو وہ خاموشی سے واپس چل پڑی۔

❑......♥......❑

حویلی میں کومل کو بہو کا مقام نہیں ملا تھا۔ سوائے سلطان شاہ کے کوئی اس سے ڈھنگ سے بات تک نہ کرتا۔ بانو شاہ کو جب غصہ آتا تو وہ خوب دل کھول کر سناتی اور وہ خاموشی سے سنتی رہتی ان کو کوئی جواب نا دیتی۔ اس کا تو مجازی خدا اس کا پیار اس کا اپنا نہیں رہا تھا۔ جو اپنا نام دے کر اسے حویلی لے کر آیا تھا۔ وہی اس سے منہ موڑے ہوئے تھا۔ تو کسی اور سے بھی شکوہ نہیں تھا۔ شام کو وہ پارک جاتی اور باقی سارا دن گھر میں اپنے الگ کمرے میں ہجر مناتی۔ راتیں عبادت میں گزارتی اور تنہائیاں محبوب شاہ کی یادوں میں...... مسرت کی یاد آتی اور آنسو بہہ نکلتے۔ ان سب میں کومل کہاں تھی کہیں بھی تو نہیں وہ تو اپنی ذات میں ہی نہیں تھی۔ شاید اپنا آپ کھو بیٹھی تھا۔ سائرہ اور بانو شاہ نے اس کے خلاف محاذ بنا لیا تھا۔ محبوب شاہ جب بھی حویلی فون کرتا بانو شاہ کا ایک ہی جواب سننے کو ملتا وہ گھر پر نہیں...... وہ سو رہی ہے فون پر ہی اس کے کان بھرے جاتے۔

محبوب سلطان تڑپ کر رہ جاتا تھا۔ اس کی حالت بھی کومل سے جدا نہیں تھی۔ وہ بانو شاہ اور سائرہ کی فطرت سے خوب واقف تھا۔ سو یقین نہ رکھتا کہ کومل اس سے اس قدر بے گانگی برت رہی تھی وہ الجھ کر رہ جاتا تھا۔

❑......♥......❑

اپنے کمرے کی کھڑکی پر کہنیاں ٹکائے وہ سوچوں کے بھنور میں الجھی تھی جب سلطان شاہ وہاں آ گئے ان کی آہٹ پر وہ چونکی اور دوپٹا درست کر کے نظریں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا!" سلطان شاہ کے لہجے میں وہی نرمی و شفقت تھی جوان کے لہجے میں محبوب شاہ کے لیے ہوتی تھی۔
"کیسی ہو بیٹا؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔
"ٹھیک ہوں۔" مختصر سا جواب دیا۔
"کچھ چاہیے تو نہیں میری بیٹی کو......؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔ کومل نے نفی میں سر ہلا دیا۔ انہیں اس معصوم بچی کا سب کچھ چھن جانے پر دل کرتا کہ وہ اسے دنیا کے ہر دکھ سے چھپالیں لیکن انہیں خبر نہیں تھی کہ کومل کو سب سے بڑا دکھ ان کا بیٹا ہی دے رہا ہے وہ انجان تھے اور کومل ان سے کسی بھی قسم کی کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتی تھی۔
"اچھا بیٹا...... کچھ بھی چاہیے ہو تو مانگ لینا تمہارا حق ہے یہ تم اکلوتی اور لاڈلی بہو ہو اس گھر کی۔ کوئی پریشانی ہو تو مجھ سے کہنا۔" سلطان شاہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور چلے گئے۔ ان کی اتنی محبت پر کومل کا دل بھر آیا تھا۔ وہ آنکھیں صاف کرکے نیچے آئی تھی اسے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی ہال میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے کہ فون بج اٹھا اور بجتا ہی چلا گیا۔ اک موہوم سی آس پر وہ ٹی وی بند کرکے فون تک آئی تھی۔
"ہیلو...... اتنی دیر ہوگئی کیا کرتی ہو سائرہ۔ کہا بھی تھا کہ میں گھر کے نمبر پر فون کررہا ہوں آکر جلدی اٹھالینا۔" کومل ٹھٹک کر رہ گئی۔ یہ محبوب سلطان تھا؟ اک شناسا سا احساس اپنا اپنا سا محبوب سلطان کومل کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔ وہ چوروں کی طرح سرگوشی کے سے انداز میں بول رہا تھا۔ مگر کیوں؟ آج پورے مہینے بعد وہ اس دشمن جان کی آواز سن رہی تھی۔ مگر یقین نہ کرپا رہی تھی۔ محبوب سلطان کا سائرہ کے ساتھ کیسا رابطہ ہے۔ کومل کا دل سوچ کر دکھی ہوگیا۔ محبوب شاہ نے کومل کو ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا اور اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد اس میں ہمت نہیں تھی۔
"اب بات تو کرو ایک تو تمہارے موبائل کی چارجنگ ہی ڈاؤن رہتی ہے۔ جب کال کرو موبائل آف۔" اس کی جھنجلائی آواز آئی۔
"ہیلو!" کسی شبہے کی تصدیق کے لیے اس نے ہولے سے پوچھا تھا شاید اسے پہچان کر دوسرے طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی۔ گویا محبوب سلطان نے فون کاٹ دیا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ دل برداشتہ ہوکر واپس پلٹی تو سیڑھیوں پر سائرہ کھڑی تھی۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے کومل پل بھر کے لیے رکی۔ سائرہ اسے دیکھ کر معنی خیزی سے ہنسی تھی۔
"ہوگیا شوق پورا وہ فون تمہارے لیے نہیں تھا۔" طنز سے کہا گیا۔ اس کا جملہ کومل کے دل کے پار ہوگیا۔ وہ بھاگتی ہوئی کمرے میں بند ہوکر ماتم منانے لگی۔ اپنے بے وفا پیار پر اور سائرہ جیت کی خوشی میں سرشار فون سیٹ تک آئی تھی اور نمبر ڈائل کرکے کسی سے بات کرنے لگی۔

☐......♥......☐

اس روز جب کومل فریاد سفید لباس میں ملبوس محبوب سلطان کے ساتھ اس حویلی میں داخل ہوئی تھی سائرہ کا دل چاہا تھا کہ وہ آج چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کرلے اپنے لٹ جانے کا ماتم منائے۔ ساری دنیا کو بتائے کہ محبوب سلطان اب اس کا نہیں رہا۔ وہ خوب روئی تھی۔ سائرہ دل سے صرف ایک مرد کو ہی چاہتی تھی۔ وہ جو اس کا منگیتر تھا۔ محبوب سلطان جسے سائرہ نے سچے دل سے چاہا تھا۔ اب اس کا نہیں رہا تھا۔ سائرہ کی زندگی میں کئی مرد تھے۔ وہ حسین تھی پہننا اوڑھنا جانتی تھی اس پر تو کوئی بھی لڑکا فدا ہوسکتا تھا اور اپنی بگڑی روش کے سبب صرف وقت گزاری کے لیے سائرہ نے کئی لڑکوں سے دوستی کررکھی تھی۔ اس کی اسی عادت کے سبب محبوب سلطان اسے ناپسند کرتا تھا۔ حالانکہ سائرہ کبھی بھی کسی لڑکے کے ساتھ سیریس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن محبوب سلطان ایک مہذب مشرقی مرد تھا۔ جس نے آج تک کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا اور وہ ایک باحیا مشرقی بیوی ہی چاہتا تھا جو کم از کم سائرہ ہرگز نہیں تھی اور کیسا عجیب اتفاق تھا سائرہ کا سب سے قریبی دوست فراز تھا۔ جس کے ساتھ مل کر ہی سائرہ نے یہ گھناؤنا کھیل رچایا تھا کہ کومل فریاد کے دل میں محبوب سلطان کے لیے بدگمانی جنم لے چکی تھی۔

☐......♥......☐

فراز نے کومل کی شادی کی خبر پاکر گھر میں خوب ہنگامہ

کیا تھا۔ تاہم افشاں نے بیٹے کے غصے کی وجہ سے اسے یہ بتانے سے گریز کیا تھا کہ رشتہ انہی لوگوں نے توڑا تھا اور کمال میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بیوی کی مخالفت کرتے۔ سو انہوں نے بھی خاموشی کا لبادہ اوڑھے رکھا۔ فراز آگ بگولا ہوا تھا۔

"تمہارے لیے لڑکیوں کی کمی ہے کیا؟ تمہیں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل جائے گی تو پھر تم کیوں اس بدکردار لڑکی کا روگ اپنے دل پر لے رہے ہو؟" افشاں نے اسے سمجھانے کی لاکھ کوشش کی ساتھ کومل کے لیے جھوٹی سچی باتیں بھی کیں لیکن وہ بھی کوئی ایسا نہیں تھا۔ جسے ایک بار سمجھاؤ تو وہ سمجھ جائے۔ وہ کومل کو پسند نہیں کرتا تھا ہاں کومل اس کی ضد ضرور تھی اور ضد کبھی پیار کے زمرے میں نہیں آتی فراز اس لیے پھڑپھڑا رہا تھا کہ کومل نے اسے چھوڑ کر مردانگی پر کھلم کھلا چوٹ کی تھی۔ جو فراز جیسے مرد کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ فراز زخم خوردگی کی اذیت سے گزر رہا تھا۔ کمرے کی تمام چیزیں ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ شراب کی کئی بوتلیں خالی ہو چکی تھیں۔ ایش ٹرے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھر چکی تھی۔ کمرے میں اندھیرا کیے وہ راکنگ چیئر پر جھول رہا تھا۔ آنکھیں خطرناک حد تک سرخ تھیں اور چہرے کے عضلات کھنچے ہوئے تھے۔ تبھی موبائل فون کی ٹون بجی تھی۔ نمبر دیکھ کر موبائل کان سے لگایا۔

"ہیلو؟"

"میں سائرہ۔" دوسری طرف وہ بھی کچھ ایسی حالت سے گزر رہی تھی۔ اس نے فراز کو ملنے کے لیے بلایا تھا۔ اور وہ پندرہ منٹ میں ریسٹورنٹ میں پہنچ چکا تھا۔ سائرہ اس کے سامنے چیئر پر بیٹھی تھی۔

"بولو......" اس نے پوچھا تو لبوں سے مسکراہٹ غائب تھی۔

"کیا بات ہے تم آج اتنے الجھے ہوئے کیوں ہو؟" سائرہ نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"تم اپنی بات کرو۔" فراز نے درشتگی سے کہا۔

"فراز مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" سائرہ کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"کیوں خیریت......؟"

"محبوب سلطان نے شادی کرلی ہے؟" اس نے بھیگے لہجے میں بتایا تھا۔

"اچھا کب۔" فراز نے حیرت سے پوچھا۔

"دو دن پہلے......" اس نے سرسری سا بتایا۔

"کس سے......؟" فراز سائرہ کی ذاتی زندگی کے بارے میں سب جانتا تھا۔ سائرہ اس کی قریبی دوست تھی۔ تو اسے سب کچھ بتایا تھا۔ اپنی پسند اور منگنی کے بارے میں بھی۔

"کومل فریاد نام ہے اس کا۔ اس کی ماں مرگئی تھی اور محبوب سلطان نے اس سے نکاح کرلیا۔" سائرہ نے زہریلے کاٹ دار لہجے میں بتایا۔ فراز چونک گیا۔

"کیا...... کومل......؟" وہ بڑبڑایا۔

"کیوں...... تم اسے جانتے ہو؟" سائرہ نے بھی چونک کر پوچھا۔

"تمہارے پاس کوئی تصویر وغیرہ ہے اس کی؟" فراز نے اپنے شک کی تصدیق کرنی چاہی۔

"ہاں میں لے کر آئی ہوں۔ اسی کام کے لیے تو آئی ہوں۔" سائرہ نے فوراً اپنے پرس سے کومل کی تصویریں نکال کر اسے دیں۔

"اوہ...... تو گویا میرا شک صحیح تھا۔" فراز زہریلے لہجے میں مسکرایا۔ سائرہ بدستور حیران اور ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ میری منگیتر تھی کومل فریاد۔" فراز نے تفصیل بتائی تو سائرہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"اتنا بڑا اتفاق۔" وہ واقعی حیران تھی۔

□......♥......□

سائرہ اور فراز نے مل کر منصوبہ بنایا اور منصوبے کے تحت محبوب شاہ اور کومل کے دل میں ایک دوسرے کے لیے بدگمانی پیدا کرنے کے لیے ان دونوں نے ایک گھٹیا چال چلی۔ سائرہ اور فراز جیسے لوگ جو ہمیشہ فتح حاصل کرنے کے عادی ہوتے ہیں اتنی آسانی سے اپنی شکست تسلیم نہیں

کرتے۔ رقابت کی آگ نے انہیں جھلسا کر رکھ دیا تھا اور انتقام ناگریز تھا۔ سائرہ اور محبوب شاہ کی تصاویر فراز ہی نے بنوا کر اسے دی تھیں اور وہ تصویریں کومل کو دکھا کر سائرہ نے اسے محبوب شاہ سے بدگمان کرنا چاہا تھا لیکن کومل کا پیار اتنا کمزور ہرگز نہیں تھا شک اسے نہیں ہوا تھا نہ ہی یقین آیا تھا۔ محبوب سلطان کے گریز اور بعد کے حالات نے سائرہ اور بانو شاہ کی چال بازیوں کو کامیاب کردیا تھا۔ کالز پر بانو شاہ اور سائرہ کا کومل کے خلاف اس کے کان بھرنا اگرچہ کچھ کام نہ آیا تھا مگر کومل کے دل میں بدگمانی ضرور پیدا کردی گئی تھی اور محبوب شاہ تو وضاحت جب کرتا جب کومل کے اندر پلتی بدگمانی کو پاجاتا یا پھر کومل اس سے باز پرس کرتی مگر اس کے اور محبوب سلطان کے فون پر رابطے کو وہ دونوں شاطر عورتیں ناممکن بنا چکی تھیں۔

□......♥......□

اس کی پاکستان کی فلائٹ تھی۔ سارے کام وہ نمٹا چکا تھا۔ صرف اس کے کپڑے وغیرہ رہ گئے تھے۔ سو وہ اپنی چیزیں پیک کررہا تھا۔ گھر والوں کے لیے تحائف بھی وہ لے چکا تھا۔ جس دن سے وہ آیا تھا کومل سے رابطہ نہ ہوسکا تھا۔ اس پر بانو شاہ اور سائرہ کی باتیں جن پر یقین نہیں کرپاتا تھا۔ کسی عورت کو پہچاننے میں وہ دھوکا نہیں کھاسکتا تھا۔ کومل فریاد پر ناصرف اس نے خود بلکہ اس کے دل نے بھی مہر لگائی تھی۔ وہ آزردہ تھا تو صرف اس کے گریز کے سبب۔ وہ جانتا تھا کہ وہ سچی ہے پاک ہے آئینے کی طرح صاف ہے اور سائرہ یا بانو شاہ نے اس سے جو کچھ کہا تھا وہ محض سازش تھی۔ جب سائرہ اس کو کومل کے بارے میں گھٹیا خبریں دیتی تو اس کا دل کٹ کر رہ جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ صرف اور صرف جھوٹ ہے۔ اس نے کومل کے لیے ایک بڑی خوب صورت سی رنگ خریدی تھی۔ وہ اپنے اور سائرہ کے رشتے کی اصلیت کو واضح کرکے اس کے دل کی ہر بدگمانی دور کردینا چاہتا تھا۔

□......♥......□

حویلی میں سبھی بہت خوش تھے۔ آج دو ماہ بعد حویلی کی رونق واپس آرہی تھی۔ کومل کا دل گھبرا رہا تھا۔ ان دو ماہ نے اس کے اور محبوب سلطان کے مابین کتنے فاصلے پیدا کردیے تھے اور اب اس کے لوٹنے پر جانے کیا فیصلہ ہوتا۔ سلطان شاہ کومل کی بے چینی و اضطراب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کومل کو ان دو ماہ میں اپنی بہو کے روپ میں مکمل طور پر قبول کرلیا تھا۔ وہیں بانو شاہ کی اس سے نفرت میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ سائرہ کی اپنی زندگی تھی اور وہ اس کی زندگی میں دخل نہ دیتے تھے۔

"شاہ جی آگئے۔" گلابو نے اطلاع دی تو کومل کا دل اچانک زور زور سے دھڑکنے لگا۔ سب باہر کی جانب لپکے تھے لیکن کومل میں جانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ وہیں کھڑی انگلیاں چٹخاتی رہی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"جی سب ٹھیک ہے۔" وہ جانے کس کی بات کا جواب دے رہا تھا۔ محبوب شاہ کی تر و تازہ آواز اس کے دل کو مزید رلا گئی۔ اس نے دیکھا۔ بلیک جینز اور بلیک شرٹ میں کھڑی ناک ذہانت سے بھرپور آنکھیں، گورا لالیاں بکھیرتا رنگ لیے اپنی آن بان شان سے وہ آرہا تھا۔ کومل نے اسے دیکھتی رہی۔ آج سے پہلے کومل نے ایسی تڑپ سے اسے نہیں دیکھا تھا۔ محبوب شاہ نے بھی اس تڑپ کو محسوس کرلیا تھا۔ اس کے لب مسکرائے تھے اور اسے بنا کچھ کہا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کومل یہ بے اعتنائی سہہ نہیں سکی تھی۔ وہ وہیں بیٹھ گئی۔ سلطان شاہ نے بھی ان دونوں کے رویے میں کچھ خاص محسوس کیا تھا۔ تبھی وہ کومل کی جانب چلے آئے۔ دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو جیسے اندر کے سارے دھارے پھوٹ بہے۔ وہ سلطان شاہ کے کندھے پر سر رکھ کر اپنا سارا دکھ انہیں سنا گئی تھی۔

□......♥......□

برے کام کا برا نتیجہ سائرہ نے کسی کا برا چاہا لیکن سارا خسارہ اس کے حصے میں آیا تھا۔ اس نے فراز کے پروپوز کرنے پر اس سے خفیہ نکاح کرلیا تھا۔ مگر وہ فراز تھا وفا اس کی فطرت میں نہ تھی۔ پھر فراز سائرہ کی اصلیت کو خوب جانتا تھا۔ اسے اپنا نام دینے سے قاصر تھا۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد اسے لندن جانے کا چانس مل گیا مگر جانے سے

پہلے اس نے سائرہ کو طلاق دے دی تھی۔ سائرہ جو اپنی دانست میں محبوب سلطان کو شکست دینا چاہتی تھی اب اپنی بکھری ذات کو سمیٹتی رہ گئی۔ وہ سب سے کٹ کر ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ کوئی بھی اس سے بات تک نہیں کرتا تھا۔ سب کے دلوں میں اس کے لیے نفرت بھر چکی تھی۔ سو وہ گاؤں لوٹ آئی۔ افشاں بھی اپنا بویا کاٹ رہی تھیں۔ جس بیٹے کی خاطر اتنا سب کیا وہی اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔ اگر وہ کومل کو بہو بنا لیتی تو وہ اس کے پاس تو رہتا لیکن اب وہ ان کے لاکھ رونے پر بھی انہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا اور وہ سوائے افسوس کے اور کچھ نہ کرسکتی تھیں۔

◻……♥……◻

سائرہ کی وجہ سے ولیمہ مزید لیٹ ہوگیا تھا۔ لیکن اب مزید تاخیر شاید سلطان شاہ کو منظور نہیں تھی۔ اسی لیے تو فوراً ولیمہ کی تقریب منعقد کروائی۔ گاؤں سے پورا خاندان آیا تھا۔ کومل دلہن کے روپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ جب اسے پھولوں سے سجے کمرے میں پہنچایا گیا تو محبوب شاہ کی آمد تک وہ اپنے رب کے حضور دعائیں مانگتی رہی تھی۔

"اے اللہ...... سب بہتر کرنا۔" سلطان شاہ نے محبوب کے سامنے اس کی تمام بدگمانیاں رکھ دی تھیں۔ جنہیں اب خود انہیں دور کرنا تھا۔

رات کے ایک بجے محبوب شاہ کمرے میں آیا تھا۔ اس کے لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی ہر طرف ملگجا سا اندھیرا تھا۔ سب اپنے کمروں میں محو خواب تھے۔ وہ دھیمے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا۔ ہولے سے دروازہ کھول کر اس نے پھولوں کی خوشبو دل میں اتاری۔ دروازہ لاک کر کے وہ بیڈ تک آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم!" خوش گوار لہجے میں سلام کیا۔ گھونگھٹ کے دوسری طرف کومل گنگ رہ گئی۔ "میں نے آپ پر سلامتی بھیجی ہے۔" محبوب شاہ کومل کی حالت جانتا تھا۔ تبھی دل ہی دل میں خوب لطف اٹھا رہا تھا۔ کومل نے حیران ہو کر گھونگھٹ اٹھانا چاہا۔

"ارے...... ارے یہ کیا کر رہی ہو؟" محبوب شاہ نے بوکھلانے کی ایکٹنگ کی۔ کومل نے گھبرا کر گھونگٹ چھوڑ دیا۔ محبوب شاہ کھل کر مسکرایا اور ہولے سے گھونگھٹ الٹ دیا۔ وہ انتہائی سج دھج سے تیار انتہائی حسین لگ رہی تھی۔ "دلہن نے اپنا گھونگھٹ آپ الٹا ہے؟" کچھ دیر اس کے ہوشربا حسن میں کھوئے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ کومل نہایت شدید ردعمل کی توقع کر رہی تھی اور یہ سب واقعی میں ایک معجزہ تھا۔ محبوب سلطان کا سابقہ انداز وہ تو خود کو غاصب سمجھنے لگی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو محبوب سلطان نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی۔

"کچھ نہ کہو میں تمہارے دل سے ہر بدگمانی دور کردوں گا۔ سائرہ کا کردار تمہارے سامنے ہے اور اتنا تو تم بھی جانتی ہو کہ محبوب سلطان کا معیار اتنا گھٹیا نہیں ہوسکتا۔ یہ سب سازش تھی، تمہیں مجھ سے دور کرنے کی۔" بدگمانی کے بادل چھٹ گئے تھے۔ اس کی ہر بات پر کومل کا دل ایمان لے آیا تھا۔ بانو شاہ کی شکست...... سائرہ کی بربادی محبوب شاہ مسکرایا تھا۔ کومل کی مخروطی انگلی میں ڈائمنڈ کی رنگ ڈال دی۔

"میں کسی اور کا ہوں ایسا سوچنا بھی مت......؟" کومل نے اس کے مضبوط کندھے پر مکوں کی بارش کردی تو محبوب شاہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"تمہارا گریز اور بدگمانی مجھے تم سے دور کردیتا اگر تم بابا کو سب کچھ نہ بتادیتیں یہ محبت ہمیشہ کے لیے ہجر کا لبادہ اوڑھ لیتی۔ تب میرا کتنا نقصان ہوتا۔ ذرا سوچو......" ندامت سے کومل کا سر جھک گیا۔ اس نے محبوب سلطان کی محبت سے اعتبار کھویا تھا۔ یہی اس کی خطا تھی۔ مگر اب ساری بدگمانی دور ہوگئی تھی۔

کھڑکی کے باہر چاند بھی مسکرا رہا تھا۔ کومل فریاد آج مکمل ہوگئی تھی۔ اسے اب زندگی سے کوئی گلہ شکوہ نہیں رہا تھا۔ کیونکہ محبوب سلطان شاہ اور اس کی محبت اس کے ساتھ تھی۔ وہ محبت جو ہجر کا لبادہ اوڑھنے سے پہلے اس کا نصیب بن گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر سر جھکا دیا۔

"ماشاءاللہ آپ کی اسکن کتنی خوب صورت ہے، اتنی ملائم اسکن تو میں نے آج تک کسی کی نہیں دیکھی۔" بیوٹی پارلر والی نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے میری تعریف کی۔

"آپ کی اسکن تو اتنی ملائم ہے کہ ہاتھ لگانے سے پگھل جائے، آپ کی سکن کی خوب صورتی ابھی ایسی ہے تو فیشل کرنے کے بعد سوچیں کتنی چمک اٹھے گی۔ فیشل کرائی ہیں آپ؟" اس نے میری بھنویں بنانے کے لیے دھاگہ نکالتے ہوئے میرے گال کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، بہت کم کسی شادی بیاہ پر۔" میں نے اپنی آنکھ بند کرتے اس پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھا مجھے یقین تھا آپ ایسا ہی کوئی جواب دیں گیں۔ تبھی تو اسکن اپنی چمک دمک کھوتی جارہی ہے۔ آپ کی جلد کی رنگت اور نکھار اتنا اچھا ہے کہ مستقل فیشل سے آپ دیکھیے گا کتنا فرق پڑے گا۔ آپ خود محسوس کریں گی۔ آخری بار فیشل کب کروایا تھا؟" اس کے ہاتھ بہت مہارت سے میری بھنوؤں پر چل رہے تھے۔

"کوئی سال ڈیڑھ سال پہلے کروایا تھا شائد کزن کی شادی تھی۔" میں نے دوسری آنکھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بتایا۔

"یہیں سے کروایا تھا؟" اس نے اگلا سوال کر دیا۔

"ارے نہیں یہاں تو ہم ابھی کچھ مہینے ہوئے ہیں شفٹ ہوئے۔" مجھے ایسا لگا جیسے باتوں میں اس نے میری بھنوؤں کو کتر دیا ہو۔

"اوہ! اچھا اب آپ یہاں سے کروائیں بہت عمدہ نئی فیشل پراڈکٹس منگوائی ہیں ہمارے پارلر نے باہر سے، جو بھی فیشل کروا کر گیا ہے، اس نے واضح نتائج دیکھے ہیں۔ یقین کریں آپ کی خوب صورت اسکن مزید نکھار دے گی اور آپ کی خوب صورتی میں مزید اضافہ ہوگا۔ اس نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت سے میری بھنوؤیں مکمل کرنے کے بعد مجھے آئینہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیں ہمارے پارلر کی فیشل ایکسپرٹ، جادو ہے ان کے ہاتھ میں، آپ دیکھیں گی تو دیکھتی رہ جائیں گی۔" ایک لڑکی پاس آ کر کھڑی ہوئی تو اس نے تعارف کرایا۔

"کتنے کا فیشل کرتے ہیں آپ لوگ؟" میں نے اپنی بھنوؤں سے مطمئن ہو کر آئینہ ایک بار پھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مختلف ریٹس ہیں میڈم ہمارے، سب سے سپر ڈیلکس فیشل ہمارا تین ہزار کا ہے، مگر آپ ہمارے ہاں پہلی بار آئی ہیں تو ہر پہلے آنے والے کو ہم خاص رعایت دیتے ہیں تو بہترین سلیبرٹی اسٹائل ینگر لوکنگ ڈیلکس فیشل ہم آپ کو صرف بارہ سو میں کر دیں گے۔ اتنے پیسوں میں آپ کو یہ والا فیشل پورے شہر میں کہیں نہیں ملے گا۔ نتائج دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گی۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے۔" اس نے پیشہ ورانہ مہارت سے جواب دیا۔

"اچھا کتنی دیر لگی گی؟" میں نے اپنے ہاتھ پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میڈم ہم آپ کو سپر فاسٹ سروس دیں گے اگر

آپ کو جلدی ہے تو، ورنہ آپ کل کی بکنگ کرواسکتی ہیں۔'' اس لڑکی کے لہجے میں حد درجہ احترام اور مٹھاس تھی۔ مجھے کوئی جلدی تو تھی نہیں، کھانا پکا ہی گھر سے نکلی تھی۔ بچوں کے اسکول سے آنے میں بھی دیر تھی تو سوچا آج خوب آرام کروں گی۔ آخر ہم خواتین دن رات کام کرتی ہیں ہمیں بھی تو آرام چاہیے اور بناؤ سنگھار ہمارا حق ہے۔

''نہیں آپ کردیں شروع فیشل مجھے کوئی جلدی نہیں۔'' میں نے اسی کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''میڈم آپ کو ہمارے فیشل روم میں آنا ہوگا ۔آپ پلیز اس کمرے میں تشریف لے آئیں۔'' اس لڑکی نے بہت عزت واحترام کے ساتھ مجھے روم میں بلایا۔ بہت خوب صورتی سے سجا روم تھا۔ نیم دراز فیشل کرسی پر مجھے بٹھایا گیا۔ ایسا پروٹوکول مل رہا تھا جیسے کسی شہزادی کو ملتا ہے۔

''واہ میڈم! آپ کے ہاتھ کتنے خوب صورت ہیں، آپ کی انگلیاں کتنی نازک باریک اور لمبی ہیں لگتا ہے آپ اپنے ہاتھوں کی بہت نگہداشت کرتی ہیں۔'' میرے کرسی پر بیٹھتے ہی ایک بیوٹیشن لڑکی نے میرے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''ارے نہیں کچھ نہیں کرتی ، ٹائم کہاں ملتا ہے۔'' میں نے کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''ارے میڈم آپ ابھی کچھ نہیں کرتی تو ہاتھ اتنے خوب صورت دکھ رہے ہیں، ہمارے مینی کیور اور پیڈیکیور کی سروس لیں گیں تو سوچیں مزید کتنے خوب صورت لگے گیں۔ ہر ایک دیکھے گا لازمی شرط ہے۔''

''جی بالکل بلکہ ہمارا دعویٰ ہے، ہماری ہاتھوں اور پیروں کی ریگولر سروس سے ہاتھ پاؤں چند مہینوں میں خوب صورت ہوجاتے ہیں، آپ کے تو ویسے بھی اتنے خوب صورت ہیں، اور پھر ہم خواتین چوبیس گھنٹے ہاتھوں سے کام کرتی ہیں، تو ہمارا تو سب سے زیادہ حق ہونا چاہیے ہاتھوں کی نگہداشت کرنے کا۔'' ساتھ کھڑی ایک دوسری لڑکی نے لقمہ دیا۔

''کتنے کی یہ سروس کرتے ہیں آپ، اور کتنا وقت لگے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''میڈم ہماری ماہرا ابھی شروع کردے گی، ساتھ ساتھ آپ کا فیشل ہوگا ساتھ ساتھ آپ کے ہاتھوں ،پیروں کی سروس بھی ہوجائے گی۔ آپ پہلی بار پارلر آئی ہیں تو آپ کے لیے صرف پندرہ سو میں خاص رعایت کے ساتھ کردیں گے۔'' اس لڑکی نے کسی دوسری لڑکی کو ہدایت دیتے ہوئے کچھ کہا۔ جس نے پھرتی سے عمل کیا اور میرے پیروں کو کسی چیز میں بھگو دیا۔ پھر ایک لڑکی میرے پیروں پر مساج کرنے لگی اور ایک میرے چہرے پر۔ مجھے بے حد سکون مل رہا تھا جیسے زمانے بھر کی تھکن دور ہورہی ہو۔

''میڈم آپ کا ماسک جب لگے گا تب ہم آپ

کے خوب صورت ہاتھوں کی سروس کریں گے ابھی، ہم آپ کو مکمل سکون سے فیشل کی سروس دیں گے۔'' ایک لڑکی نے میرے قریب ہوکر کہا۔ میرے چہرے پر مختلف کریمیں لگی تھیں لہذا صرف گردن ہلا کر اسے ٹھیک ہے کہا۔

''اوخدایا میڈم آپ کے بال تو میں نے دیکھے ہی نہیں آپ کے بال کتنے لمبے اور خوب صورت ہیں۔'' اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میرے بال شروع ہی سے لمبے، گھنے اور خوب صورت تھے۔ یہ تعارفی جملہ میں اپنے بالوں کے لیے اکثر ہی سنتی رہتی تھی۔

''شکریہ۔'' لڑکی کے ہاتھ اب میرے چہرے سے رک چکے تھے اس نے کوئی کریم لگا کر مجھے کچھ دیر ٹھہرنے کو کہا۔

''میڈم آج کل بہت خوب صورت دو رنگ کے بالوں کے اسٹریک چلے ہوئے ہیں، ہمارا پارلر اس سروس کے ساتھ بالوں کی چمک اور سلکی بڑھانے والے ٹریٹمنٹ مفت میں دے رہا ہے آج کل اسپیشل آفر چل رہی ہے۔'' فیشل کی ماہر لڑکی نے میرے چہرے پر سے اس کریم کو صاف کرتے ہوئے بتایا۔

''اچھا، اس سے کیا ہوتا ہے؟'' میں نے وقت گزاری کے لیے پوچھا۔

''میڈم یہ ٹریمنٹ بہت اسپیشل ٹریمنٹ ہے، ہماری پارلر کی میڈم نے باہر سے سیکھ کر ہم سب کو سکھایا ہے، ساری پراڈکٹس بھی باہر کی ہیں، صرف ایک بار بالوں کی یہ ٹریٹمنٹ لینے سے آپ کے خوب صورت بالوں میں مزید نکھار اور خوب صورتی شرط ہے، یہ دیکھیں ہمارے پارلر کی یہ بالوں کی سب سے تازہ ٹریٹمنٹس ہیں جو ہمارے پارلر نے کیں، پہلے اور بعد کی تصاویر۔ میں آپ فرق دیکھ سکتی ہیں۔'' اس نے ایک بڑا سا پوسٹر نما کارڈ اٹھا کر دکھایا جس میں چند تصاویر تھیں۔ واقعی فرق بہت واضح دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ کتنا عرصہ رہے گی؟'' میں نے تصاویر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میڈم! دیکھیں کوئی بھی چیز لافانی تو نہیں ہوتی نا، ہر انسان اپنے بالوں، جلد، ناخن، ہاتھ کو خوب صورت رکھنے کے لیے اس کی نگہداشت کرتا رہتا ہے، ہر مہینے آپ فیشل کروائیں تو آپ خود فرق محسوس کریں گی، کہ آپ کی خوب صورت جلد کتنی خوب صورت ہوگئی، اسی طرح بالوں کی یہ ٹریٹمنٹ بھی ہے، ہر ماہ تو ضرورت نہیں پڑے گی آپ کو مگر آپ ہر چھ ماہ بعد یہ ٹریٹمنٹ لیں گی تو آپ دیکھیں گی کہ آپ کے بالوں کی خوب صورتی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ آج کل ویسے بھی تعارفی آفر چل رہی ہے تو خاص رعایت سے ہم یہ ٹریٹمنٹ کر رہے ہیں ورنہ تو یہ بہت مہنگی ہوتی ہے۔''

''جی بالکل کوثر ٹھیک کہہ رہی ہیں، پانچ سے چھ ہزار اس کی فیس ہوتی ہے لیکن آج کل اسپیشل آفر کی وجہ سے یہ خوب صورت سروس صرف دو ہزار میں کر رہے ہیں۔ آپ دیکھئے گا کہ اس کے بعد آپ کے بال مزید خوب صورت ہوجائیں گے۔'' ساتھ کھڑی دوسری لڑکی نے لقمہ دیا۔

''کتنا ٹائم لگتا ہے اس میں؟'' میں نے اس کی تفصیل سننے کے بعد پوچھا۔

''میڈم آپ کا جب تک مینی کیور ہوگا تب تک آپ کے بالوں میں خوب صورت نکھار آجائے گا۔ میں بلاتی ہوں ہماری بالوں کی اس سروس کی ماہر کو تاکہ وہ آپ کے بالوں کو پرکھ کر آپ کو بہتر آگاہی دے سکے۔'' فیشل کرتی ہوئی لڑکی نے کہا اور ایک دوسری لڑکی کو بلانے کو کہا، دو سیکنڈ کے اندر وہ بالوں کی ماہر لڑکی میرے سر پر تھی۔ میرے چہرے کے مساج کو اس نے چند لمحوں کے لیے روک دیا۔

''ماشاءاللہ میڈم آپ کے بال تو بہت زیادہ خوب صورت ہیں، ان کو مزید خوب صورت کرنے کے لیے

جیسا کہ مائرہ نے آپ کو بتایا تو آپ اگر وہ ٹریٹمنٹ آج ہی لے لیں گی تو آپ کے بال بے حد خوب صورت ہو جائیں گے، بالوں میں ایک نئی زندگی، تازگی، چمک پیدا ہو جائے گی۔"

"اچھا اس سے بال گرنے تو نہیں لگیں گے؟" میں نے کچھ تذبذب سے پوچھا۔

"نہیں میڈم سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ تو آپ جیسے خوب صورت بالوں کی مزید خوب صورتی کو برقرار رکھتا ہے۔ آپ مطمئن نہ ہوئیں تو بے شک آپ ادائیگی نہیں کریئے گا۔"

"آپ کی ماشاءاللہ جلد اتنی خوب صورت ہے اور جلد کی رنگت بھی اتنی خوب صورت ہے تو اس سے ملتا ہوا جو آپ کی خوب صورت رنگت سے میچ کرے وہ اسٹریک دیں گے، یہ آپ چارٹ دیکھ لیں، یہ رنگ دوسرے والے اس رنگ کے ساتھ مل کر آپ میں بہت خوب صورت بدلاؤ لائے گا۔"

"جی بالکل یہ آپ دیکھ سکتی ہیں اس تصویر میں یہ آپ کے بالوں پر لگنے کے بعد ایسا دکھے گا۔" ایک دوسری لڑکی نے پہلی لڑکی کی تائید کرتے ہوئے ایک تصویر میرے سامنے کی، کافی اچھی تصویر تھی۔

"ٹھیک ہے۔ آ......"

"چلو ثروت میڈم کے بالوں کی ٹریٹمنٹ تیار کرو جلدی سے۔" فیشل والی لڑکی اب میرا فیشل مکمل کر کے ماسک لگا چکی تھی۔ اس نے ماسک لگاتے ہوئے ہدائت کی۔ ہدائت پر فوراً ہی عمل ہوا اور اب کوئی لڑکی میرے بالوں کو کچھ کر رہی تھی۔

"بہت خوب صورت بال ہیں۔" لڑکی نے بالوں کے بل نکالتے ہوئے تعریف کی۔

"مجھے تو میڈم کے ہاتھوں پر پیار آ رہا ہے اتنے خوب صورت ہاتھ کم ہی دیکھے ہیں میں نے۔" میرے ہاتھوں کا مساج کرتی ہوئی لڑکی نے کہا۔

"میڈم اس کے ساتھ آپ ہلکا سا ٹرم بھی لے لیں مکمل چینج محسوس کریں گی آپ، ٹرم کی آپ کے خوب صورت بالوں کو بہت ضرورت ہے، دیکھیں نہ کتنے خشک اور بے ترتیب ہو گئے ہیں۔" میرے بالوں کے ساتھ کھیلتی لڑکی نے مزید کہا۔

"اچھا.......لیکن......"

"میڈم! دو شاخہ ہو چکے ہیں آپ کے بہت سے بال، سال میں دو تین بار ایک خوب صورت ٹرم تو بہت ضروری ہوتا ہے، لگتا ہے آپ نے بہت عرصے سے نہیں کروایا، چلیں میں بلاتی ہوں نزہت کو وہ بہت ہلکا ٹرم دے گی کہ آپ کے بالوں میں ایک اسٹائل سا آجائے گا۔ چلو نزہت پہلے ان کا ٹرم کر دو پھر بالوں پر ڈائی لگانا۔" میرے کچھ کہنے سے پہلے اس لڑکی نے کہا۔ میرے چہرے پر ماسک لگا ہوا تھا اور میرے ہاتھوں پیروں پر مساج ہو رہا تھا۔ ہاتھوں پیروں کا مساج ایسا سکون دے رہا تھا کہ مزہ آگیا تھا، بلاشبہ لڑکیاں بہت محنت سے کام کر رہی تھیں، ہلکی ہلکی موسیقی چل رہی تھی، مدہم روشنی والے کمرے میں مجھے اپنا آپ کسی شہزادی جیسا لگ رہا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ کافی عرصہ بعد میں آج خود کو بہت ریلکس محسوس کر رہی تھی۔ کام بس کام اپنا آپ تو ہم عورتیں بھول ہی جاتیں ہیں، بس گھر، بچے، میاں اپنی ذات کی ہم اتنی پرواہ ہی نہیں کرتے، آج کسی نے اپنی پرواہ کرنے کا بھی احساس دلایا تو اچھا لگا۔ میرے بال کٹنا شروع ہو چکے تھے۔

"چھوٹے مت کریئے گا بال، مجھے اور میرے شوہر کو لمبے بال ہی پسند ہیں۔" میں نے بال کاٹتی لڑکی کو بتایا۔

"بے فکر رہیں میڈم بالوں کی لمبائی بھی کم نہیں ہوگی اور ایک خوب صورت سا اسٹائل بھی ملے گا آپ کو۔" لڑکی نے کاروباری مہارت سے جواب دیا۔

"میڈم اب آپ اپنے خوب صورت ہاتھ دیکھ اور محسوس کر سکتی ہیں دیکھیں، کتنے خوب صورت ہو گئے ہیں، ملائم، نرم، چمک دار۔" میں نے اپنی آنکھوں سے کھیرا اتارتے ہوئے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو دیکھا اس میں کوئی شک نہیں، ہاتھ پاؤں میں ایک نمایاں نکھار اور ملائمت آچکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میرے چہرے سے فیشل کرنے والی لڑکی نے ماسک اتارا۔

"دیکھیں میڈم اپنی خوب صورت جلد اور نکھار، آپ کا خوب صورت چہرہ مزید خوب صورت لگ رہا ہے۔" اس نے میری کرسی کو گھما کر آئینے کی طرف میرا رخ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنی جلد کو چھوا بے حد ملائم اور نرم محسوس ہو رہی تھی۔ چہرہ دیکھ کر ایسا لگا جیسے پتا نہیں کتنے عرصہ بعد کی کالک، چکنائی اور زنگ اتر گیا ہو۔ نتائج واقعی بہت تسلی بخش تھے۔

"میڈم آپ کی جلد اتنی ہی خوب صورت اور نکھری نکھری رہے گی آپ ہمارا ماہانہ فیشل کرائیں گی تو، ہم اپنے ریگولر کلائنٹس کو خاص رعائت دیتے ہیں۔"

"جی بالکل یہ ہمارا سالانہ پاس بھی ہے اگر آپ اس کی ممبر بننا چاہیں تو اس کارڈ سے ہمارے ممبرز کو مزید ڈسکاؤنٹ ملتے ہیں۔ یہ کارڈ بالکل مفت ہے اس کی کوئی فیس نہیں بس آپ کو اپنے نام کا اندراج کرانا ہوگا اور بس۔" ایک دوسری لڑکی نے مزید اضافہ کیا۔ "اچھا دیں کارڈ۔"

"یہ لیں میڈم آپ کے خوب صورت بالوں کی ٹریٹمنٹ بس مکمل ہونے کو ہے، بس آدھا گھنٹے بعد آپ کو اچھا سا شیمپو کریں گے، بلو ڈرائی اور بس آپ کے خوب صورت بال مزید خوب صورت۔" وہ لڑکی میرا سالانہ کارڈ بنا کر لے آئی وہ اپنے پارلر کے بارے میں کچھ بتاتی رہی، کچھ نئی سروسز کے بارے میں، دوسری لڑکی جھٹ پٹ میرے بالوں کا کام ختم کر رہی تھی۔ مجھے شیمپو دیا بال خشک کیئے۔

"یہ دیکھیں میڈم آپ اپنے خوب صورت بال کتنی چمک کتنی ملائمت آچکی ہے اور رنگ دیکھیں، کتنا

خوب صورت لگ رہا ہے۔'' لڑکی نے میری کرسی کو آئینہ کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

''واہ میڈم آپ کتنی خوب صورت لگ رہی ہیں آپ تو بالکل بدل گئی ہیں۔'' میرا فیشل کرنے والی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے جی کھول کر تعریف کی۔ میں نے آئینہ دیکھا واقعی بہت بدلی ہوئی بہت مختلف اور بہت اچھا لگا مجھے اپنا آپ۔ بالوں میں واقعی نمایاں چمک آچکی تھی۔ چہرے کی جلد خوب چمک رہی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں ملائم، نرم اور صاف ستھرے چمکتے سے لگ رہے تھے اور سب سے بڑھ کر ہاتھوں پیروں سے لگتا تھا برسوں کی تھکن دور ہو چکی ہے۔ میں نے اپنے آپ کو آئینہ میں ایک بار پھر دیکھا۔

''واہ میڈم آپ کا چہرہ اور بال کتنے خوب صورت ہو گئے ہیں۔ پہلے بھی خوب صورت تھے مگر اب تو مزید خوب صورت لگ رہے ہیں۔'' میرے ہاتھوں پاؤں کا مساج کرنے والی لڑکی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ میں نے آئینہ میں خود کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس کی بات سے اتفاق کیا۔ بہت عرصہ بعد مجھے واقعی اپنا آپ خوب صورت لگا۔

''میڈم! یہ آپ کا بل' اصل میں یہ آپ کا پہلا چکر تھا ہمارے پارلر میں تو خصوصی رعایت پر اور کچھ سروسز پر اسپیشل آفر تھی تو آپ کا بل تو بہت کم بنا ہے۔'' لڑکی نے بل دیکھنے کے بعد میرے کسی بھی متوقع ردعمل کو دماغ میں رکھتے ہوئے بہت ماہرانہ پیشہ ورانہ تجارتی انداز اپناتے ہوئے بل میرے ہاتھ میں پکڑایا۔

''بارہ سو فیشل، پندرہ سو مینی کیور، پیڈی کیور، دو ہزار بالوں کی ٹریٹمنٹ، دو سو پچاس ٹرم بلو ڈارئی، پچاس روپے آئی برو۔

ٹوٹل پانچ ہزار روپے' خصوصی رعایت۔

بچت چھ ہزار روپے۔ اگلے فیشل پر پانچ فیصد رعایت۔''

یہ سب بل پر لکھا تھا جو میں نے پڑھتے ہوئے ساتھ کھڑی بیوٹیشن لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ تھی۔ میں نے بل کو ایک بار پھر دیکھا سب سے آخر میں پچاس روپے آئی برو لکھے تھے جبکہ میں صرف وہی بنوانے آئی تھی۔ میں نے آئینہ میں اپنا بدلا ہوا خوب صورت نکھار دیکھا۔ ان کے بنے کاؤنٹر پر رقم کی ادائیگی کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ کتنی خوب صورتی سے ان لوگوں نے مجھے بے وقوف بنایا۔ خوب صورت خوب صورت سن سن کر مجھے آج اپنا آپ اتنا خوب صورت نا ہوتے ہوئے بھی بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے اپنے پرس میں رقم نکالتے ہوئے ان سب پیشہ ورانہ اپنے اپنے کام میں ماہر بیوٹیشن لڑکیوں کی طرف دیکھا جو بلاشبہ بہت محنتی تھیں، مگر ساتھ ساتھ اپنے کاروباری انداز کی بھی ماہر جو مجھ جیسی سادہ سی خاتون کو بہت خوب صورتی سے بنا گئیں جو آئی تو صرف پچاس روپے کی بھنویں بنوانے تھی، مگر ان کو پانچ ہزار کا فائدہ دے کر جا رہی تھی۔

''واہ میڈم آپ کی جلد کتنی خوب صورت ہے اسے تو ہر ماہ فیشل کی ضرورت ہے مزید خوب صورت نکھار کے لیے۔''

میں نے ان کے پارلر سے نکلتے ہوئے اپنے عقب سے آتی آواز پر پیچھے مڑ کر مسکراتے ہوئے ان کے اگلے شکار کو دیکھا جسے ایک لڑکی وہی کچھ کہہ رہی تھی جو مجھے کہہ کر خوب صورتی سے بے وقوف بنایا گیا تھا۔

قسط نمبر 17

دل کے دریچے

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

موحل کی بات نبیل کو ماضی میں دھکیل دیتی ہے جہاں شرمیلا کی محبت سے نگاہیں چرانا اس کے لیے بے حد مشکل ہوتا ہے جب ہی وہ موحل کو نظر انداز کرتا تنہائی میں کچھ وقت گزارتا ہے اسی دوران موحل اپنے پیسوں کی بدولت نبیل کی جاسوسی پر مامور ملازم سے بہت سے راز اگلوا لیتی ہے اور نبیل اور شرمیلا کی محبت کے بارے میں جان کر دنگ رہ جاتی ہے نبیل کی واپسی پر وہ صاف صاف بات کرتے نبیل کو حیرت میں ڈال دیتی ہے جب ہی نبیل شرمیلا سے اپنی دوستی کا اقرار کر لیتا ہے مگر موحل دوستی کے رشتے کو مان لینے پر تیار نہیں ہوتی ایسے میں نبیل کو اپنی زندگی مشکلات میں گھری نظر آتی ہے۔ شرمیلا نبیل کی بے وفائی سے سنبھل نہیں پاتی اور شدید بخار میں مبتلا ہو جاتی ہے ایسے میں صائمہ شرمیلا کا بہت خیال رکھتی ہے شرمیلا کو بھی اس دھوکے کے بعد صائمہ کی تمام باتیں سچ لگتی ہیں جب ہی وہ اس سے معذرت کرتے نبیل کی اصلیت بتا دیتی ہے صائمہ کو اس کی حالت دیکھ کر بے حد افسوس ہوتا ہے جب ہی وہ نبیل کی محبت میں اسے خود کو برباد کرنے سے روکتی ہے شرمیلا بھی صائمہ کے کہنے پر نبیل کی محبت کو دل سے نکال باہر کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے تاکہ جب بھی نبیل سے اس کی ملاقات ہو تو اسے پہلی والی شرمیلا نظر آئے جسے اس کی محبت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ فائز ماں کے پلان پر ششدر رہ جاتا ہے اسے یہی لگتا ہے کہ سفینہ بھی اس بات کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوگی کہ اس کی عزت کو داغ دار کرتے محبت کو اپنایا جائے مگر سائرہ بیگم ریحانہ کو جھکانے کی خاطر اسی پلان پر عمل کرنا چاہتی ہیں ایسے میں فائز اپنی محبت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کرتا ہے اسے سفینہ کی عزت اپنی محبت پر مقدم لگتی ہے اسی لیے وہ ماں کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ عشو بوا کی تمام چالیں ناکام ہو جاتی ہیں اسریٰ بھابھی کو نہ صرف معذرت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے بلکہ اپنے ساتھ سفینہ کے گھر جانے پر بھی راضی کر لیتی ہیں انہیں لگتا ہے کہ سفینہ ہی روشنی کو سدھارنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ ریحانہ بہزاد خان کی زبانی خان ہاؤس کو بیچنے کی بات سن کر خوش ہو جاتی ہیں وہیں فائز کی شادی کی خبر انہیں حیرت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جب ہی فائز کی شادی کا تذکرہ وہ سفینہ کے سامنے کرتی ہیں اس اطلاع پر سفینہ ششدر رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆☆☆......☆☆☆

سرد موسم سے بے نیاز سرخ و سیاہ کاٹن کے لباس میں ملبوس وہ لان کی جانب نکل آئی۔ گھنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹنے کے بعد اس کے نرم سنہری ہاتھ گلاب کی ٹہنیوں کی کاٹ چھانٹ میں مصروف ہو گئے اور ذہن مسلسل فائز کو سوچنے لگا۔ وہ اچانک جیسے اس کی دنیا سے کہیں دور چلا گیا تھا، نہ فون اٹھا رہا تھا نہ ملنے آیا، ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس کی طرف سے کیے گئے درجنوں ٹیکسٹ کا ایک بھی جواب نہیں دیا۔ ان دونوں کے بیچ ہمیشہ سے ایک روحانی رشتہ قائم تھا جانے کیوں وہ اچانک کمزور پڑنے لگا تھا۔ سفینہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جا رہا تھا۔ وہ ایک بار بات کر کے اس افواہ کی تصدیق چاہتی تھی جو اڑتی ہوئی خان ہاؤس تک پہنچ گئی۔ اسے یقین تھا کہ تائی اماں نے فائز کی شادی کی جھوٹی خبر کسی

مصلحت کے تحت دی ہوگی...... ورنہ وہ تو اسے بہو بنانے کے لیے بے قرار ہوئی جارہی تھیں، فائز نے تو اسے یہی بتایا تھا، مگر اب اس کے یوں غائب ہوجانے پر سفینہ کو گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ اگر اس کا بس چلتا تو اڑتی ہوئی تائی اماں کے میکے پہنچ جاتی مگر جگ ہنسائی کے ڈر سے خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے رکھے۔ ان دنوں وہ ہر چیز سے اکتائی ہوئی رہنے لگی تھی، ہوا کے جھونکے نے شرارت کی تو اس کے بالوں کی لٹیں گالوں کو چوم بیٹھی، چڑ کر انہیں کانوں کے پیچھے اڑسا اور کام میں لگ گئی۔ سبز شاخ پر لگے زرد پتے کو کاٹتے ہوئے، اس کی نگاہیں سرخ چمک دار پھولوں پر جم گئیں۔ ماضی کی پرچھائیوں نے اس کے ذہن کے گوشوں کو جگمگایا۔ سفینہ نے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، سفید بادلوں پر تیرتی ہوئی وہ سنہری یاد اس کی نگاہوں میں پھر گئی تھی۔

''سفی بوجھو میں تمہارے لیے کیا لیا ہوں۔'' فائز ہاتھ پشت کی جانب کیے اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''کیا ہے؟'' اسے تجسس نے گھیرا۔

''تم بتاؤ کیا ہوسکتا ہے؟'' وہ بڑی دلکشی سے مسکرایا۔

''گلاب کے پھول......'' سفینہ نے تیکھی ناک سکیڑی اور فضاء میں پھیلی مہک سے راز پالیا۔

''اوہ تمہیں کیسے پتا چلا؟'' اس نے چونک کر سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''خوشبو...... آپ اپنا تعارف بن جاتی ہے۔'' وہ اٹھلائی۔

''اف یہ شاعرانہ انداز۔'' وہ شرارتی انداز میں اس کی چھوٹی سی ناک چھو کر بولا تھا۔

''محسوس کریں ہوا کتنی معطر ہوگئی ہے۔'' سفینہ نے جوابی طور پر اس کے بال بکھیرتے ہوئے زبان چڑائی۔

''ہاں جی۔'' اس نے ایک ہاتھ تالی مارنے کے انداز میں سفینہ کے آگے بڑھایا مگر اس نے بے نیازی سے نظر انداز کردیا۔

''اس خوشی میں آپ کو ملتا ہے یہ انعام۔'' فائز نے دوسرا ہاتھ آگے کیا جس میں بہت سارے پھول تھے ان میں سے ایک چمک دار سرخ گلاب نکال کر اسے جھک کر پیش کیا۔

''واؤ۔'' گلاب تھامتے ہوئے سفینہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''یہ لو دوسرا اور اب پکڑتی جاؤ۔'' وہ تھوڑا نزدیک ہوا اور آنکھوں میں جھانک کر پیار بھرے انداز میں بولا۔

''یہ سب کیا ہے بھئی؟'' پھولوں کو تھامتے ہوئے اس کی سنہری آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی تھی۔

''تم بھی کیا یاد کروگی کس سخی سے پالا پڑا ہے۔'' وہ ایک اور پھول اسے احتیاط سے تھماتے ہوئے اس کی شرارتی آنکھیں چمکیں۔

''اف فائز...... بس کریں؟'' انیسواں گلاب کا پھول تھامنے کے بعد وہ چلا اٹھی۔

''جان...... بس یہ لو آخری ہے۔'' اس نے بیسواں گلاب پیش کیا۔

''شکریہ مگر اس عنایت کی وجہ؟'' سفینہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا ٹھنک کر پوچھا۔

''آں کچھ نہیں...... سوچا تجدید وفا کرلوں۔'' فائز نے جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر جھکتے ہوئے بڑے گہرے انداز میں کہا تھا۔

''ارے یہ تو......'' سفینہ نے بیسویں پھول کو ہاتھوں سے چھو کر بغور دیکھا وہ مصنوعی نکلا۔

''ہاں یہ فیک پھول ہے۔'' اس نے تائید کی۔

''مگر ایسا کیوں؟'' وہ پرتجسس انداز میں دیکھنے لگی۔

"سفی میری زندگی یاد رکھنا میں آخری پھول کے مرجھانے تک تم سے پیار کرتا رہوں گا۔" فائز نے شرارتی انداز میں نقلی پھول کو چھوتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"اوہ فائز......" چاہت جتانے کا یہ انوکھا انداز اسے لاجواب کر گیا۔ وہ جانتی تھی کہ آخری والا پھول نقلی ہے، کبھی نہیں مرجھائے گا۔

"یعنی ہماری محبت کو فنا نہیں۔" اس نے جانتے بوجھتے تصدیق چاہی۔

"جی سفی۔" وہ ہمیشہ کی طرح بڑی چاہت سے ہاتھ تھام کر بولا تو اس کے نرم گلابی ہونٹوں پر پیاری سی مسکان دوڑ گئی تھی۔

"آوچ۔" انگلی میں اترتی کانٹے کی چبھن اسے ماضی کی خوشگوار یادوں سے حال کے اندھیروں میں واپس لے آئی۔

کتنے سہانے دن تھے فائز نت نئے طریقوں سے اسے اپنے پیار کا یقین دلانے کی کوششوں میں ہلکان رہتا مگر اب تو سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا اس کے لیے زندگی کا جیسے کوئی مطلب نہیں رہا۔ وہ ایک عجیب کشمکش کا شکار تھی۔

"گر محبت نامکمل رہ جاتی تو ہماری ذات کی تکمیل کیسے ہو پاتی...... یہ تو عمر بھر کا آزار بن جاتی...... فائز جو لمن کی شہنائیاں، بجاتا پھر رہا تھا اچانک اتنا خاموش کیسے ہو گیا؟" وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

نبیل کے وحشی دل کو یہ ادراک ایک بار پھر سے ہونے لگا کہ شرمیلا کی چاہت تو اس کے خون میں رواں دواں ہے۔ وہ سسر کا خوف، باپ کا غصہ ماں کی منتیں اور بیوی کی دھمکیاں بھول بھال اس سے ملنے کی چاہ میں مبتلا ہو گیا۔ اپنے جذبوں سے ہار کر اور سارا کام دھندا چھوڑ کر اس سے ملنے کے اسباب میں جت گیا۔ ابھی پندرہ دن قبل ہی تو واپس شہر لوٹا تھا۔ مومل نے کتنی شرطوں اور وعدے وعید کے بعد اسے واپس آنے کی اجازت دی تھی۔

اسے یاد تھا کہ جس دن وہ لوٹ رہا تھا، مومل بڑی بے چین سی پورے گھر میں گھوم رہی تھی، اسے نظر انداز کیے بلاوجہ کے کاموں میں الجھی ناراض ناراض سی بہت حسین لگ رہی تھی۔ نبیل کو اس کی حالت پر ترس آ ہی گیا، کمرے میں جاتے ہوئے اشارے سے بلایا، وہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔

"ادھر آؤ......" نبیل نے اس کی کلائی تھام کر اپنی جانب کھینچا، وہ بدک کر دور ہوئی۔

"میں بلا رہا ہوں نا۔" اس کے معنی خیز انداز پر وہ لاج سے خود میں سمٹ گئی تھی۔

"جی کیا بات ہے؟" جھجکتی ہوئی بیڈ پہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟" گرم نظروں کی تپش سے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ وہاں جا کر بدل تو نہیں جائیں گے......؟" وہ بے خودی سے دیوانہ وار اس کی طرف تکے جا رہی تھی۔

"اگر بدل گیا تو؟" اس کا قہقہہ گونجا۔

"بدل کر تو دیکھیں۔" شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری بلا سے۔ میں وہاں کچھ بھی کروں۔ تم تو بس گھر کے کاموں میں مصروف رہو۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا۔

"کچھ الٹا سیدھا کر کے تو دیکھیں جان سے مار ڈالوں گی......" مومل کے اندر کی ضد بیدار ہوئی۔

"تو مار ڈالو نا۔" نبیل نے ہنستے ہوئے اس کے گھنے بالوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا تو اس کے دھڑکتے دل کو سکون ملا۔

مومل خود بھی شہر میں شفٹ ہونا چاہ رہی تھی مگر ایک تو نبیل کی اماں اتنی جلدی حویلی سونا کرنے کے موڈ میں نہیں تھی اسی لیے بڑے پیار و مان سے نئی دلہن کو چند مہینوں کے لیے گاؤں میں رکنے کی فرمائش کی تھی۔ دوسرا مومل کی ماں کافی عرصے سے بیمار تھی۔ وہ ہر دوسرے دن دوڑی دوڑی ماں کو دیکھنے پہنچ جاتی۔ شہر جا کر یہ کام آسان نہیں رہتا، اسی لیے فی الحال حویلی

میں ہی رکنے کا فیصلہ کیا تھا مگر جاتے جاتے اسے یہ دھمکی ضرور دے دی کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ شہر جا کر اسے کھلی چھوٹ مل جائے گی۔ بیوی کی ایک آنکھ گاؤں میں تو ایک آنکھ نبیل پر شہر میں نگاہ رکھے گی۔ وہ اندر ہی اندر گھبرایا اور مسکراتے ہوئے اس سے اجازت طلب کی۔

☆☆☆......☆☆☆

''آپ لوگ خان ہاؤس بیچ رہے ہیں۔'' سفینہ نے باپ کے قریب پہنچ کر قدرے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں...... لیکن تمہیں کس نے بتایا؟'' فائل بند کرتے ہوئے بیٹی کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔

''امی نے آس پڑوس والوں سے کہا ہے کہ اس گھر کے لیے کوئی اچھا گاہک ملے تو یہاں بھیج دیں۔'' سفینہ کے لہجے میں شکایت ہی شکایت تھی۔

''ایک تو ان عورتوں کی عقل بھی گھٹنوں میں ہوتی ہے، ابھی ارادہ باندھا نہیں کہ پورے شہر میں ڈھنڈورا پیٹ ڈالا۔'' وہ بری طرح سے چڑے۔

''ابو...... دادا ابا کی نشانی کیوں بیچی جارہی ہے؟'' وہ اسی سوال سے گھبرا رہے تھے، جو اُن کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ہاں بیٹا مگر مجبوری ایسی آن پڑی ہے کہ......'' ایک سرد آہ ہونٹوں سے نکلی۔

''ایسی بھی کیا مجبوری؟'' اسے پتا تو تھا پھر بھی باپ کے منہ سے سننا چاہا۔

''کتنے بڑے خاندان میں تمہاری شادی ہونے جارہی ہے اس کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔'' وہ سر جھکا کر مجرموں کی طرح بولے۔

''اوہ...... یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟'' شکوہ ہونٹوں پر مچلا۔

''مجھے لگا کہ تمہیں یہ سب سن کر دکھ پہنچے گا۔'' وہ تھکے ہارے انداز میں گویا ہوئے۔

''ابو اب جتنی تکلیف ہورہی ہے اس سے تو کم ہوتی۔'' لہجہ نم ہوا تھا۔

''ان باتوں کو چھوڑ دو بیٹا۔''

''ابو...... ایک بات یاد رکھیے گا اگر خان ہاؤس بکا تو میں شادی سے انکار کردوں گی۔''

''پلیز سفی ایسی باتیں نہ کرو۔ تمہیں اپنے باپ پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟''

''بات بھروسے کی نہیں...... میں اپنے والدین کو بے گھر کر کے اپنی نئی دنیا کیسے آباد کرسکتی ہوں؟'' وہ اس بات کو لے کر پریشان تھی اس نے کہہ دی۔ وہ چپ سے رہ گئے۔

''امید ہے کہ آپ امی کو بھی سمجھا دیں گے......'' سفینہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور باپ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''انہیں سمجھا بھی لوں تب بھی خان ہاؤس کو بیچنا ہی پڑے گا۔'' انداز میں مجبوری در آئی۔

''وہ کیوں؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''تمہاری تائی اماں نے حصہ مانگ لیا ہے۔''

''کیا اب ہمارے بیچ فاصلے اتنے بڑھ گئے ہیں...... دادا ابا کی جائیداد کا بٹوارا کرنا پڑے گا۔'' سفینہ نے حیرت و دکھ سے پوچھا۔

''بھائی جان کے بیمار پڑتے ہی سب کچھ ختم ہوگیا۔'' وہ ایک دم رنجیدہ ہوگئے۔

''میں اس بارے میں فائزہ سے بات کروں گی۔'' اس نے باپ کی صورت دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کیا،

خود اسے بھی اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
گھر بکنے کے ذکر پر اس کا دل پہلے ہی عجیب سا ہو رہا تھا، اس پر تائی اماں کی فرمائش سن کر مزید رنج و غم طاری ہو گیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

فائز نے اذیت سے گھنے بالوں کو مٹھی میں جکڑا اور ڈیش بورڈ میں چھپے سیل فون کی رنگ ٹون پر سے توجہ ہٹائی۔ وہ اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے اداسی سر پہ سوار تھی، اس کے اندر بین کرتی، کرلاتی پھر رہی تھی اور وہ لاپروا بنا اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ موسم بے تحاشہ سرد تھا، ہلکی ہلکی بونداباندی شروع ہو گئی تھی۔ اسے تو اب کسی چیز کی پروا ہی نہیں رہی تھی، ہر چیز سے بے نیاز بنا سوئیٹر، جیکٹ پہنے خالی شرٹ میں ایسے ہی گھومتا رہتا آفس سے نکلا تو جینز کی پاکٹ میں رکھا فون بجنے لگا۔ گاڑی میں بیٹھ کر فون نکالا۔

"میرے خوابوں کے دریچوں کو سجانے والی، میری زندگی کی بہار خزاں کی نذر کرنے پر معاف کر دینا۔" سیل فون پر چمکتا سفینہ کا نام دیکھ کر وہ دکھ بھرے انداز میں بڑبڑایا۔

"میں تم کو کیسے سمجھاؤں کہ ہمارے ملن میں تمہاری تباہی چھپی ہے۔" فائز نے سرد آہ بھری اور فون اٹھا کر ڈیش بورڈ کھول کر سیل فون اس میں رکھ دیا۔

"ہماری محبت کی قسمت میں سیاہ راتیں لکھی جا چکی ہیں میں چاہ کر بھی اس کو صبح کے اجالے سے نہیں بدل سکتا۔" فون کی آواز سے لاشعوری طور پر اونچا بولتے ہوئے اس نے غائبانہ طور پر سفینہ کو مخاطب کیا۔ فون بج بج کر خاموش ہو گیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

کافی دیر سے نبیل اپنے گھر کے سامنے والی سیاہ تارکول کی سڑک پر ٹہلتے ہوئے بے چینی سے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا، دھوئیں کے مرغولوں میں اسے روتی، ہنستی اور کبھی غصہ دکھاتی، شرمیلا کی شبیہ دکھائی دے جاتی۔ وہ اس کو یاد کرتے کرتے تھک گیا تو نامراد سا وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔ کیسی عجیب بات تھی، جب وہ گاؤں میں تھا تو موبل کا حسن اسے بے دست و پا کیے رکھتا مگر یہاں پہنچتے ہی پھر سے شرمیلا کا جنون سر چڑھ کر ناچنے لگا۔ شاید اس کی متلون مزاجی اسے کسی ایک کا ہونے سے روکتی...... وہ پچھلے کئی دنوں سے شرمیلا سے رابطہ کی کوششوں میں لگا رہا لیکن ملنے کی کوئی صورت نکل نہیں پائی۔ ہمیشہ اس سے تعلق جوڑے رکھنے کے لیے سب سے آسان ذریعہ سیل فون ہی بنا مگر شرمیلا نے شاید اپنی سم ہی بدل ڈالی تھی۔ اسی لیے یہ رابطہ بھی ختم ہو گیا تھا۔

"نیا نمبر حاصل کرے تو کیسے؟" یہ سوال بار بار پریشان کرتا۔

کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو وہ اس کی گلی کے کئی چکر لگا آیا پر اتفاق سے ان دونوں کا ٹاکرا نہ ہو سکا۔ پھر اسے کوچنگ کا خیال آیا تو وہ ایک دن سینٹر پہنچ گیا اور وہ کچھ لڑکیوں کے جھرمٹ میں سینٹر سے باہر نکلتی دکھائی دے گئی، پیاسی آنکھوں کے ساتھ ساتھ من بھی سیراب ہوا۔ جانے اس لڑکی میں ایسا کیا تھا جو نبیل اتنی خوب صورت اور ہم پلہ بیوی پانے کے باوجود اسے بھول نہیں پا رہا تھا۔ گھر والوں کا دباؤ اپنی جگہ، بیوی کی ناراضی اور غصہ ایک طرف یہاں تک کہ خود شرمیلا کی بے رخی بھی مل کر اس کی یادوں پر بند نہیں باندھ سکی۔ نبیل جس وقت گاؤں سے نکلا تو فراٹے بھرتی جیپ کے گھومتے پہیے کے ساتھ کئی بار، بس یہ ہی عہد دہرایا کہ اب اسے بھول جائے گا، پلٹ کر شکل بھی نہیں دیکھے گا اور اپنی ازدواجی زندگی کو کسی نئی مشکل میں نہیں ڈالے گا مگر اس شہر کی معطر فضاؤں میں جیسے ہی قدم رکھا، جہاں ان کی محبت نے پورے دو سال سانس لی تھی، دل شرمیلا کی یادوں کے شکنجے میں کسنا شروع ہو گیا، لاکھ بہلایا، ذہن کو بٹایا، مگر وہ حالت ہو گئی کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔"

☆☆☆......☆☆☆

"اب سفینہ کو حقیقت کو مان لینا چاہیے۔" ریحانہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"ہماری بچی سے اب کیا قصور ہو گیا ہے؟" بہزاد نے ٹی وی پر سے نگاہ ہٹا کر برابر بیٹھی بیوی کو دیکھا۔

"ماشاء اللہ اب وہ بڑی ہو گئی ہے۔ کل کو اس کی شادی بھی ہونی ہے۔" سر پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ بولیں۔

"اصل بات بتائیں گی بھی یا نہیں؟"

"اب نہیں سمجھے گی تو کب سمجھے گی۔"

"آپ عورتوں کی عقل کو سلام پیش کرنے کا دل چاہتا ہے، اتنی لمبی تمہید توبہ......توبہ۔"

"بھئی سیدھی سی بات ہے، اسریٰ بہن کا فون آیا تھا آنے کی اجازت مانگ رہی تھیں۔"

"اچھا تو بلا لیتی۔"

"وہ ہی تو میں اسی شام ہی بلا لیتی مگر سامنے بیٹھی آپ کی لاڈلی نے صاف انکار کر دیا۔"

"اوہ یہ تو غلط بات ہوئی۔"

"یہ لڑکی اب بھی بھابی سے اگر کسی نیکی کی امید لگائے بیٹھی ہے تو اس کی بھول ہے، وہ مر کر بھی اسے اپنی بہو بنانے والی نہیں۔" وہ پر جوش انداز میں ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولیں۔

"چلیں فکر نہ کریں میں خود اس سے بات کروں گا تم......" بہزاد نے بیوی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"فکر کیسے نہ کروں۔ اسے سمجھانا ضروری ہے ابھی تو میں نے ان سے سفینہ کی طبیعت خرابی کا بہانہ بنا لیا مگر ایسا کب تک چلے گا۔"

"اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں کہ اب دو خاندانوں کے بیچ آئی دراڑ کو بھرنا ممکن نہیں۔"

"پلیز اسے سمجھائیں میری باتوں کا تو ذرا اثر نہیں ہوتا مگر مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی باتیں سمجھے گی۔"

"ہوں میں اسے سمجھاؤں گا۔" انہوں نے ریحانہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

☆☆☆......☆☆☆

اس نے خیالات کے ہجوم سے چھٹکارا پانے کے لیے گاڑی میں لگا ریڈیو آن کیا تو مشہور آر جے اپنے بھاری بھرکم اور پر اثر لہجے میں برسات کی مناسبت سے خالد معین صاحب کی غزل سنا رہا تھا۔ وہ ان لفظوں کے تانے بانے میں کھو سا گیا، اس کی زندگی سے کس قدر مماثلت تھی۔

رقص کیا، کبھی شور مچایا، پہلی پہلی بارش میں
میں تھا میرا پاگل پن تھا، پہلی پہلی بارش میں،
ایک اکیلا میں ہی گھر میں خوف زدہ سا بیٹھا تھا
ورنہ شہر تو بھیگ رہا تھا، پہلی پہلی بارش میں
آنے والے سبز دنوں کی سب شادابی اس سے ہے
آنکھوں نے جو منظر دیکھا، پہلی پہلی بارش میں

فائز کو شاعری سے کچھ خاص شغف نہ تھا مگر سفینہ اسے چڑانے کے لیے اپنی ڈائری سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر دل گداز شاعری نکالتی اور بڑے سر میں گنگنا کر زبردستی بٹھا کر سناتی۔ وہ بھی شرارت میں سر دھنتا رہتا۔ جانے کیسے یہ غزل سنتے سنتے آنکھ بھر آئی۔ اگلے موڑ تک جاتے جاتے رم جھم پھوار نے تیز موسلادھار بارش کا روپ دھار لیا تھا۔ کھلی کھڑکی سے پانی

کی بوندیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں۔ آنکھوں سے نکلنے والے آنسو کا بھرم رہ گیا۔ وہ مرد تھا، رونا نہیں چاہتا تھا، اس لیے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔
سوندھی مٹی کی خوشبو کے ساتھ ہر شے جل تھل ہو گئی تھی۔ اس نے اپنا دھیان بٹانا چاہا اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ برسات میں تیزی آئی تو فائز نے پہلے شیشے بند کیے پھر ونڈ شیلڈ وائپر کا بٹن آن کر دیا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے چند لمحوں کے لیے گاڑی سائیڈ میں لگائی۔ سامنے ہی ایک خوش باش جوڑا ہنستا مسکراتا برستی بارش سے بے پروا باتیں کرتا چلا جا رہا تھا، محبت ان کے چہروں پر پڑھی جا سکتی تھی۔ فائز نے کچھ دیر حسرت سے دیکھا پھر یاد کا پنچھی اسے اپنے ساتھ ساتھ ماضی میں لے اڑا۔

☆☆☆......☆☆☆

"تمہارے ایگزام کب تک ختم ہو جائیں گے۔" اسریٰ نے روشنی سے پوچھا جو پتہ نہیں خلا میں کیا ڈھونڈ رہی تھی۔
"ہوں کیا؟" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔
"کیا سوچ رہی ہو۔" کاندھا ہلایا۔
"کچھ نہیں آپ کیا کہہ رہی تھیں؟" وہ اب انہیں تکنے لگی۔
"بھئی...... میں نے ایگزامز کا پوچھا ہے؟" اسریٰ نے بھانجی کے ماتھے پر بکھرے بال سمیٹے۔
"وہ نیکسٹ منتھ ہیں۔" روشنی نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔
"بس پھر تو ٹھیک ہے، ہم دو مہینے بعد کی ڈیٹ فکس کر لیتے ہیں۔" اسریٰ نے کچھ حساب کتاب کرنے کے بعد سر ہلایا۔
"کون سی ڈیٹ...... خالہ جانی؟" روشنی نے مسکرا کر پوچھا۔
"تمہارے بھائی کی شادی کی تاریخ۔" اسریٰ نے یاد دلایا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔ لاؤنج میں بیٹھے آفاق کی ہنسی نکل گئی۔ چونکہ آج چھٹی کا دن تھا لہٰذا وہ بھی وہاں موجود تھا۔
"اتنی جلدی نہیں۔" وہ ایک دم تنک کر بولی، رات ہی کو تو عشو اماں نے بھابی کے حوالے سے اس کا کافی برین واش کیا تھا۔
"کیوں بھئی تمہیں اب کیا اعتراض ہے؟" اسریٰ نے ماتھا پیٹتے ہوئے پوچھا۔
"وہ...... ابھی تو میں بہت ساری تیاری کروں گا۔" روشنی نے گھبرا کر ہاتھ ملتے ہوئے بہانہ بنایا تو آفاق نے بہن کو گھورا۔
"اے لو میں نے تو فون پر سفینہ کی امی کو واضح طور پر بتا دیا ہے کہ ہمیں شادی کی جلدی ہے اور ہم بس شادی کی تاریخ رکھنے آئیں گے۔" اسریٰ نے امداد طلب نگاہوں سے بھانجے کو دیکھا۔
"ہاں تو کیا ہوا سال چھ مہینے بعد کی کوئی ڈیٹ دے دیں۔" اس نے عشو اماں کے الفاظ دہرائے تو آفاق کو گڑبڑ کا احساس ہوا۔

☆☆☆......☆☆☆

کن من برستی بوندیں ہمیشہ ہی اس کا دل لبھاتی تھی، خان ہاؤس کی چھت پر سفینہ کے ساتھ بارش میں چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے بھیگنا، اس کو بہت بھاتا تھا۔ سفینہ کے گھنے بالوں سے ٹپکتی پانی کی بوندوں کو جھاڑ کر مٹھی میں جکڑنا اور پھر اس کی سنہری آنکھوں میں جھانک کر پھیلتی حیا کی لالی کو انجوائے کرنا ایسی ہی بارشوں میں بہانے بہانے سے اسے لے کر لمبی ڈرائیو پر نکل جانا اور پھر سفینہ کی فرمائش پر آئس کریم کھلانا یا میٹھا پان کھانا۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی کتنی

رومانیت چھپی ہوئی تھی، اس بات کا احساس اسے اب ہو رہا تھا۔ جب اسے اپنی زندگی سے دور کر دیا تھا۔
برستی بارش میں ڈھل کر سب کچھ نکھر گیا تھا مگر اس کے اندر کے دکھ ویسے کے ویسے ہی بوسیدہ رہے۔ احتیاط سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ تنہا سفینہ کی یادوں میں دھیرے دھیرے سلگنے لگا۔ بر کھارت کے ساتھ ہی دل شدت سے اُس کے ساتھ کا تمنائی ہوا جس کی محبت کو ٹھکرا کر وہ خود اپنے وجود کی نفی کرنے چلا تھا ونڈ اسکرین سے جھانکتے بارش کے قطرے اسے اذیتوں کا شکار کر رہے تھے۔ پچھلے کئی دنوں سے اس نے سفینہ کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ وہ مسلسل اس سے رابطہ کی کوششوں میں مصروف رہی مگر اس نے ایک بار بھی فون نہیں اٹھایا، نہ ہی کسی میسج کا کوئی جواب دیا اور ضد میں آ کر جب وہ لگاتار کال کرتی رہتی تو تھک ہار کر موبائل سوئچ آف کر دیتا۔ یہ سب کرنے کے لیے فائز کو خود سے کتنا لڑنا پڑا، کتنے عذاب سہنے پڑے اس سے بہتر کون جان سکتا تھا۔ اسے ادراک تھا کہ سفینہ کے بغیر سانس لینا بھی مشکل ہوگا پھر بھی وہ اپنی زندگی کا اتنا سخت فیصلہ کرنے چلا تھا صرف سفینہ کی خاطر اس کی حرمت، عزت کی حفاظت کے لیے جوان دونوں کی محبت پر فوقیت رکھتی تھی مگر وہ جانتا تھا کہ سفینہ اپنے جذبوں میں کتنی کھری ہے۔ اتنے آرام سے پیچھے ہٹنے والی نہیں۔ اسے کوئی گہری چوٹ، کوئی ٹھوس وجہ ہی رکنے پر مجبور کر سکتی ہے مگر ایسا کیا کروں؟ وہ سوچتے سوچتے گھر پہنچ گیا، گاڑی پارک کرتے ہوئے اس کی نگاہ شرمیلا پر پڑی جو بھیگتی ہوئی کہیں سے واپس آئی تھی اور اب دروازے کے پاس رک کر چہرے سے ٹپکتے پانی کو دوپٹے سے پونچھ رہی تھی۔ دل میں جھماکا سا ہوا اور وہ کچھ طے کر بیٹھا۔

☆☆☆......☆☆☆

”یا اللہ میں یہ ادھوری خوشی کیسے سنبھالوں؟“ دلشاد بانو نے روتی آنکھوں سے ہنستے ہوئے اپنے ساتھ کھڑی بیٹی سے کہا۔
”اماں......ایسی کون سی خزانے کی کنجی مل گئی جو روتے ہوئے ہنس بھی رہی ہو۔“ سائرہ نے ماں کو چھیڑا۔
”بیٹا......تیرے بھائی کے یہاں کتنے سالوں بعد بیٹا ہوا ہے۔“ وہ جوش و خروش سے بولیں۔
”ہائے......سچ اماں شکیل کے یہاں بیٹا ہوا ہے، یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے۔“ سائرہ نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔
”بس بیٹا میرا تو دل پوتے کو دیکھنے کو ہمک رہا ہے مگر بد قسمتی دیکھ وہ اتنی دور ہے کہ جا بھی نہیں سکتی۔“ دلشاد بانو ایک دم منہ دوپٹے میں چھپا کر رونے لگیں۔
”واقعی اماں پردیس جانے والوں کے ساتھ یہ ہی تو مصیبت ہے اپنی خوشی غم اکیلے ہی مناتے ہیں۔“ سائرہ نے ماں کو گلے لگا کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔
”کیا کہوں میری اولاد ہی ناخلف ہے ورنہ وہ پچھلی گلی والی عارفہ کا بیٹا جو باہر ہے دو دفعہ اپنی ماں کو بلوا چکا ہے۔“ دلشاد بانو کے زخم ہرے ہونے لگے۔
”شکیل کا خون تو سسرال والوں کی روٹی کھاتے کھاتے سفید ہو گیا ہے۔“ سائرہ کو بھی بھائی سے بہت گلے تھے، جلے دل کے پھپھولے پھوڑ ڈالے۔
”ہاں بھئی آج کے دور میں تو ماں سے پیارے ڈالرز ہیں۔“ دلشاد بانو نے افسردگی سے کہا۔
”آپ فکر نہ کریں فائز آ جائے تو ویڈیو کال پر آپ کے پوتے کی شکل دکھاتی ہوں۔“ سائرہ نے سر ہلاتے ہوئے ماں کی تسلی کرائی۔

☆☆☆......☆☆☆

”کیوں بھئی......کیا آپ کی شادی ہونے جا رہی ہے؟“ آفاق نے چھیڑتے ہوئے ماحول کو خوشگوار بنایا۔

"بھائی......!" روشنی نے آفاق پر آنکھیں نکالیں وہ گھبرانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اسریٰ بیگم کے پیچھے چھپ گیا۔
"ہاں تو پھر آپ کو شادی کی تیاری کے لیے سال چھ مہینہ کیوں چاہیے؟" اس نے گھورا۔
"وہ اصل میں......" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔
"اپنے بھائی پر کچھ رحم فرمائو۔" اس نے جان بوجھ کر چھیڑا۔
"چلیں کچھ سوچتا ہوں۔" وہ بھی ماحول دیکھ کر شرارتی ہوئی۔
"اس سوچنے کے لیے میں اپنی بہن کو شاپنگ کے لیے رشوت دے سکتا ہوں۔" وہ بھی مسکرا کر بہن کو لالچ دینے لگا۔
"شکر ہے......اس نے معاملہ سلجھادیا۔" اسریٰ نے آفاق کو دیکھ کر طمانیت سے سوچا۔
"اچھا......اچھا تو پھر جلدی کریں میرا اکاؤنٹ نمبر تو یاد ہے نا......" وہ جوش وخروش میں بولتی ہوئی عشو بوا کی ہدایات بھول بھال گئی۔ آفاق نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔
"خالہ جانی......ہمیں تو وہاں جانا تھا۔" روشنی نے کچھ دیر بعد سرسری انداز میں کریدا۔
"وہاں کہاں؟" وہ اسی کے انداز میں بولیں۔
"سفینہ جی کے یہاں۔" بہن کے پوچھنے پر آفاق کی ساری حسیں بیدار ہوئیں۔
"ہاں مجھے جانا تو تھا مگر مسز بہزاد کو کال کی تو انہوں نے اگلے ہفتے آنے کی دعوت دی ہے۔" اسریٰ بولیں۔
"وہ کس لیے؟" آفاق کے بے ساختہ پوچھنے پر ان دونوں کی شرارتی نظریں اس پر جم گئیں۔
"اصل میں سفینہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اسریٰ کے بتانے پر آفاق کے چہرے پر فکرمندی چھا گئی۔
"ویسے تم چاہو تو عیادت کے لیے خان ہاؤس جاسکتے ہو۔" اسریٰ نے بھانجے کو اجازت دیتے ہوئے محبت سے کہا۔
"میں ان کے یہاں؟" آفاق کے دل میں ہلچل مچی، معصومیت سے پوچھا۔
"ہاں بھئی کیوں نہیں۔" اسریٰ نے حوصلہ افزا نگاہوں سے دیکھا۔
"وہ لوگ مائنڈ تو نہیں کریں گے۔" آفاق ان معاملوں میں بڑا اناڑی تھا گھبرا کر پوچھا۔
"کرنا تو نہیں چاہیے۔" وہ لمحہ بھر رک کر سوچتے ہوئے بولیں۔
"اتنا حق تو رکھتے ہو ویسے بھی چند دنوں بعد تو تم ان کے اسپیشل داماد بن جاؤ گے۔" اسریٰ نے ہنستے ہوئے بھانجے کی کمر پر دھموکا رسید کیا تو کمرے میں داخل ہوتی عائشہ بیگم کا چہرہ تاریک ہوگیا۔

☆☆☆......☆☆☆

"السلام علیکم......؟" بھاری بھرکم خوب صورت مردانہ آواز پر اس کے باہر کی جانب بڑھتے قدم وہیں پڑ گئے۔
"وعلیکم السلام۔" اسے لگا گویا ایک خواب کی سی کیفیت میں ہو آستین کا کف موڑتا ہوا فائز بہت ہی اسمارٹ لگ رہا تھا۔
"کہیں جارہی ہیں۔" اس نے یوں کہا جیسے دونوں کے بیچ بہت پرانی دوستی ہو۔ وہ ابھی ابھی دفتر سے لوٹا تو دروازے پر مڈبھیڑ ہوئی تھی۔
"جی......ذرا مارکیٹ جارہی ہوں۔" وہ مسکرائی۔
"اچھا چلیں میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔" اس کے آفر کرنے پر شرمیلا حیرت زدہ رہ گئی۔
"کیا ہوا نہیں جانا؟" وہ گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے سوال کر بیٹھا۔
"نہیں......نہیں آپ ابھی تو تھکے ہارے آئے ہیں۔ زحمت نہ کریں میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" وہ بڑی فکرمندی سے بولی تو فائز مسکرادیا۔

''اچھا شرمیلا ایک بات پوچھوں؟'' فائز تھوڑا قریب ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھنے لگا۔
''جی......'' جانے کس جذبے کے تحت اس کے گالوں پر سرخی چھا گئی، دل دھڑکنے لگا۔
''کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟'' اس نے اپنا بھاری بھرکم مردانہ ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔
''مگر آپ تو لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتے۔'' اسے گزری بات یاد آئی تو جتاتے ہوئے کہا۔
''ہاں...... اب میں بہت سارے وہ کام کرنے کا سوچ رہا ہوں جو پہلے نہیں کیے۔'' بڑے معنی خیز لہجہ میں جواب دیا۔
''تو پھر کیا ارادے ہیں؟'' خاموشی کو توڑتے ہوئے اس نے پوچھا۔
''کس بارے میں؟'' وہ کھوئے کھوئے انداز سے دیکھتے ہوئے بولی۔
''دوستی کے بارے میں۔'' فائز نے اپنا ہاتھ ایک بار پھر بڑھایا۔
''ڈن۔'' شرمیلا نے بناء کسی جھجک کے نرم گلابی ہتھیلی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

☆☆☆......☆☆☆

سفینہ نے اپنا سیل فون نکالا اور ایک بار پھر فائز کا نمبر ملایا۔ صد شکر کہ اس بار بیل جا رہی تھی۔ اس کی دھڑکنوں میں تیزی آ گئی ورنہ کئی دنوں سے فون مسلسل بند جا رہا تھا۔ کافی دیر تک بیل جاتی رہی اچانک فائز نے فون پک کیا۔
''ہیلو فائز......'' سفینہ کی بھیگی بھیگی آواز اس کے اندر تک اذیت بن کر ابھری۔
''ہونہہ......'' دھیرے سے جواب دیا۔
''فائز...... آپ کہاں ہیں؟'' بات کرتے ہوئے اس کے منہ سے سسکی نکلی۔
''سفینہ میں ان دنوں کچھ مصروف ہوں۔'' اس نے روکھے انداز میں بہانہ بنایا اور شدتِ ضبط سے لب بھینچ کر رہ گیا۔
''کیا تائی اماں جو کہہ رہی ہیں وہ سچ ہے؟'' اس نے دکھی انداز میں سوال کیا۔
''ممی نے کیا کہا ہے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں پتا۔'' وہ بے رخی سے بولا۔
''وہ...... وہ...... کہہ رہی ہیں کہ......'' سفینہ کے منہ سے آواز کی جگہ ہچکی نکل گئی، وہ بری طرح سے رو دی۔
''اب میں فون رکھوں۔'' فائز کی ہمت جواب دے گئی جی کڑا کر کے بولا۔
''پلیز...... ایک بار مجھ سے مل لیں۔'' وہ اس بار بے بس ہو کر التجا کر بیٹھی۔
''ابھی یہ مشکل ہوگا آفس میں لیٹ سٹنگ چل رہی ہے۔'' اس نے ویسے ہی کہہ دیا مگر اندر سے تڑپ کر رہ گیا۔
''تھوڑی دیر کو آجائیں۔'' سفینہ نے التجا کی۔
''سوری سفینہ مگر میں جب بھی خان ہاؤس آتا ہوں، چاچی کا رویہ بہت خراب ہوتا ہے، اب مزید انسلٹ برداشت نہیں کر سکتا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں ایک اور بہانہ بنایا۔
''اچھا ایک کام کریں آپ پارک آجائیں۔'' وہ بے بسی سے بولی۔
''سفینہ میری جان اس طرح سے نہ رو۔ کہیں میرا دل پھٹ نہ جائے۔'' فائز نے دل ہی دل میں کہا مگر زبان سے اظہار نہ کیا۔
''تو پھر آپ آئیں گے نا مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' سفینہ نے اس کے چپ رہ جانے پر تصدیق چاہی۔
''نہیں سفی اب ہم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ ہمارا ساتھ ممکن نہیں رہا ملنے ملانے سے اذیت ہی بڑھے گی۔'' فائز سیل فون دوسرے کان سے لگائے سوچ میں پڑ گیا کہ وہ یہ بات کیسے بتائے۔

☆☆☆......☆☆☆

نبیل شرمیلا کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا لیکن جانے کیوں وہ اتنی ضدی ہورہی تھی کہ اس کی نہاں میں بدل ہی نہیں رہی تھی۔ وہ اب یہ تعلق دوبارہ استوار کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی۔ اسے تو خبر بھی نہیں تھی کہ وہ کیسی کیسی مشکلیں مول کر اس سے ملنے کو چنگ آتا مگر وہ اسے دیکھ کر راستہ بدل لیتی۔ پکارنے پر منہ پھیر لیتی یا جھڑک دیتی۔ نبیل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح سے منائے۔

''پلیز شرمیلا ایک بار صرف ایک بار میری بات سن لو۔'' نبیل نے ایک بار پھر اس کے پیچھا آتے ہوئے گھمبیر لہجے میں پکارا۔ وہ بیوی کے جاسوسوں سے بچنے کے لیے اپنے دوست کی گاڑی لے کر دفتر کے ایمرجنسی دروازے سے نکلا تھا اور جلد از جلد واپس جانا چاہتا خطرہ تھا کہ کہیں راز افشاں نہ ہوجائے مگر یہ لڑکی سن کر نہیں دے رہی تھی۔

''آپ کون؟'' اس نے بھی اجنبی بنتے ہوئے مڑ کر پوچھا۔

''تم میرے ساتھ اس طرح سے نہیں کرسکتی......'' وہ حیرت زدہ رہ گیا آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

''دیکھیں میں روز روز کے تماشے سے تھک گئی ہوں۔'' شرمیلا نے سڑک کے سنسان ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چلا کر کہا۔

''ایک بار اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سچ کہنا کیا تم واقعی میں مجھے نہیں جانتی......'' وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

''بالکل نہیں جانتی۔'' اس کی فراخ پیشانی پر بکھرے بالوں، سوجی آنکھوں، لمبی ناک اور وجیہہ سراپا بھی اثر انداز نہ ہوا، بڑی ڈھٹائی سے بولی۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' وہ آگے بڑھا اور کلائی تھام لی۔

''پلیز ز......'' اس نے سختی سے ہاتھ چھڑایا اور روکھے لہجے میں بولی۔

''چلو میرے ساتھ مجھے تم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔'' اس کے اندر کا مرد بیدار ہوا، شرمیلا کو زبردستی اپنی گاڑی کی طرف گھسیٹا۔ وہ چاہتی تو شور مچا کر الٹا اس کا تماشہ بنا سکتی تھی مگر پھر اس نے سوچا کہ ایک بار بات صاف کر لینی چاہیے اسی میں ان دونوں کی بھلائی ہے۔ اسی لیے خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔ اس نے سینہ تان کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

☆☆☆......☆☆☆

''ہیلو...... ہیلو فائز......'' سفینہ کو لگا کہ سلسلہ کلام منقطع کردیا گیا ہے گھبرا کر چلائی۔

''ہاں بولو۔'' اس نے خاموشی توڑی۔

''آپ آئیں گے نا......'' آواز میں ایک آس ایک امید تھی۔

''اتنی دیر سے کیا سمجھا رہا ہوں...... نہیں آسکتا آئی سمجھ۔'' اب وہ بلاوجہ مشتعل ہوکر اس پہ برس اٹھا۔ ان کے بیچ آنے والی ہجر و جدائی کی کالی طویل رات ہی فائز کو حد سے زیادہ زچ کیے دے رہی تھی اس پر سفینہ کے آنسو وہ لاشعوری طور پر اتنا مشتعل ہوگیا۔

''فائز......'' اس کے یوں طیش میں آنے پہ سفینہ ایک پل کو خائف ہوئی، سنہری آنکھیں ڈبڈبائیں، ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

''اوکے...... آپ نہ آئیں مگر میں ہر شام اس پارک میں جاکر آپ کا انتظار کروں گی، جب تک آپ مجھ سے مل نہ لیں۔'' وہ جانے کیوں اتنی ضدی ہورہی تھی۔ ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہتے ہوئے اس نے بے دردی سے لائن کاٹ دی۔

''پاگل لڑکی۔'' دکھ کے ساتھ یک دم پیار امڈ آیا۔

''اس تعلق کو ختم کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ اب عملی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔'' سوچتے بیٹھا تو فائز جلال کے دل و دماغ

میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"میں سفینہ کی محبت کو اپنی زندگی کی کتاب کا گزشتہ باب سمجھ کر بند کردوں گا۔" بے بسی سے اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے۔ اس نے سیل فون دیوار پر مار کر اپنے اندر کی فرسٹریشن نکالنے کی کوشش کی۔

☆☆☆......☆☆☆

"میں تم سے فوری طور پر شادی کرنا چاہتا ہوں۔" نبیل نے کیفے کے گرم ماحول میں اس کے سامنے ٹیبل پر بیٹھتے ہی ہاتھ تھام کر بے قراری سے کہا۔

"کیا...... آر یو میڈ؟" وہ پہلے تو سمجھی نہیں پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنستے ہوئے رک رک کر بولی۔

"اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے؟" نبیل نے دو جوس آرڈر کرنے کے بعد اس کی جانب دیکھا۔

"وہ کیا کہتے ہیں کہ ابھی آپ کی پہلی شادی کی مہندی چھوٹی نہیں اور دوسری رچانے کے چکر میں ہیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے شیشے کی ٹیبل پر اپنا بیگ رکھا۔

"شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ۔" اسے یہ بات بہت بری لگی ایک دم چلایا۔

"او کے سچ سہنا واقعی بہت مشکل ہے، لیکن سچ تو یہی ہے۔" شرمیلا نے کاندھے اچکاتے ہوئے سر ہلایا۔

"تم شاید بھول گئی ہو کہ میں نے گاؤں جاتے ہوئے کہا تھا کہ واپس آ کر تم سے نکاح کروں گا۔" اس نے گزری بات یاد دلائی۔

"مگر میں کسی شادی شدہ مرد سے نکاح کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔" وہ اب گن گن کے بدلہ لینے کو بے تاب تھی، لاپروائی سے بولی۔

"شرمیلا ایک بات یاد رکھنا اگر تم میری نہ بنی تو میں...... میں......" وہ کچھ بولتے بولتے خود پر قابو پا گیا۔

"یہ بات تو آپ کو مول سے شادی کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔" ایک جلن سی وجود میں پھیلی۔

"اوہ...... تم تو میرے حوالے سے کافی باخبر ہو۔" اس کے لہجے کی کمزوری بھانپتے ہوئے مسکرایا، وہ خاموشی سے گھونٹ گھونٹ اورنج جوس حلق سے اتارنے لگی۔

"ویسے خبر بھی ان ہی کی رکھی جاتی ہے جن سے دل کا رشتہ ہو۔" وہ مزید پھیلا اور اس کے نازک ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھا۔

"مجھے اب چلنا چاہیے۔" شرمیلا نے ہاتھ چھڑا کر اٹھنے میں عافیت جانی۔

"ایک منٹ پلیز سنو کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتی۔" مدھ بھرا لہجہ، محبت لٹاتی آنکھیں۔ وہ سر جھٹک کر جانے کو بڑھی۔

"نبیل مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا ہے کبھی؟" اس نے مڑ کر ایک دم سنجیدگی سے جواب دیا، فائز کی توجہ نے اس کے اندر توانائی بھر دی تھی۔

"شٹ اپ...... اگر تم نے خود کو ٹاٹ کہا تو......" وہ ایک دم غصے سے پھٹ پڑا۔

"ہیلو میں مخمل ہوں ٹاٹ تو تم ہو۔" اس کی کھنکتی ہنسی مزہ دے گئی۔

"اچھا...... لڑکی ہنسی تو پھنسی۔" وہ بھی شوخ ہوا۔

"جسٹ شٹ اپ...... یو فلرٹی۔" وہ ایک دم اپنی جون میں واپس آئی سخت انداز میں جواب دیا۔

"اپنے الفاظ واپس لو۔" وہ بھی بھڑک اٹھا۔

"تم میرے ساتھ کبھی مخلص تھے ہی نہیں۔" شرمیلا اس کی طرف دیکھے بغیر بولی، دیکھتی تو زباں بند ہوجاتی، وہ جلال

کا پیکر بنا ہوا تھا۔

''اگر مخلص نہ ہوتا تو کبھی یہاں نہ آتا تم سے نکاح کی باتیں نہ کرتا مت بھولو کتنی لڑکیاں میری راہوں میں پلکیں بچھائے بیٹھی تھیں۔'' اس نے چبا چبا کر جواب دیا۔

''تم نے مجھے بھی ان جیسا سمجھا اور صرف وقت گزاری کرتے رہے۔'' اس نے بھی تنک کر جواب دیا مگر نبیل کی برداشت جواب دے گئی۔

''تم نے مجھے ہی نہیں میرے پیار کو گالی دی ہے۔'' وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا جو بات لگ گئی لگ گئی۔ سرخ ہوتی آنکھیں اس پر گاڑ دیں۔

☆☆☆......☆☆☆

''سفینہ بیٹا۔'' بہزاد خان نے دفتر سے واپسی پر خاص طور پر بیٹی کو پکارا۔

''جی ابو آجائیں۔'' کتابیں سامنے پھیلائے وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی چونک کر سیدھی ہوئی۔

''کیا کچھ پڑھ رہی تھی؟'' اس کے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

''ارے نہیں......بیٹھیں ناں۔'' اس نے مسکرا کر کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ وہ گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لینے لگے جو بیٹی کی طرح اداسی کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔

''کوئی خاص کام تھا؟'' اس نے باپ کی خاموشی پر بے چین ہو کر پوچھا۔

''ہاں بہت خاص۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کو بولے۔

''جی حکم؟'' اس نے ادب سے پوچھا۔

''اپنی بیٹی کو ڈھونڈنا ہے کافی دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''نہیں تو ابو بس......'' اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''اچھا تو کہاں غائب رہتی ہو کیا کرتی پھر رہی ہو؟'' اس کی اتری صورت دیکھ کر انہوں نے ایسے ہی پوچھ لیا۔

''کچھ نہیں......کچھ بھی تو نہیں ویسے بھی میں نے کیا کرنا ہے۔'' اس کے لہجے میں بیزاری آ گئی۔

''بچے کچھ پریشان ہو؟''

''کون......میں؟''

''ہاں تم۔'' بہزاد نے بیٹی کا چہرہ اپنی طرف کر کے پوچھا۔

''ہوں تو ابو۔''

''مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔''

''آپ نے امی کا رویہ دیکھا ہے وہ کتنا بدل گئی ہیں۔''

''بدل تو گئی ہیں......اب زیادہ پیاری ہو گئی ہیں نا ہاہاہا۔''

''میں بہت سیریس ہوں۔'' اس نے منہ بگاڑ کر کہا۔

''اوکے......اوکے چلو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لو۔''

''مجھے کتنی بری طرح سے ڈانٹ دیتی ہیں اور میری غلطی بھی نہیں بتاتی۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

''میرے بچے کہیں نہ کہیں غلطی تو آپ کی بھی ہوگی نا۔'' وہ اس کے بال سہلا کر بولے۔

''ابو میں نے کہا ہی کیا صرف گھر بیچنے کو منع کیا ہے نا؟'' اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دکھی انداز میں دیکھا۔

"اب آپ بچی تھوڑی ہیں کہ آپ کو ہر بات سمجھائی جائے۔"
"کیا فائز کے معاملے میں بھی میرا قصور ہے، یہ تو آپ لوگوں کا فیصلہ تھا ناں؟" سفینہ نے بے باکی سے باپ کی طرف دیکھا تو وہ نگاہیں چرا گئے۔

☆☆☆......☆☆☆

"ہونہہ...... پیار۔" شرمیلا کا انداز مذاق اڑانے والا ہوا نبیل کو بہت برا محسوس ہوا۔
"اب تو مجھے بھی ضد ہے کہ تمہیں اپنا بنا کر رہوں گا۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا اور کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چہرہ اپنی جانب موڑا اور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔
"یو......" اس کے دھمکانے پہ وہ دنگ رہ گئی۔ کچھ بولتے بولتے رک گئی۔
"بس مزید کچھ نہ کہنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔ بہت دنوں بعد اس کے اندر کا نبیل جاگا تھا، انکار سننا جس کی فطرت میں ہی نہ تھا، اسی لیے اس کے یوں طعنہ دینے پر وہ اپنی برداشت کھو بیٹھا۔
"ایکسکیوزمی...... آپ نے کیا سوچا، شادی کرلیں گے، میرے سامنے آ کر چارڈائلاگز ماریں گے اور میں پھر آپ کے پیچھے چل پڑوں گی جی نہیں۔ اب حالات وہ نہیں رہے۔" ایک ایک لفظ چبا کر ادا کرتے ہوئے وہ چلبلائی۔
"میری زندگی...... مجھ میں کوئی فرق نہیں آیا میں اب بھی تمہارا ہوں۔" وہ جان لٹانے والے انداز میں بولا، جو بھی تھا شرمیلا سے تو اس نے دل و جان سے محبت کی تھی۔ اس کی ایسی ادائیں تو دل کو لبھاتی تھیں۔
"میں آپ کے انتظار میں نہیں بیٹھی ہوں بلکہ......" وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔
"شرمیلا سسپنس پیدا کر کے جان نہ نکالو جو کہنا ہے وہ صاف صاف کہہ دو۔" اس بات پر کمپرومائز کرنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ سخت انداز میں پوچھا۔
"میری انگیجمنٹ ہوگئی ہے۔" اس نے مزے سے بتایا۔
"یہ کیا بکواس ہے۔" نبیل ایک دم چلایا، اس کی تیز آواز پر ہال میں ایک دم خاموشی چھا گئی، لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ شرمیلا کو شرمندگی نے آگھیرا۔

☆☆☆......☆☆☆

"یہ ضرور ہے کہ انسان ہزاروں خواہشیں دل میں پالتا ہے مگر ہوتا وہ ہی ہے جس میں اس کی بھلائی چھپی ہوئی ہو۔" بہزاد نے سرد آہ بھر کر متانت سے بیٹی کو زندگی کا فلسفہ سمجھایا۔
"کیا میں غلط ہوں؟"
"آپ غلط نہیں ہیں مگر قسمت سے کون لڑ سکتا ہے...... جو لکھا جا چکا ہے، اس سے کہاں تک بھاگا جا سکتا ہے...... اس لیے مان جاؤ۔"
"ابو یہ سب اتنا آسان نہیں۔"
"بیٹا ہمت والوں کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں اور میں جانتا ہوں کہ میری بیٹی بہت باہمت ہے۔"
"لیکن ابو......"
"بس بیٹا اب لیکن ویکن کو چھوڑو اور پرانی باتوں کو بھول کر آگے کی جانب قدم بڑھاؤ۔"
"کیا یہ ممکن ہے؟"
"بھابی جان نے جس طرح سے فون کر کے فائز کی شادی کی اطلاع دی ہے اس کے بعد کیا ہمارا ماضی سے چمٹے رہنا
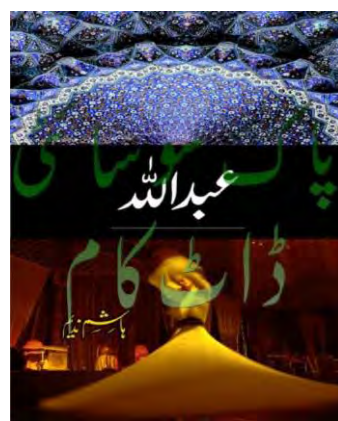
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ضروری ہے۔"

"مجھے لگتا ہے کہ کوئی مس انڈراسٹینڈنگ ہوئی ہے۔" اس نے ہاتھ ملتے ہوئے صفائی دینے کی کوشش کی۔

☆☆☆......☆☆☆

"یہ بکواس نہیں‘ حقیقت ہے مسٹر نبیل۔" اس نے بڑے اطمینان سے نبیل کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ وہ بھی ایک اذیت سے گزری تھی۔ اس بے وفا کی وجہ سے کتنی بے عزت ہوئی تھی‘ جب لڑکے کی بہن نے پہچان کے ساتھ تعارف بھی اس کا نبیل سے جوڑا تھا وہ بھولی نہیں تھی۔

"میں نہیں مانتا۔" نبیل صدمے سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"نہ مانیں مگر اب مجھے بھولنے میں ہی آپ کی بہتری ہے۔" اس نے ایک ساتھ سارے بدلے لے لیے تھے، دل اندر تک شانت ہوتا چلا گیا تھا۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتی ہو۔" وہ صدمے میں بولا۔

"ویسے ہی جیسے آپ نے کیا۔" اس نے اذیت چہرے سے ظاہر ہونے نہ دی۔

"آج سے میرا اور آپ کا کوئی تعلق نہیں دوبارہ مجھے پکارنے یا روکنے کی زحمت نہ کرنا۔" وہ بے دردی سے فیصلہ سناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کون ہے وہ خوش نصیب؟" خود کو کمپوز کرنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ وہ سب کچھ سہہ سکتا تھا پر شرمیلا کی زندگی میں کسی اور مرد کی موجودگی یہ سب کیسے سہتا؟ پھر بھی رقیب روسیاہ کا نام پوچھا۔

"فائز جلال۔" اس نے بڑی محبت سے یہ نام ادا کیا اور کیفے سے باہر نکل گئی۔

"فائز......" نام دہراتے ہوئے شدت کرب سے اس نے ہونٹ بھینچ لیے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"آپ کی امی کا خیال ہے کہ کوئی غلط فہمی نہیں...... بھابی جان نے بڑے شوق سے خوش خبری دی ہے۔"

"کیا پتا اصل بات کچھ اور ہو؟"

"اچھا اور وہ جو خان ہاؤس میں اپنا حصہ مانگا ہے، لگتا ہے کہ وہ رشتے بنائے رکھنا چاہتی ہیں؟"

"سمجھ میں نہیں آ رہا کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟" اسے تائی اماں اور فائز کے بیچ میں فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"سنو بیٹا میں اور آپ کی امی اب آفاق والے معاملے کو منطقی انجام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔"

"اتنی جلدی مگر مجھے نئے رشتے بناتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"یاد رکھو جب تک رات رہتی ہے اندھیرے کا خواب من میں جاگتا رہتا ہے مگر صبح کے اجالے کے ساتھ ہی یہ ڈر بھاگ جاتا ہے۔"

"اوکے ابو مگر میں آخری بار فائز سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے نظریں جھکا کر اجازت لی۔

"ٹھیک ہے مگر یاد رکھنا بس آخری بار۔" بہزاد نے کچھ دیر بیٹی کو گھورا پھر کچھ سوچ کر اجازت دے دی۔

"تھینک یو ابو۔" وہ جو باپ کے گھورنے پر گھبرا رہی تھی ایک دم خوش ہوگئی۔

"ایک بات یاد رکھنا ہم نے آپ کو جائز آزادی دے رکھی ہے آپ اپنی مرضی سے کہیں آجاسکتی ہیں کسی سے بھی بات کرسکتی ہیں مگر جہاں بات ہمارے وقار کی آجائے۔ تو امید ہے کہ آپ کی طرف سے کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔" ان کے لہجے میں بڑا مان تھا۔

''آپ فکر نہ کریں۔'' وہ باپ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر پیار سے بولی۔
''مجھے پتہ ہے میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے وہ ساری باتیں خود سمجھ جائے گی ہیں ناں۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپتھپایا۔

☆☆☆......☆☆☆

''السلام علیکم۔'' ماؤتھ پیس سے ایک کھنکتی ہوئی آواز اُبھری۔
''وعلیکم السلام۔'' ریحانہ نے خوش دلی سے جواب دیا۔
''کیا حال ہیں بہن؟'' اسریٰ نے خیریت دریافت کی۔
''الحمدللہ آپ سنائیں؟''
''جی میرے مالک کا کرم واحسان ہے۔''
''اچھی بات ہے اور آفاق میاں اور روشنی بیٹی ٹھیک ہیں؟''
''جی اور آپ سنایئے ہماری ہونے والی بہو کی طبیعت اب کیسی ہے؟''
''وہ بھی بہتر ہے۔'' ایک دم گڑبڑا کر جواب دیا، جھوٹ بولنا مشکل لگتا تھا۔
''ایک بات کہنی تھی اگر برا نہ مانیں تو۔'' اسریٰ اصل بات کی طرف آئیں۔
''جی ضرور۔'' دل دھڑکا۔
''اگر برا نہ مانیں تو آفاق سفینہ کی مزاج پرسی کے لیے آنا چاہ رہا ہے۔''
''اوہ......ان کا اپنا گھر ہے، ضرور آئیں، مگر اب تو سفینہ کافی بہتر ہے۔'' لہجے میں گھبراہٹ سمٹ آئی۔
''تو کیا منع کر دوں۔'' اسریٰ کو ڈھکے چھپے لفظوں میں انکار برا لگا مگر حد درجہ لہجے کو نارمل کرتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں......نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا......''
''چلیں پھر میں اسے بتا دوں گی کہ وہ جا سکتا ہے۔''
''جی جب دل چاہے آجائیں۔'' تھکے ہارے انداز میں جواب دیا۔
''ٹھیک ہے......'' انہوں ایک کان سے ریسور ہٹا کر دوسرے پر لگایا، ریحانہ کے انداز سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔
''ویسے اگر وہ بتا کر آئیں تو اچھا ہوگا۔'' ریحانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔
''نئی نسل کا یہی تو مسئلہ ہے تکلفات میں نہیں پڑتے آپ بھی فکر نہ کریں۔ اپنے گھر جیسی بات ہے۔''
''پھر بھی......'' اصرار کیا۔
''اس کا کچھ پتا نہیں۔ جب موڈ ہوگا چل دے گا۔'' وہ بشاشت سے ہنس دی۔ ''اچھا اب رکھتی ہوں ان شاءاللہ جلد ہی ملاقات کروں گی اور اس بار تاریخ پکی کر کے ہی اٹھوں گی۔'' اجازت طلب کرتے ہوئے خوش خبری سنائی اور فون رکھ دیا۔
''یااللہ ایک نئی آزمائش اس لڑکی نے کوئی بدتمیزی کر دی تو اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے نہ نکل جائے گا۔'' وہ چند لمحوں تک ریسیور کو دیکھتی رہیں اور پھر سرد آہ بھر کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆......☆☆☆

بلیو کرتے اور سبز گھیر دار شلوار کے ساتھ بلیو سبز بڑے سے دوپٹے میں ہلکے ہلکے میک اپ میں وہ واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اپنے ہاتھ میں کیک اٹھائے، نیچے پہنچی تو سب ہی نے اس کی تعریف کر ڈالی۔
''سلام نانی اماں......خالہ آپ کیسی ہیں اور......'' وہ فرداً فرداً سب کی خیریت دریافت کرنے لگی سوائے فائزہ کے۔

"بھئی میری بچی کی نظر اتارو۔" دلشاد بانو نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔
"ہاں...... ہاں شرمیلا یہ رنگ تم پر بہت جچ رہا ہے۔" سائرہ نے بھی بیٹے کو سنایا۔
"اس کا کریڈٹ امی کو جاتا ہے، جو میرے لیے اچھے اچھے کپڑے سیتی ہیں۔" اس نے ماں کی محنت کو سراہا۔
"ہاں بھئی یہ بات تو ہے تمہاری ماں بہت محنتی عورت ہے۔" دلشاد بانو نے پاندان گھسیٹتے ہوئے سر ہلایا۔
"خیر چھوڑیں خالہ یہ پکڑیں۔" اس نے سائرہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔
"یہ کیک کس خوشی میں بھئی؟" سائرہ نے شرمیلا کے ہاتھ میں پلیٹ دیکھ کر پوچھا۔
"خالہ میرا رزلٹ آگیا ہے، میں پاس ہوگئی ہوں، گھر والوں نے ٹریٹ مانگی تھی، تو سوچا آپ کا بھی منہ میٹھا کرادوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ دلشاد بانو نے پاس بیٹھے فائز کو اشارہ کیا، جسے شرمیلا نے بھی محسوس کیا۔
"یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے۔" سائرہ نے اسے گلے لگتے ہوئے مبارک باد دی۔
"شکریہ خالہ۔" اس نے کیک انہیں تھمایا اور پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔
"میں یہ رکھ کر آتی ہوں۔" وہ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔
"بتول کیسی ہے؟ کافی ٹائم سے نیچے نہیں اتری۔" دلشاد بانو نے سوال کیا۔
"جی نانی وہ ٹھیک ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ سب رات کا کھانا اوپر کھائیں۔" اس نے خاص طور پر فائز کو دیکھتے ہوئے دعوت دی۔
"لو دیکھو لوا یہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" چھالیہ کاٹتے ہوئے وہ سراہتے لہجے میں بولیں۔
"اچھا میں چلتی ہوں۔" شرمیلا فائز کی مسلسل خاموشی پر کچھ مایوس ہو کر اٹھی تو وہ کچھ سوچ کر اس کے پیچھے آیا۔
"آج تو میں واقعی شکرانے کے نفل ادا کروں گی۔" دلشاد بانو نے سائرہ کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔
"وہ کس خوشی میں اماں؟" انہوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر تعجب کا اظہار کیا۔
"میں دیکھ رہی ہوں کہ فائز کا جھکاؤ شرمیلا کی جانب بڑھتا جا رہا ہے۔" دلشاد نے دھیمے لہجے میں بیٹی کو جوش سے بتایا۔
"ہونہہ۔" ان کے ماتھے پر لکیر ابھری۔
"اے کیا تو اس بات پر خوش نہیں ہوئی؟" وہ چونکیں۔
"اس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟" انہوں نے الٹا سوال کیا۔
"لو...... لڑکا سفینہ کی مالا جپنا چھوڑ کر شرمیلا کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔" وہ بیٹی کو بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔
"ہاں تو کیا ہوا؟" وہ بڑی پرسکون دکھائی دیں۔
"میں تو کہہ رہی ہوں کہ بہو بنالو زیادہ مشکل بھی نہیں ہوگی اوپر سے نیچے تو لانا ہے۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولیں۔
"اماں...... بھئی اب بس بھی کریں میں شرمیلا جیسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنانے والی۔" وہ تن کر اٹھیں۔
"اے لو اور وہ جو تو ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کی تعریفوں میں زمین آسمان کی قلابیں ملا رہی تھی۔" ان کا منہ حیرت سے کھلا۔
"وہ تو میں فائز کا سفینہ پر سے دھیان ہٹانے کے لیے یہ سب کر رہی ہوں۔" سائرہ کے تاثرات عجیب ہوئے۔
"ہائے میرے اللہ بیٹے کو بھی ہاتھ دکھا رہی ہے شرم کرلے۔" انہوں نے گال پیٹتے ہوئے کہا۔

"تو اور کوئی چارہ ہے بھلا؟"

"ویسے بھی ریحانہ سے فائز کی شادی کے بارے میں جھوٹ بول چکی ہوں اب اسے دکھانے کو ایک لڑکی کا ہونا تو ضروری ہے۔" سائرہ کے بولنے پر وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆......☆☆☆

آفاق نے جب سے سفینہ کی طبیعت خرابی کا سنا تھا، پریشان ہو گیا تھا۔ بے چینی حد سے بڑھنے لگی تو اسریٰ خالہ نے خوش خبری دے دی کہ ان لوگوں کو اس کی آمد پر کوئی اعتراض نہیں...... مگر اسے پھر بھی اکیلے جاتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوئی روشنی کو ساتھ چلنے کی آفر دی تو وہ ایگزامز کی تیاری میں اتنی مصروف تھی کہ ہری جھنڈی دکھا دی۔ یوں وہ روز جانے کا پروگرام بنا کر بھی نہ جا سکا۔

اس دن موسم خوش گوار تھا۔ دل کو کچھ ہوا تو گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ نئی چمک دار کرولا کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا، غائب دماغی سے وسیع پورٹیکو کا جائزہ لیا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے؟

"چاچا گیٹ کھولیں۔" گاڑی اسٹارٹ کی چوکیدار نے مالک کے اشارے پر سرعت سے بلیک آہنی گیٹ کھول دیا۔

"سفینہ ابھی یہ گھر بہت سونا سونا لگ رہا ہے مگر جلد ہی آپ کے آجانے سے یہاں کی رونق بڑھ جائے گی۔" آفاق نے ایک اچنتی نگاہ اپنے وسیع وعریض گھر پہ ڈالی اور سوچتے ہوئے زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔

"آفاق میاں ایسے ہی منہ اٹھا کر چل دیئے جانا کہاں ہے بھائی؟" موڑ کاٹتے ہوئے خود سے ایک بار پھر سوال کیا۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔

بہت دیر تک وہ یونہی سڑکوں پہ بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا پھر اچانک پھول والے کی شاپ کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے ذہن میں جمھا کا ہوا بات صاف ہو گئی تھی۔

"اوہ تو ہمارا دل سفینہ جی کی مزاج پرسی کا خواہش مند ہے۔" ہوا سے بکھرتے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سرشاری سے بڑبڑایا۔

"پہلی بار اکیلے سسرال جا رہے ہیں پھولوں کے بغیر جانا اچھا نہیں لگے گا کیوں کہ موقع بھی ہے دستور بھی ہے۔" ایک خیال کے تحت آنکھیں چمکیں۔

"بھائی سب سے تازہ اور خوب صورت پھولوں کا بکے بنا دو۔" آفاق نے گاڑی فلاور شاپ کے آگے روکی اور اندر جا کر بہت خوب صورت گلابوں کا گلدستہ بنوایا۔

☆☆☆......☆☆☆

"شرمیلا ایک منٹ رکیں۔" وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی تو فائز نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" گھمبیر مردانہ بھاری لہجہ پیروں کی زنجیر بنا۔ وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"جی؟"

"آئی ایم سوری......"

"کس بات کے لیے......" وہ حیرانگی سے بولی اور نیچے اتر کر اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔ کسرتی جسم، اونچی قامت، شرارتی آنکھوں میں اداسی کے ڈیرے، ہلکی ہلکی شیو میں اس کی وجاہت دل میں کھبی جا رہی تھی۔

"آپ جانتی ہیں کس بات کے لیے۔" جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ ایک بار پھر متاثر ہوئی۔

”واقعی نہیں جانتی۔“
”آپ اپنی خوشی ہمارے ساتھ شیئر کرنے آئیں اور میں چپ رہا۔“
”یہ ٹھیک ہے۔“ اس کے نرم لبوں نے دھیرے سے جواب دیا۔
”نہیں..... نہیں اب بول دیتا ہوں۔“
”بھئی رہنے دیں۔“
”شرمیلا..... جی بہت بہت مبارک ہو۔“ اس نے ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائی۔
”تھینک یو۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔
”اور..... تم واقعی بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ اس نے لگے ہاتھوں تعریف بھی کر ڈالی۔
”اوہ..... رئیلی۔“ اب کی بار وہ تھوڑا اٹھلائی، تعریف ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہی تھی۔
”سوچ رہا ہوں اس خوشی میں تمہیں ٹریٹ دے دوں۔“ اس نے پیشکش کی تو شرمیلا کی آنکھوں میں ستارے چمک اٹھے۔
”شکریہ مگر اس کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ فائز کو دیکھتے ہوئے تکلف سے بولی۔
”میم..... اگر آپ اس ناچیز کے ساتھ چل کر ایک کپ کافی پی لیں تو عنایت ہوگی۔“ اس نے قدرے جھکتے لہجے میں شوخی سموتے ہوئے کہا۔
”کا..... فی.....“ وہ صرف اتنا ہی بول پائی۔
”کیا ہوا؟“
”اگر آپ مجھے نہ ٹھکراتے تو شاید میرے دل میں محبت کے لیے اتنا گداز نہ پیدا ہو پاتا۔“ شکوہ لبوں تک آیا۔
”کیا مطلب.....!“ وہ حیرانگی سے بولا۔
”مطلب پھر کبھی بتاؤں گی اگر اجازت ہو تو میں جاؤں؟“
”نہیں کیوں کہ ہم لانگ ڈرائیو پر جا رہے ہیں۔“ اس کی نرم کلائی تھام کر لاپروائی سے باہر کی جانب بڑھا اور ساتھ بٹھا کر گاڑی خان ہاؤس کی جانب موڑ لی۔ وہ ہکا بکا ڈرائیونگ کرتے ہوئے فائز کو دیکھے جا رہی تھی جبکہ دل میں گلاب سے کھل اٹھے۔

☆☆☆.....☆☆☆

ایک نئی ترنگ کے ساتھ وہ خان ہاؤس کی جانب اڑا جا رہا تھا در جاناں کے نزدیک پہنچ کر وہ تھوڑا کنفیوز ہوا۔
”ایک دو بار ہی تو آنا ہوا ہے، یہاں کی تو ساری گلیاں ایک سی ہیں۔“ اس نے سر کھجاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا۔
”ایسے تو گھومتے گھومتے شام ہو جائے گی، کسی سے پتا پوچھ لیتا ہوں۔“ اس نے علاقے سے متصل پارک کے قریب گاڑی روکی اور اتر کر کسی سے خان ہاؤس کا پتا پوچھنے کا قصد کیا۔ تھوڑا آگے بڑھا تو چونک کر ایک جگہ جم گیا۔
”یہ تو سفینہ لگ رہی ہیں۔“ اچانک سامنے پارک میں سنگ مرمر کے بنچ پر بیٹھی لڑکی پر سفینہ کا گمان ہوا۔
”چلو مسئلہ یہیں حل ہو گیا۔“ وہ خوش ہوا ورنہ اسے خان ہاؤس جاتے ہوئے تھوڑی ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔
”کوئی اور لڑکی تو نہیں..... پتا چلے اپنی والی سمجھ کر قریب گیا اور غلط فہمی میں جوتے پڑ جائیں۔“ اس نے شوخی سے تھوڑا قریب جا کر بغور جانچا۔
”نہیں بھئی یہ پیس تو پوری دنیا میں ایک ہی ہے۔“ اس نے شرارت سے سوچا۔ وہ خود بھی اس اتفاق پر کچھ حیرت زدہ

سا ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی تھا۔

''شکر الحمدللہ...... میرے دل کی آواز سن لی گئی۔'' قدرت کی اس مہربانی پر اسے ایک دم پیار آیا۔ ایک بار پھر نگاہ دوڑائی وہ کوئی اور نہیں سفینہ شہزادہ ہی تھی۔

''کیا انہیں بھی میرا انتظار ہے؟'' اس کے بیٹھنے کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی کی منتظر ہو۔ دل خوش فہم کو امید بندھی۔

وہ جگر مراد آبادی نے کیا حسب حال فرمایا ہے کہ

''دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے......

آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے۔'' آفاق نے مسکراتے ہوئے کار کی سیٹ سے بکے اٹھایا اور گنگناتا ہوا پارک کے مین گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

''فائز ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' جانے پہچانے رستے پر گاڑی مڑتے دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

''بس کسی کو تمہیں دکھانا ہے۔'' وہ اس کی جانب دیکھے بنا ہی بولا۔

''سفینہ کو دکھانا چاہتے ہیں؟'' اس کے لب لرزے۔

''یہ ہی سمجھ لو۔ اسے بتانا ہے کہ میری زندگی میں ایک بہت پیاری سی لڑکی آ گئی ہے۔'' دولڑکیوں کو دھوکا دیتے ہوئے اس کا دل لرز رہا تھا۔

''اوہ تو میرے ساتھ دوستی کی وجہ سفینہ ہی ہے؟'' وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی، دل میں چبھ سا لگا۔

''سوری...... شرمیلا مگر میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا مگر یہ ہی وجہ ہے۔'' وہ شرمندگی سے بولا۔

''اوہ...... اچھا ہوا آپ نے مجھ سے سچ بول دیا۔'' اسے دکھ تو ہوا مگر بھرم رکھنا تھا۔

''کیا ایک دوست کی حیثیت سے تم میری مدد کرو گی۔'' اس نے مڑ کر التجائیہ انداز میں پوچھا۔

''ایک شرط پر......'' وہ لب کاٹ کر بولی۔

''مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔'' وہ اس مقام تک آ کر ہر صورت اس کی مدد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''آپ تو سفینہ کو اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے، اب یہ سب کیوں؟'' اس کے لہجے میں تجسس ابھرا۔

''سوری شرمیلا مگر میں یہ راز تمہیں تو کیا کسی کو بھی نہیں بتا سکتا۔'' وہ جھرجھری لے کر بولا۔

''پلیز ززز...... دوست کہا ہے تو ٹرسٹ بھی کریں۔'' شرمیلا نے گیئر پر رکھے اس کے بھاری ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر التجا کی۔

''نہیں...... شرمیلا ان باتوں کو دہرانے کے لیے مجھے بہت حوصلے کی ضرورت ہے۔'' اس کا لہجہ نم ہوا۔

''کہتے ہیں کہ کہہ دینے سے دکھ ختم تو نہیں ہوتا مگر کچھ کم ہو جاتا ہے پھر آپ بھی ایک دوست کے آگے اپنا دل کھول کر رکھ دیں۔'' اس نے حوصلہ دیا، فائز بھی خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا تھا، اسے بھی کسی سے اپنے دل کی باتیں شیئر کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔

''وعدہ کرو کہ یہ بات کبھی کسی سے نہیں کہو گی۔'' اس نے مڑ کر شرمیلا کی حسین آنکھوں میں جھانک کر تصدیق چاہی۔

''بے فکر ہو کر اپنی ہر بات شیئر کریں سمجھئے گا خود سے باتیں کر رہے ہیں۔'' شرمیلا کے چہرے پر یقین کا رنگ اتنا واضح تھا کہ اس نے اندر کی بھڑاس نکالنے کا سوچا۔ ایک سرد آہ بھر کے ڈھیر سے ڈھیر سے سارا واقعہ، ماں کی سازش اور سفینہ کی

سچائی کے بارے میں بتاتا چلا گیا۔ شرمیلا ششدر سی بنا جنبش پیدا کیے ساری بات سنتی رہی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"اسلام علیکم سفینہ جی۔" وہ قریب پہنچ کر چہکا۔

"وعلیکم السلام......آپ......!" وہ ایک دم چونک کر اپنے مقابل کھڑے لائٹ پنک شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس وجاہت کے نمونے کو دیکھتی رہ گئی۔

"جی سنا تھا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے تو سوچا چل کر مزاج پرسی کرلی جائے۔" آفاق بڑی بے تکلفی سے بنچ پر اس کے برابر میں بیٹھ گیا اور زبردستی پھول تھماتے ہوئے شوخی سے بولا۔

"شکریہ۔" وہ کپکپانے لگی، آفاق نے بغور اس کا جائزہ لیا، اس حسنِ سوگوار کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے دل کی حالت عجب ہونے لگی تھی۔

"کیا کہا آپ نے؟" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"میں کہہ رہی تھی کہ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" سفینہ نے بوجھل پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تکلف......شکریہ......اف اف۔" وہ ماتھا پیٹنے لگا۔

"کیا......کیا ہوا؟" اس نے گھبرا کر دیکھا۔

"اپنوں کے لیے ایسے الفاظ بولنے کی سخت پابندی ہے۔" وہ بڑے سحر انگیز لہجے میں جھک کر کانوں کے قریب بولا تو اس کے گلاب کی پنکھڑیوں سے لب ہولے ہولے لرزنے لگے۔

"کیا میرے اس طرح سے آنے پر پریشان ہیں؟" وہ اس کی بدلتی کیفیت دیکھ کر چونکا۔

"نہیں کیونکہ میں خود آپ سے ملاقات کرنا چاہ رہی تھی۔" سفینہ نے اسے چونکایا......وہ حیرت سے تکتا رہ گیا۔

"زہے نصیب۔" یکبارگی آفاق کا دل انوکھی لے پہ دھڑکنے لگا سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا جھک کر بولا۔

"میں ایسی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس کا لہجہ بھیگا بھیگا سا دل پر قیامت ڈھا گیا۔

"کیسی شادی میں کچھ سمجھا نہیں؟" اس نے کنفیوز نگاہوں سے دیکھا۔

"جس کے لیے میرے بوڑھے والدین کو بے گھر ہونا پڑے۔" آنکھوں سے آبدار موتیوں کی لڑی جھڑ رہی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ حیرت زدہ ہو کر بے اختیار چیخ پڑا۔

"جی ہماری اور آپ کی کلاس ڈیفرنس کی وجہ سے میرے ابو ہمارا آبائی گھر بیچ رہے ہیں تاکہ دھوم دھام سے شادی کا خرچہ پورا ہوسکے۔" اتنی تکلیف میں ہونے کے باوجود اس کے ہونٹوں کی تراش میں طنزیہ مسکراہٹ گھلنے لگی تھی۔

"کیا ہماری طرف سے ایسی کوئی شرط لگائی گئی ہے؟" وہ اپنی جگہ چھوڑ کر ہاتھ ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔

"نہیں مگر آپ لوگوں کے اسٹینڈرڈ کے حساب سے جہیز اور باقی رسومات کے لیے ان لوگوں کے پاس پیسے نہیں اس وجہ سے گھر بیچنے کا فیصلہ کیا ہے۔" اس کے لہجے میں تلخی در آئی۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

آزاد اور آزادی

فاطمہ خان

"کراچی بم دھماکا۔ چوبیس افراد جان بحق اور متعدد زخمی۔ صوبائی حکومت نے دھماکے کی مزحمت کی۔" پیشہ ورانہ انداز میں بولتی نیوز کاسٹر بریکنگ نیوز سنا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات پوری کرتی، زکیٰ نے ریموٹ بڑھا کر چینل چینج کردیا۔

"ایک منٹ پیچھے کرو۔" میگزین کی ورق گردانی کرتے سالک زمان نے سر اُٹھا کر کہا۔

"چھوڑیئے ناں پاپا! روز کا معمول ہے کبھی بم بلاسٹ تو کبھی کوئی اور فساد۔ میں تو صبح شام کی اِن دل دہلانے والی نیوز سے تنگ آچکا ہوں۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر ہمارے بزرگوں نے پاکستان بنایا تھا۔" زکیٰ نے بے زاری سے کہا۔

"برخوردار! کہتے ہیں ناں کہ جو نعمت آپ کے پاس ہو اُس کی قدر نہیں ہوتی۔ پاکستان کو کیا سوچ کر بنایا گیا تھا۔ یہ تم کبھی تاریخ اُٹھا کر پڑھ لو۔" سالک نے چائے کا مگ اٹھا کر تاسف سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم پاکستان بننے کے بعد کی تاریخ کو اہمیت کیوں نہیں دیتے جو چیخ چیخ کر کہتی ہے کہ پاکستان کا حصول فقط ایک چال تھی، چند سیاسی نواب گھرانوں کی اقتدار حاصل کرنے کی چال۔ وہ لوگ جو برصغیر میں رہ کر حکمرانی نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے الگ وطن کے نام پر اپنی طاقت کا سامان پیدا کر رہے تھے۔ ہمارے چند عظیم رہنماؤں کے سوا اگر ہم اپنی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو مفاد پرست لوگ ہی ملیں گے، جنہوں نے پاکستان کو صرف لوٹا ہے۔" "آپ پتہ نہیں کون سی تاریخ کی بات کرتے ہیں۔" طنزیہ انداز میں مسکراتے، زکیٰ کے لہجے میں بغاوت بول رہی تھی۔

"زکی بھائی! میں آپ سے اتفاق نہیں کرتی۔ ٹھیک ہے ہمارے کچھ حکمران کرپٹ اور مفاد پرست ہیں۔ ملک میں ترقی کا کام نا ہونے کے برابر ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پاکستان کا حصول ایک چال تھی۔ اس طرح تو ہمارے بزرگان دین کی ساری قربانیوں پر ہم پانی پھیر رہے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی ذاتی زندگی میں کتنے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا صرف اور صرف مسلمانوں کی الگ شناخت کے لیے، اُن کے مفادات اور حقوق کے تحفظ کے لیے پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کا حصول ایک سیاسی چال تھی۔" نور کو اس کی سیاسی چال والی بات حقیقتاً بری لگی تھی۔ جبھی تو کہے بغیر نہ رہ سکی۔ سالک زمان خاموشی سے بچوں کی باتیں سن رہے تھے۔

"میں نے کب قائداعظم کی جدوجہد اور بزرگوں کی قربانیوں پر شک کیا ہے، بے شک اُن کی نیت اُن کے ارادے بہت نیک تھے مگر بعد کے حالات سے کیا تمہیں نہیں لگتا کہ پاکستان میں فقط اقتدار حاصل کرنے کے لیے سیاستدانوں نے اس ملک کے دو ٹکڑے کروا دیے۔ اسلام اور اسلامک آئیڈیالوجی کی بنیاد پر بننے والا یہ ملک قومیت پرستی کا شکار ہو کر دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ قصور وار کون تھا۔ ہم اس بحث میں پڑنے کی بجائے اگر پاکستان کے ساتھ ہونے والے شرمناک واقعے پر غور کریں تو بتاؤ کیا تمہیں نہیں لگتا کہ پاکستان کو حاصل کرنا ایک سیاسی چال تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی نیک نیتی۔ اُن کی جدوجہد استعمال کر کے اُن کی ساری محنت پر پانی پھیر کر ہمارے حکمران کیا کرتے آئے ہیں ماضی میں اور موجودہ حالات بھی کوئی ایسے تسلی بخش نہیں ہیں۔ بے راہ

روی، قومیت پرستی، فرقہ واریت، نا انصافی، بے روزگاری، غربت۔ کیا علامہ اقبال نے اس پاکستان کا خواب دیکھا تھا۔ یہاں تو جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا حساب ہے۔ کیا ہمارے پیارے قائد کی ساری جدوجہد ان چند ضمیر فروشوں کے لیے تھیں۔'' وہ پوری طرح سے نور کی طرف رُخ موڑ کر بیٹھ گئے۔ نور اُس کی بات سے قدرے لاجواب ہوگئی۔ واقعی سچ تو کہہ رہا تھا وہ مگر ہمت ہارنا اُس نے سیکھا نہیں تھا۔ سو مدد طلب نظروں سے باپ اور کونے والے صوفے پر بیٹھے چاچو کو دیکھا۔ دونوں کی طرف سے جب بات تا بنی منہ بنا کر بولی۔

''تم کچھ بھی کہہ لو لیکن پاکستان کی صورت میں ہمارے پاس کم از کم ہمارا اپنا ٹھکانہ تو ہے جہاں ہم اپنی مرضی سے سانس تو لے سکتے ہیں، اپنی مرضی سے۔ جی تو سکتے ہیں۔ ہم آزاد تو ہیں، کبھی تم عراق، غزہ، فلسطین یا شام جیسے ممالک کے حالات جاننے کی کوشش کرو تو وجہ جان پاؤ گے کہ پاکستان کیوں بنا تھا۔ اپنا وطن، آزادی۔ یہ کتنی ضروری چیزیں ہوتی ہیں۔'' پاپا نے بھی نور کی بات کی تائید کی۔

''اپنی مرضی، آزادی۔'' زکی نے تمسخر سے کہا۔

''کیا بات کرتے ہیں پاپا، اپنی مرضی سے جینے کے لیے آزادی ہی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہم تو آج بھی غلام ہیں۔ برطانیہ سے نجات حاصل کر کے امریکہ کے جال میں پھنس گئے۔ ایک الگ وطن حاصل کر کے ہم نے صرف اپنا آقا بدلہ ہے پاپا۔ کون سی مرضی، کون سی آزادی ہے اس ملک میں اور تم عراق، فلسطین، غزہ، شام اور کشمیر کی بات کرتی ہو ناں نور۔ کبھی جاننے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ پوری فاٹا بیلٹ تباہی کا شکار ہے۔ وہی حالت ہے اُن کی جن کی مثالیں تم دے رہی ہو۔ سر چھپانے کے لیے اپنا ٹھکانہ تک نہیں ہے اور بات کرتے ہیں آزادی کی۔ کراچی اور بلوچستان میں جو ہو

رہا ہے اُن کے پیچھے کیا عناصر ہیں۔کون لوگ ہیں، یہ جاننے کے بعد کیا تم اِسے اِس ملک کی آزادی کہہ سکتی ہو۔اپنی مرضی سے جینا کہہ سکتی ہو۔اس کو آزادی نہیں کہتے نور۔اسے خود کو تسلی دینا کہتے ہیں۔ہم آج بھی غلام ہیں نور۔مان لو کہ ہماری حیثیت ایک کٹھ پتلی کی مانند ہے۔امریکہ اور بھارت ہمیں اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے اور ہم بڑے آرام سے ناچتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ ہونہہ آزادی۔" زکی تمسخر سے بول رہا تھا۔نور اور سالک زمان اُس کی بات پر مختلف دلائل دے رہے تھے جب کہ کارنر والے صوفے پر بالکل خاموش بیٹھے شارق زمان اُن کی باتیں سن کر ماضی میں جیسے کھو سے گئے تھے۔ پرت در پرت کھلتے ماضی کے دریچوں میں جھانکتے وہ دور نکل گئے۔ بہت دور، اِتنا دور جہاں اُسے ناں زکی کی باغیانہ گفتگو سنائی دے رہی تھی ناہی اُسے سمجھاتے نور اور سالک زمان کی تحمل آمیز آواز اُسے تو درد میں ڈوبی ایک کراہتی آواز سنائی دے رہی تھی روح شکن آواز۔نیویارک کے ایک ہاسپٹل میں ایک صاف ستھرے بستر پر پڑے وجود کو پاکستان کے لیے روتے تڑپتے کسی نوجوان کی آواز۔

☆☆☆......☆☆☆

"شارق! پلیز کچھ کرو، مجھے یہاں مزید ایک منٹ بھی نہیں رہنا۔مجھے پاکستان جانا ہے۔پلیز مجھے پاکستان لے چلو کسی بھی طرح سے اگر ایک منٹ بھی مزید رُکا تو مر جاؤں گا شارق۔مجھے پاکستان لے چلو۔" بچوں کی طرح روتا بلکتا وہ وجود زخموں سے چور تھا۔جس کا لاغر کمزور وجود مسلسل کانپ رہا تھا۔آنکھیں خشک ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں اور دل مردہ سا تھا۔شارق بے بسی سے اُسے روتے دیکھتا رہا اور تسلی دینے کے لیے لفظ بھی نہیں مل رہے تھے۔ اُسے دیکھتے وہ بس چپ چاپ آنسو پیتا رہا۔کبھی یہی انسان پاکستان جانے سے بھاگا کرتا تھا۔جب اِس کی ماں اور منگیتر اُسے منتیں کر کے بلایا کرتے تھے۔مگر اس وقت اُس کے سر پر تو ایک جنون طاری تھا۔زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانا اور آج......شارق اُس کے لاغر وجود کو دیکھتے دُکھ کی اتھاہ میں دھنس رہا تھا اور اب زکی بھی۔اُس نے ایک جھرجھری لی اور ایک نظر بے ساختہ سامنے بیٹھے زکی پر ڈالی۔جذباتی، جوشیلا، بے حد قابل۔زکی زمان جو پاکستان کے حالات سے تنگ یورپ جانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔جہاں وہ آزادی سے زندگی انجوائے کر سکے۔وہ اب کیسے بتاتا کہ آزادی کا تعلق کسی ملک وقوم سے نہیں۔بندے کی روح سے ہوتا ہے اُس کے نفس سے جڑا۔ہم اپنے نفس کے قیدی ہیں اپنی خواہشوں کے غلام۔ہم آزاد تب ہوں گے جب ہم حرص کرنا چھوڑ دیں اور خواہشات کی پوجا کرنا چھوڑ دیں مگر ہم مصنوعی خوشیاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے حقیقی خوشیوں سے بہت دور آجاتے ہیں اور اِس کا احساس تب ہوتا ہے جب ہم خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ہمیں صرف یورپ کی چمک دمک دِکھائی دیتی ہے۔رشتوں اور اخلاقی اقدار پر چھائی دھند نہیں۔سوچوں میں گم اُسے پتہ بھی نا چلا کہ آنسو اُس کے رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔زندگی کتنی سہل ہوتی، اگر ہم اِسے صحیح معنوں میں آزادی سے جینا سیکھ لیتے مگر ہمیں آزادی کا مفہوم ہی نہیں پتا۔ہم آزادی کا تعین سرحدوں سے کرتے ہیں جب کہ آزادی ہمارا تعین ہماری سوچ سے کرتی ہے۔ہم آزادی ڈھونڈنے دیس دیس گھومتے ہیں مگر آزادی ہم سے دو قدم پیچھے ہمارا تعاقب کر رہی ہوتی ہے۔وہ یہ بات کیسے سمجھائے زکی کو۔شاید قصور زکی کا نہیں تھا۔شاید یہ اُس کی جذباتی عمر کا تقاضہ تھا اور کچھ یورپ کی کشش ہی ایسی ہے۔سوچتے سوچتے پتہ نہیں اچانک ماضی کا کون سا دریچہ کھلا کہ اُسے اپنی ہی باتوں کی بازگشت صاف سنائی دی۔وہ بھی زکی کی عمر کا جذباتی سا نوجوان تھا۔ملک کے حالات سے نالاں۔آزادی کی تلاش میں یورپ جانے کی خواہش کرتا شارق زمان۔جس کی آواز وہ آج اتنے سالوں بعد بھی سُن سکتا تھا۔جو ڈائس پر مائیک کے سامنے کھڑا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"کہاں گئی وہ آزادی؟ جس کے لیے ہم نے برصغیر کے دو ٹکڑے کرائے تھے۔ کہاں ہے وہ پاکستان جہاں ہم حقیقی معنوں میں اپنی مرضی سے جی سکیں۔ جہاں امیر غریب سب برابر ہوں۔ جہاں کوئی سندھی بلوچی، پٹھان پنجابی، شیعہ سنی نا ہوں۔ یہ ملک میرے قائد کا پاکستان نہیں ہے جہاں ہر کوئی آگے نکلنے کے لیے دوسروں کو کچلتا ہے، اپنی زندگی کے لیے اوروں کی سانسیں چھینتا ہے۔ یہ میرے بزرگوں کا پاکستان نہیں ہے اور اس دن پوری دنیا نے جان لیا تھا جس دن مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہوا تھا۔ پاکستان جس کو ہم نے اسلامک آئیڈیالوجی کی بنیاد پر آزاد کیا تھا تو بتایئے مشرقی پاکستان کو کس آئیڈیالوجی کی بنیاد پر الگ کیا گیا ہے۔" بیس سالہ شارق زمان سرخ چہرہ لیے ایک جوش میں مائیک توڑنے کے درپے تھا۔ ہال میں خاموشی تھی۔ یوں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ کف کھولے ہاتھ لہرا لہرا کر گویا سب سے جواب طلب کر رہا تھا۔ کتنا جوشیلا اور باغیانہ تھا اُس کا انداز۔ سب کچھ کر گزرنے کا جنون اور دیوانگی۔ سوچتے سوچتے اُس نے سر صوفے کی پُشت پر ٹکا دیا مگر اُس کی آواز کی بازگشت اُس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

"اسلامک آئیڈیالوجی۔ اسلامک آئیڈیالوجی کا نعرہ لگانے والے یہ تک نہیں جانتے ہیں کہ آج بھی آئی ایم ایف ہمیں انتہائی شرمناک شرائط پر قرض دیتا ہے۔ اپنے حقوق کا نعرہ لگانے والے یہ بھی نہیں جانتے کہ صبح کے نکلے شام کو گھر زندہ آ بھی سکیں گے یا کسی شرپسندی کا نشانہ بن جائیں گے اور......

"چاچو! آپ کیا کہتے ہیں۔ نیو یارک میں اتنے عرصے سے رہتے آئے ہیں۔ کیا آپ پاپا سے متفق ہوں گے۔" زکی کی آواز اُس کی آواز کی بازگشت کا راستہ روکتی اُسے حال میں کھینچ لائی۔ ایک پردہ سا حائل ہوا تھا ماضی اور حال میں جس کے اُس پار اگر ماضی دھندلا رہا تھا تو حال بھی بہت شفاف نہیں تھا۔ وہ ناسمجھی والے انداز میں دونوں باپ بیٹے کو دیکھنے لگا۔ وہ کیا بات کر رہے تھے اور

زکی کس بات پر اُس کی رائے لے رہا تھا قطعی اِس سے انجان۔ وہ اپنی سوچوں میں غوطہ زن تھا پھر بھلا کیا جواب دیتا۔

”ویسے چاچو۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ کیا سوچ کر آئے واپس آپ اِس ملک میں۔ آخر کون سی وجہ تھی ایسی جو آپ کو کھینچ لائی۔ سکون سے زندگی گزارتے وہاں۔“ زکی اپنا سوال نظر انداز کر کے بےزاری سے بولا۔ شارق صرف ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔ اب وہ کیا بتاتا کہ وہاں سب کچھ تھا ایک سکون ہی تو نہیں تھا۔ اِس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے لب کشائی کرتا، زکی کا سیل فون گنگنایا وہ فوراً اُٹھ گیا۔ شارق اُسے لاؤنج سے جاتا بغور دیکھتے رہے چوڑی پُشت والے زکی کو دیکھ کر اُسے برسوں پہلے والا شارق یاد آیا۔ شارق زمان۔ جو بھی ایسے ہی باغیانہ جذبات رکھتا تھا مگر۔ آہ! نا چاہتے ہوئے بھی وہ تکلیف دہ واقعات ذہن کے پردے پر لہرائے۔ ماضی تلاطم خیز موجوں پر سوار کیے اسے پھر سے اُس دور میں لے آئی، جب وہ اور علیزے شادی کے دو ماہ بعد نیویارک چلے آئے تھے نیویارک۔ آہ اُس کے خوابوں کی تعبیر۔ جہاں آزادی کی اُڑان بھرنے کا اُسے بہت جنون تھا۔ جہاں آسائشات کے حصول کے لیے اس نے خود کو غلام بنالیا تھا اپنے نفس کا اپنی خواہشوں کا۔ اپنی خوشیوں کا اور خوشیاں۔ خوشیاں تو اُس کی زندگی میں شاید صرف اس لیے آئی تھیں کہ وہ اس کے ذائقے سے روشناش ہو سکے اور بعدازاں خود کو اس کے لیے تڑپتا ہوا دیکھ سکے۔ ہاں آئیں تھیں خوشیاں اُس کی زندگی میں چند ساعتوں کے لیے۔ فقط پانی کے بلبلے کی مانند۔ جب وہ اور علیزے دو تین ہفتوں تک نیویارک میں گھومتے پھیرتے رہے اور خوب انجوائے کرتے رہے۔ علیزے بہت ہی سوشل، آزاد خیال اور ماڈرن تھی۔ بالکل ویسی جیسی شارق نے اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں سوچا تھا۔ کسی کہانی کی پریوں کی طرح۔ کسی شبنم کی بوند کی طرح شفاف اور نکھری نکھری ہوئی۔ کسی گلاب کی کلی کی مانند کھلی کھلی سی۔ علیزے شارق جس سے شارق کو بہت محبت تھی سوچتے سوچتے ذہن کے پردے پر ایک خوب صورت لمحہ یاد بن کر لہرایا۔

”زی!“ پُل پر بھاگتے وہ ایک جگہ رُک گئے علیزے کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ مڑ کر شارق کو دیکھنے لگی۔ جیسے پیار سے وہ ”زی“ تتلایا کرتی تھی۔

”ہوں“ شارق زمان دل سے متوجہ ہوا۔

”یو نو۔ میرا دل کرتا ہے۔ نیویارک کی ساری خوب صورتی کو چُرا کر اپنے دامن میں بھرلوں۔ دیکھو تو کتنا رومینٹک ہے سب کچھ۔“ پُل پر کھڑی وہ اپنی بڑی آنکھیں چھوٹی کر کے سامنے دیکھنے لگی جہاں سورج ڈوبتا کسی ناچتے مور کی طرح اُفق پر اپنی نارنجی کرنیں بکھیر رہا تھا خوب صورت جھیل کا پانی اُن کے قدموں کے نیچے رقص کناں تھا۔ نارنجی روشنی علیزے کے چہرے پر پڑ کر اُسے مزید حسین بنارہی تھی۔

”اچھا نیویارک کا تو پتہ نہیں۔ بٹ میں پاکستان کی ساری خوب صورتی اپنے ساتھ سمیٹ لایا ہوں۔“ شارق اُس کے خوب صورت چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پُل کی ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ علیزے اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ کھنکتی مدھری ہنسی۔ جیسے کسی کوئل کی کوک۔ سُرخ لپ اسٹک لگے ہونٹوں کے پیچھے اُس کے شفاف موتی کی طرح دانت چمکنے لگے تھے۔ اور شارق اس کے بائیں گال میں اُبھرتے بھنور میں اپنے دل کو ڈوبتا محسوس کرنے لگا۔ اور ہاتھ بڑھا کر علیزے کا ہاتھ تھامتے وہ تشکر آمیز انداز میں آسمان کی طرف دیکھنے لگا، اُس نے جو چاہا تھا اُسے مل گیا تھا۔ نیو یارک میں اتنی اچھی جاب۔ ایک ویل فرنشڈ سا اپارٹمنٹ۔ ایک عدد خوب صورت سی بیوی۔ زندگی بہت خوب صورت تھی، خود مختار، مکمل آزاد اور کسی خواب کی مانند۔ مگر خواب تو خواب ہوتے ہیں کسی بھی پل آنکھ کھل سکتی ہے۔ خواب ٹوٹ جاتے ہیں، بکھر جاتے ہیں۔ اُس کے خواب بھی ٹوٹ گئے تھے۔ بکھر گئے تھے۔ وہ جو آزادی کا خواہشمند تھا۔ پھر یوں ہوا کہ یہی آزادی اُسے چبھنے

لگی۔ وہ جو حسین خواب دیکھنے کا عادی تھا۔ وہی حسین خواب اُسے دن کی روشنی میں بھی ڈرانے لگے۔ سوچتے سوچتے بھی آنکھیں نم ہوگئیں۔ پھر یوں ہوا کہ......

☆☆☆......☆☆☆

شارق کے آفس جوائن کرتے ہی زندگی ایکدم سے مصروف ہوگئی تھی۔ شارق کی جاب کنٹریکٹ پر تھی اس لیے وہ زیادہ محنت کررہا تھا۔ آفس سے آنے کے بعد بھی وہ آفس ورک میں بزی رہتا۔ ایسے میں وہ علیزے کو پراپر ٹائم نہیں دے پاتا تھا۔ جس کا گلہ علیزے ہر دوسرے دن کرتی۔ اب بھی وہ لیپ ٹاپ کھولے آفس ورک میں بزی تھا۔ جب وہ کافی کا مگ لے کر اُس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ڈی۔ تم مجھے اب ٹائم نہیں دیتے۔ یونو میں بہت بور ہوجاتی ہوں گھر بیٹھے بیٹھے۔" گود میں ہاتھ رکھے منہ بسورتی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ شارق نے مسکراتے ہوئے اُس کا یہ انداز دیکھا اور دھیرے سے لیپ ٹاپ بند کردیا۔

"جاناں یہ نیویارک ہے۔ یہاں کون بور ہوتا ہے۔ تم باہر نکلو۔ اپنا سوشل سرکل وسیع کرو۔ تو بوریت ختم۔" شارق اُسے سمجھانے لگا۔ مگر کچھ دیر اُسے دیکھتی وہ اچانک اُٹھی اور اگلے ہی پل بلینکٹ اوڑھ کر دھرام سے بیڈ پر چت لیٹ گئی۔ یہ اُس کی شدید خفگی کا اظہار تھا۔ شارق ہنستا ہوا لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ کر اُسے منانے لگا۔ گھر پر رہ کر بوریت سے بچنے کے لیے اس نے شارق کے کہنے پر پینٹنگ کلاسز جوائن کرلی۔ جہاں اس کی ملاقات انڈین نژاد امریکی کیتھرین سے ہوئی جو اتفاق سے اُن کے ساتھ والے اپارٹمنٹ میں اپنے بوائے فرینڈ ہنری کے ساتھ رہتی تھی۔ بہت ہی آزاد خیال اور ضرورت سے زیادہ بے باک، ہر وقت اُڑی اُڑی پھرتی تھی۔ گو کہ شارق کو علیزے کا اُس سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں تھا اور ڈھکے چھپے انداز میں علیزے کو ٹوکا بھی۔ مگر علیزے نے شارق کی بات پر کان دھرے بغیر کیتھرین سے دوستی برقرار رکھی۔ سچ تو کہتی تھی کیتھی۔ یہ مرد بھی ناں۔ بالکل ڈبل اسٹینڈر ہوتے ہیں۔ دوغلے معیار کے۔ عورت کی آزادی پر پابندی لگانے والے یہی مرد غیر عورت تک پہنچنے کی آزادی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ کیتھی کے ساتھ سارا سارا دن گھومتی۔ علیزے اب گھر کی تمام ذمہ داریوں سے آزاد پانچ منٹ بھی گھر پر نہیں رُکتی تھی ایسے میں شارق کو بعض اوقات اپنے کام بھی مجبوراً خود کرنے پڑتے تھے۔ وقت اپنی دھیمی چال چلتا رہا۔ چھوٹی موٹی ناراضگیاں۔ روٹھنے منانے میں اُن کی شادی کے ڈیڑھ سال گزر گئے۔ ان ڈیڑھ سالوں میں پہلی بار دونوں میں سنگین نوعیت کا اختلاف ہوا۔ علیزے ایکسپکٹ کررہی تھی ایک طرف شارق یہ خبر سنتے ہی خوشی سے پھولے نہیں سمارہا تھا جبکہ دوسری طرف علیزے بچے کے حق میں نہیں تھی۔

"ڈی۔ پلیز ناں۔ مجھے ابھی نہیں چاہیے بے بی۔ یونو میں ابھی کچھ عرصہ انجوائے کرنا چاہتی ہوں آزادی کے ساتھ۔" بخار کی حدت سے پھنکتا اُس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ شارق کے کندھے پر سر رکھے وہ مسلسل ٹشو سے گلابی ہوتی ناک صاف کررہی تھی۔

"جاناں۔ انجوائے کرنے سے کس نے منع کیا ہے۔ کرو انجوائے۔ بٹ یہ فضول کی ضد چھوڑ دو۔ دیکھو کتنا اچھا لگے گا جب چھوٹا سا بے بی۔"

"ربش یار۔" وہ جھٹکے سے سر اُس کے کندھے سے ہٹا کر بولی۔ "مجھے ابھی نہیں چاہیے تو نہیں۔ میں نے کہہ دیا۔ میں کل جارہی ہوں کیتھی کے ساتھ اور"

"تم ایسا کچھ نہیں کرسکتی میں۔"

"کیوں، کیوں نہیں کرسکتی؟" وہ اُس کی بات درمیان میں کاٹ کر بولی۔

"کیونکہ میں کہہ رہا ہوں۔ دیکھو جاناں یہ جرم ہے۔ یہ لیگل نہیں ہے۔ تم ظلم کررہی ہو۔ اپنے بچے کے ساتھ۔ اپنے ساتھ۔ میرے ساتھ اور میری پوری فیملی کے ساتھ۔ تم قتل کرنے جارہی ہو ایک معصوم کو اِس دنیا میں آنکھ کھولنے سے پہلے۔ اس سے اُس کی زندگی چھین رہی ہو اور

میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔‘‘
’’تم مجھے منع نہیں کرسکتے ذی کیونکہ یہ میری لائف ہے۔ میری مرضی شامل ہونی چاہیے اور......‘‘
’’یہ صرف تمہاری لائف نہیں ہے۔ اس پر حق صرف تمہارا نہیں ہے۔ میرا بھی ہے۔ سو تم اکیلے ڈیسیون نہیں لے سکتی۔‘‘ شارق کے کافی دیر تک پیار سے سمجھانے کے باوجود بھی وہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ جس نے شارق کا پارا ہائی کیا۔ بات اب بحث و مباحث سے نکل کر لڑائی جھگڑے تک چلی گئی۔
’’اوکے آج کے بعد تمہارا گھر سے نکلنا بند انڈر اسٹینڈ۔‘‘ غصے سے وارن کرنے والے انداز میں کہتے وہ بیڈروم سے باہر نکلا۔ یعنی کہ حد ہی ہوگئی تھی۔ علیزے نے روتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے واز اٹھا کر ڈریسنگ ٹیبل پر دے مارا۔ آئینہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ وہ کرچیوں میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے روتی رہی۔ شارق ایسا بھی کرسکتا ہے اسے بالکل بھی یقین نہیں آرہا تھا، بھلا وہ اُسے کیسے مجبور کرسکتا ہے۔ اُسے ابھی بچہ نہیں چاہیے تھا جو اس کی آزادی کی راہ میں رُکاوٹ بنتا۔ مگر شارق۔ وہ تو بالکل روایتی مردوں کی طرح زبردستی اپنا فیصلہ مسلط کررہا تھا۔ لیکن وہ۔ وہ پاکستان میں رہنے والی کوئی مجبور عورت نہیں تھی۔ وہ اب نیویارک میں تھی۔ جہاں وہ آزادی کے ساتھ اپنے حق کے لیے لڑسکتی تھی۔ ٹوٹے کرچیوں میں اپنے عکس کو دیکھتے اس کے ذہن میں جھونکے کی مانند ایک خیال آیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور لابی میں جاکر فون اٹھایا اور کپکپاتے ہاتھوں سے آنسو صاف کرکے وہ اب کوئی نمبر ڈائل کررہی تھی۔
’’یو آر انڈر ریسٹ مسٹر شارق۔‘‘ نیویارک پولیس ہتھکڑیاں لیے اُس پر گن تانے ہوئی تھی۔ شارق کو قطعی گمان نہیں تھا کہ علیزے ایسا بھی کرسکتی تھی اُس کے ساتھ۔ اور پھر اگلے دو گھنٹوں میں شارق بیوی کو حبس بے جا میں رکھنے کے الزام میں لاک اپ میں تھا۔ سوچتے سوچتے آنکھیں نم ہوئیں۔ کتنا پیار دیا اُس نے علیزے کو اور اُس نے فقط اپنی ضد اور آزادی کی خاطر یہ انتہائی قدم اُٹھایا۔ اُسے کافی دیر تک یقین نہیں آرہا تھا اندر بہت اندر تک سناٹا سا چھا گیا تھا۔ شاید روح کی گہرائیوں تک اور دل آہ۔ اُس نے محسوس کرنا چاہا مگر ہر سو ویرانی ہی ویرانی تھی اور......‘‘
’’کافی۔‘‘ ایک مدھر سی آواز اُسے ماضی سے حال میں کھینچ لائی۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے سوچوں میں گم شارق نے چونک کر سر اُٹھایا تو گرے شارٹ شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس لاپرواسی پندرہ سالہ شانزے کافی کا مگ لیے حاضر تھی۔ شارق تھکن زدہ سانس بھر کر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔
’’تھینکس۔‘‘ وہ کافی کا مگ تھامتے ہوئے بولا اور نفیس گلاسز کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں میں تشکر آمیز مسکراہٹ اُبھری۔
’’تم سوئی نہیں ابھی تک۔‘‘ وہ گرم گرم کافی کے سپ لیتا پوچھنے لگا۔
’’نو ڈیڈ۔ نیند نہیں آرہی تھی اینڈ آپ پر اتنا ورک لوڈ ہے۔ ہیلپ تو کر نہیں سکتی۔ سو آئی تھاٹ کہ اچھی سی کافی ہی پلا دوں آپ کو۔‘‘ وہ اُس کے گلے میں بانہیں ڈالے لاڈ سے کہہ رہی تھی۔
’’تھینکس مائی چائلڈ۔!‘‘ شارق نے پیار سے اُس کا گال تھپتھپایا اور وہ مسکرا کر فوراً اُن کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ اس انداز پر شارق ہلکا سا ہنس دیا۔ ماضی کہیں دور جا سویا تھا اور وہ کچھ لمحوں تک حال میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ شانزے کے ملائم بالوں میں انگلیاں پھیرتے وہ تلخ کافی کے سپ لیتا رہا۔ اور ساتھ ساتھ ہی وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے کام بھی کرنے لگا مگر گود میں شانزے کا سر ہونے کی وجہ سے ٹھیک طرح سے کام نہیں کر پا رہا تھا۔
’’شانزے! مائی چائلڈ۔ جاکر اپنے روم میں سو جاؤ۔‘‘ اُس نے جھک کر اُس کا گال تھپتھپایا مگر وہ سو چکی تھی۔ چند پل اُسے دیکھنے کے بعد شارق نے ہاتھ بڑھا کر لیپ ٹاپ آف کیا اور دھیرے سے اپنے لب اس کی صبیح پیشانی

پر رکھ دیئے۔ شانزے کے وجود کی خوشبو محسوس کرکے دل میں ایک کسک سی جاگی آہ کتنا تکلیف دہ تھا۔ وہ دن یاد کرنا بھی۔ جب دو دن لاک اپ میں رہنے کے بعد وہ اسمتھ کی بھاگ دوڑ اور ضمانت دینے پر گھر آیا تو ایک اور صدمہ اس کا منتظر تھا۔ علیزے اپنی ضد پوری کرچکی تھی۔ شارق دم بخود اُسے دیکھتا رہا۔ یوں جیسے وہ کسی انہونی کو سن رہا ہو۔ ہاں انہونی ہی تو تھی۔ علیزے ایسا کیسے کرسکتی تھی۔ اُس کے بچے کا خون کتنی تکلیف سے وہ دوچار تھا اور علیزے اُسے تو جیسے پروا ہی نہیں تھی۔ اُسے بغور دیکھتے اُس نے ایک پل کے لیے سوچا کیا وہ کبھی علیزے کو معاف کرسکے گا کیا وہ اس سے پہلے کی طرح پیار کرسکے گا اُس نے اپنے دل میں جھانکا مگر آہ سینے میں جہاں پہلے دل تھا۔ اب وہاں فقط ویرانی تھی دور دور تک اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔ شاید وہ فرار چاہتا تھا۔ اِس تلخ حقیقت سے یا شاید خود سے۔ اُس نے بس آنکھیں بند کرلیں تھیں کسی کبوتر کی مانند اور پھر یوں ہوا کہ اس نے کچھ بھی کہے بغیر اُس سے قطع تعلقی اختیار کرلیا اور شاید یہی اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔ علیزے نے شارق کو یکسر نظر انداز کیے پہلے پہل تو وہ بات کرلیتی تھی مگر اِس واقعے کے بعد لاکھ محبت کے باوجود نا ہی شارق کا دل اُس کی طرف سے صاف ہوا تھا اور نا ہی علیزے نے کوئی ایکسکیوز کیا تھا۔ وہ یوں رہتی تھی گویا اِس چھت تلے وہ اکیلی ہو۔ کسی اور ذی روح کا وجود ہی نا ہو۔ یوں الگ الگ رہتے جانے کتنا عرصہ گزر تھا کہ......

☆☆☆......☆☆☆

''ثانیہ! میری چیک والی شرٹ پریس کردی تھی۔'' زکی دھڑ دھڑ سیڑھیاں اُترتا نیچے لاؤنج میں آیا جہاں اس کی دوسرے نمبر والی بہن ثانیہ ڈائجسٹ لیے مطالعہ میں بزی تھی۔ زکی کی آواز پر سر اُٹھایا تو ماتھا پیٹ کر رہ گئی۔

''او مائی گاڈ بھائی بالکل ذہن سے نکل گیا ویٹ ابھی کردیتی ہوں۔'' وہ پھرتی سے اٹھی مگر زکی نے اسے بازو سے پکڑ کر دوبارہ اُسے صوفے پر پٹخنے والے انداز میں بٹھایا۔

''تم بیٹھ کر رسالہ پڑھتی رہو۔ ابھی لائٹ نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر خفگی سے مڑا ثانیہ دوبارہ اُٹھتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی۔

''سوری بھائی! آپ پلیز بلیو والی پہن لیں۔ وہ زیادہ سوٹ کرتی ہے آپ کو۔''

''وہ بھی پریس نہیں ہے پاکستان میں لائٹ ہو تو کام بھی ٹائم پر ہو۔'' وہ سخت خفا سا تھا۔

''سوری ناں بھائی! اب آپ پلیز میرا غصہ پاکستان پر مت اُتاریں۔ میں کوئی اور نکال دیتی ہوں۔'' وہ الماری کی طرف بڑھی۔ زکی سر جھٹکتا واش روم کی جانب بڑھا۔ ثانیہ شرٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی ڈھونڈ کر بیڈ پر رکھنے لگی۔ اور طائرانہ نظر صاف ستھرے کمرے پر ڈال کر باہر کی جانب بڑھی۔

''ثانیہ پانی نہیں آرہا۔'' زکی کی آواز پر اس کے قدم رُک گئے اور بے ساختہ وال کلاک کو دیکھا۔ لائٹ آنے میں ابھی بیس منٹ باقی تھے۔

''بھائی! لائٹ تو نہیں ہے ابھی۔ اچھا ویٹ میں کچھ کرتی ہوں۔'' وہ کہہ کر باہر کو لپکی۔ زکی کا موڈ بہت بُری طرح سے آف ہو چکا تھا آج اُس کا انٹرویو تھا۔ ساری ایکسائٹمنٹ لائٹ نا ہونے کی وجہ سے غارت ہوگئی تھی۔ ساری رات وہ کتنی محنت سے تیاری کرتا رہا تھا اور عین وقت پر مسئلہ۔ اُسے ساری محنت رائیگاں ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ پاکستان میں جاب کے موقع ملتے کم ہیں اور اگر مل جائیں تو کوئی نا کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ بھی تین سالوں سے ڈگری ہاتھ میں لیے جاب ڈھونڈ رہا تھا' بزنس ایڈمنسٹریشن اور مارکیٹنگ میں شاندار نمبروں سے ماسٹرز کرنے کے بعد وہ بہت پُرامید تھا کہ ملٹی نیشنل کمپنی میں اُسے یہ جاب مل جائے گی مگر نتیجہ ہمیشہ کی طرح زیرو۔

''پاپا! میں نے بس فیصلہ کرلیا ہے کہ میں باہر جارہا

ہوں۔ پاکستان میں کرپشن کم ہو تو ہم جیسے بھی ترقی کریں۔ یہاں تو نا اہل رشتے داروں کو سیٹ مل جاتی ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ پاکستان ذات پات کا فرق مٹانے کے لیے بنا ہے۔'' غصے سے جلتا بھنتا وہ ٹائی کی ناٹ کھولتا سالک زمان کا جواب سنے بغیر اپنے روم میں چلا گیا۔ اور سالک کے ساتھ شطرنج کھیلتے شارق نے تاسف سے اُسے دیکھا۔ کاش وہ اُسے بتا سکتا کہ ذات پات میں فرق کے نشانات اُسے امریکہ میں ملیں گے۔ جہاں سیاہ فام کو تھرڈ کیٹگری کے اچھوت کی مانند برتا جاتا ہے خواں وہ کتنا ہی اہل کیوں نا ہو۔ کرپشن کا تعلق کسی خاص ملک سے نہیں ہے۔ اور نا ہی کوئی ملک اِس وبا سے بچ پایا ہے۔ کاش وہ اُسے سمجھا سکتے کہ یہ وہ دیمک ہے جو امریکہ اور برطانیہ جیسے ممالک کو بھی کھا رہی ہے۔ پانامہ پیپر اِس وبا کی زندہ مثال ہے۔ کرپشن۔ دہشت گردی۔ ٹارگٹ کیلنگ۔ اور بے روزگاری۔ یہ صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ مسائل حتیٰ کہ یورپ کی ترقی یافتہ ممالک کے بھی ہیں۔ مگر کوئی اُن کا نام بھی نہیں لیتا کیونکہ دہشت گردی تو امریکہ اور لندن جیسے ممالک میں بھی ہوتی ہے مگر اُس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ہر کوئی پاکستان کا نام کیوں لیتا ہے حالانکہ ایک معروف برطانوی تجزیہ نگار اور رائٹر ٹونی بزین کے مطابق برطانیہ جیسی ٹارگٹ کلنگ دنیا میں کہیں ہوتی ہی نہیں۔ بقول اُن کے پاکستانی میڈیا جو روز کراچی میں ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کا رونا روتی ہے۔ کبھی لندن آ کر دیکھیں جہاں ٹارگٹ کلنگ کی سالانہ شرح کراچی سے زیادہ ہے۔ سالانہ لگ بھگ پچپاس ہزار کے قریب۔! واقعی صحیح تو کہا تھا اُنھوں نے کہ۔ کراچی میں روز بائیس ملین لوگ سوتے ہیں اور اگلی صبح بائیس ملین ہی جاگتے ہیں۔ مگر پھر بھی لوگوں میں خوف وہراس زیادہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ لندن میں اتنی زیادہ دہشگردی کے باوجود لوگ بڑے آرام سے رات رات بھر گھوم رہے ہوتے ہیں۔ اور آزادی سے رہ رہے ہوتے ہیں کیوں کیونکہ وہاں کا میڈیا پاکستان کی طرح صرف اپنے چینل کی ریٹنگ کے لیے ملک کی بدنامی نہیں کرتا پاکستان میں کسی گٹر کا ڈھکن نا ہو تو خبر کوئی آبی نالہ بند ہو جائے تو میڈیا کا رونا۔ کوئی بم دھما کا ہو جائے تو امداد دینے والوں کی نسبت مائیک اور کیمرے ہاتھوں میں لیے صحافیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ یہی میڈیا لوگوں میں خوف وہراس مزید بڑھا دیتا ہے۔ اور عالمی سطح پر اگر ہم دہشت گرد کہلائے جاتے ہیں تو کچھ حد تک قصور ہمارے میڈیا کا بھی ہے۔ یہی میڈیا ہمارے ملک میں نوجوانوں کی دل شکنی کر رہا ہے۔ مثبت اور منفی پہلو تو ہر چیز کے ہوتے ہیں مگر پاکستانی میڈیا صرف منفی پہلوؤں کو اُجاگر کرتا ہے صرف ملک وقوم کا وقار خاک میں ملا رہا ہے بلکہ لوگوں میں انتشار اور عدم برداشت بھی پھیلا رہا ہے۔ برائی کس معاشرے میں نہیں ہوتی۔ مگر مہذب اور ترقی یافتہ ممالک اُس کو اُچھالنے کے بجائے اُن کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ دبئی اور سنگاپور میں ایسی خبروں پر پابندی ہے۔ جو ہمارا میڈیا دن رات ہمیں دے کر ذہنی دباؤ کا شکار کر رہا ہے اور ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارا میڈیا آزاد ہے۔ کتنا اُلٹا سسٹم ہے یہاں۔ کاش ہم اِس ملک کی قدر کریں جس کے حصول کے لیے ہمارے بزرگوں نے لاکھوں جانوں کی قربانیاں دی ہیں مگر ہم یہاں کھاتے پیتے۔ اِنہی فضاؤں میں سانس لینے کے باوجود اِس ہی کی برائی کرتے ہیں۔ ہر بندے کی زبان پر یہ بات ہے کہ پاکستان نے ہمیں کیا دیا ہے۔ کوئی بھی اپنا احتساب کرنے کو تیار نہیں کہ ہم کیا دے رہے ہیں پاکستان کو یورپ کی چکا چاند نے ہماری آنکھیں چندھیادی ہیں۔ ہماری سوچ پر ہماری ذہنیت پر تالے ڈال دیئے ہیں یوں کہ ہمیں کچھ بھی اچھا دِکھائی نہیں دیتا بس یورپ کی چکا چوند دکھائی دے رہی ہے اُس کی برائیاں اس کی خامیاں دِکھائی ہی نہیں دے رہیں کیونکہ اُن پر بڑی مہارت سے پردہ ڈالے ہماری طرح میڈیا پر اُچھالنے کی بجائے اُسے جسٹی فائی کر رہا ہے اور پاکستان سوچوں میں گم اُسے ٹائم گزرنے کا پتہ نہیں چلا۔ جانے کب سالک اُس کے پا

س سے اُٹھ کر گیا اور کب زکی فریش ہو کر واپس آیا اُسے پتہ ہی نہیں چلا وہ تو زکی نے باتوں سے اپنے اندر اتنی تکلیف محسوس کر رہا تھا کہ آس پاس کی کوئی آہٹ اُسے سنائی ہی نہ دی۔ چونکا اُس وقت جب چینل چینج کرتے زکی کا سیل فون گنگنایا۔ وہ بےزاری سے ٹی وی کا والیوم کم کرتا فون سننے لگا۔

”نہیں یار کہاں۔ تمہیں آج تک پاکستان کا پتہ ہی نہیں ہے۔ بہت غصہ آرہا ہے مجھے۔“ شارق نے سوچوں کو جھٹک کر اُسے دیکھا جو بےحد آف موڈ لیے ہوئے تھا۔ دوسری طرف کی بات سنتا وہ چڑ سا گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر ٹی وی آف کرتے وہ اُٹھ کر باہر کی جانب بڑھا۔

”یار نام مت لو۔ تنگ آگیا ہوں میں۔ تین سالوں سے ڈگری ہاتھ میں لیے گھوم رہا ہوں۔ اب بہت ہو چکا۔ میں نے پاپا سے بات کرلی ہے میں اسٹیٹس جا رہا ہوں۔ کم از کم وہاں۔“ دور ہوتے ہوتے اس کی آواز بھی کم ہونے لگی۔ شارق اس کی پشت دیکھتے اس کا ”کم از کم“ پر جانے کیوں مسکرا دیا۔ وہ آگے کیا کہہ رہا تھا اُس نے نہیں سنا مگر دُکھ اِس بات کا تھا کہ پاکستان سے دور جا کر وہ ”امریکہ کے کم از کم“ پر بھی خوش تھا۔ واقعی صحیح تو کہتا تھا وہ کہ ہم غلام ہیں آج بھی یورپ کے۔ ذہنی غلام۔ اپنا وجود تو اُن سے چھڑوا لیا مگر ہمارا ذہن۔ ہماری سوچ آج بھی اُن کے قبضے میں ہے۔ ہم آج بھی غلام ہیں اس لیے نہیں کہ ہمارے ہاں آزادی نہیں ہے بلکہ اس لیے کہ ہماری خواہشات بہت زیادہ ہیں اور اِن ہی خواہشات نے ہمیں اپنا اور دنیا کا غلام بنا دیا ہے ہمیں یورپ نے نہیں۔ اُس کی چکا چوند نے اپنا اسیر کرلیا ہے۔ اتنا کہ ہمیں اس کی کوئی برائی نظر ہی نہیں آتی کیونکہ بظاہر وہ خوب چمک دھمک رکھتا ہے اور پاکستان میں بیٹھے ہر نوجوان کی طرح زکی کو بھی ہر چمکتی چیز سونا ہی لگ رہی تھی جیسے کبھی شارق کو لگا کرتی تھی مگر چھونے پر جب اپنی ہی انگلی جل اُٹھیں، تو سمجھ آگئی کہ سونے کی لالچ میں بندہ کبھی کبھی انگاروں سے بھی کھیل جاتا ہے اے کاش وہ انگارے اور سونے کا یہ

فرق زکی کو سمجھا سکتے۔ کاش وہ امریکہ جانے کے خواہش مندوں کو یہ بتا سکتے کہ وہ ملک جو آج بھی مسلمانوں کو دہشت گرد مانتے ہیں اور ٹوین ٹاور کے حادثے کا ذمہ دار ہم مسلمانوں کو سمجھتے ہیں۔ جو ہمارے ملک میں ہمیں چین سے رہنے نہیں دیتے۔ کیا وہ وہاں آزادی سے آرام سے رہنے دیں گے۔ کاش وہ زکی جیسے ہر نوجوان کو سمجھا سکتے کہ دُور کے ڈھول سُہانے ہی لگتے ہیں۔ مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے ایک سوائے کاش کے۔ آہ کتنا تکلیف دہ احساس ہوتا ہے ناں کہ جب آپ بہت کچھ کرنا چاہیں مگر کچھ بھی نا کر سکیں۔ سوچتے سوچتے جب بند آنکھیں کھولیں تو ہر سمت دھند ہی دھند چھائی ہوئی تھی۔ یہ دھند۔ اس کی آنکھوں کی دھند تھی اُس نے اپنی بھیگی پلکیں ڈبڈبائیں دل بہت بوجھل سا تھا یہ سوچ سوچ کر کہ کیوں ہیں ہم ایسے۔ اگلے کے تجربوں کی بجائے خود کو اوروں کے لیے تجربہ بنانا چاہتے ہیں۔ پہلے سے پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی بجائے گر کر ٹھوکر لگنے سے سیکھتے ہیں۔ وہ تاسف سے سر ہلاتا کچھ بھی نا کہہ سکا۔ زکی جیسوں کو اب جو سمجھانا تھا، وقت اور حالات نے خود سمجھانا تھا جیسے شارق نے بھی تھی وقت اور حالات کی زبان، کچھ زنگ آلود سے واقعات ذہن کے پردے پر سایہ بن کر لہرائے، وہ چاہتے ہوئے بھی جھٹک نہیں پایا۔ بعض اوقات بندہ جس چیز کو جتنی شدت سے بھولنا چاہے وہ اُتنی ہی شدت سے یاد آتی ہے۔ وہ یادیں بہت اچھی ہوتی ہیں یا بہت تلخ۔ دونوں صورتوں میں وہ آنکھوں میں نمی لے آتی ہے۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی ماضی کے کواڑ کھول کر تلخ یادوں کی بستی میں چلا گیا۔ دھواں دھواں ہوتی یادیں اس کے ذہن میں ہلکورے لیتی اُسے پندرہ سال پیچھے لے گئیں۔ جہاں فضا میں ایسا ہی دھواں تھا۔ اور دلوں میں غم کا غبار تھا۔ امام علی اور اظہر اُس کے دو بہت ہی پیارے دوست۔ وہ بے ضرر سے انسان جو ایجنسی کے ظلم کی بھینٹ چڑھ گئے تھے ذہن کے پردے پر امام علی کا وجیہہ چہرہ۔ اس کی شرارت بھری مسکان بھی اور کانوں کے پردے پر اس کی درد سے ڈوبی سسکتی بلکتی آواز!

”تم جانتے ہو شارق۔ میں یہاں کیوں آیا تھا۔ خوشیاں ڈھونڈنے کے لیے۔ آزادی کی اِس فضا میں سانس لینے کے لیے۔ عالیہ سے لڑ جھگڑ کے صرف ہمارے برائٹ فیوچر کے لیے۔ زندگی میں سکون آرام۔ بہتر آسائشیں۔ بہتر زندگی اور ترقی کے لیے اور ملا کیا۔“ وہ بے حد خراب اور ملگجے حلیے میں بیڈ پر چت لیٹا مایوس اور شکوہ کناں سا تھا۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گر رہے تھے۔ اور بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگائے شارق اُسے حوصلہ دیتے دیتے خود بھی حوصلہ ہار بیٹھا تھا۔ اور امام علی۔ زخمی وجود اور شکستہ روح لیے بس روئے جا رہا تھا۔ اِن بھیگی پلکوں اور آنسوؤں سے لبا لب بھریں آنکھوں میں کبھی بہت خواب ہوا کرتے تھے۔ اپنی اِن آنکھوں میں ڈھیر سارے خواب سجائے اُن کی تعبیر لینے اور اِن آزاد فضاؤں میں آزادی سے سانس لینے وہ نیو یارک آیا تھا نیو یارک جہاں اُسے محسوس ہوا کہ وہ غلط تھا۔ جو ملک پاکستان میں لوگوں کو آزادی کی سانس لینے نہیں دیتا کیا وہ نیو یارک میں اس کے باشندے کو سکون سے رہنے دے گا۔ آج بھی امام علی اور اظہر جیسے کئی بے گناہوں کو اُن کے اس نا کردہ جُرم کی سزا دیتا ہے۔ امام علی۔ ایک زندگی سے بھرپور نوجوان جو اپنا دیس چھوڑ کر پانچ سالوں سے یہاں جاب کرتا رہا۔ جس کی محبوب منگیتر ہر روز فون پر اُسے واپس آنے کو کہتی۔ مگر وہ زیادہ سے زیادہ کما کر اُس کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں خریدنا چاہتا تھا۔ مگر نہیں جانتا تھا کہ بعض اوقات زیادہ آسائشیں بھی انسان کی زندگی کا سکون برباد کر دیتیں ہیں۔ بعض اوقات طوفان اتنی شدت سے آتے ہیں کہ سب کچھ بہا کر لے جاتے ہیں ایسا ہی ایک طوفان امام علی اور اظہر کی زندگیوں میں بھی آیا تھا۔ ٹوین ٹاور اٹیک جو امریکہ کے لیے مالی پستی کا باعث بنا تھا مگر امام علی ،اظہر اور اِن جیسے ہزاروں بے گناہوں مسلمانوں کے لیے لقمہ اجل بنا تھا۔ ٹوین ٹاور کے اِس اٹیک کے بعد امام علی، اظہر اور اِن جیسے کئی معصوم مسلمانوں کو اس حملے میں

ملوث ہونے کے لیے مشکوک ٹھہرایا گیا اور صرف شک کی بنیاد پر لاک اپ میں ڈالا گیا تھا۔ جہاں ذہنی اور جسمانی اذیت کے ساتھ ساتھ انھیں روحانی طور پر بھی ٹارچر کیا جاتا تھا۔ اِس حملے کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔ اِس کی وجوہات اور مقاصد کا لائحہ عمل کیا تھا وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ بعض خبر رساں جریدوں اور تجزیہ نگاروں کے مطابق یہ یہودیوں کی سازش تھی۔ کیونکہ ریسرچ بتاتی ہے کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کے دن اس عمارت میں تین سو سے زائد یہودی ملازمین چھٹی پر تھے۔ اب سچ کیا تھا۔ کون تھا اصل ذمہ دار۔ اِس پر حتمی رائے دینا قبل از وقت تھا۔ مگر وہ حتمی طور پر کہہ سکتا تھا کہ اُس کے یہ بے ضرر سے دوست بے گناہ تھے اور یہ بات امریکہ والے ایف۔ بی۔ آئی والے بھی جانتے تھے۔ پھر کس جرم کی سزا دی اُنھیں وقت کے اِن بے رحم خداؤں نے اُن کا جرم کیا تھا۔ اُن کی خوشیاں۔ اُن کے آگے بڑھنے کی جستجو۔ یا پھر یہ کہ وہ مسلمان تھے۔ کیوں آخر کیوں؟

دو سال تک لاک اپ میں ذلت بھری زندگی گزارنے کے بعد آج ۴ اپریل کو امام علی۔ کوئی ثبوت وشواہد نا ملنے پر آزاد ہوا تھا مگر واپسی کے راستے فی الحال اُس کے لیے بند تھے۔ وہ انڈر ابزرویشن تھا۔ نیویارک سے کسی بھی اسٹیٹ جانے کی پرمیشن نہیں تھی۔ زندگی سے بھرپور وہ انسان کہیں کھو سا گیا تھا۔ ہر پل ہنسنے ہنسانے والا وہ شرارتی سا انسان اب زندگی سے شکوہ کناں تھا۔ آخر کس جُرم کی سزا دی جا رہی تھی اُسے۔ یہ سوالیہ نشان اُسے بے موت مار رہا تھا۔ زندگی ابھی باقی تھی مگر جینے کی اُمید ختم ہو چکی تھی۔ وہ خود کو اِن آزاد فضاؤں میں قید محسوس کرنے لگا۔ نا پاکستان جانے کی پرمیشن نا کہیں اور۔ عالمی بساط کے تمام مہرے اُسے مسلمانوں کے خلاف دِکھائی دیئے۔ اُس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اپنا گھر۔ اپنا گرد آلود شہر۔ اپنا وطن اُسے بہت یاد آ رہا تھا۔ جس کے اندھیروں سے بھاگتا وہ روشنی کی تلاش میں نیویارک آیا تھا۔ اب یہی روشنی اُس کی آنکھوں کو چبھنے لگی تھی۔ وہ اِن روشنیوں سے بھاگنا چاہتا تھا مگر اُس کی آنکھیں چندھیا گئیں تھیں۔ وہ لوٹنا چاہتا تھا واپس اپنوں میں مگر روشنیوں کے شہر نے ہر طرف سے اُسے اپنے حصار میں گھیر لیا تھا۔ وہ قید ہو گیا تھا اِن روشنیوں کا۔ وہ قید ہو گیا تھا اپنی خواہشوں کی زنجیروں میں اور پھر ایک دن۔ ایک دن یوں ہوا کہ کچھ بھی باقی نا رہانا خواب نا خواہش نا خوشیاں اور نا زندگی باقی رہی تو صرف یادیں۔ دل کا خون کرتیں یادیں۔ آہ امام علی۔ اُس کا دوست۔ اُس کا ساتھی۔ جس نے رات کے اندھیروں میں جانے کس پل اپنی جان لے لی تھی۔ یا شاید دے دی تھی۔ آزادی کی خاطر۔ اِس اذیت بھرے ماحول میں جسم کی قید سے نکل کر روح کی آزادی کی خاطر۔

شارق کی نظر اُس کی نعش پر پڑی تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ آنکھیں اس شرارتی سے انسان کی طرف اُٹھنے کو تیار ہی نہیں تھیں۔ نیلگوں سا جسم۔ ساکت سی باہر کو اُبلتی آنکھیں۔ یوں جیسے وہ اپنا جرم پوچھ رہی ہوں۔ وہ بولتی آنکھیں اب ساکت سی تھیں جن میں زندگی کی جوت بجھ چکی تھی۔ وہ آنکھیں جو عالیہ سے ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے بھی چمکتی تھیں۔ اُس آنکھوں کی چمک کہیں کھو گئی تھی۔ زندگی میں خوشیوں کو تلاش کرتے کرتے وہ زندگی کو کھو بیٹھا تھا۔

اور اظہر امام علی کے گزرنے کے ڈیڑھ برس بعد وہ تنگ و تاریک کوٹھری میں گوروں کی ظلم و اذیت کی تاب نا لاتے ہوئے اِس فانی دُنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ امام علی کے بعد اظہر کی موت نے شارق کو بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ انڈیا کے ایک گاؤں میں بستی اُس کی بوڑھی بیوہ ماں شاید آج بھی اُس کے آنے کا انتظار کر رہی ہو۔ اُس کے لیے وکیل کی کوشش کرتے شارق کو خود بھی کافی عرصے بعد اُس کی موت کا پتہ چلا تھا۔ جانے اُس کی لاش کا اُنھوں نے کیا کیا ہو۔ یہ پوچھنے تک کا حق بھی نہیں تھا شارق کے پاس۔ اُس نے کتنی بار ہمت کی انڈیا اُس کے گھر اطلاع دینے کی مگر بوڑھی ماں کے آنسو اسے روک دیتے۔ کیسے وہ یہ منحوس خبر دیتا اُس کو۔ جو صرف اُس کے لوٹنے کی آس

میں زندہ تھی۔ کم از کم اب اُسے اظہر کی بے گناہی ثابت ہونے کے بعد اُس کے پلٹ کر آنے کی ایک اُمید تو ہے۔ آہ یہ اُمید بھی کتنی ظالم چیز ہے۔ کسی کو سکون سے مرنے بھی نہیں دیتی' سوچتے سوچتے دل بہت زیادہ اُداس ہو رہا تھا

☆☆☆......☆☆☆

"چاچو" کسی نے اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے دباؤ ڈالا۔ وہ چونک اُٹھا۔ ماضی لہروں کی صورت ہلکورے لیتا دور ہوتا گیا۔ اِن لہروں اور دُکھ سے خود کو آزاد کرتے اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ژالے صوفے کے پیچھے کھڑی نرم مسکراہٹ لیے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھٹکتا حال میں لوٹ آیا۔ نیو یارک کی سرحدوں سے بہت دور وہ یہاں پاکستان میں سانس لے رہا تھا۔ یہ سوچ ہی اُسے طمانیت بخشنے لگی۔ ایک دم سے ساری تلخیاں۔ سارے اندیشے ہوا ہوئے۔

کیا سوچ رہے ہیں۔" ژالے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں چاچو کی جان۔ تم کہاں تھیں اتنی دیر سے اور شانزے کہاں ہے۔؟" وہ خود کو سنبھالتا سید ھا ہو بیٹھا۔

"شانزے، شاور لے رہی ہے۔ بٹ چاچو وہ یہاں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی۔ ظاہر ہے وہ نیو یارک کی طرح یہاں آزادی سے گھوم پھر نہیں سکتی ناں۔" وہ منہ بسور کر بولی۔ شارق اُس کے معصوم انداز پر جانے کیوں مسکرایا۔

"ڈونٹ وری۔ یہ پاک مٹی اُس کا خمیر ہے۔ کر لے گی ایڈجسٹ۔ بس تھوڑا ٹائم لگے گا اور ویسے بھی تمہاری جیسے بلبل لڑکی کے ہوتے ہوئے وہ کیسے نہیں ہوگی ایڈجسٹ۔" وہ پیار سے اُس کا گال تھپتھپا کر بولا۔ مگر وہ مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

ویسے چاچو۔ آپ نے غلطی کی یہاں آ کر۔ شانزے صحیح کہتی ہے یہاں تو عورت ذات بالکل قیدی بن کر رہتی ہے۔ نا اپنی مرضی۔ نا آزادی۔ کچھ بھی تو نہیں ہے یہاں سوائے عورتوں کے استحصال کے۔" زکی کی زبان اُس کے منہ میں بھی بول رہی تھی۔ شارق کو دُکھ نے گھیر لیا۔ مگر وہ نا سمجھ تھی ابھی اُسے سمجھانا مقصود تھا۔

آپ کو اگر ہمارے بغیر مزہ نہیں آ رہا تھا تو ہمیں بلوا لیتے نیو یارک ہم آ جاتے۔ یہاں پاکستان میں کیا رکھا ہے۔ عورتوں کے حقوق کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ اچھا بھلا "حقوقِ نسواں بل" پاس ہو رہا تھا۔ مگر وہی دقیانوسی سوچ کے حامل لوگ۔ عورتوں کی آزادی تو برداشت کر ہی نہیں سکتے ناں اور۔" ژالے اور بھی کچھ بولے جا رہی تھی جبکہ شارق نے اُس کی بات کو دُکھ سے برداشت کرتے بس آنکھیں موند لیں۔ وہ اب کیا بتاتا کہ وہ اِس آزادی سے ہی تو ڈرنے لگا تھا۔ یہی آزادی ہی تو اُسے بے سکون رکھتی تھیں۔ اِسی آزادی نے اس کا کتنا بڑا نقصان کر دیا تھا۔ ماضی کی تلخ یادیں اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھیں۔ یادیں کتنی تکلیف دہ ہوتی ہیں بعض یادیں جس میں آپ سب کچھ کھو چکے ہوں' خوشیاں' خواہشیں اور دل بھی۔ وہ آنکھیں موندھے سوچوں کی کشتی میں سوار ایک بار پھر ہزاروں لاکھوں میل دور چلا گیا۔ نیو یارک جہاں ہر عورت آزاد تھی۔ آزادی کے یہ رنگ علیزے نے بھی اُوڑھ لیے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ آزادی کے اِن رنگوں نے زندگی کی بساط پر بچھی ہر خوشی کو ہڑپ لیا تھا ذہن کے پردے پر کچھ لمحات کسی ڈراونی فلم کے سین کی مانند لہرائے۔

"ہائے اسٹیو' تم یہاں۔" شارق شاور لے کر ڈرائنگ روم میں آ رہا تھا۔ جب اُس نے گملوں میں لگے آؤٹ ڈور پلانٹس کو پانی دیتی علیزے کی آواز سُنی۔ اُس نے گلاس وال سے جھانک کر دیکھا تو بے ساختہ نظریں چُرا لیں۔ علیزے گرم جوشی سے آنے والے سے مل رہی تھی۔ کندھے تک آئے بالوں کو پونی میں مقید کیے وہ یقیناً علیزے کا کوئی فرینڈ تھا۔ ہاتھ میں کوئی میگزین لیے وہ مسکرا رہا تھا اور نگاہیں مسلسل علیزے کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔ علیزے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر مُکا مار رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں کی غلاظت وہ اتنے دور سے دیکھ سکتا تھا تو علیزے کیا انجان تھی۔ یا وہ عادی ہو چکی

تھی۔شارق کوعلیزے کے انداز نے عالمِ حیرت میں ڈال دیا۔اُس گورے کے دیکھنے کے انداز سے شارق کا خون کھول اُٹھا۔اِس سے پہلے کہ وہ غصے کی حالت میں دونوں کا کچھ کرتا۔وہ دونوں ہنستے ہوئے باہر کی طرف بڑھے۔اسٹیو کا بازو اُس کی کمر میں حائل تھا۔شارق جز بز ہوتا ناشتے کی ٹرے زمین بوس کرتا مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔وہ علیزے پر شدید غصہ تھا مگر علیزے اس کی ناراضگی اور غصے کو خاطر میں لائے بغیر سارا سارا دن کیتھرین، ہنری اور اسٹیو کے ساتھ گھومتی رہتی۔یوں الگ الگ رہتے ہوئے کئی ماہ بیت گئے۔علیزے نے اپنا ذاتی خرچ اُٹھانے کے لیے اسٹیو کی مدد سے پارٹ ٹائم جاب بھی شروع کر دی تھی اور شارق کے دیے پیسے اس کے منہ پر مار دیتی۔شارق بے قصور ہوتے ہوئے بھی پیار سے سمجھانے کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا مگر علیزے آزادی کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اب اکثر راتوں کو گھر بھی لیٹ آتی تھی شارق سب دیکھ دیکھ کر کھولتا تھا۔یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن اس رات شارق نے پہلی بار علیزے پر ہاتھ اُٹھایا جب وہ نشے میں دھت اور قابلِ اعتراض حلیے میں مغلظات بکتی گھر میں داخل ہوئی۔

”تم نے مجھے تھپڑ مارنے کی جرأت بھی کیسے کی۔آئی ول کِل یو۔آئی وِل کال دی پولیس۔“ وہ جونہی شارق کو مارنے کو لپکی۔اسے ایک زوردار چکر آیا اور لہرا کر گر گئی شارق ایک سرد نظر اس پر ڈالتا اپنے بیڈروم کی جانب چل پڑا۔رہ رہ کر اُسے اپنی کہی باتیں یاد آرہی تھیں۔کتنا تنگ تھا وہ اپنے ملک کے حالات سے اور آج وہی شارق جو پاکستان کے حالات سے تنگ آزادی ڈھونڈنے نیویارک چلا آیا تھا اُسے محسوس ہوا کہ یہاں نیویارک میں وہ اپنی پرسنل زندگی میں بھی آزاد نہیں تھا۔قدم قدم پر اُسے غلامی کی زنجیریں اپنے پاؤں سے لپٹی محسوس ہوتیں۔اُس نے آج جانا تھا کہ آزادی یا غلامی بھی سرحدوں کی محتاج نہیں ہوتی۔اس کا تعلق روح اور دل سے ہوتا ہے۔اس بات کا ادراک اُسے اب ہوا تھا کہ پاکستان میں اگر ہم سیاسی زندگی میں غلام ہیں تو آزادی تو نیویارک میں بھی نہیں ہے۔غلامی تو یہاں بھی اُس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔وہ سوچ سوچ کر پچھتا رہا تھا کہ اگر یہ پاکستان ہوتا تو کیا علیزے اس کا اتنا بڑا نقصان کر سکتی تھی۔ماڈرن اور آزاد

خیال لڑکیاں تو پاکستان میں اور بھی تھیں۔مگر کیا وہ علیزے کی طرح آزادی کی تختی ماتھے پر سجائے یوں کھلے عام غیر مردوں کے ساتھ بے تکلف ہو سکتی تھیں یا شوہر کی مرضی کے بغیر راتوں کو دیر دیر تک گھوم پھر سکتی تھیں۔نہیں۔ کیوں کہ وہ پاکستان ہے۔جہاں بھلے غربت اور بے روزگاری ہے۔مگر اسلامی اقدار پر کسی صورت کمپرومائز نہیں۔جہاں آج بھی اسلامک ویلیوز کی قدر کی جاتی ہے۔اُس نے آج جانا تھا کہ پاکستان کیوں بننا چاہیے تھا اور اسلامک آئیڈیالوجی کیوں میٹر کرتی ہے۔آج اُسے اپنا پاکستان بہت یاد آیا تھا جس کو صرف آزادی ڈھونڈنے کے لیے وہ چھوڑ آیا تھا،اور آزادی کی تلاش نے اُسے بہت تھکا دیا تھا۔بہت تنہا کر دیا تھا۔زندگی کتنی سہل تھی مگر خواہشات کی غلامی کرتے کرتے آج وہ اپنے وجود کو اِن زنجیروں سے آزاد کرنے کی سعی کر رہا تھا۔اُس کا وجود کھوکھلا ہو رہا تھا اور دل کھنڈر۔جہاں صرف ارمان دفن تھے۔بیڈ پر لیٹتے ہی آنسو بے اختیار بہہ نکلے۔دل چاہا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہ اپنے ملک چلا جائے۔جہاں اُسے سکون کی نیند لینے کے لیے کم از کم ادویات کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔بے شک سہولیات کم تھیں۔آسائشیں نا ہونے کے برابر مگر کم از کم زندگی میں سکون تو تھا۔رشتوں میں مٹھاس تو تھی اور یہاں تو پریشانیوں نے اُسے آکاس بیل کی مانند جکڑ لیا تھا۔ پاکستان کو سوچتے سوچتے وہ نیند کی وادی میں چلا گیا مگر اگلی صبح ایک اور فساد اس کے منتظر تھا۔

”شارق یہ میں کیا سن رہا ہوں۔یہ تربیت کی تھی ہم نے تمہاری کہ تم عورت ذات پر ہاتھ اُٹھاتے پھیرو۔“ ڈیڈی برہم سے شارق پر برس رہے تھے۔

”ڈیڈی میری بات۔“

”مت کہو مجھے ڈیڈی۔ کیا منہ دکھاؤں گا میں فضل صاحب کو کہ میرا بیٹا اس کی بے سہارا بیٹی کے ساتھ پردیس میں کیا کر رہا ہے۔ کیسی مردانگی ہے یہ کہ۔“ غصے سے بولتے ڈیڈی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شارق نے لائن کاٹ دی۔ غصے اور بے بسی سے بُرا حال تھا۔ علیزے نے کتنی چالاکی سے سب کی ہمدردی سمیٹ لی تھی کہ کوئی اس کی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اُن کی شادی کو پانچ سال ہو گئے۔ ازدواجی زندگی کا سارا سکون اور حسن کہیں کھو چکا تھا۔ علیزے کی وہی روٹین تھی۔ جب دل چاہا گھر آئی جب دل چاہا منہ اُٹھا کر چلی گئی۔ شارق جلتا کڑھتا اپنی زندگی سے سخت نالاں تھا۔ کتنی بے سکونی بھر گئی تھی اُس کی زندگی میں۔ ذہن منتشر سوچیں بکھری ہوئیں۔ ایک طرف امام علی اور اظہر کے ساتھ ہونے والے پے درپے واقعات اور اپنی گھریلو زندگی کے مسائل اور دوسری طرف سے والدین کی ناراضگی۔ اُسے سمجھ نہ آتا کہ وہ کیا کرے۔ کیسے بتائے اُنھیں اُن کی لاڈلی بہو کے کرتوت۔ جس کی خاطر خالہ زاد اجیہ کو ٹھکرایا۔ ممی کی مخالفت مول لی۔ جسے وہ بہت محبت سے اپنی زندگی میں لایا تھا۔ اب کس منہ سے اُس کے گلے شکوے کرتا۔ آہ وہ کہاں جائے۔ کس سے اپنا غم بانٹے۔ وہ بالکل تنہا تھا۔ زندگی ایک بوجھ کی مانند ہو گئی تھی۔ اور یہ بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے وہ تھکنے لگا تھا!

”ڈی۔ مجھے ڈائیوس چاہیئے۔“ اُس رات علیزے نے ایک اور زہر آلود خنجر سے اُس پر وار کیا۔ دل اندر تک زخمی ہو گیا تھا۔ بے شک لاکھ گلے شکوے سہی۔ مگر محبت اپنی جگہ تھی۔ دل کے نہاں خانوں میں۔ اور اِس بات کا احساس شارق کو اس پل ہوا تھا جب وہ دشمنِ جان کشکول لیے اُس سے اس کی زندگی مانگ رہی تھی۔ آہ۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے ناں یہ احساس۔ جب آپ سب کچھ ٹھیک کرنا چاہتے ہوں مگر آپ کے اختیار میں کچھ بھی نا ہو۔ وہ بھی سب ٹھیک کرنا چاہتا تھا مگر۔ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ آہ دل رو رہا تھا کتنا مشکل تھا دلِ نادان کو سمجھانا کہ جب رشتے کی پاکیزگی اور تقدس ہی ختم ہو جائے تو کیا فرق پڑتا ہے کہ رشتہ ہی ختم ہو جائے مگر دل آہ۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا۔ ایک اور امتحان اُس کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ علیزے ایک بار پھر سے ایکسپکٹ کر رہی تھی۔ کمزور لمحوں کی سوغات۔ شارق خوش ہونے کی بجائے سوچوں میں گم حقیقی معنوں میں پریشان ہو گیا تھا۔ اُس میں نا تو اتنی ہمت تھی کہ ایک بار پھر اپنا بچہ کھودے۔ اور نا ہی وہ چاہتا تھا کہ اس کے بچے کی زندگی پر اُن کے رشتے کا اثر پڑے۔ اِس دوراہے نے اُسے شدید تکلیف اور ذہنی دباؤ میں ڈال دیا ”کیا کروں“ کا سوالیہ نشان اس کے حواسوں پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ کاش کچھ ایسا ہو جائے کہ وہ آنکھ بند کرے اور کھلنے پر سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہو۔ کاش یہ کوئی بھیانک خواب ہی ہو۔ اے کاش۔ اُس کی زندگی اِس کاش کے گرد ہی گھوم رہی تھی۔

”چاچو۔“ ثانے نے اس کا کندھا ہلایا۔

”ہوں۔“ وہ کسی گہرے خیال سے چونکا۔

”کیا ہو جاتا ہے آپ کو بیٹھے بیٹھے کہاں کھو جاتے ہیں۔ میں کب سے بولے جا رہی ہوں۔ آپ تو سن ہی نہیں رہے۔“ قدرے خفا سے انداز میں کہتی وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔ شارق سر جھٹک کر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

”چلو اب بولو۔ کیا کہہ رہی تھی میری گڑیا۔“ وہ سیدھے ہوتے ہوئے بولا۔

”رہنے دیں۔ آپ نے مجھے اسٹارٹ کروا کر پھر سے مراقبے میں چلے جانا ہے۔“ وہ سخت خفا تھی۔ شارق اُس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

”کہو۔ میں سُن رہا ہوں۔“

”شیور؟“ وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ جہاں بہت ویرانیاں تھیں۔ شارق نے نظریں جھکا دیں۔

"چاچو! ایک بات پوچھوں؟" ژالے اُن کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ نکال کر شارق کا ہاتھ مضبوطی سے تھامنے لگی۔ گویا سہارا دینا چاہتی ہو۔ اُسی کے انداز میں اُن کے ہاتھ کی پُشت سہلاتے وہ دھیرے سے اُن پر اپنے لب رکھنے لگی۔ عقیدت کا یہ انداز سچ شارق کی آنکھوں میں آنسو لے آیا کتنا بدقسمت تھا وہ۔ اِن رشتوں سے اِتنے عرصے دور رہا۔ کتنے انمول تھے یہ رشتے۔ محبت۔ خلوص اور چاہت کی مالا میں پروئے ہوئے۔ اور وہ اِن کی خوب صورتی سے ناواقف دیارِ غیر میں اذیت بھری زندگی گزارتا رہا۔ پھر ایک دن یوں ہوا کہ کچھ بھی نا رہا۔ سب ختم ہو گیا۔ بعض اوقات زندگی انسان سے بڑے بڑے خسارے کے سودے کروا لیتی ہے۔ فقط چند لمحوں کی خوشیوں کے عوض ساری زندگی کا عذاب اور بے سکونی خریدنی پڑتی ہے۔ یورپ' آزادی' ترقی' آسائشیں کتنی بھاری قیمت چکائی تھی اُس نے امام نے اور اظہر نے۔ کچھ پل کی خوشی کی خاطر امام اور اظہر نے تو زندگی کا سودا موت سے کیا تھا اور خود شارق کہنے کو تو وہ زندہ تھا مگر زندگی کی تمنا ختم ہو گئی تھی پھر شانزے آئی اِس دنیا میں۔ اُس کے جینے کی وجہ۔ شاید وہ زندہ ہی شانزے کی وجہ سے تھا۔ وہ پھر سے جی رہا تھا۔ اور ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ شانزے۔ جو اتنی بڑی ہو گئی تھی۔ سوچتے سوچتے وہ ایک بار پھر نیویارک کی فضاؤں میں محوِ پرواز تھا اور اُس نے خود کو پاکستان کی بجائے نیویارک کے گھر کی اسٹڈی میں پایا۔

"ڈیڈی! میں نمّی کے ساتھ مارکیٹ جا رہی ہوں۔ آپ کو کچھ چاہیے؟" شانزے نے دروازے سے آدھا چہرہ اندر کر کے اسٹڈی میں جھانکتے ہوئے کہا۔ راکنگ چیئر پر بیٹھے شارق نے بُک نیچے کر کے اُسے دیکھا۔ وائٹ ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہنے ریڈ ٹائٹس کے پائنچے ٹخنوں سے قدرے اوپر کیے، سویٹر سے بے نیاز کلچ نما چھوٹے سے بیگ کی لمبی چین اسٹریپ کو شولڈر پر ڈالے وہ نظر لگ جانے کی حد تک کیوٹ لگ رہی تھی۔

"ڈیڈی۔" اُس نے "ڈیڈی" کو قدرے لمبا کر کے گویا اُسے خیالوں سے باہر نکالا۔ شارق چونک کر اُسے دیکھنے لگے اور دھیرے سے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا۔ وہ "اوکے۔" کہہ کر باہر کو لپکی۔ یقیناً وہ جلدی میں تھی، شارق نے اُس کے پیچھے بند ہوتے دروازے کو دیکھا اور پھر مسکرا کر بک اُلٹی رکھ کر ٹیرس پر آگئے۔ کڑوی کافی کا گھونٹ اس کے وجود میں سکون سرایت کرنے لگا۔ کافی کے گھونٹ بھرتے اُس نے نیچے دیکھا۔ تارکول کی سیاہ سڑک غالباً برف ہٹا کر صاف کی گئی تھی مگر دونوں اطراف میں ابھی بھی برف کی سفید قالین بچھی ہوئی تھی۔ وہ نمی کے ساتھ سائیکل پر بیٹھی لاپروائی سے کیپ سر پر جمائے اُسے زور زور سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ جواباً شارق نے ہاتھ ہلایا اور مسکرا کر اُسے دور جاتے دیکھا اور آسودگی سے مسکرا دیا۔ علیزے جاتے جاتے اُسے اُس کی کل کائنات سونپ گئی تھی آہ علیزے۔ جس نے شانزے کی پیدائش کے بعد لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے طلاق لے کر الگ رہائش اختیار کر لی تھی اور گلے کا طوق اُتار کر شارق کو سونپ دیا تھا۔ اُس کا باپ اُسے اپنے ساتھ پاکستان لے جانا چاہتا تھا مگر وہ آزاد فضاؤں کی عادی ہو چکی تھی۔ باپ کے منع کرنے اور غصے کی پرواہ کیے بغیر وہ اسٹیو کے ساتھ شادی کر کے اس کے فلیٹ میں شفٹ ہو گئی بعد ازاں وہ شراب اور نشے آور ادویات کے باعث اس کے گردے خراب ہونے لگے اور وہ اکثر بیمار رہنے لگی۔ اسٹیو کچھ عرصے تک برداشت کرتا رہا اور پھر اُسے گھر سے نکال دیا۔ سڑکوں پر آوارہ پھرتی وہ کئی بار شارق سے ٹکرائی تھی مگر نظریں چُرائے گزر جاتی۔ شارق کا دل آج بھی دُکھتا تھا اُسے یوں دیکھ کر گزر جانے وہ کیوں اتنی پتھر ہو چکی تھی کہ ایک بار بھی شارق کو آشنائی کا تاثر نہ دیا نہ ہی کبھی شانزے کے بارے میں پوچھا اُس نے۔ بس اجنبی بن کر گزر جاتی تھی۔ کیا کوئی ماں اتنی بھی سنگدل ہو سکتی ہے۔ شارق سوچ سوچ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ مشکل میں ہے۔ وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ مگر مخاطب ہونے کی ہمت نہیں تھی پھر یوں ہوا کہ کافی عرصہ وہ اُسے نظر نہیں آئی۔ وہ فکر مند سا ہو گیا کہ کہیں بیمار نہ ہو پریشان سا خود کو تسلیاں دیتا وہ نہیں جانتا تھا کہ اگلی صبح ہاسپٹل میں وہ آخری بار اُسے دیکھ سکے گا گردے فیل ہونے کے باعث اسٹریچر پر پڑے مردہ وجود کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ کچھ بھی ہو وہ اُس کی ہم وطن اس کی محبت سب سے بڑی بات وہ اس کی بچی کی ماں تھی اور پانچ چھ سالوں تک اس کی زندگی کا حصہ رہی تھی۔ پاکستان میں اطلاع دینے کے بعد سارے انتظامات کر کے دل سے اُس کے لیے دُکھی ہو رہا تھا۔ علیزے کے بعد اُس نے شانزے کی پرورش خود کی تھی، ماں اور باپ دونوں بن کر شاید بہت زیادہ محبت کی وجہ بھی یہی تھی۔ شانزے جو بالکل علیزے کی کاپی تھی مگر عادات میں وہ علیزے کی برعکس تھی۔ لونگ۔ کیئرنگ اور خوشیاں بانٹنے والی شانزے جس میں شارق کی جان بستی تھی۔ زندگی پھر اپنے معمول کے ڈگر پر چلی آئی۔ نا کوئی خوشی تھی۔ نا کوئی غم۔ بس زندگی ایک مشین کی مانند بن گئی تھی چلتی ہی جا رہی تھی۔

"چاچو۔" ژالے کی آواز اُسے قریب سے سنائی دی۔ وہ خود کو یادوں کے بھنور سے نکال کر حال میں لے آیا۔

"پتہ ہے شانزے کو اپنا اسکول چھوڑنے کا بہت افسوس ہے۔ کم از کم ایک سال مزید انتظار کر لیتے۔ اتنی جلدی کیا تھی؟" اُس کے ہاتھ کی پشت سہلاتی وہ اُس کے دل کی حالت سے انجان کہہ رہی تھی۔ شارق چند پل اُسے دیکھتا رہا۔ چپ چاپ، خاموش۔ جواب دیتا تو کیا کہ آخر وہ کیوں آیا تھا نیویارک چھوڑ کر۔ جیسے کوئی پتھر کسی پُرسکون تالاب کا سکون برباد کرتا ہے اُس میں ہلچل مچا دیتا ہے ویسے ہی ژالے کا یہ سوال ہلچل مچاتا ہلکورے لیتا اس کی زندگی کو ایک دم ایک سال پیچھے لے گیا۔ اب کیا جواب دیتا کہ اُس نے آنے میں جلدی نہیں دیر کر دی تھی۔ مگر شکر کے طوفان آیا تھا مگر پانی ابھی سر سے نہیں گزرا تھا۔ وہ ایک سال کیا ایک منٹ بھی مزید وہاں نہیں رُک

سکتا تھا۔ یادیں در یادیں۔ وہ کبھی بھی انھیں سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ اُن پر پہرے بھی تو نہیں بٹھا سکتا تھا ناں۔ آہ۔ وہ سات نومبر کی شام۔ ذہن آہستہ آہستہ پیچھے چلا گیا۔ آٹھ ماہ۔ تین دن پہلے کی تاریخ میں۔ جب ماحول میں خنکی قدرے زیادہ تھی۔ برفانی یخ بستہ ہوا برف کے ننھے ننھے ذرات اُڑ رہے تھے۔ گاڑی کے وائپر مسلسل حرکت میں تھے۔ وہ گاڑی کے شیشے چڑھائے ریش ڈرائیونگ کرتے بہت جلدی میں تھا۔ اسی دوران ڈیش بورڈ پر پڑا اُس کا سیل گنگنایا۔ ہاتھ اسٹیرنگ پر جمائے وہ سیل اُٹھا کر دیکھنے لگا اسکرین پر "اسمتھ کالنگ" لکھا آ رہا تھا۔ وہ سیل آن کر کے کان سے لگانے لگا۔ اسمتھ اُس کا بہت اچھا دوست اور کولیگ تھا۔ آج آفس میں بہت اہم میٹنگ تھی اور اسمتھ بار بار اُسے کالز کر رہا تھا۔

"او۔کے میں آ رہا ہوں۔ بس دس منٹ۔" شستہ انگریزی میں بات کرتے وہ سیل فون رکھنے لگا، اُس نے آج جلدی پہنچنا تھا سو وہ اسپیڈ قدرے بڑھا گیا۔ تیزی سے ڈرائیونگ کرتے جونہی وہ "ڈانس بار" کے سامنے سے گزرا۔ گاڑی کے پہیے یکدم سے چرچرائے۔ وہ ساکت سا آگے بڑھ نہ سکا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور سارا وجود سُن ہو گیا۔ آنکھوں دیکھے منظر پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ شانزے ایسا کیسے کر سکتی ہے۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ واضح تھی، وہ آنکھوں کو جنبش دیے بغیر یک ٹک سامنے دیکھ رہا تھا۔ جہاں شانزے نینی، سمیونا اور ایک انگریز لڑکے کے ساتھ کھڑی غالباً کسی پوائنٹ کے انتظار میں تھی۔ شارق کی نظر اس کی مخروطی انگلیوں میں دبے سگریٹ پر تھی۔ جو سیدھا اُس کے دل میں پیوست ہو کر اس میں موجود اعتماد کو جلا رہا تھا جو اُس کو شانزے پر تھا۔ شانزے کی تربیت، محبت، توجہ، اعتماد سب ہلکورے لیتا دھندلاتے ہوئے غائب ہو رہا تھا۔ آج یہ سگریٹ، کل کو ڈرنک اور آوارگی۔ کیا شانزے بھی علیزے کی طرح...... یہ سوچ کر ہی اس کی روح کپکپا اُٹھی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر چہرے کو چھوا۔ نیویارک کی یخ خنک فضا میں ہونے کے باوجود بھی اُس کا سارا وجود پسینے سے شرابور تھا۔

"نہیں۔ شانزے کو میں کبھی بھی علیزے نہیں بننے دوں گا۔ اس سے پہلے یہ آزاد فضاؤں کی پنچھی بن اُڑنا سیکھ لے۔ میں اِس کے پر کاٹ دوں گا۔ میں اِسے آزاد اُڑنے نہیں دوں گا۔ میں اِسے ایسے پنجرے میں بند کر دوں گا جو اِسے اُونچی اُڑان بھر کر زور سے زمین بوس ہونے سے بچائے۔ میں شانزے کو علیزے کی طرح برباد ہونے نہیں دوں گا۔ میں شانزے کو بچا لوں گا کسی محفوظ پناہ گاہ میں لے جا کر اور یہ محفوظ پناہ گاہ پاکستان کے علاوہ اُسے کہیں بھی نہیں ملنی تھی۔ جہاں بے شک آسائشیں کم ہوں گی مگر سکون کی زندگی میسر ہوگی اور آزادی، سکون اور آسائشوں کی تلاش میں وہ اپنی زندگی میں خلا بھر چکا تھا۔ اب مڑ کر دیکھا تو ہاتھ خالی تھے۔ زندگی ویران تھی کسی صحرا کی مانند کسی بنجر زمین کی مانند۔ اُس نے شانزے کی زندگی بنجر نہیں ہونے دینی تھی۔ اُس نے شانزے کو "آزاد" زندگی دینی تھی۔ ایک ایسی زندگی جو اُن تمام مسائل سے آزاد ہو جس نے امام۔ اظہر اور اُس کی زندگی کو دیمک کی طرح کھا لیا تھا۔ اُس نے واپس پاکستان جانے کا سوچ لیا تھا جہاں کم از کم شانزے کی اپنی پہچان تو ہو۔ جہاں اُسے کوئی دھڑلے سے دہشت گرد تو نہیں کہہ سکتا۔ وہ تینوں تو آزادی ڈھونڈنے نکلے تھے۔ امام اور اظہر تو اُسی آزادی کی بھینٹ چڑھ گئے اور شارق۔ سب کچھ داؤ پر لگا کر۔ اُس نے مڑ کر وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا جہاں بدقسمتی سے اُن دونوں کی لاشیں بھی نہیں جا سکیں۔ اپنے گھر، اپنے دیس کیونکہ اُس نے جان لیا تھا کہ آزادی کسی سرحد کی محتاج نہیں۔ یہ سب کے لیے آزاد ہوتی ہے اور یہی بات اس نے اب ذکی کو بھی سمجھائی تھی۔

اندھیری رات میں چمکا جگنو

مہناز یوسف

"یہ موبائل سیکنڈ ہینڈ ہے ناں۔" وردہ نے موبائل الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"نیا تو افورڈ نہیں کر سکتی سو پرانا ہی لیا ہے۔ ستا مل رہا تھا گنجائش نکال ہی لی۔" حیا پلنگ پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔

"اچھا کیا' گھر میں تو ضرورت پڑتی ہی رہتی ہے۔ اس میں میموری کارڈ بھی ہے ناں۔ یہ تو میں رکھ لوں گی...... گانا سنا کروں گی' ویسے بھی تم تو اسکول پڑھانے چلی جاتی ہو میں گھر میں بور ہو جاتی ہوں۔" وردہ نے کہتے ہوئے دل میں سوچا کہ تبریز سے بھی کبھی کبھار بات کر لیا کروں گی۔ تین چار دن ہو گئے تھے تبریز ان کے گھر آیا نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے' موبائل تم ہی رکھ لینا۔" اس سے پہلے بھی حیا نے وردہ کو کوئی چیز دینے سے انکار کیا تھا جو اب کرتی۔ جھٹ سے وردہ کو موبائل دینے کی حامی بھر لی۔

"موبائل تو حیا نے اپنی ضرورت کے لیے لیا ہے اسکول پڑھانے جاتی ہے' کبھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" ذکیہ بیگم بولیں۔

"امی اسکول میں موبائل رکھنے کی اجازت نہیں۔" حیا فوراً بولی۔

"اجازت نہیں ہے یا تمہیں وردہ کو اپنی ہر چیز دینے کی عادت ہے۔" ذکیہ بیگم کو حیا کی اس عادت سے بہت چڑ تھی کہ حیا اپنی ہر چیز وردہ کو دے دیتی تھی۔

"امی آپ ہم بہنوں کی محبت کو نہ ٹوکا کریں۔" وردہ مسکرا کر ذکیہ بیگم کے پاس ہی چپک کر بیٹھ گئی۔

"یک طرفہ محبت۔" ذکیہ بیگم نے وردہ کو گھورا۔

"یک طرفہ نہیں دو طرفہ محبت۔ حیا کی دینے والی محبت' میری لینے والی محبت۔ ہو گئی نہ دو طرفہ محبت۔" وردہ نے کہا تو ذکیہ بیگم کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"مجھے اسکول میں واقعی موبائل کی ضرورت نہیں ہوتی' یہ میں نے گھر کے لیے ہی خریدا ہے تاکہ رافعہ خالہ' فضا' شزا یا تبریز کو کوئی کام ہو تو وہ لوگ کال کر لیں۔" تبریز کا نام حیا نے لیا تو وردہ کا دل دھڑک اٹھا۔ تبریز وردہ کی دھڑکنوں میں بستا تھا۔

"وہ لوگ کیوں فون کریں گے۔ دو گلیاں چھوڑ کر تیسری گلی میں تو رافعہ کا گھر ہے۔ روز کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ان کا بھی ہمارا بھی۔ فضا' شزا' تبریز روز ہی آتے ہیں۔ نہیں تو تم دونوں چلی جاتی ہو۔ رافعہ بھی آتی رہتی ہے۔ میں بھی ان کے گھر جاتی رہتی ہوں۔ پھر کس بات کا فون شون۔" ذکیہ بیگم بیزار لہجہ میں بولیں۔

"آپ نہیں سمجھتیں' ضرورت کسی وقت بھی پڑ سکتی ہے۔ ویسے بھی آج کل موبائل بہت ضروری ہے۔" حیا نے کہا تو ذکیہ بیگم پھر بولیں۔

"ضروری ہے تو تم اپنے پاس کیوں نہیں رکھ رہیں۔ وردہ کو کیوں دے رہی ہو۔"

"امی گھر میں ہوگا تو سب کے ہی کام آئے گا۔ جو چیز جس کے نصیب کی ہوتی ہے اس ہی کو ملتی ہے۔ میری ایک ہی تو چھوٹی بہن ہے جو مجھے بہت پیاری ہے۔" حیا نے کہا تو وردہ نے دونوں انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنا کر ذکیہ بیگم کو دکھایا اور تینوں ہنسنے لگیں۔

○❖......○❖○......❖○

حیا وردہ سے ایک سال بڑی تھی گویا کوئی پری ہو' کوئی شہزادی ہو چندے آفتاب چندے ماہتاب' مثال جیسے حیا

کے لیے ہی وجود میں آئی ہو۔ اسے اچانک سے ایک نظر دیکھنے والا دوبارہ ضرور اسے دیکھتا تھا۔ اس کا معصوم حسن پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ جتنی وہ صورت کی حسین تھی اس سے زیادہ وہ سیرت کی خوب صورت تھی۔ بڑوں کا ادب چھوٹوں سے پیار نماز بھی پابندی سے ادا کرتی۔ اپنے گھر والوں کا خیال رکھتی پڑھنے لکھنے کی شوقین۔ گھر کے کاموں میں آگے اور ان سب خوبیوں پر حاوی ہوتی اس کی ایک خوبی یہ بھی کہ اپنی ہر خواہش سے ہر ضرورت سے اپنے گھر والوں کی خاطر آرام سے دستبردار ہو جاتی۔ خاص طور سے وردہ وردہ سے تو حیا اتنی محبت کرتی تھی کہ جو چیز وردہ کو چاہیے ہو وہ وردہ کو مل جائے بس کسی بھی صورت۔ وردہ کے لیے تو بچپن سے ہی وہ قربانی دیتی آئی تھی۔ وہ دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھیں۔ ایک بار ان کے ابو سلطان احمد حیا کے لیے گڑیا اور وردہ کے لیے چھوٹا سا گھر لائے۔ حیا گڑیا پا کر بہت خوش تھی۔ جبکہ وردہ کبھی اپنے گھر کو دیکھتی اور کبھی حیا کی گڑیا کو پھر وہ حیا سے بولی۔

”حیا مجھے تمہاری گڑیا پسند ہے مجھے یہ گڑیا چاہیے تم میرا گھر لے لو۔“

”اچھا لو تم گڑیا لے لو۔“ حیا نے جھٹ سے گڑیا دے دی اور گھر لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد وردہ پھر بولی۔ ”حیا یہ گھر تو ابو میرے لیے لائے تھے یہ میرا ہے۔“

”اچھا یہ لو اپنا گھر۔“ حیا نے اس کو گھر بھی دے دیا۔

”چلو ہم دونوں کھیلیں۔“ حیا نے وردہ سے کہا تو وردہ نے فوراً انکار کر دیا۔

”یہ گھر تو میرا ہے اور یہ گڑیا تم نے خود مجھے دی ہے۔ یہ دونوں چیزیں میری ہیں جاؤ میں تمہیں نہیں کھلاتی۔“ وردہ کے انکار پر حیا خاموشی سے اندر چلی گئی وردہ تنہا کھیلنے لگی پر تنہا کہاں مزہ آتا اسے تو حیا کے ساتھ کھیلنے کی عادت تھی۔ سو جلدی سے اندر گئی اور حیا کو بلا لائی پھر دونوں مل کر کھیلنے لگیں۔ نو سال تک صرف یہ دونوں ذکیہ بیگم اور سلطان احمد کی آنکھوں کی ٹھنڈک رہیں ذکیہ بیگم کی بڑی منتوں مرادوں کے بعد نو سال بعد حسن دنیا میں آیا۔ حسن کی دفعہ بھی یہی ہوتا جیسے ہی حیا حسن کو گود میں لیتی وردہ فوراً ذکیہ بیگم کو کہتی۔

”امی مجھے منے کو گود میں لینا ہے۔“

”ہاں امی وردہ کو منا دے دیجیے۔“ اس سے پہلے کہ ذکیہ بیگم وردہ کو منع کرتیں حیا جھٹ سے کہہ دیتی اور ذکیہ بیگم حسن کو حیا کی گود سے لے کر وردہ کی گود میں دے دیتیں۔

لیکن حسن صرف دو ماہ بعد ہی انتقال کر گیا اور ذکیہ بیگم اور سلطان احمد کی دنیا پھر سے وردہ اور حیا میں سمٹ گئی۔

بڑے ہو کر بھی حیا اپنی ہر چیز وردہ کو خوشی خوشی دے دیتی۔ میٹرک کے بعد ان کو نائنتھ کلاس نے الوداعی پارٹی دی۔ پارٹی کے لیے دونوں نے ایک ایک جیولری سیٹ خریدا۔ عین پارٹی والے دن وردہ تیار ہو کر برے برے منہ بنا کر آئینہ دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہوا؟“ اسے پریشان دیکھ کر حیا نے پوچھا۔

”یہ میرا سیٹ؟“ وردہ کچھ کشمکش میں مبتلا تھی۔

”کیا ہوا سیٹ کو بتاؤ تو سہی۔“

"اس کے وائٹ نگ میرے سوٹ کے ساتھ زیادہ میچ نہیں کر رہے۔ گولڈن نگ ہوتے تو زیادہ اچھے لگتے۔" وردہ اپنے گلے کے ہار پر ہاتھ رکھے بدستور شیشے میں دیکھ رہی تھی۔

"بس اتنی سی بات۔ تم میرا جیولری سیٹ پہن لو اس میں گولڈن نگ ہیں تمہارے سوٹ سے میچ کریں گے۔"

"لیکن تمہارے سوٹ میں گولڈن ایمبر ائڈری ہے وائٹ نہیں اچھا لگے گا۔" وردہ نے حیا کے براؤن سوٹ کو دیکھا جس پر گولڈن ایمبر ائڈری شاید اتنی حسین کبھی نہ لگتی اگر جو اسے حیا نے نہ پہنا ہوتا۔

"اوہو اس مسئلے کا حل بھی ہے میرے پاس۔ بس تم یہ پہن لو۔" حیا کانوں سے بندے اتارنے لگی۔

"وہ تو ٹھیک ہے پر امی......" وردہ اب گومگو کی کیفیت میں تھی وہ جانتی تھی کہ امی حیا کی اس عادت سے بہت خفا ہوتی تھیں کہ وہ اپنی ہر چیز وردہ کو دے دیتی تھی۔

"امی کی تم فکر نہ کرو انہیں میں سنبھال لوں گی۔" حیا وردہ کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ تھوڑی دیر بعد وردہ ذکیہ بیگم کے پاس صحن میں آ کر بیٹھ گئی۔

"تیار ہو گئیں۔ ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔" ذکیہ بیگم نے توصیفی نظروں سے وردہ کو دیکھا۔

"لیکن حیا سے کم......" بے اختیار وردہ کے منہ سے نکلا۔

"اونہوں...... ایسے نہیں کہتے۔ ہر انسان کی شخصیت اپنی جگہ منفرد ہوتی ہے۔" ذکیہ بیگم نے اسے سمجھایا۔

"امی میں تو مذاق کر رہی ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ میں بھی بہت خوب صورت ہوں بس ذرا حیا کی ٹکر کی نہیں ہوں تو کیا ہوا۔ حیا جیسی پیاری لڑکی میری یعنی وردہ سلطان کی بہن ہے یہی کم قابل فخر بات ہے کیا۔" وردہ کے جواب پر ذکیہ بیگم کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

اتنے میں حیا کمرے سے باہر آئی۔ اب اس نے براؤن کی بجائے بلیو اور وائٹ کلر کا کنٹراسٹ سوٹ پہنا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا کہ اگر وہ سوٹ بول سکتا تو حیا کے پہننے پر اس کا شکریہ ادا کرتا کہ تم نے مجھے پہن کر میری قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا۔

"ماشاءاللہ......" ذکیہ بیگم نے کوئی قرآنی آیت پڑھ کر حیا پر پھونک ماری پھر دوبارہ کچھ پڑھ کر وردہ پر پھونکا۔

"چلو بھئی حیا تمہارے بہانے مجھ پر بھی امی نے دم درود پڑھ کر پھونک ماردی۔" وردہ نے ہنستے ہوئے کہا پر امی نے خفگی سے دیکھا تو چپ کر کے بیٹھ گئی۔

"اچھا اچھا اب زیادہ منہ نہ بناؤ۔ چلو اسکول جاؤ ایسا نہ ہو پارٹی ختم ہو جائے۔" ذکیہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا تو دونوں جانے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

اسکول کا دور ختم ہوتے ہی دونوں نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا پر وردہ نے جیسے تیسے کرتے پڑتے انٹر کیا اور پھر پڑھائی کو خیرباد کہہ دیا کہ یہ اس کے بس کا کام نہیں تھا جبکہ حیا نے خوشی خوشی اور شوق سے بی اے کیا اور اے ون گریڈ لائی۔ وہ ایم اے کرنا چاہتی تھی پر ان ہی دنوں رات کو سلطان احمد ایسے سوئے کہ صبح ذکیہ بیگم کے اٹھانے پر بھی نہ اٹھے' ہسپتال لے کر گئے پتہ چلا کہ ایک گھنٹے پہلے ان کی دل کی دھڑکن بند ہونے پر موت واقع ہو گئی ہے۔ ان لوگوں پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا لیکن ذکیہ بیگم بہت باہمت خاتون تھیں۔ خود بھی جلد ہی سنبھل گئیں اور ان دونوں کو بھی سنبھالا۔ اس دوران رافعہ خالہ' ایاز خالو اور ان کی فیملی بہت معاون ثابت ہوئی' ہر پریشانی میں وہ لوگ سب سے آگے رہے لیکن ذکیہ بیگم نے کسی سے ایک پیسہ بھی مدد نہ لی کہ شروع سے ہی بے جا اخراجات کے خلاف تھیں۔ بچیوں کو بھی میانہ روی اور دوسروں سے مقابلہ نہ کرنے کی عادت ڈالی تھی۔ ہمیشہ برے وقت کے لیے پیسے بچا کر رکھتی تھیں' گو کہ سلطان احمد گورنمنٹ کے محکمے میں تھے ان کی آمدنی بہت کم تھی' لیکن اس کم آمدنی میں بھی ذکیہ بیگم نے بہت سنبھال سنبھال کر خرچ کیا کہ کیونکہ دو لڑکیاں تھیں جن کی پڑھائی لکھائی شادی بیاہ سب کرنا تھا۔ سلطان احمد کے انتقال کے بعد بھی ان کو ایک بڑی رقم ملی جو کہ انہوں نے ایسے کے ایسے ہی بینک میں جمع کرا دی۔ سلطان احمد کی

پینشن آتی تھی جو کہ خاصی کم تھی پھر بھی وہ گزارہ کررہی تھیں۔ اپنے گھر والوں کی خوشیوں کا خیال رکھنے والی حیا بھلا اس وقت کیسے پیچھے رہتی سو ذکیہ بیگم کے ناں ناں کرنے کے باوجود بھی ایک پرائیویٹ اسکول میں انٹرویو دینے چلی گئی۔ اسکول والوں نے اس کی قابلیت اور بہترین انگلش دیکھ کر اسے جاب دے دی جس پر ذکیہ بیگم بہت ناراض ہوئیں تھیں۔

"ہاں اب یہی دن دیکھنا رہتا تھا کہ بیٹیوں کی کمائی کھاؤں۔"

"امی ٹیچر بننا میرا شوق ہے۔ آپ کو معلوم تو ہے۔" حیا نے امی کو سمجھانا چاہا۔

"ہاں مجھے سب معلوم ہے۔ بھوکا ماررہی ہوں ناں تم لوگوں کو۔ اللہ کا شکر ہے گزارہ ہو ہی رہا ہے۔ تم دنیا والوں کو کیوں موقع دینا چاہتی ہو۔ تمہارے چند ہزار سے بڑا کوئی محل بن جائے گا۔ پر تم نے کبھی میری سنی ہے جو اب سنو گی۔" ذکیہ بیگم حد درجہ ناراض تھیں۔ انہوں نے ساری زندگی اپنا اور سلطان احمد کا بھرم قائم رکھا۔ دو کمروں اور ایک صحن والے گھر میں زندگی گزار دی۔ سلطان احمد نے انہیں سکون اور اطمینان بھری زندگی دی بدلے میں ذکیہ بیگم نے بھی کبھی حد سے زیادہ لالچ نہ کیا۔ اب جب سلطان احمد اس دنیا میں نہیں تھے تو وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا بھرم ٹوٹے۔ لیکن حیا اسکول میں پڑھانے لگی۔ ذکیہ بیگم نے حیا کی تنخواہ ہاتھ میں نہ لینے کی قسم کھائی تھی۔ پہلی تنخواہ ملنے پر حیا خود ہی وردہ ذکیہ بیگم اور گھر کی ضرورت کی کچھ چیزیں لے آئی۔

"امی گھر تو ابو کی پینشن سے ہی چلے گا میں تو بس یونہی اضافی چیزیں لائی ہوں۔ میری اچھی امی..... ناراض نہیں ہوں۔" حیا ذکیہ بیگم سے لپٹ گئی انہوں نے اس کا سر چوم لیا کہ اتنا سب کا خیال رکھنے والی بیٹی پر جہاں انہیں فخر ہوتا وہیں ڈر بھی رہتا تھا کہ حیا کی اتنی زیادہ اچھائیاں آگے جاکر اسے نقصان نہ پہنچائیں کہ وہ دوسروں کی خاطر اپنا بالکل خیال نہیں کرتی تھی۔

وہ کمرے میں حیا کے ساتھ بیٹھی باتیں کررہی تھی کہ اسے موٹر سائیکل رکنے کی آواز آئی۔ وہ حیا سے واش روم جانے کا کہہ کر باہر نکلی، صحن میں آئی تو امی صحن میں بچھے پلنگ پر دوپٹہ منہ پر ڈھک کر لیٹی ہوئی تھیں۔ تبھی وہ دروازے کا کھٹکا کھول کر اندر چلا آیا۔ دراز قد، گندمی رنگت، مسکراتی ہوئی گہری آنکھیں، یونانی دیوتاؤں جیسا تبریز؛ اس کا خالہ زاد تھا اور سب سے بڑی بات اس کے دل کا مالک بھی۔

"السلام علیکم!" اس نے اندر داخل ہوکر زور سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! آؤ تبریز بیٹا۔" ذکیہ بیگم خوشی سے دوپٹہ منہ سے ہٹا کر اٹھ بیٹھیں۔ تبریز نے قریب آکر سر ان کے آگے کردیا، ذکیہ بیگم نے بہت پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وردہ کھڑی ہوگئی تو تبریز ذکیہ بیگم کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"بس میری پیاری خالہ کا پیار اور......" تبریز نے خالہ سے کہتے ہوئے ایک نظر پلنگ کے پاس کھڑی وردہ پر ڈالی۔ "اور آپ کی یاد کھینچ لائی۔" وردہ اسے آنکھیں دکھانے لگی جنہیں اس نے سراسر نظر انداز کردیا۔

"جاؤ وردہ، تبریز کے لیے چائے لے آؤ بیٹا۔" ذکیہ بیگم نے کہا تو وہ کچن میں آگئی۔ چائے کا پانی چڑھا کر فریزر سے کباب نکالے کل ہی تو تیار کیے تھے۔ وہ کباب فرائی کررہی تھی تب ہی تبریز بھی کچن میں آگیا۔

"لاؤ بھئی جلدی دو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں کباب کھانے کے لیے۔"

"کل کیوں نہیں آئے۔ میں نے اتنا انتظار کیا۔" وردہ نے خفگی دکھائی۔

"آپ نے میرا انتظار کیا..... زہے نصیب۔" تبریز بے حد شوخ ہونے لگا۔ جب وردہ اسے تیز نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ سنجیدہ ہوگیا۔ "وردہ یار کام کی مصروفیت بہت ہے۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ بزنس میں رقم تو میرے دوست اور پارٹنر عاصم نے لگائی ہے۔ پورے کارخانے کو سنبھالنا، آرڈر لانا، آرڈر کی ڈیلیوری کرنا یہ سب مجھے ہی کرنا ہوتا

ہے۔ اس لیے فی الحال بہت مصروف رہتا ہوں۔ آج کی محنت ہی آگے کام آئے گی۔ گارمنٹس کا کام بہت اچھا چل رہا ہے اگر اسی طرح آرڈرز آتے رہے تو ہم بہت جلد چھوٹی فیکٹری لگانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ اگر واقعی ایسا ہوگیا تو وارے نیارے ہوجائیں گے۔ یار ابھی کی جدائی برداشت کرلو پھر تو ساری زندگی ساتھ ساتھ ہی رہنا ہے۔" تبریز نے کہا تو بے ساختہ وردہ کے منہ سے "ان شاء اللہ" نکلا۔ تبریز مسکرادیا۔

"ذرا کام کی سیٹنگ ہوجائے پھر امی کو بھیجوں گا۔ امی کہہ رہی تھیں کہ شمزا اور فضا کی شادی کے ساتھ ہی میری دلہن بھی لانا چاہ رہی ہیں میں نے کہہ دیا کہ ہاں ذرا قریب ہی دیکھیے گا' کہنے لگیں سب سے قریب تو ذکیہ ہی کا گھر ہے تو میں نے کہہ دیا کہ اچھا ان کا گھر ہے تو چلئے ان کے گھر ہی دیکھ لیجیے گا۔ ہنسنے لگیں بولیں مجھے پہلے ہی شک تھا چلو اچھا ہے۔"

"خالہ کو بھی بتادیا۔" وردہ کباب پلیٹ میں نکال کر کپوں میں چائے انڈیلنے لگی۔

"ابھی تو سرسری ساذکر کیا ہے دو چار مہینوں میں کام کی سیٹنگ ہوجائے گی تو تفصیل سے بتا کر رشتہ بھیجوں گا' مجھ سے بھی اب صبر نہیں ہوتا۔ صرف کام کا مسئلہ تھا اب وہ مسئلہ ختم ہوگیا ہے تو بس تمہیں اپنی زندگی میں لانے میں دیر نہیں کروں گا۔" تبریز نے کہا تو وردہ مطمئن انداز میں سر ہلا کر مسکرادی تبریز نے پلیٹ میں سے ایک کباب اٹھایا اور دوبارہ صحن میں آ کر ذکیہ بیگم کے پاس بیٹھ گیا وردہ بھی ٹرے اٹھائے صحن میں آ گئی۔

"حیا چائے لے لو۔" ٹرے پلنگ پر رکھ کر اس نے حیا کو آواز دی۔

"آرہی ہوں۔" کہتی ہوئی حیا باہر آئی۔

"بڑے دنوں بعد آئے ہو۔"

"کام کے سلسلے میں مصروفیت بہت ہے۔" تبریز نے کبابوں کی پلیٹ اپنے سامنے کی۔

"ہاں بھئی بڑے آدمی جو ہوگئے ہو۔" وردہ نے کہا۔

"بڑا آدمی بنوں یا چھوٹا رہوں گا تو آپ کا۔" وردہ کی سانسیں رکنے لگیں لمحہ بھر بعد ذکیہ بیگم کو دیکھ کر بولا۔ "بھانجا" تبریز نے بات مکمل کی تو وردہ کی رکی سانسیں بحال ہوئیں۔

"بدتمیز" وہ دل میں بولتی اپنا چائے کا کپ اٹھا کر وہاں سے چل دی۔ ذکیہ بیگم کی بہن رافعہ کے تین بچے تھے بڑا تبریز پھر فضا اور شمزا۔ تبریز ذکیہ بیگم کو اپنے سگے بیٹوں کی طرح ہی پیارا تھا اور تبریز کو بھی سکون ہی نہیں ملتا تھا جب تک خالہ سے نہ مل لے۔ چھوٹا سا تھا تب سے ہی تبریز سے انہیں بہت پیار تھا۔ شادی کے سال بعد ذکیہ بیگم کا ایک بیٹا ہوکر مرگیا تھا اور ان کو بیٹے کی خواہش بھی بہت تھی۔ تبریز میں انہیں اپنا بیٹا ہی نظر آتا تھا۔

❍❖......❍❖❍......❖❍

حیا اسکول گئی ہوئی تھی۔ موبائل پر تبریز کا میسج آیا۔ موبائل وردہ کے ہی کام زیادہ آرہا تھا' لیکن بوقت ضرورت۔ کیونکہ نہ تو تبریز کے پاس فالتو وقت ہوتا اور وردہ بھی میسجز وغیرہ کر کے حیا اور ذکیہ بیگم کو شک میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

"تیار ہوجاؤ شاپنگ پر چلنا ہے۔" میسج پڑھ کر وہ حیران ہوئی۔

"کیا مطلب؟" وردہ نے جوابی میسج کیا۔

"میں تمہیں کوئی گفٹ دینا چاہتا ہوں کیونکہ خیر سے کمانے لگا ہوں' پر کھلے عام فی الحال گفٹ نہیں دے سکتا کہ ہم دونوں وقت سے پہلے پکڑے نہ جائیں۔ اس لیے امی کو کچھ رقم دی ہے کہ خالہ کی فیملی کو ایک ایک سوٹ دلوادیں۔ تو امی اور میں تمہارے گھر آرہے ہیں۔ میں نے تمہارے لیے بوتیک میں سوٹ پسند کیا ہے۔ میں جس سوٹ پر اشارہ کروں' تم وہی لے لینا۔ یہ تمہارے لیے میری طرف سے اپنے پیار کا پہلا تحفہ ہوگا۔" بہت دیر بعد تبریز کا تفصیلی جواب آیا۔

"ٹھیک ہے بائے۔" مسکراتے ہوئے تبریز کو میسج کا ریپلائی کیا اور تمام میسجز ڈیلیٹ کردیئے۔ جس وقت رافعہ خالہ اور تبریز ان کے گھر آئے تو حیا بھی اسکول سے آ چکی

تھی۔ رافعہ خالہ نے خریداری کے لیے کہا تو حیا کی ہمت نہیں تھی لیکن خالہ کے اصرار پر ساتھ چلنے پر راضی ہوگئی۔

"فضا اور شہزا نہیں آئیں؟" وردہ نے ان کے بارے میں پوچھا۔

"ان کو تبریز نے پیسے دے دیئے ہیں کل دوبارہ بازار جائیں گے۔ آج تو اتنے سارے لوگ ایک ٹیکسی میں کیسے آتے۔" رافعہ خالہ نے بتایا۔

"ہائے اللہ کتنا اچھا ہے۔" وردہ حیا کے کان میں بولی۔ پہلی بار شاپنگ مال دیکھا تھا ورنہ تو وہ ہمیشہ چھوٹی موٹی دکانوں سے ہی خریداری کرتی تھیں۔

"یہ چڑھنے اترنے والی سیڑھیاں تو بہت اچھی ہیں۔" رافعہ خالہ اور ذکیہ بیگم تو بہت ہی خوش تھیں۔

وہ لوگ تبریز کی ہمراہی میں ایک بوتیک میں داخل ہوئے۔ ذکیہ بیگم رابعہ خالہ اور حیا کے ساتھ وہ بھی حیرت اور خوشی کے ساتھ خوب صورت جوڑے اور شاندار بوتیک دیکھ رہی تھی۔ تبریز ان لوگوں سے الگ ہوکر ایک کونے میں کھڑا ہوگیا اور وردہ کو اشارہ کیا۔ وہ سمجھ گئی سو غیر محسوس انداز سے آہستگی سے ان تینوں سے الگ ہوکر اسی طرف آگئی اور سوٹ دیکھنے لگی۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ وہ ایک ایک سوٹ کو ہاتھ لگاتی اور تبریز کی طرف دیکھتی وہ نفی میں سر ہلا دیتا۔ پانچویں سوٹ پر جب اس نے ہاتھ رکھا تو تبریز نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے ہٹ کر رافعہ خالہ اور ذکیہ بیگم کے پاس چلا آیا۔ وردہ نے حیا کو بلا کر کہا۔

"دیکھو یہ سوٹ مجھے اچھا لگا ہے۔" حیا نے ایک نظر سوٹ کو دیکھا پھر وردہ کو۔

"سوٹ تو اچھا ہے لیکن تمہیں تو پرپل کلر پسند نہیں......"

"ہاں مجھے یہ کلر پسند تو نہیں مگر یہ سوٹ اچھا لگ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ شاید اس کلر کے معاملے میں میری پسند چینج ہورہی ہے۔"

"مگر بہت مہنگا لگ رہا ہے۔"

"اس بوتیک کے سارے جوڑے ہی مہنگے ہیں، ہمیں تو خالہ دلا رہی ہیں تو ہم لے رہے ہیں ناں۔" ایک سوٹ حیا وردہ اس کے پسند کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور بہت

نے لیا اور ایک ذکیہ بیگم نے اور وہ لوگ گھر واپس لوٹ آئے۔

"پہن کر مجھے دکھانا۔" وردہ کے کان کے پاس دھیرے سے کہہ کر تبریز رافعہ خالہ کے ساتھ اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

"اتنے مہنگے سوٹ ہیں۔ خبردار کوئی نہ پہنے بلکہ اپنے اپنے جہیز کے لیے اٹھا کر رکھ دو دونوں......" گھر آکر سب سے پہلا اعلان ذکیہ بیگم نے یہی کیا۔

"امی ہم دونوں میں سے کسی کی بھی شادی کا ابھی اتا پتا نہیں ہے۔ جب تک تو فیشن بھی پرانا ہوجائے گا۔" وردہ نے دہائی دی۔

"نصیبوں کے کھلتے دیر نہیں لگتی، جس کا بھی اچھا رشتہ آگیا فوراً شادی کردوں گی۔ بس میں نے کہہ دیا ہے کہ دونوں اپنے اپنے سوٹ سنبھال کر رکھ دو۔"

"ہم تو اپنے سوٹ اپنے جہیز کے لیے رکھ دیں گی آپ اپنے سوٹ کا کیا کریں گی۔" حیا نے شوخی سے پوچھا۔

"تم دونوں میں سے پہلے جس کی شادی ہوگی اس ہی کی شادی میں پہنوں گی۔" ذکیہ بیگم نے مستقبل کی پلاننگ بتائی تو دونوں ہنس دیں۔

○❖......○❖○......❖○

"آج شام چھ بجے آؤں گا وہ سوٹ پہن کر دکھانا۔" آج صبح تبریز کا میسج آیا تو وردہ پریشان ہوگئی اب کیا ہوگا ذکیہ بیگم نے تو سوٹ جہیز میں رکھنے کا حکم سنایا تھا۔ شام کو ساڑھے پانچ بجے وردہ نہا دھو کر کمرے میں گھس گئی۔ ذکیہ بیگم حسب معمول صحن میں بچھے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم خالہ!" ٹھیک چھ بجے وہ پہنچ گیا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو۔ بڑے دنوں بعد آئے۔" ذکیہ بیگم نے تبریز کے سر پر ہاتھ رکھ کر معمول کے جملے دہرائے۔ تبریز ذکیہ بیگم کی بات کا جواب دینے ہی لگا تھا کہ اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور تبریز کی پلکوں نے جھپکنے سے انکار کردیا۔

پیاری لگ رہی تھی۔ تبریز نے مسکرا کر سراہنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں نے منع کیا تھا ناں یہ سوٹ پہننے سے......" ذکیہ بیگم نے تنبیہی نظروں سے گھورا۔

"کیوں منع کیا تھا خالہ پہننے کے لیے تو دلائے ہیں امی نے۔" تبریز اس کی حمایت میں میدان میں کودا۔

"بیٹا ان دونوں کے جہیز کے لیے رکھوائے ہیں۔ خاصے قیمتی ہیں ناں۔"

"جہیز کے لیے...... ہمم۔" تبریز نے شوخی سے سر ہلایا۔ "پھر تو ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں خالہ آپ۔ شادی کے بعد ہی پہنتیں ابھی سے کیوں پہن لیا۔" تبریز کی بات وردہ کو تپا گئی۔

"کہاں جارہی ہو تیار ہوکر؟" ذکیہ بیگم نے پوچھا۔

"کہیں نہیں جارہی یونہی پہن کر دیکھنے کو دل کررہا تھا اس لیے پہن لیا اور تیار بھی ہوگئی۔ پاگل ہوگئی تھی میں، ابھی جاکر بدل لیتی ہوں۔" وردہ نے تپ کر جواب دیا۔

"اب پہن لیا ہے تو پہنی رہو۔ لاؤ میں تمہاری تصویر بناتا ہوں۔" تبریز نے جیب سے موبائل نکالا۔

"واؤ...... کتنا خوب صورت موبائل ہے۔" حیا کمرے سے صحن میں آئی تو تبریز کے ہاتھ میں نیا موبائل دیکھ کر بولی۔

"نیا لیا ہے۔ چلو تم بھی ساتھ کھڑی ہوجاؤ اور خالہ آپ بھی۔" تبریز نے ان تینوں کی تصویریں اتارنا شروع کیں۔ حیا اور خالہ مسکراتے ہوئے تصویریں بنوارہی تھیں جبکہ وردہ نے منہ بنایا ہوا تھا۔

"موبائل بھی کہہ رہا ہے کہ کس روتی شکل کی تصویریں بنارہے ہو۔ وردہ موبائل پر یہ ظلم نہ کرو ذرا مسکراؤ تو۔" تبریز نے کہتے ہوئے ایک اور تصویر کھینچی۔

"مجھے مسکرانا نہیں آتا۔"

"پھر کیا آتا ہے؟"

"کاٹنا آتا ہے کاٹوں۔" وردہ نے دانت کچکچائے۔

"نہیں بھی...... ویسے بھی قصائی اور درزیوں سے میری زیادہ نہیں بنتی۔"

"بیٹا کیا مطلب ہوا اس بات کا۔" ذکیہ بیگم نے تبریز سے پوچھا تو حیا کے ساتھ ساتھ وردہ کو بھی ہنسی آگئی اور تبریز نے اسی لمحے موبائل کیمرے میں اس کی ہنستی ہوئی تصویر کھینچ لی۔

○◆......○◆○......◆○

"رافعہ، حیا کے لیے تبریز کا رشتہ لائی ہے۔ یااللہ تو نے میری سن لی۔" رافعہ خالہ کے جانے کے بعد ذکیہ بیگم بہت خوش تھیں جبکہ وردہ کو لگا کہ اسے نام سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

"امی کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"حیا شادی ہوکر رافعہ کے گھر جائے گی تبریز میرا داماد بنے گا۔ اس سے بڑی میرے لیے تو خوشی کی بات ہو ہی نہیں سکتی۔" ایک بار کان غلط سن سکتے ہیں دوبار نہیں۔ ذکیہ بیگم نے حیا کا ہی نام لیا تھا۔ وردہ نے حیا کو دیکھا اس کا چہرہ بھی خوشی سے چمک رہا تھا۔ وردہ کے ذہن و دل میں تلاطم برپا ہونے لگا۔

"یقیناً خالہ کو غلط فہمی ہوگئی ہوگی۔ تبریز بھی تو لاہور گیا ہوا ہے واپس آئے گا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وردہ نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

اور پھر تبریز واپس بھی آگیا، پر ذکیہ بیگم کے گھر نہ آیا۔ وردہ سے نہیں ملا اس کے کسی میسج کا جواب نہیں دیا۔ خالہ کہتیں۔

"بہت مصروف ہے، تین تین شادیوں کی تیاریاں اب ایاز (خالو) سے تو اتنا کام نہیں ہوتا۔ پھر کاروبار کی ذمہ داریاں ماشاءاللہ بہت محنتی ہے میرا تبریز۔"

وہ نہیں آیا، وہ شاید وردہ سے نظر نہیں ملا سکتا تھا۔ سنہرے خواب وردہ کی آنکھوں کو دے کر ان خوابوں کی تعبیر حیا کو دینے چلا تھا۔ وہ سوچتی

"تو کیا یہ سب تبریز کی مرضی سے ہورہا ہے۔ وہ واقعی حیا سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ تبریز کا معیار زندگی بہتر ہورہا تھا اس کا کاروبار چمک رہا تھا تو یقیناً محبت کا معیار بھی بدل

گیا تھا۔ وہ حیا کا طلب گار ہو گیا تھا۔ تبریز کسی سلطنت کے شہزادے جیسا تھا تو اب اسے اپنے ساتھ حیا جیسی پری چاہیے تھی۔" سوچ سوچ کر وردہ کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی تھیں۔ تبریز کو کھو دینے کا ڈر اس کے دور ہو جانے کا خدشہ' تبریز کسی اور کو اپنا لے گا یہ سوچ ہی دل کو چیر کے رکھ دیتی تھی۔

"کسی اور" وردہ نے سوچا وہ کسی اور "حیا" ہے۔

اس نے ایک نظر حیا کو دیکھا۔ اس کے لیے اپنی خواہشوں' ضرورتوں کو قربان کرنے والی بہن تبریز کے رشتہ آنے پر بہت خوش ہے۔ حیا کی آنکھوں میں خوشیوں کی واضح چمک دکھائی دے رہی ہے۔ پہلی بار ہاں شاید پہلی بار وہ اپنی کسی خوشی پر راضی ہے تو کیا وہ اپنی پیاری بہن کی پلکوں پر ٹھہرے خوشبوؤں' مسکراہٹوں کے سپنوں کو نوچ کر پھینک دے' کیا اسے حیا کو ساری حقیقت بتا دینی چاہیے اگر وردہ حیا کو بتا دے گی تو کیا ہوگا ہاں پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ حیا ہنسی خوشی مسکراتے ہوئے اس شادی سے انکار کر دے گی۔ تبریز کو ڈانٹے گی کہ اس نے ایسا کیوں کیا' پیار وردہ سے اور شادی حیا سے' پھر رافعہ خالہ اور ذکیہ بیگم کو بھی سنبھالے گی۔ تبریز وردہ کا ہو جائے گا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن حیا' اس کا کیا ہوگا؟ حیا یقیناً نبیل سے شادی کے لیے ہاں کر دے گی جس کا رشتہ آج کل آیا ہوا ہے۔ نبیل بھی اچھا لڑکا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے' پرائیویٹ کمپنی پر اچھی پوسٹ پر ہے۔ اچھے کردار اور اچھے اخلاق کا مالک ہے۔ پرسنالٹی بھی اچھی ہے لیکن ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبا ہے کہ اس کے والد حیات نہیں ہیں اس سے چھوٹے چار بہن بھائی ہیں جن میں سے تین بہنیں ہیں آخری بہن ابھی محض بارہ سال کی ہے۔ نبیل سے شادی کے بعد حیا نبیل کی ذمہ داریوں میں برابر کی شریک ہوگی' حیا تو ویسے بھی دوسروں کے کام آنے کے لیے ہر دم تیار رہتی ہے۔ سسرال جا کر بھی دوسروں کی خدمت ہی کرتی رہے گی۔

دوسری طرف تبریز تھا جو کہ اب ترقی کی راہوں پر گامزن تھا۔ سسرال کے طور پر حیا کو خالہ کا گھر ملتا' رافعہ خالہ فضا اور شزا اسے بچپن سے پیار تھا ان کے مالی حالات بھی دن بہ دن بہتر ہو رہے تھے۔ فضا اور شزا کی شادی بھی تبریز کے ساتھ ہی تھی۔ گویا تبریز سے شادی کے بعد حیا کو مکمل مالی اور ذہنی آسودگی نصیب ہوتی۔ لیکن اگر وردہ حیا کو تبریز کے کیے گئے جھوٹے وعدوں کے بارے میں بتا دیتی تو حیا اس پرسکون زندگی کے لیے کبھی راضی نہ ہوتی بلکہ نبیل سے شادی کر لیتی تو کیا دوسروں کی خوشیوں پر قربان ہونے کے جذبوں سے گندھی اس لڑکی کا نصیب یہی ہونا تھا کہ وہ ساری زندگی یونہی دوسروں کے لیے قربان گاہ پر چڑھتی رہے' نہیں...... نہیں...... وردہ نے سوچا وہ ایسا نہیں کرے گی۔ وہ حیا کو کچھ نہیں بتائے گی۔ پرخلوص جذبوں والی اپنی بہن کی خوشیاں اس سے نہیں چھینے گی۔ کیا ہوا جو تبریز اس کے دل کی خوشیاں لے کر حیا کو دینا چاہتا ہے۔ خوشیاں ہی تو ہیں دکھ تو نہیں ہیں ناں۔ حیا کا بھی خوشیوں پر حق ہے۔ حیا شروع سے ہی اسے دیتی آئی تھی آج پہلی بار ایسا موقع آیا تھا کہ وردہ نے حیا کو کچھ دینا تھا۔ آج پہلی بار اس نے حیا کو کچھ دینے کا تہیہ کیا وہ بھی اپنی سب سے قیمتی متاع جو کہ شاید کبھی وردہ کا تھا ہی نہیں پر وہ اسے اپنا سمجھ بیٹھی۔ وردہ نے اپنا فیصلہ اللہ کے سپرد کر کے خود خاموش رہنے کا فیصلہ کیا۔

○❖......○❖○......❖○

وردہ تبریز کی پسند کا سوٹ لے کر حیا کے پاس آئی۔ وہ کوئی ایسی چیز اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ جس سے اس بے وفا کی یادیں جڑی ہوں۔

"حیا یہ سوٹ تم اپنے جہیز میں لے جانا۔"

"میں کیوں لے جاؤں' یہ تو تمہارا پسندیدہ سوٹ ہے اور کتنی خوشی خوشی پہنا تھا تم نے۔"

"دل کا کیا ہے' دل کی پسند تو بدلتی رہتی ہے۔ آج جو ہمارے دل کی خوشی ہوتی ہے کل اسی چیز سے دل اکتا جاتا ہے۔ دل تو نئے نئے جہانوں کی سیر کرنے کی تمنا کرتا رہتا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا ہوا ہے وردہ تمہیں۔" حیا بے انتہا فکرمندی سے بولی۔

"تمہاری شادی ہو رہی ہے ناں تم ہمیں چھوڑ کے چلی جاؤ گی تو میں بالکل اکیلی ہو جاؤں گی۔" وردہ کی آنکھوں میں اداسی تیر رہی تھی۔

"مجھے تو لگ رہا ہے اپنا قیمتی سوٹ دینے پر تمہارا دل دکھ رہا ہے۔" ذکیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا وہ جانتی تھیں کہ وہ اپنی کوئی چیز کبھی حیا کو نہیں دیتی۔

"امی...... وردہ مجھے کبھی کسی چیز کو دینے سے انکار نہیں کرتی۔ بس اتفاق ہی ہے کہ کبھی کچھ دینے کا موقع نہیں ملا اسے۔" حیا وردہ کی حمایت میں ہمیشہ آگے ہوتی۔

"آج دینے کا موقع آیا تو اپنی محبتیں چاہتوں اپنے دل کی ہر خوشی تمہیں دے رہی ہوں حیا۔ تم نے ساری زندگی مجھے دیا ہے آج اللہ نے مجھے دینے کا موقع دیا ہے تو میں اسے ضائع نہیں ہونے دوں گی۔" وردہ سوچ رہی تھی۔

○❖○......○❖○......❖○

وردہ بہت تکلیف میں تھی۔ تبریز کی بے وفائی کا روگ لگا کے بیٹھی تھی۔

"یا اللہ میں تبریز کو حیا کے پہلو میں بیٹھا کیسے برداشت کر پاؤں گی۔ وہ ستمگر تو میرے جسم میں سانسوں کی مانند ہے۔ اسے خود سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوتے دیکھ کر کیسے جی پاؤں گی۔ اللہ مجھے جینے کی آرزو نہیں......" وردہ چھپ چھپ کر آنسو بہاتی۔ اتنے سے گھر میں بھلا آنسو کیسے چھپ پاتے۔ جب بھی روتی پکڑی جاتی وہ حیا کی شادی کا بہانہ کر کے ان آنسوؤں کی حقیقت کو چھپانے میں کامیاب ہو جاتی۔ تبریز کی بے وفائی سے زیادہ اس کی خاموشی نے اسے دکھ دیا۔ اگر اسے حیا اچھی لگنے لگی تھی تو وردہ کے سامنے اعتراف تو کرنا چاہیے تھا اس سے سوری تو کر لیتا۔ یوں بزدلوں کی طرح منہ نہ چھپاتا۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آتے گئے دکھ سوا ہوتا گیا۔ اس میں حیا جیسی قربانی دینے کی سکت کہاں تھی۔ عین شادی والے دن وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم نے گھر کے باہر ہی ٹینٹ لگوایا تھا۔ پر وردہ کی ٹینٹ میں جانے کی بھی ہمت نہ تھی۔ رخصتی کے وقت ذکیہ بیگم رافعہ خالہ فضا شہزاد (جن کی دو دن بعد شادی تھی) خود حیا کو لے کر وردہ سے ملانے لائیں۔ حیا بے حد حسین لگ رہی تھی۔

حیا دلہن بنی ایک نئے روپ میں وردہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اگر تبریز کا دل حیا سے محبت کرنے لگا تو کیا غلط تھا وہ تو ہے ہی چاہے جانے کے قابل۔ حیا آج صرف اس کی بہن ہی نہیں بلکہ تبریز کی بیوی بھی تھی۔

"جاؤ تبریز میں نے تمہیں اپنے دل کے ارمانوں کے قتل کی معافی دی۔ بس میری بہن کو ہمیشہ خوش رکھنا۔" وردہ دل ہی دل میں تبریز سے مخاطب ہوتے ہوئے حیا کو گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

○❖○......○❖○......❖○

وردہ کا ٹائیفائیڈ بگڑ گیا تھا۔ اسے ٹھیک ہونے میں دو مہینے لگ گئے۔ اس دوران حیا روز اس سے ملنے آتی۔ اس کا حسن دو آتشہ ہو چکا تھا۔ وہ تبریز کی سنگت میں بہت خوش تھی۔ ان دونوں کی شادی کو دس مہینے ہو چکے تھے۔ وردہ نے بھی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ تبریز کو دل سے معاف کر چکی تھی۔ تبریز حیا کے ساتھ آتا اور ذکیہ بیگم کے ساتھ صحن میں ہی بیٹھ جاتا تھا۔ وہ اب بھی وردہ سے آنکھیں نہیں ملاتا جبکہ حیا وردہ کے ساتھ کمرے میں چلی جاتی تھی۔ وردہ کی کوشش ہوتی کہ تبریز سے کم سے کم سامنا ہو کیونکہ سامنے ہوتا تو بھولی بسری یادیں ذہن میں آنے لگتیں اسے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل لگنے لگتا۔ تبریز بھی یہی چاہتا تھا کہ وردہ سے کم سے کم سامنا ہو۔

تبریز کے آفس کی مصروفیات کی وجہ سے یہ دونوں اپنی کوششوں میں کافی حد تک کامیاب ہو رہے تھے۔ تبریز اور اس کے پارٹنر عاصم نے مل کر فیکٹری لگالی تھی۔ تبریز نے گھر بھی نئے سرے سے بہت خوب صورت بنوا لیا اور کار بھی خرید لی تھی۔

"میں نے تبریز سے کہہ دیا ہے کہ اگر بیٹی ہوگی تو میں اس کا نام واؤ سے رکھوں گی وغیرہ۔"

"اور اگر بیٹا ہوا تو۔" وردہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا وہ امید سے تھی اور مزید خوب صورت ہو گئی تھی۔

”بیٹا ہوا تو تبریز کی مرضی جو دل چاہے نام رکھیں۔ میں چاہتی ہوں کہ بیٹا ہو تو تبریز کے جیسا‘ اگر بیٹی ہو تو میں چاہتی ہوں کہ بالکل تمہارے جیسی ہو‘ تاکہ مجھے لگے کہ ہم دونوں ایک بار پھر سے ساتھ رہ رہے ہیں۔“ حیا کے لہجے میں وردہ کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

”حیا ہم دونوں روز ہی ملتے ہیں۔ تم نہیں آتیں تو میں آجاتی ہوں تمہاری طرف۔“

”ہاں وہ تو صحیح ہے پر میرا دل نہیں بھرتا۔ میرا دل کرتا ہے تم میرے گھر میں رہو‘ میرے ساتھ‘ لیکن میرا کوئی دیور نہیں ناں۔“ حیا نے حسب معمول اپنے دیور کے نہ ہونے کا رونا رویا۔

”اف تم روز ہی اپنے دیور کے نہ ہونے کا غم مناتی ہو۔ اب اس عمر میں تو رافعہ خالہ تمہاری خواہش پوری کرنے سے رہیں۔“ وردہ کی بات پر مسکراتی ہوئی حیا صحن میں آگئی کیونکہ تبریز اسے آواز دے رہا تھا۔

”میں جارہا ہوں‘ امی کو بھیجوں تمہیں لینے یا خالہ کے ساتھ آجاؤ گی۔“

”رافعہ کو ہی بھیج دینا۔“ ذکیہ بیگم بولیں۔ ”وہ بھی گھنٹے دو گھنٹے میرے پاس بیٹھ جائے گی۔ میرا ابھی جانا نہیں ہوا تمہاری طرف‘ کل یا پرسوں چکر لگاؤں گی اور تم کہاں یوں ہی سوکھے منہ جارہے ہو۔ چائے پی کر جاؤ۔ وردہ تم کہاں کمرے میں گھس گئیں۔ تبریز کے لیے چائے لاؤ۔“

”خالہ آپ مجھے بھانجا ہی رہنے دیں۔ داماد کیوں بنا رہی ہیں۔“

”تم میرے بھانجے نہیں بیٹے ہو۔ داماد کب سمجھا ہے میں نے۔“

”پھر یہ تکلف کی باتیں کیوں کررہی ہیں مجھے فیکٹری جانا ہے دوبارہ۔“ تبریز جانتا تھا کہ وردہ اس کے سامنے آنے سے گریز کرتی ہے۔ ”اگر آپ مجھے بیٹا سمجھتی ہیں تو میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جس طرح سب مائیں اپنے بیٹوں کے ساتھ رہتی ہیں آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ذکیہ بیگم کو حیرت ہوئی۔

”مطلب آپ کو حیا سمجھا دے گی میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔“ تبریز کہتا ہوا چلا گیا۔ تبریز کے جاتے ہی وردہ اور حیا کمرے سے باہر آگئیں۔

”یہ کیا کہہ رہے تھے امی کے بارے میں۔“ اس نے حیا سے پوچھا جبکہ ذکیہ بیگم بھی حیا کو دیکھنے لگیں۔

”امی میں خالہ‘ خالو اور تبریز چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہیں۔ جب وردہ کی شادی ہوجائے گی تو آپ بالکل تنہا ہوجائیں گی‘ پھر ہم لوگ آپ کو اپنے گھر لے جائیں گے۔“

”آئے ہائے میں کیوں جاؤں گی اپنا گھر بار چھوڑ کر تمہارے گھر۔“ ذکیہ بیگم نے صاف انکار کردیا۔

”میں آپ کو زبردستی لے جاؤں گی۔ خیر ابھی تو اس بات کو چھوڑیں۔ وردہ کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ ہے۔“ حیا کے منہ سے اپنا ذکر سن کر وردہ کے کان کھڑے ہوگئے۔

”خالو جان کے دوست کا بیٹا ہے۔ حیدرآباد میں رہتا ہے اور.....“

”کیا.....کیا حیدرآباد میں رہتا ہے۔“ وردہ نے حیا کی بات کاٹ کر کہا۔ ”میں نہیں کروں گی حیدرآباد میں شادی اتنی دور۔“

”دور کہاں.....ڈھائی تین گھنٹے کا تو رستہ ہے بس۔“

”ڈھائی.....تین گھنٹے۔“ وردہ نے ڈھائی گھنٹے یوں کھینچے جیسے ڈھائی سو گھنٹے۔

”اچھا تم تو امی کے قریب رہو اور میں حیدرآباد چلی جاؤں‘ پاگل سمجھا ہے کیا۔“

”میں تو چاہتی ہوں کہ ساری زندگی امی کے ساتھ ساتھ تم بھی میرے قریب رہو۔ لیکن کیا کروں میرا کوئی دیور نہیں ناں۔ ورنہ چاہے جیسا بھی ہوتا کالا‘ پیلا‘ نیلا‘ بس میں تو تمہیں اپنی دیورانی بناتی پر اب تو دیور نہیں ہے تو کسی سے تو تمہاری شادی کرنی پڑے گی۔“ حیا وردہ کو چھیڑ رہی تھی۔

”ہاں شادی تو کروں گی پر حیدرآباد میں نہیں۔“ وردہ نے صاف انکار کیا۔

”دیکھو تو سہی ایسے ہی ہر رشتے سے انکار کررہی ہے۔

اسے سمجھاؤ وقت نکل گیا تو بہت پچھتائے گی۔" ذکیہ بیگم نے حیا سے اس کی شکایت کی تو وردہ نے دل میں سوچا۔

"امی وقت تو کب کا نکل گیا۔ پچھتاوے تو دل میں سانپ کی مانند کنڈلی مارے بیٹھے ہیں۔ میں تو بہت پچھتا رہی ہوں کسی کی جھوٹی محبت کا بھروسہ کیوں کیا میں نے۔"

"وردہ اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے۔" حیا نے کہا تو وردہ سوچوں کے گرداب سے باہر آ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے جیسی آپ لوگوں کی مرضی لیکن جب تک میں ایک عدد پیارے سے بھانجے یا بھانجی کی خالہ نہیں بن جاتی تب تک کوئی مجھ سے شادی کی بات نہیں کرے گا۔" اس نے اپنی شرط ان دونوں کے سامنے رکھ دی۔

"چلو ٹھیک ہے دو مہینے اور رک جاتی ہوں۔ اللہ خیر سے اچھا وقت لائے لیکن حیا کے فارغ ہونے کے بعد تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔" ذکیہ بیگم نے اسے وارننگ دی۔

"میری پیاری امی......" وردہ نے ذکیہ بیگم کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

○❖......○❖○......❖○

تبریز حیا کو شہر کے بہت بڑے پرائیویٹ ہاسپٹل میں لایا تھا۔ وہ بھلا اپنی پیاری بیوی کو چھوٹے موٹے ہسپتال کیوں لے جاتا۔ ڈلیوری بھی نارمل ہوئی اور اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ حیا کی خواہش پر اس کا نام وینزہ لکھا گیا تھا اور وہ بھی بالکل حیا جیسی سب کچھ تھا لیکن جانے کیا پیچیدگی ہوگئی تھی کہ ڈاکٹرز اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھیں وہ بار بار آ کر چیک کر رہی تھیں۔ خون کی بوتل بھی لگی ہوئی تھی لیکن اس کی رنگت پیلی پڑ رہی تھی۔ ڈاکٹرز اسے دوبارہ لیبر روم میں لے گئیں۔

"یا اللہ میری بہن کو ٹھیک کر دینا۔ اس نے تو ساری زندگی کسی کا برا نہیں چاہا۔ اس کے ساتھ بھی برا نہیں کرنا۔ اس کی ننھی بیٹی کے ساتھ برا نہیں کرنا۔" وردہ کا رواں رواں دعا گو تھا۔ تبریز پورے ہسپتال میں پاگلوں کی طرح چکر لگا رہا تھا۔ ذکیہ بیگم کے لب مسلسل قرآنی آیات کا ورد کر رہے تھے۔ فضا اور شزا بھی آ گئی تھیں۔ خالہ خالو بھی پریشان تھے۔

نرس ذکیہ بیگم اور تبریز کو بلا کر لیبر روم میں لے گئیں۔ وہ دونوں واپس آئے تو ذکیہ بیگم کے آنسو بہہ رہے تھے اور تبریز کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کے آنسو آنکھوں میں نہیں اس کے دل میں گر رہے تھے۔

"وردہ کون ہیں اندر آ جائیں۔" نرس نے کہا تو وردہ کے پیروں کو گویا پہیے لگ گئے۔ لیبر روم میں پہنچ کر وہ بھاگ کر حیا کے پاس گئی۔ وہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہی تھی۔ اس کو سانس لینے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی شاید...... لیکن اس کے چہرے پر وہی ازلی اطمینان تھا جو کہ اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"حیا...... حیا تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" وردہ نے معلوم نہیں حیا سے کہا تھا یا اپنے آپ کو تسلی دی تھی۔

"ہاں میں ٹھیک ہو جاؤں گی تم پریشان مت ہو۔" وہ آج بھی وردہ کو پریشان نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ "وردہ جو ہوتا ہے اس میں اللہ کی بہتری ہوتی ہے۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے کہ اللہ کی بہتری اس میں ہے کہ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔" وردہ بے صبرے پن سے بولی۔

"وینزہ میرے جیسی ہے اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ حیا کی صورت ہمیشہ تم لوگوں کے درمیان رہے۔"

"ہاں...... ہاں حیا تم ہمیشہ ہمارے درمیان رہو گی۔ وینزہ بھی تم بھی......" وردہ نے جلدی سے اس کے ڈرپ لگے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ کوئی غلط بات حیا کے منہ سے سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ حیا کو کچھ نہیں ہوگا پھر بھی دل جانے کیوں پریشان ہو رہا تھا۔

"وردہ میری وینزہ کا خیال رکھنا...... اس کو حیا سمجھ کر پیار دینا۔"

"ہاں میں خیال رکھوں گی تم بھی رکھو گی۔ ہم دونوں مل کر اس کا خیال رکھیں گے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" وہ بار بار حیا کے ٹھیک ہونے کا اپنے آپ کو یقین دلا رہی تھی حیا کو نہیں۔

"وردہ امی کو سنبھال لینا۔ انہوں نے ہمیشہ اپنوں کو کھویا

ہے' پہلے اپنے تین بچے پھر ابو اب کوئی اور صدمہ وہ کیسے برداشت کریں گی تم انہیں سنبھال لینا۔"

"اب کوئی اور صدمہ اللہ تعالیٰ امی کو نہیں دیں گے۔" وردہ برداشت کی حدوں پر پہنچی ہوئی تھی۔ "حیا امی کو اب کوئی اور دکھ نہیں ملے گا۔" اس کی برداشت ختم ہوگئی وردہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اچانک ہی اسے لگا کہ جیسے وہ آخری بار حیا سے بات کررہی ہو۔

"حیا میں نے تو کبھی کوئی سہیلی بھی نہیں بنائی۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جانا۔ تم نے ساری زندگی میری خواہشیں پوری کی ہیں' آج میری آخری خواہش پوری کردو پلیز...... مجھے چھوڑ کر نہیں جانا۔ میری یہ خواہش پوری کردو پھر کوئی خواہش' کوئی فرمائش نہیں کروں گی۔"

"کاش میں تمہاری یہ خواہش پوری کرسکتی' لیکن میری حالت سیریس ہے۔ وردہ وعدہ کرو میری ونیزہ کا خیال رکھوگی۔"

"ہاں میں ساری زندگی ونیزہ کا خیال رکھوں گی اپنی جان سے بھی زیادہ۔"

"وردہ تبریز بہت اچھا ہے' اس نے مجھے بہت پیار دیا ہے۔ وہ ٹوٹ جائے گا' بکھر جائے گا۔ تم تبریز کا......" بولتے بولتے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ڈاکٹرز اور نرسوں نے وردہ کو باہر بھیج دیا۔

وہ روتی رہی' میری بہن میری سہیلی کو میری عمر بھی لگ جائے' اسے کچھ نہ ہو۔ وہ دعائیں کرتی رہی۔ آنسو بہتے رہے پر ان کے لیے وہ قبولیت کی گھڑیاں نہ تھیں۔ سب کو خوشیاں دینے والی نہ مٹنے والا دکھ دے گئی۔ وہ چلی گئی' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

○❖......○❖○......❖○

وقت کا کام ہے گزرنا سو گزرتا ہی چلا گیا۔ حیا کے انتقال کو چھ ماہ ہوگئے تھے۔ صبر بھی آ ہی گیا۔ کمی تھی' یادیں تھیں' کسی اپنے کے کھوجانے کی اذیت تھی۔ ان سب کے درمیان وردہ اور ذکیہ بیگم کے لیے ایک بہت بڑی خوشی تھی اور وہ تھی ونیزہ۔ وردہ صبح اٹھتے ہی دروازے کی طرف دیکھنا شروع کردیتی۔ جہاں سے روز تبریز یا خالہ ونیزہ کو لاتے۔ وہ ونیزہ پر لپکتی' اسے سینے سے لگاتی۔ اسے پیار کرتی' اسے لگتا کہ جیسے وہ حیا کو گلے لگارہی ہو۔ وہ سارا دن ونیزہ کو گود میں بھرے رہتی' اس کے چھوٹے موٹے کام خوشی خوشی کرتی' اس کے ساتھ باتیں کرتی' لیکن جیسے ہی تبریز گھر آتا فوراً ونیزہ کو لینے پہنچ جاتا کہ اسے بھی ونیزہ کے بغیر سکون کہاں ملتا تھا۔ وردہ بہت دل کڑا کرکے ونیزہ کو تبریز کے حوالے کردیتی۔ کبھی کبھی تو وہ رات کو بھی ذکیہ بیگم کے ساتھ رافعہ خالہ کے گھر چلی جاتی کہ ونیزہ کو دیکھنے کا دل کررہا ہوتا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ سب یونہی نہیں چلے گا' پھر ایک دن ذکیہ بیگم نے وہی بات کی کہ جس کا اندیشہ تھا۔ وہ ونیزہ کو گود میں لیے بیٹھی تھی کہ ذکیہ بیگم بولیں۔

"وردہ بیٹا' ونیزہ کو ماں کی ضرورت ہے۔ رافعہ چاہتی ہے کہ......" ذکیہ بیگم بولتے بولتے چپ ہوگئیں۔

"کہ میں تبریز سے شادی کرلوں۔" وردہ نے بات مکمل کرکے ذکیہ بیگم کی مشکل آسان کردی۔

"تمہاری مرضی ہے تو ٹھیک ورنہ میں تمہیں مجبور تو نہیں کروں گی۔"

"تو پھر آئندہ مجھ سے یہ بات مت کیجیے گا۔"

"تبریز تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"امی میری طرف سے انکار ہے۔ میں کسی سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔" وردہ کا لہجہ حتمی تھا۔

"پھر بھی بیٹا' اس کی بات سن لینے میں کیا حرج ہے پھر بھلے سے انکار کردینا۔"

"امی جب مجھے انکار ہی کرنا ہے تو بات سننے یا نہ سننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"بیٹا ایک بار میں نے اسے مایوس کیا تھا۔ اس کی پسند سے اس کی شادی نہیں ہونے دی اور اب تم اسے مایوس کررہی ہو۔" ذکیہ بیگم کے لہجے میں اداسی تھی۔

"آپ نے کب مایوس کیا انہیں...... انہوں نے حیا سے شادی کرنا چاہی سو حیا سے ان کی شادی ہوئی۔" وردہ ونیزہ کو گود میں لے کر تھپک رہی تھی۔

”تمہیں حیرت ہوگی یہ سن کر کہ تبریز حیا سے نہیں تم سے شادی کرنا چاہتا تھا۔“ ایک بم تھا جو ذکیہ بیگم نے وردہ کے سر پر پھوڑا تھا۔

”امی یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟“ ونیزہ کو تھپکتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔

”دراصل رافعہ کو غلط فہمی ہوگئی تھی۔ ایک بار رافعہ سے تبریز نے کہا تھا کہ وہ خالہ کے گھر رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ رافعہ کے ذہن میں حیا کا ہی خیال آیا کیونکہ وہ بڑی بھی تھی اور خوب صورت بھی زیادہ تھی۔ رافعہ سمجھی کہ تبریز حیا کی بات کررہا ہے۔ جب فیکٹری کے آرڈر لینے تبریز لاہور گیا تھا تو رافعہ اسی غلط فہمی کی بنا پر حیا کا رشتہ لے آئی۔ میں بہت خوش ہوئی، حیا کو بھی بتایا تو وہ بھی بہت خوش تھی۔ سب ٹھیک تھا لیکن ایک ہفتے بعد جب تبریز واپس آیا تو رافعہ نے مجھے اپنے گھر بلوا کر بات کی کہ تبریز حیا سے نہیں وردہ سے شادی کرنا چاہتا ہے یہ بات سن کر مجھے تو بہت غصہ آیا۔ میں نے کہا پھر رشتہ بھی اسی کا لانا چاہیے تھا۔ اب تو میں کسی صورت تبریز کی وردہ سے شادی نہیں کروں گی۔ میں نے کہہ دیا کہ اگر تبریز کی حیا سے شادی نہیں ہوگی تو میں وردہ سے بھی نہیں کروں گی...... مجھے رافعہ نے سمجھایا، تبریز نے میری منتیں کیں پر میں نہیں مانی مجھے ضد ہوگئی تھی۔“ ذکیہ بیگم بتارہی تھیں اور وردہ جیسے حیرتوں کے پہاڑ تلے دبے جارہی تھی۔

”امی...... آپ نے پہلے یہ سب کیوں نہیں بتایا۔ نہ رافعہ خالہ نے فضا، شمزا کسی نے نہیں بتایا۔“

”فضا اور شمزا کو تو اس قصے کا علم ہی نہ تھا، صرف ہم تینوں کو ہی تھا۔ میں نے تبریز کے رشتہ آنے کے بعد حیا کی آنکھوں میں سچی خوشی دیکھی تھی۔ وہ بہت خوش تھی، اگر تبریز کا رشتہ حیا سے ختم ہوکے تم سے ہوجاتا وہ تب بھی خوش ہی ہوتی حیا تو ہمیشہ اپنی خوشی سے زیادہ تمہاری خوشی کو اولیت دیتی تھی۔“ حیا کے ذکر پر ذکیہ بیگم کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

”بات تو اتنی بڑی نہیں تھی گھر کی ہی بات تھی، صرف ایک ہفتہ تو ہوا تھا، حیا سے ختم ہوکے رشتہ تم سے ہوجاتا...... تبریز کو اس کے دل کی خوشی مل جاتی، لیکن میرے دل میں بس ایک ہی بات سماگئی کہ حیا کی ہر چیز وردہ لے لیتی ہے سو میں نے سختی سے انکار کردیا اور کہہ دیا کہ حیا اور وردہ کو بھی اس سارے قصے کا علم نہیں ہونا چاہیے ورنہ میں تم لوگوں سے مرنا جینا ختم کردوں گی۔ تبریز بہت دنوں تک میرے پیچھے پڑا رہا لیکن پھر میری ضد کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے کیونکہ وہ مجھ سے بھی بہت محبت کرتا تھا اس لیے حیا سے ہی شادی کرلی اور اسے بہت خوش رکھا۔“ ذکیہ بیگم ڈیڑھ سال پرانی باتیں بتارہی تھیں پر وردہ کو لگا جیسے صدیاں بیتیں اسے تبریز کی بے وفائی کا دکھ سہتے۔

”حیا ہمیشہ کہتی تھی کہ جو کچھ میں وردہ کو دیتی ہوں وہ اس کے ہی نصیب کا ہوتا ہے میں تو صرف وسیلہ ہوتی ہوں، لیکن میں نہیں مانتی تھی لیکن اب سمجھ آیا کہ وہ واقعی صحیح کہتی تھی۔“ ذکیہ بیگم بول رہی تھیں اور وردہ جیسے سکتے کے عالم میں تھی۔ ونیزہ اس کی گود میں کب کی سوچکی تھی۔

”اب جبکہ حیا اس دنیا میں نہیں اور ونیزہ کو بھی ماں کی ضرورت ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں یہ بات بتادی جائے۔ تم ایک بار ضرور تبریز سے بات کرلو کیونکہ میں جانتی ہوں کہ نہ ہی تم ونیزہ کے بغیر رہ سکتی ہو اور نہ ہی تبریز۔ حیا کی موت کے بعد سے میرے دل پر پچھتاوؤں کا بوجھ تھا۔ میں نے حیا سے تبریز کی شادی کی ضد کرکے اچھا نہیں کیا۔“ وردہ نے اپنی ماں کو دیکھا کتنے دکھ دیکھے تھے اس کی ماں نے، ذکیہ بیگم کمرے میں چلی گئیں۔ وہ وہیں صحن میں بیٹھی رہی۔ تبریز کب آکر اس کے سامنے بیٹھا...... وہ یونہی بت بنی بیٹھی رہی۔ اس کی گود میں ونیزہ سکون سے سو رہی تھی کتنے ہی خاموش لمحے دونوں کے درمیان سے گزرتے رہے۔

”وردہ......“ بالآخر تبریز بولا ”میں جانتا ہوں کہ تم مجھے بے وفا سمجھتی رہی ہو لیکن میں بے وفا نہیں مجبور ہوگیا تھا، اب وقت گزر چکا ہے ان باتوں کا کوئی فائدہ تو نہیں پھر بھی میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امی نے مجھے اپنی قسم دی تھی کہ میں حیا سے شادی کرلوں ورنہ ان کی بہن ان سے ہمیشہ کے لیے دور ہوجائے گی اور مجھے خالہ سے بھی بہت محبت ہے

میں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا کیونکہ تمہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا‘ ہماری شادی نہیں ہوسکتی تھی‘ خالہ اور امی کو بھی نہیں کہا کہ تم بھی مجھ سے پیار کرتی ہو۔ کیونکہ خالہ پھر بھی ہماری شادی نہ ہونے دیتیں۔ ہوسکے تو مجھے معاف کردینا۔“ تبریز نے مختصراً اس کو بتادیا۔ دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ اداسی جیسے پورے گھر میں پھیل گئی تھی یا پھر دونوں کے دلوں میں۔ وردہ کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ تبریز کے بے وفانہ ہونے کی خوشی منائے یا رافعہ خالہ کو ہوئی غلط فہمی کا غم‘ غم زیادہ تھے اس کے پاس‘ اپنی ماں کی بے جا ضد کا غم‘ اپنی بہن کے چھوڑ جانے کا غم‘ ننھی ونیزہ کے تنہا ہوجانے کا غم۔

”جو ہوا سو ہوا لیکن اب میرے دل میں تمہارے لیے وہ جذبات نہیں رہے۔ وقت اور حالات بدلے تو میرا دل بھی بدل گیا ہے لیکن ونیزہ...... ہاں ونیزہ میرے پاؤں کی بیڑی ہے‘ مرتے وقت حیا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ونیزہ کا خیال رکھوں گی۔“ وردہ کو یاد تھا تو صرف اتنا کہ حیا نے اس سے ونیزہ کا خیال رکھنے کا وعدہ لیا تھا۔ وردہ نے سوئی ہوئی ونیزہ پر نظر ڈالی۔

”مرنے سے پہلے حیا نے خالہ سے بھی وعدہ لیا تھا کہ اگر اسے کچھ ہوجائے تو میری اور تمہاری شادی کردی جائے اور مجھ سے بھی یہی وعدہ لیا تھا۔“ تبریز نے کہا تو وردہ کو یاد آیا کہ وہ اس سے بھی تبریز کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پھر حیا کی حالت خراب ہوگئی تو ڈاکٹرز نے وردہ کو باہر بھیج دیا تھا۔ وردہ سے بھی شاید یہی وعدہ لینا چاہتی تھی۔ وردہ نے آنکھیں بند کرکے لمبی سانس بھری۔

”فیصلہ میرے نہیں‘ حیا کے ہاتھ میں تھا جو وہ مرنے سے پہلے ہی کرگئی تھی۔ مجھے ساری زندگی اپنی خوشیاں دیتی رہی اور مرنے کے بعد بھی اپنی سب خوشیاں سونپ گئی۔ وہ ساری زندگی دیتی رہی اور مرنے کے بعد بھی اپنا سب کچھ مجھے دے گئی۔ اپنا گھر‘ اپنا شوہر‘ اپنی اولاد......“ وردہ رو رہی تھی۔ تبریز کی آنکھوں میں بھی نمی تھی۔

”میں آپ سے شادی کے لیے تیار ہوں‘ اس لیے نہیں کہ میں نے بھی آپ سے پیار کیا تھا بلکہ اس لیے کہ مجھے اپنی حیا کا فیصلہ دل وجان سے قبول ہے۔ اس کی آخری خواہش میں ضرور پوری کروں گی۔ جایئے امی تک بھی میرا اقرار پہنچادیجیے۔“ ننھی ونیزہ اس کی گود میں کسمسائی۔

”ہم نئے سرے سے زندگی کی شروعات کریں گے لیکن ہماری زندگی میں اور ہمارے دل میں ہمیشہ حیا رہے گی۔ مجھے اور میری بیٹی کو قبول کرنے کا شکریہ۔“ تبریز اٹھ کر ذکیہ بیگم کو وردہ کا شادی کے لیے اقرار بتانے کے لیے ان کے کمرے کی طرف چل دیا۔

جبکہ وردہ ونیزہ کو گود میں لے کر اپنے اور حیا کے مشترکہ کمرے میں آگئی۔ الماری کی دراز سے لفافہ نکال کر اس میں سے اپنی اور حیا کی تینوں تصویریں نکالیں۔ ایک تصویر میں وہ اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھے مسکرا رہی تھی۔ ایک تصویر میں حیا نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ گویا کبھی ہاتھ نہیں چھوڑے گی‘ کبھی ساتھ نہیں چھوڑے گی۔

”میرے لیے سب سے قیمتی میرا اور تمہارا ساتھ ہے۔“ ذہن کی دیواروں میں کہیں حیا کی محبت سے لبریز آواز گونجی۔ اس نے ونیزہ کو دیکھا یوں لگتا تھا گویا حیا کا بچپن ہو۔

”اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ حیا کی صورت ہمیشہ تم لوگوں کے درمیان رہے۔“ وردہ کی آنکھ سے آنسو گر کر ونیزہ کے گال پر گرا۔ وردہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کے گال سے آنسو صاف کیا اور اس کے گال پہ بوسہ دیا۔

”میری ونیزہ...... میری حیا۔“ اور مسکرادی کہ اسے اندھیری رات میں ننھا جگنو دکھائی دے رہا تھا۔

قسط نمبر 2

شبِ آرزو تیری چاہ میں

نائلہ طارق

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دراج اور رائمہ دونوں بہنیں ہیں حال ہی میں ان کی والدہ کا انتقال ہوا تھا وہ دونوں تایا کی فیملی کے ساتھ نیچے والے پورشن میں رہائش پزیر ہوتی ہیں تایا اور والد کا انتقال ہو چکا ہوتا ہے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے دراج اپنی پڑھائی چھوڑ کر ایک فیکٹری میں جاب کر لیتی ہے اور رائمہ محلے کی خواتین کے کپڑے سلائی کرتی ہے۔ دوسری طرف تائی کا رویہ بھی ان دونوں بہنوں کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوتا یہ گھر بھی ان کے دیور کا ہوتا ہے جسے وہ اب ہتھیانا چاہتی ہیں اور اس گھر کو بیچ کر کسی اور محلے میں رہائش اختیار کرنا چاہتی تھی تائی کے بڑے بیٹے زرکاش روزگار کے سلسلے میں بیرون ملک مقیم ہوتے ہیں اور جلد ہی پاکستان آنے والے ہوتے ہیں جبکہ شیراز اور شہزا تائی کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ راسب اپنی بہن رجاب اور بیگم ندا بیٹا رومیل اور بیٹی نرل کے ساتھ رہتا ہے جہاں راسب محبت کرنے والا شخص تھا وہیں اس کی طبیعت میں غصہ و جلد بازی بھی شامل ہوتی ہے اپنی کسی بھی بات میں وہ اختلاف برداشت نہیں کرتا وہ رجاب کو ڈاکٹر بنانا چاہتا ہے جبکہ رجاب کالج سے آنے کے بعد چند دن کی نرل کے ساتھ وقت گزارتی ہے۔ حازق راسب کا تایازاد کزن ہوتا ہے اسے پہلی ہی نظر میں رجاب سے محبت ہو جاتی ہے، حازق جو احساسات اپنے دل میں رجاب کے لیے محسوس کر رہا ہوتا ہے اسے زبان دیتا رجاب سے اظہار محبت کر دیتا ہے جس پر رجاب پریشان ہو جاتی ہے۔ عرش اپنی والدہ کے علاج کے لیے غلط راہ کا انتخاب کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ پیسے کما کر وہ اپنی ماں کو زندگی کی آسائشات کے ساتھ صحت بھی دے سکے تب ایک لڑکی اسے سمجھاتی ہے جبکہ وہ خود منشیات کے عادی بھائی سے پریشان ہوتی ہے جو اسے مار پیٹ کر پیسے بٹورتا ہے۔ زرکاش واپس آجاتا ہے اور اپنے طور پر حالات بہتر کرنے کی کوشش کرتا ہے تائی نے دراج کے حوالے سے جو باتیں کی ہوتی ہیں اس کی تصدیق وہ رائمہ سے کرتا ہے اسے دراج کی نوکری کا سن کر دھچکا لگتا ہے وہ رائمہ سے دراج کو نوکری چھوڑ دینے کا کہتا ہے لیکن دراج اس بات سے انکاری ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁ ❁ ❁ ❁

”کوئی اتنا تیز بخار نہیں ہے بدلتے موسم کا اثر ہے مگر کچھ کھاؤ گی نہیں دوا نہیں لو گی تو طبیعت تو خراب ہونی ہے۔“ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بخار کی شدت کا اندازہ لگاتا وہ بولا۔

”میں صبح سے کوشش کر رہی ہوں مگر یہ کچھ کھانے پینے کے لیے تیار بھی تو ہو۔“ رائمہ نے کہا۔

”آپ پوچھیں اس سے کیا بات ہے ورنہ یہ اس طرح نہیں کرتی۔“

”پتہ نہیں تم کیسے کوشش کر رہی تھیں ابھی دیکھنا میں کہوں گا تو یہ کھانا بھی کھائے گی ٹیبلیٹ بھی لے گی اور مجھ سے بات بھی کرے گی۔“ مصنوعی ناراضی سے وہ رائمہ سے بولا۔

”تم بالکل بھی اس کا ٹھیک طرح خیال نہیں رکھتیں۔ یہ صبح سے بھوکی ہے اور تم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی ہو۔ اب جاؤ اس کے لیے جلدی سے کچھ لے آؤ۔ ٹیبلیٹس میں اسے خود کھلاؤں گا۔ جاؤ کچن میں۔ ہم دونوں کو تمہارے سامنے کوئی بات نہیں

کرنی۔" زرکاش کی ہدایت پر وہ کچھ اطمینان کی سانس لے کر کمرے سے نکل گئی۔

"ہاں بھئی اب بتاؤ کیا بات ہے؟ مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے نہیں چھپاؤ گی مگر پہلے رونا بند کرو۔" زرکاش کے نرم لہجے پر وہ چند لمحوں تک اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا جو منتظر نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور سب کی طرح آپ بھی۔" بھرائی آواز میں بولتے ہوئے اس کی آنکھوں سے مزید آنسو ٹپکے۔

"ہرگز نہیں کوئی تم سے نفرت نہیں کرتا اور تم میری اتنی پیاری چھوٹی سی گڑیا ہو ایسا سوچا بھی کیوں تم نے؟" اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا وہ بولا۔

"کیونکہ میں نے آپ کے گھر میں سب سے لڑائی کی تھی اس لیے آپ بجیا سے بات کرتے ہیں مجھ سے نہیں۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میرے یہاں آنے سے پہلے اس گھر میں جو کچھ ہو چکا ہے اس کا ذکر کرنا بیکار ہے دوسری بات یہ کہ یہ بالکل غلط ہے کہ میں تم سے بات نہیں کرتا۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں مگر میں ایک طویل عرصے بعد تمہارے سامنے آیا ہوں تمہاری جھجک کو محسوس کر سکتا ہوں اس لیے زبردستی تمہیں مخاطب کر کے تمہیں پریشان نہیں کرتا۔ تم اس گھر میں سب سے چھوٹی ہو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سب تمہیں ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتے مگر...... شاید یہ شرمندگی بھی مجھے تمہاری طرف بڑھنے سے روکتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں۔ مجھے اپنی دونوں بہنوں اور رائمہ سے زیادہ تمہاری پروا ہے مجھے تم چاروں سے ایک جیسی محبت ہے۔" اس کے نرم لہجے پر دراج نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مگر مجھے آپ سے وہ محبت نہیں چاہیے جو آپ کو شنذرا باجی شزا آپی اور بجیا سے ہے۔" اس کے مدھم لہجے میں کچھ تھا جس نے زرکاش کو دنگ کر دیا۔

"میں اتنی چھوٹی بھی نہیں جتنا آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ دو سال سے آپ کے یہاں واپس آنے کی دعائیں دن رات کرتی رہی ہوں۔ اپنے خوابوں میں ہر رات آپ کا ہی چہرہ دیکھتی رہی ہوں آپ سے باتیں کرتی رہی ہوں۔" ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو تکیے کے نیچے سے کچھ نکال رہی تھی۔

"آپ کی اس تصویر سے میں دن میں کئی بار باتیں کرتی ہوں ہر وہ بات جو میں کسی اور سے نہیں کر سکتی۔" زرکاش کی ہی تصویر دکھاتی وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ بولی۔

"دراج...... یہ...... یہ سب کیا ہے؟" زرکاش کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی تھی۔ اس کا دماغ مکمل طور پر ماؤف ہو چکا تھا۔

"یہ وہ محبت ہے جو آپ کو مجھ سے نہیں ہے۔" سسکتے لہجے میں بول کر دراج نے تصویر واپس تکیے کے نیچے رکھ دی تھی۔

"میں اپنی حیثیت جانتی ہوں میں زمین ہوں آپ آسمان مگر آپ کو میرا یقین کرنا ہوگا۔ مجھے آپ کی تقسیم شدہ روایتی محبت نہیں چاہیے۔" سر جھکائے وہ قطعی لہجے میں بولی...... زرکاش بالکل گنگ تھا۔ وہ یقیناً کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا رائمہ کی آمد پر بھی اس کی غائب دماغی برقرار رہی تھی مگر رائمہ کے سامنے اسے اپنے ہواس مجتمع کرنے ہی تھے دراج کی جانب دیکھے بغیر زرکاش نے اسے وہ کھانا کھانے کی تاکید کی تھی جو رائمہ لے کر آئی تھی دراج نے خاموشی سے کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے یہ ٹیبلٹس تم اسے کھلا دو صبح تک اگر بخار نہ اترے تو مجھے فون کر دینا رات میں بھی اگر ضرورت ہو تو لازمی مجھے فون کرنا۔" ٹیبلٹس چیک کرنے کے بعد رائمہ کے حوالے کرتے ہوئے اس نے تاکید کی اور کسی بھی جانب دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"اس نے آپ کو بتایا کہ بات تھی کیا؟" اس کے پیچھے باہر آتی رائمہ نے پوچھا۔ زرکاش کو سمجھ نہیں آیا کہ اسے کیا کہہ کر مطمئن کرے مگر کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"پریشان مت ہو چچی کو یاد کر کے وہ بہت زیادہ حساس ہوتی جا رہی ہے تم زیادہ سے زیادہ اس کا خیال رکھا کرو اس کی دلجوئی کرتی رہا کرو۔" زرکاش کے سنجیدہ لہجے پر رائمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

✿ ✿ ✿ ✿

گیلے بالوں میں برش پھیر کر وہ دوپٹہ لاپروائی سے شانے پر ڈالتی کمرے سے نکلی تھی مگر اگلے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا دوسری جانب دلچسپی سے اس کے تاثرات دیکھتا حاذق صوفے سے اٹھ کر بے اختیار ہی اس کی جانب بڑھا تھا۔ رجاب نے ایک نظر رومیل کو دیکھا جو ویڈیو گیم کھیلنے میں مگن تھا قریب آتے حاذق کی گہری نظروں پر سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اس نے دوپٹہ شانوں پر درست کیا اور بمشکل ہی اسے سلام کر سکی تھی۔

"پندرہ منٹ ہو چکے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے کتنی بے خبر ہو تم۔" لو دیتی نگاہوں سے وہ اس کی جھکی لرزتی پلکوں کو دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ بیٹھیے..... آغا جان اور بھائی ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں نزل کا چیک اپ کروانے بس آنے والے ہیں۔" اسے بتاتے ہوئے رجاب کا حلق خشک ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے تب تک کیا ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

"جی ابھی لاتی ہوں۔" اسے تو فرار کا موقع چاہیے تھا مگر اس وقت اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے تھے جب اس نے حاذق کو بھی اپنے ساتھ آتے دیکھا۔

"رجاب..... میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" کچن میں آتے ہی حاذق نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا..... اس کی سانس تھم گئی تھی اس کی وحشت سے پوری کھلی سبز آنکھوں نے ایک پل کے لیے حاذق کی دھڑکن تھمی روک دی تھی۔

"مجھے بے سکون کر کے تم کس طرح انجان رہ سکتی ہو..... میں تمہارے لیے ایک ایسی تڑپ دل میں محسوس کرتا ہوں جو زندگی میں کبھی میں نے محسوس نہیں کی میں جانتا ہوں تم بہت معصوم ہو..... اوس کے قطروں کی طرح پاک ہو میرے جذبوں کی شدت تمہیں ہراساں کرتی ہے مگر میں بے بس ہوں۔" اس کا مدھم پر تپش لہجہ رجاب کو لرزا گیا تھا اپنے شانوں پر مضبوط گرفت اسے پہاڑ کا بوجھ لگ رہی تھی۔

"آپ مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کریں۔ آغا جان کو معلوم ہو گیا تو وہ مجھے جان....." اس کی خوف سے لرزتی آواز بند ہو گئی تھی کہ کانپتے ہونٹوں پر حاذق کا ہاتھ آ ٹھہرا تھا۔

"جب تک میں موجود ہوں تمہیں کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔ میں تمہیں ہمیشہ خوش اور مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں تمہاری آنکھوں میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں اپنی محبت دیکھنا چاہتا ہوں مجھے بس تمہارا ساتھ چاہیے..... دو گی میرا ساتھ؟" اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے وہ پر حدت لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کی پر امید نگاہیں التجا کر رہی تھیں۔

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟" وہ کانپتے لہجے میں سوال کرتی روح کھینچ لے گئی تھی سبز آنکھوں پر تیرتا چمکتے پانیوں کا سحر حاذق کو گنگ کر گیا تھا۔ اس کے ملبوس سے پھوٹتی پاکیزگی کی خوشبو بھیگے بالوں کی ٹھنڈی مسحور کن مہک پر کیف قربت اس کا لمس جسارتیں کرنے پر مجبور کر رہا تھا مگر وہ اس کی معصومیت اور نازک دل کو اپنی محبت کی شدتوں سے کوئی گہرا دھچکا نہیں پہنچانا چاہتا تھا مگر اپنے جذبوں کا احساس ضرور اس کے دل میں جگانا چاہتا تھا دھیرے سے اس نے لب رجاب کی پیشانی پر رکھ دیئے

تھے رجاب کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی تب ہی بجتی کال بیل نے حاذق کو چونکایا تھا جب کہ وہ سرعت سے دور ہوتی کچن سے نکل بھاگی تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

پول کے قریب آکر اس نے اپنا بیگ نیچے رکھا نظریں اس پر ہی تھیں جو درخت کے نیچے نیم تاریکی میں موجود تھی۔

"میری غیر موجودگی میں بھی تم اس جگہ آجاتی ہو یہاں اگر کسی نے تمہیں کوئی نقصان پہنچادیا تو بلاوجہ کی مصیبت میرے گلے پڑجائے گی۔" وہ شدید ناگواری سے بولا۔

"تمہاری وجہ سے اب مجھے کوئی اور جگہ اپنے لیے تلاش کرنی پڑے گی۔"

"میں آئندہ تمہاری غیر موجودگی میں یہاں نہیں آؤں گی۔" لڑکی کی ابھرتی آواز پر وہ کچھ چونکا۔

"میری موجودگی میں بھی یہاں آنے کی ضرورت نہیں میں اب مزید تمہیں یہاں برداشت نہیں کروں گا۔" بری طرح وہ اسے جھڑک گیا اور پھر بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر پول سے ٹیک لگائی تھی پانی کے گھونٹ لیتا وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہوا کیا ہے؟ رونے کے لیے یہی جگہ ملی ہے تمہیں یہاں روشنی میں آؤ وہاں کسی کیڑے نے کاٹ لیا تو میں کوئی مدد نہیں کروں گا۔" اس کے ناگوار لہجے پر چند لمحوں بعد وہ اس کے سامنے تھی پول کی تیز روشنی میں اس کے چہرے پر نیل کے اور انگلیوں کے سرخ نشان چھپے واضح نظر آرہے تھے۔

"آج اس نے پیسوں کے لیے میری گردن دبانے کی بھی کوشش کی۔ نشے کی طلب میں وہ مجھے جان سے مارنا چاہتا تھا۔" دھندلائی آنکھوں سے وہ بتارہی تھی۔

"تو کیا کروں میں...... مجھے یہ سب کیوں بتارہی ہو؟ مرہم لگاؤں تمہارے زخموں پر یا سر ٹکا کر رونے کے لیے اپنا کندھا تمہیں پیش کروں...... بتاؤ کیا کروں؟" اس کے یک دم بلند بھڑکتے لہجے نے لڑکی کو دنگ کردیا تھا۔

"جاؤ جاکر مرجاؤ اس نشئی کے ہاتھوں مجھے کیوں پریشان کرتی ہو تمہارے دکھ درد سننے کے لیے میں یہاں نہیں آتا۔ دفع ہوجاؤ یہاں سے اور دوبارہ یہاں مت آنا۔" وہ اشتعال میں دھاڑتا تھا۔ دوسری جانب لڑکی کی نظر سڑک پر رکتی گاڑی تک گئی تھی۔ اگلے ہی پل گاڑی کی سمت بھاگتے ہوئے اس نے پتھر اٹھایا اور تاک کر گاڑی کے کھلتے دروازے پر دے مارا۔ جانے اسے کیا ہوا تھا پول کے پاس ساکت کھڑا وہ ہک دک نظروں سے لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو پاگلوں کی طرح چیختی ایک کے بعد ایک پتھر گاڑی پر مار رہی تھی۔ گاڑی کا دروازہ پہلے ہی کھلتے کھلتے واپس بند ہوگیا تھا۔ پتھروں کی بارش اور لڑکی کی چیخ وپکار پر چند لمحوں میں ہی گاڑی فراٹے بھرتی سڑک پر بھاگتی چلی گئی تھی۔

"عیاشو تمہیں تو جانا ہی ہے جہنم میں اپنے ساتھ کسی دوسرے کو کیوں گھسیٹتے ہو شیطان کے چیلوں......" سڑک پر کھڑی وہ غائب ہوتی اس گاڑی کو دیکھتی حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ ہر سمت چھائے گہرے سکوت میں وہ گہری گہری سانس لیتی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو انتہائی خطرناک تیوروں سے اسے گھور رہا تھا اور پھر اس نے جھک کر اپنا بیگ اٹھالیا تھا سفید پڑتے چہرے کے ساتھ وہ سرعت سے اس کے پیچھے گئی تھی۔

"تم جانتے ہو میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔"

"جان چھوڑو میری۔" وہ رکے بغیر حلق کے بل اس پر دھاڑا۔

"ہاں میں جانتی ہوں تمہاری جان پر صرف ان کا حق ہے جو قیمتی کاروں میں اپنے دیمک زدہ جسم چھپائے رکھتے ہیں جو لمبی لمبی گاڑیوں میں تم جیسوں کے ساتھ گناہ کے راستے ناپتے ہیں۔" اس کے کاٹ دار لہجے پر وہ رکا۔

"اپنی بکواس بند کرو دوبارہ مجھے اپنا چہرہ مت دکھانا ورنہ......" شدید اشتعال کو ضبط کرتا وہ بھینچے لہجے میں بولا اور پھر سرخ بھڑکتے چہرے کے ساتھ تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا تھا۔

"ورنہ کیا کرو گے؟ تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تم دیکھنا تمہارا کیا حشر ہوتا ہے، جن سے اپنی قیمت وصول کرتے ہو یہی جانور تمہاری قبر میں گھس کر تمہیں نوچ کھائیں گے۔ وہ اپنے گناہوں کی آگ میں تمہیں بھی اپنے ساتھ جلا کر کوئلے کا ڈھیر بنا دیں گے۔ اللہ نے تمہیں جہنم کی آگ میں جلنے کے لیے نہیں بنایا......" حلق کے بل چیختی وہ اسے سنا رہی تھی جو گہری دھند میں گم ہوتا چلا گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

چھت کو تکتی گہری سوچ میں گم تھی۔ تین دن گزر چکے تھے۔ اس کی طبیعت بہتر ہوتی جا رہی تھی مگر بخار کی نقاہت اب بھی اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔ گزرے تین دن میں زرکاش سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس کی طبیعت کے بارے میں وہ باہر سے ہی رائمہ سے پوچھتا رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ زرکاش اس کا سامنا کیوں نہیں کرنا چاہتا۔ چھت سے نظر ہٹاتی وہ تخت سے اٹھی اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی کمرے سے نکل آئی۔ باہر صحن میں پھیلی گہری خاموشی میں رائمہ اسے واش بیسن کے پاس نظر آئی۔ چپ چاپ وہ تخت کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ رائمہ نے اسے بتایا کہ اوپر سب لوگ کسی تقریب میں شرکت کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ شاید اس لیے بھی سناٹا کچھ زیادہ ہی گہرا تھا۔

"دراج...... اگر تمہیں باہر رہنا ہے تو پھر بیٹھو مت لیٹ جاؤ۔" قریب آتی رائمہ بولی۔

"نہیں میں کچھ دیر یہاں بیٹھوں گی۔" چہرے سے ٹکراتیں الجھی لٹیں بے زاری سے کان کے پیچھے کرتی وہ بولی اور پھر رائمہ کو دیکھا۔

"آپ نماز پڑھنے جا رہی ہیں؟"

"ہاں ابھی ذرا زرکاش بھائی چلے جائیں تو گیٹ لاک کر کے آتی ہوں۔" رائمہ کے سرسری لہجے نے اسے چونکایا۔

"وہ نہیں گئے سب کے ساتھ؟"

"وہ کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ دیر سے آئے باقی سب پہلے چلے گئے وہ اب جا رہے ہیں۔"

"آپ جا کر نماز پڑھیں۔ میں ان کے جانے کے بعد گیٹ بند کر دوں گی۔" رائمہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ ہی بول اٹھی۔

"ٹھیک ہے مگر گیٹ ٹھیک طرح سے لاک کرنا ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے گھر میں۔" رائمہ اسے تاکید کرتی کمرے سے چلی گئی۔ چند لمحوں تک وہ تخت پر بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر اس نے چپکے سے کمرے میں جھانکا۔ رائمہ نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو چکی تھی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہوتی وہ تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف چلی آئی تھی۔

عجلت میں کمرے سے آتا وہ بری طرح ٹھٹکا۔ سامنے ہی وہ ویران آنکھوں سے ایک ٹک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ زرکاش کے قدم زمین نے جیسے جکڑ لیے تھے۔ زرد ملگجے سے لباس میں دراج کا چہرہ بھی بے انتہا زرد نظر آ رہا تھا۔ سوجی آنکھوں میں سرخی نمایاں تھی۔ بمشکل اس سے نظر ملانے کی کوشش کرتا بالآخر وہ اس کی جانب بڑھا۔ گزرے تین دن میں دراج کی ناقابل یقین باتوں نے اسے کافی ڈسٹرب کر رکھا تھا۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" اس نے لہجے کو نارمل رکھتے پوچھا۔

"آپ نے یقین نہیں کیا میرا؟" ڈبڈباتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ لرزتے لہجے میں بولی۔ "آپ کے نزدیک میری زندگی کے بیس سال کی کوئی اہمیت نہیں، کوئی وقعت نہیں رکھتے؟" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"دراج...... یہ سب ٹھیک نہیں...... تم نہیں جانتیں تم کیا کہہ رہی ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم غلط کررہی ہو۔" زرکاش حد درجہ پریشان ہوتا بولا۔

"کیا غلط کیا ہے میں نے؟ اگر مجھے آپ سے محبت ہے...... اگر مجھے آپ کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا...... اگر آپ میرے دل کے ہر کونے میں موجود ہیں تو اس میں کیا غلطی ہے میری...... کیا گناہ ہے میرا؟" ساکت نظروں سے زرکاش اس کے چہرے پر پھیلی اذیت کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے آپ کا نام تک نہیں آپ کی زندگی میں کوئی مقام بھی نہیں۔ میں آپ سے کچھ نہیں مانگتی مگر صرف میرا یقین کرلیں۔ میرے جذبوں کی سچائی پر شک مت کریں۔ بس ایک بار کہہ دیں آپ کو میری محبت پر یقین ہے۔ بس ایک بار۔" ہاتھ جوڑتی وہ اپنی محبت کا یقین بھیک میں مانگ رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں اور تڑپ نے زرکاش کا دل مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ سرعت سے اس کے جڑے ہاتھ کھولے۔

"مجھے میری نظروں میں شرمندہ مت کرو دراج...... یہ تم اپنے ساتھ کیا کررہی ہو۔ جس تصویر کو تم دیکھتی رہی ہو وہ بہت سال پرانی ہے۔ جذبات میں آکر تم اپنے ساتھ غلط مت کرو۔ تم بہت کم عمر ہو ابھی زندگی پڑی ہے تمہارے سامنے۔ تمہارے جذبے اس انسان کے لیے ہونے چاہئیں جو تمہارے قابل ہو۔ میں وہ نہیں ہوں اس طرح جلد بازی میں اپنے ساتھ بے زیادتی مت کرو۔" شدید مضطرب انداز میں زرکاش نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ ہی میرے سب کچھ ہیں۔ اب بہت دیر ہوچکی ہے زرکاش...... میرے دل پر ہی نہیں میری روح پر بھی آپ کا اختیار ہوچکا ہے۔ میرے دل میں میری زندگی میں آپ کا جو مقام ہے وہ مقام میں آخری سانس تک کسی اور کو نہیں دے سکتی۔" زاروقطار روتی وہ اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

"آپ اس طرح مجھ سے دامن نہ بچائیں۔ میں آپ کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا سکتی ہوں آپ ایک بار کہہ کر تو دیکھیں۔ میں آپ کی خوشی کے لیے اپنی شہہ رگ بھی کاٹ دوں گی۔ میں آپ کو چاہتی ہوں۔ اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر میرا سب کچھ آپ کے لیے ہے۔ بس ایک بار کہہ دیں آپ کو مجھ پر یقین ہے بس ایک بار میری محبت پر ایمان لائیں۔ بس ایک بار۔" اس کا گریبان چھوڑتی وہ اس کے قدموں پر بیٹھتی چلی گئی۔ ساکت کھڑے زرکاش کو جیسے ہوش آیا۔ سرعت سے اسے شانوں سے تھام کر اٹھاتا وہ اس کے بلکتے بکھرتے وجود کو سینے سے لگا چکا تھا۔

"آپ کیوں میرا یقین نہیں کرتے؟ میں مرجاؤں گی۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو گھونٹ دیں میرا گلا آپ اپنے ہاتھوں سے۔" پھوٹ پھوٹ کر روتی وہ نڈھال ہورہی تھی۔

"ہے مجھے یقین، ہے تمہاری محبت پر یقین مجھے آج اندھا اعتبار ہوچکا ہے تمہارے جذبوں پر۔ میں سچ کہتا ہوں۔ اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تمہارے ایک ایک لفظ پر مجھے یقین ہوگیا ہے۔" اس کے سر سے چہرہ ٹکائے وہ آنکھیں بھینچے اس طرح بول رہا تھا جیسے یہ سب کہتے ہوئے اسے بہت تکلیف پہنچی ہو۔ چند لمحے خاموشی سے دراج کی سسکیوں کے درمیان گزر گئے تھے۔ گہری سانس لے کر زرکاش نے دھیرے سے اسے خود سے الگ کیا اور اس کے آنسو اپنے پوروں میں سمیٹ لیے تھے۔ اس کی آنکھوں میں اب ویرانی نہیں تھی۔ اپنے لیے وہ اس کی آنکھوں میں چاہت اور محبت کا سمندر موجزن دیکھ رہا تھا۔

"بہت ضدی اور ظالم ہو تم...... جانتی ہو کتنے کڑے امتحان سے گزارا ہے تم نے مجھے۔" اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر دراج خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"اب مجھ سے کوئی شکایت تو نہیں؟" زرکاش کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر اب دوبارہ روتی ہوئی میرے سامنے مت آنا۔ کتنی بری لگتی ہو تم آنسو بہاتے ہوئے بے وقوف۔" اس کے خشمگین لہجے میں گھر کنے پر ہلکی سی مسکراہٹ دراج کے لبوں پر ابھری تھی۔

"رکو...... میں پانی لے کر آتا ہوں تمہارے لیے۔ حالت خراب کرلی ہے اپنی رو رو کر۔" ناراضگی سے اسے دیکھتا وہ اس کے سامنے سے ہٹا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ جب واپس آیا تو دراج اسے وہاں کہیں دکھائی نہیں دی۔

وحشت سے اس کا دل حلق میں آ رہا تھا۔ سانس روکے وہ کمرے سے ابھرتی آوازوں کو سن رہی تھی۔

"آپ ایک بار پھر سوچ لیں۔ مجھے یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا...... رجاب نے رو رو کر اپنا برا حال کرلیا ہے۔ وہ کچھ سننے سمجھنے کی حالت میں نہیں ہے۔" ندا کا لہجہ التجائی تھا۔

"بے وقوف اور ناسمجھ ہے ابھی وہ اسے نہیں معلوم اس کے لیے کیا بہتر ہے کیا نہیں۔" راسب کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ وہ ابھی ناسمجھ ہے۔ اسے کچھ وقت دیں ذہنی طور پر وہ حالات کو قبول نہیں کر پائے گی۔ تایا جان سے کہیں رجاب ان کی امانت رہے گی لیکن ابھی رجاب کے لیے کوئی فیصلہ نہ کریں۔ یہ قبل از وقت ہے۔ کم از کم اسے اپنی پڑھائی تو مکمل کرنے دیں ابھی وہ بہت کم عمر ہے۔ یہ سب کچھ سال بعد بھی تو ہوسکتا ہے۔"

"ندا...... مجھے یہ مت بتاؤ۔ مجھے پتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ حاذق تایا جان کی آخری اولاد ہیں وہ جلد از جلد اس کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ جان چھڑکتے ہیں وہ رجاب پر۔ انہوں نے اتنی محبت اور امیدوں سے رجاب کو مانگا ہے کہ انکار کے بارے میں سوچنا بھی میرے لیے گناہ ہے۔ پھر بھی میں نے رجاب کے لیے اس کی خوشی کے لیے تایا جان کو صرف نکاح پر راضی رہنے کی شرط رکھی ہے۔ کیونکہ میں رجاب کے خواب کو ٹوٹنے نہیں دوں گا۔ وہ اپنی میڈیکل کی پڑھائی مکمل کرے گی۔ ڈاکٹر بنے گی اس کے بعد میں اسے حاذق کے ساتھ رخصت کروں گا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر رجاب کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے۔ میرے سامنے اس کا مستقبل ہے۔ حاذق گھر کا فرد ہے۔ دیکھا بھالا ہے مجھے اطمینان ہے اس کی طرف سے۔ اٹلی میں ہر طرح سے اس کے قدم جمے ہوئے ہیں۔ تایا جان کی مرضی میں خود حاذق کی رضا بھی شامل ہے۔ رجاب کو سب سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھیں گے۔ مجھے اور کیا چاہیے۔"

"بے شک آپ اپنی بہن کے لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کر رہے ہیں مگر اس کی زندگی کے اتنے اہم فیصلے میں خود اس کی رضامندی کا شامل ہونا بھی لازمی ہے۔ حاذق میں بہت ساری اچھائیں ہیں مگر وہ پانچ سال ملک سے باہر گزار کر آیا ہے۔ اتنا عرصہ کافی ہوتا ہے انسان کو بدلنے کے لیے۔" ندا دبے دبے لہجے میں بول گئی۔

"میں حاذق کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔ وہ یہاں کیسا ہے اور باہر کیسے زندگی گزار رہا ہے مجھے سب خبر ہے۔ وہ ہمیشہ سے سب کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتا ہے۔ کبھی میری کسی ڈانٹ ڈپٹ پر اس نے اف تک نہیں کیا...... اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کا فرماں بردار ہے۔ سب کا خیال رکھنے والا ہے۔ اپنی بہن کے لیے مجھے اس سے زیادہ بہتر انسان کہیں نہیں مل سکتا۔ میں حاذق کے لیے انکار کرنے کا کوئی جواز نہیں رکھتا۔ جہاں تک عمر کی بات ہے تیس بتیس سال کی عمر مرد کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی مگر پھر بھی رجاب کی طرف سے تمہیں فکر ہے تو اسے کافی وقت مل رہا ہے۔ تایا جان کے گھر میں سب رجاب کے لیے کتنے سنجیدہ ہیں اس چیز سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ سب اس کی پڑھائی مکمل ہونے تک صبر کریں گے۔ کم سے کم بھی اگر حساب لگایا جائے تو پانچ سے چھ سال رجاب کی پڑھائی کے لیے درکار ہے۔ میں صاف بتا چکا ہوں حاذق کو بھی اور وہ راضی ہے صرف نکاح پر۔ اب تم کہتی ہو کہ میں نکاح بھی ابھی نہ کروں۔ حد ہوتی ہے۔"

"میں نکاح کے لیے اس لیے منع کر رہی ہوں کہ مجھے معلوم ہے پھر رخصتی کا مطالبہ کرنے کا بہانہ مل جائے گا۔ ابھی سب

انتظار کرنے کی حامی بھر رہے ہیں مگر بات ایک دو سال کی نہیں ہے کوئی کب تک اپنے ارمانوں کو باندھ کر رکھ سکتا ہے۔ وہ اپنا حق مانگ لیں گے اور آپ انکار نہیں کرسکیں گے۔" ندا کی مدھم آواز پر باہر کی رجاب کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔

"ندا...... وہ لوگ میرا خون ہیں اور مجھے ان پر اعتبار ہے۔ یہ بالفرض اگر تمہارا خدشہ آگے جا کر سچ ثابت ہوا تو میں یقیناً کوئی ایسا راستہ نکال لوں گا جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو اور "کسی" میں سب سے پہلے رجاب ہے میرے لیے۔ تم اسے نرمی سے سمجھاؤ مگر کسی بھی طرح یہ نوبت مت آنے دینا کہ مجھے اس کو سمجھانا پڑے ورنہ مجھے اس الزام کی بھی پروا نہیں ہوگی کہ میں اپنی بہن پر جبر کررہا ہوں۔ اسے بتاؤ میں جو کررہا ہوں میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہتا ہوں اسے۔"

راسب کیا بول رہے تھے اسے کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔ اپنی سسکیاں روکتی وہ کمرے میں بھاگ آئی تھی۔ تکیے میں منہ چھپائے اس نے ضبط کا دامن چھوڑ دیا تھا۔ کوئی اس کے دل میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہورہا۔ حاذق کے لیے اس کے دل میں کچھ نہیں تھا۔ نہ محبت' نہ نفرت بس وحشت ہی وحشت تھی۔ وہ اس کا چہرہ کبھی دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی بے باک نظروں نے اس کے لمس نے رجاب کو جس خوف میں مبتلا کیا تھا وہ خوف اس کے پورے وجود کو اپنے حصار میں لے چکا تھا۔

❁......❁......❁......❁

آج پورے تین دن گزرنے کے بعد وہ زنگ آلود گیٹ سے باہر نکلی تھی۔ چادر میں آدھا چہرہ چھپائے وہ کچھ دیر تک پر سکوت طویل چوڑی سڑک پر چھائی دھند کو دیکھتی رہی تھی۔ ایسی ہی دھند تو اس کی زندگی میں بھی چھائی ہوئی تھی۔ اس دھند کے پار کیا ہوگا۔ یہ اسے بھی معلوم نہیں ہوسکا تھا۔ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی وہ پول کے قریب پہنچ گئی تھی جہاں اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ بوجھل دل سے اس نے پول سے ٹیک لگائی اور کسی غیر مرئی چیز کو دیکھتی کہیں اور ہی گم ہونے لگی تھی۔

"میں کیا جاننا چاہتی ہوں' کیوں جاننا چاہتی ہوں اسے' میرا اس سے تعلق ہی کیا ہے وہ اگر تاریک راستوں کا شیدائی ہے تو میں کیوں اسے روکنا چاہتی ہوں' اور وہ کیوں رونے لگا میرے کہنے پر؟" خود سے سوال کرتے کرتے اس کی روح بھی بوجھل ہونے لگی تھی۔ گہری سانس لے کر اس نے اپنے اطراف میں نظریں دوڑائیں اور اگلے ہی پل بری طرح چونک اٹھی۔ گھنے درخت کی تاریکی کے دوسرے پار نیچی باؤنڈری پر اسے کوئی نظر آیا تھا۔ اب تک وہ اپنے اردگرد جو اس کی خوشبو کو محسوس کرتی رہی تھی۔ یہ اس کا وہم نہیں تھا حقیقتاً وہ وہاں موجود تھا۔

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ باؤنڈری کی طرف چلی آئی تھی۔ اسٹریٹ لائٹ گھنے درخت کی وجہ سے بہت معمولی حد تک یہاں پہنچ رہی تھی مگر کھلے آسمان پر دودھیا روشنی بکھیرتا چاند ہر منظر کو اجاگر کررہا تھا۔ چوڑی باؤنڈری پر ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ چت لیٹا آسمان کو تک رہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ چاند کی خنک روشنی میں اس کا جائزہ لیتی رہی تھی۔

"آج تم کسی کے ساتھ نہیں گئے؟" اس کے سوال پر وہ متوجہ نہیں ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ دوبارہ مجھے اپنا چہرہ مت دکھانا۔" آسمان پر ہی نظر جمائے وہ بولا۔

"مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں دوبارہ تمہارا چہرہ نہ دیکھوں۔" مدھم آواز پر وہ بس ایک پل کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا جو کچھ فاصلے پر گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔

"میں یہاں سکون سے کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔" بند آنکھوں کے ساتھ وہ بولا۔

"کیا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی جواباً وہ دوسری طرف کروٹ بدل گیا تھا۔ خاموشی سے اس کی

پشت کو دیکھتی رہی۔ ہوا کے جھونکے سرد تھے۔ گہری خاموشی میں ہلتے پتوں کی سرسراہٹوں کو سنتی وہ اب اس کے بالوں کو دیکھ رہی تھی۔ جن میں ہوا کے جھونکوں سے ہلکی ہلکی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس کی مخصوص بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف فضا میں رچی بسی تھی۔

❂.......❂.......❂.......❂

ایک آخری نگاہ اس پر ڈال کر وہ بغیر کسی آہٹ کے اس سے دور ہوتی پول کی تیز روشنی میں آ گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ اس نے تب تک یہاں رکنا ہے جب تک وہ بیدار نہیں ہو جاتا۔ تا کہ کوئی اس تک جا کر اس کی نیند خراب نہ کر سکے۔ پتا نہیں کیوں مگر وہ یہ کرنا چاہتی تھی۔ پول سے کندھا ٹکائے وہ دائیں جانب سے آتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی مگر وہ گاڑی رکی نہیں۔ سامنے سے گزرتی چلی گئی تھی۔ مطمئن ہوتی وہ بری طرح چونک کر دوبارہ اس گاڑی کو دیکھنے لگی تھی جو کچھ دور جا کر رکنے کے بعد واپس آ رہی تھی۔ چادر میں آدھا چہرہ چھپائے وہ پوری طرح ہوشیار ہو گئی تھی۔ گاڑی سے ایک لحیم شحیم سا شخص برآمد ہوا۔

''اب آ بھی جا...... یا میں وہاں آؤں مہارانی؟'' وہ شخص اتنی بے زاری سے بولا کہ ایک پل کو تو حیرت سے اس کا منہ ہی کھل ہی گیا تھا۔

''نہیں آتی...... چل بھاگ جا۔'' اگلے ہی پل وہ نخوت سے بولی۔ اس کے جواب نے اس شخص کے تیور بگاڑے تھے۔ اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر وہ فق چہرے کے ساتھ تیزی سے پیچھے ہٹتی یک دم کسی سے ٹکرائی تھی۔ دوسری جانب وہ شخص کسی تیسرے کو وہاں دیکھ کر ٹھٹک ہوا اور اگلے ہی پل تیزی سے گاڑی میں بیٹھ کر نو دو گیارہ ہو گیا تھا۔ غصیلی نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو دونوں ہاتھ منہ پر رکھے ہنسی روکنے کی کوشش میں کھلکھلا کر ہنسے ہی جا رہی تھی۔

''مذاق لگ رہا ہے یہ سب تمہیں۔'' وہ جس طرح غرایا تھا اس کی ہنسی تھم گئی تھی۔

''اپنی ماں سے جا کر کہو تمہیں زنجیروں سے باندھ کر رکھے ورنہ تم اپنے ساتھ اس کا منہ بھی کالا کر دو گی۔'' اس بار وہ دہاڑا۔

''میری ماں کے حواس تو سالوں پہلے اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ یہ بات تم جا کر اس سے کہو شاید وہ تمہاری بات سمجھ جائے۔'' وہ ہلکی آواز میں بولی۔

''اس کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا رہی ہو تم۔'' وہ غرایا۔

''تم بھی تو اپنے ماں باپ کی غفلت کا فائدہ اٹھا رہے ہو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بعد تمہارے ماں باپ کا منہ ضرور کالا ہو چکا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' شدید اشتعال میں وہ ہاتھ اٹھاتا یک دم رکا تھا۔

''بہتر ہو گا کہ یہ اٹھا ہاتھ تم اپنے ہی منہ پر مارو کیونکہ تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔'' اس کے سرد لہجے پر وہ پیچھے ہٹا اور پھر سرخ چہرے کے ساتھ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ خاموشی سے وہ بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی جو پول سے پشت ٹکائے تھکے تھکے انداز میں زمین پر بیٹھ چکا تھا۔

❂.......❂.......❂.......❂

تخت پر دراز چہرہ ہاتھ پر رکھے رائمہ کو دیکھ رہی تھی جو مشین کی صفائی میں مصروف تھی۔

''کل رات میں یہ سب جانے کب واپس آئے مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔ آج سارا دن زرکاش بھائی کہیں آتے جاتے بھی دکھائی نہیں دیئے۔ ابھی رات میں وہ کہیں جا رہے تھے کہ میں نے دیکھا چہرے سے ہی لگ رہا تھا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اگر میں نہ پوچھتی تو مجھے پتا ہی نہیں چلتا کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔''

''کیسے پتا چلتا؟ ان کے گھر میں کوئی ہمیں منہ لگانے کے قابل ہی کہاں سمجھتا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔
''تم ان سب کو منہ لگانے کے قابل سمجھتی ہو؟'' رائمہ نے اسے دیکھا۔
''میری جوتی بھی منہ نہ لگائے۔''
''بس...... تو پھر شکایت کیسی؟''
''آپ کی منطق مجھے سمجھ نہیں آتی۔'' اس نے کلس کر رائمہ کو دیکھا۔
''میری ماں یہاں اسی کمرے میں آخری سانسیں لے رہی تھی اور اوپر سب اطمینان سے میٹھی نیند سو رہے تھے۔ آپ چاہتی ہیں میں ان کو منہ لگاؤں۔ میں تھوکوں بھی نہ ان کے منہ پر۔'' اس کے بھڑکتے لہجے پر رائمہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہی۔
''اب رکھ بھی دیں اس منحوس مشین کو دن رات اس کی سیوا میں لگی رہتی ہیں۔'' رائمہ کی خاموشی نے اسے جلا کر رکھ دیا۔
''بس اب لائٹ بند کریں مجھے نیند آ رہی ہے۔''
''دراج...... اللہ کا خوف کرو کچھ، سارا دن تم سو سو کر گزارتی ہو نماز کے لیے بھی آلکسی دکھاتی ہو نیند کے چکر میں، میں اب تمہاری شکایت زرکاش بھائی سے کرنے والی ہوں۔''
''شوق سے کریں۔ وہ کیا کرلیں گے۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔
''وہ بیاہ تو کریں، میں ہی الٹا کی ایسی پٹائی کروں گی کہ منہ چھپا کر یورپ بھاگ جائیں گے۔''
''توبہ ہے تم سے تو......'' رائمہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتی دروازہ بند کرنے بڑھ گئی۔
''ویسے کیا ان کی طبیعت زیادہ خراب تھی؟'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔
''ہاں مجھے تو ان کے چہرے سے یہی لگ رہا تھا مگر وہ کہہ رہے تھے کہ اب طبیعت بہتر ہے۔'' فرش پر بستر لگاتی رائمہ بولی۔
''چلو اب آجاؤ میں لائٹ بند کر رہی ہوں۔'' کچھ دیر بعد وہ کمرے میں پھیلی تاریکی میں پلکیں جھپک رہی تھی۔ رائمہ یقیناً معمول کی طرح سونے سے پہلے دعائیں پڑھنے میں مصروف تھی۔
''میرا خیال ہے ان کو یہاں کی آب و ہوا اس آنے میں ابھی کافی وقت لگے گا۔'' وہ رائمہ سے تائید مانگ رہی تھی۔
''ہاں...... شاید۔'' رائمہ کے غنودگی سے پر لہجے پر وہ کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔ رائمہ کی نیند گہری ہونے تک اسے انتظار کرنا تھا۔ جلدی اسے تھی بھی نہیں۔
چپکے سے موبائل فون ساتھ لیتی وہ ساتھ والے کمرے میں آ گئی جہاں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ صحن میں کھلنے والی کھڑکی کو اس نے احتیاط سے کھولا۔ باہر کی ٹھنڈک چہرے پر محسوس کرتے ہوئے اس نے زرکاش کا فون نمبر دیکھا۔ دل کی دھڑکن بے تحاشہ بڑھی تھی۔ اس نے اب سے پہلے بھی رائمہ سے چھپ کر ایسا کچھ نہیں کیا تھا جو وہ اب کر رہی تھی۔
''دراج...... میں نے کال ریسیو کرلی ہے۔'' ابھرتی بھاری آواز یک دم اس کی سماعت سے ٹکرائی کچھ گھبراہٹ میں مبتلا کر گئی تھی مگر فوراً ہی اس نے اپنا اعتماد بحال کیا۔
''آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ کال میں نے کی ہے؟''
''کیونکہ رائمہ اتنی رات میں کال نہیں کرسکتی۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ چند لمحوں کے لیے چپ سی رہ گئی۔
''بجیا کے سامنے کال کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے صرف آپ کی طبیعت کے بارے میں پوچھنے کے لیے کال کی ہے۔''

"میری طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے۔ تم اتنی دیر تک جاگ رہی ہو صرف کال کرنے کے لیے۔ بہت عقل مند ہو تم۔" زرکاش نے سنجیدگی سے اسے گھر کا۔

"آپ کی طبیعت کو کیا ہوا؟"

"پتا نہیں' بس سر درد کے ساتھ تھوڑا ٹمپریچر ہوا اور بس......"

"مجھے پتا ہے...... میں نے آپ کو پریشان کیا ہے' اسی لیے آپ کی طبیعت خراب ہوئی۔" وہ درمیان میں بولی۔ "آپ کو محبت سے ڈر لگتا ہے؟"

"ہاں شاید ایسا ہی ہے۔"

"کیا میں نے آپ کو مشکل میں ڈال دیا ہے؟"

"یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو دراج۔" وہ بولا۔ دراج چند لمحوں تک خاموش رہی اور پھر خاموشی سے کال منقطع کر گئی۔ واپس اپنی جگہ پر آ تی وہ کافی دیر تک جاگتی رہی تھی۔ اس امید کے ساتھ کہ شاید زرکاش کال کر کے اس سے یوں خاموشی سے فون بند کر دینے کی وجہ پوچھے گا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

شام گہری ہو رہی تھی جب اس نے کچن کی کھڑکی سے دیکھا سامنے ہی صحن میں وہ رائمہ سے کوئی بات کر رہا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر وہ فوراً ہی سبزی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جسے کاٹنے وہ وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ دوسری طرف زرکاش نے کچھ محسوس کیا تھا اسی لیے وہ نہ چاہنے کے باوجود کچن کی کھڑکی کی سمت بڑھ آیا۔

"میں نے سنا ہے تم میری پٹائی کرنے والی ہو؟" مسکراتی نظروں سے زرکاش نے اسے دیکھا...... وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ سبزی کاٹتی رہی۔ نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

"اور صرف یہی نہیں تمہارا پورا ارادہ ہے مجھے یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کرنے کا۔" مزید کہتے ہوئے وہ چند لمحوں تک اس کا منتظر رہا مگر دراج کان بند کیے مصروف رہی۔ زرکاش نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اس کے موڈ کے بارے میں رائمہ سے جیسے پوچھا مگر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"کیسا دور آ چکا ہے۔ انسان سے زیادہ سبزیوں کی ویلیو ہو گئی ہے۔" واپس جاتے ہوئے وہ افسردگی سے رائمہ سے مخاطب ہوا مگر اگلے ہی پل کچن سے ابھرتی بلند کراہ پر وہ رکا اور سرعت سے رائمہ کے پیچھے ہی کچن کی طرف آیا۔

"دراج...... کیا ہوا؟" اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر رائمہ پریشان ہوا ٹھی جب کہ زرکاش کی نظروں میں فرش پر گری خون آلود چھری آ گئی تھی۔

"دراج...... تمہارے ہاتھ پر کٹ لگا ہے۔ دکھاؤ مجھے۔" زرکاش نے چاہا تھا کہ اس کی پشت پر چھپائے ہوئے ہاتھ دیکھے مگر وہ اس کا ارادہ بھانپتے ہی تیر کی طرح کچن سے نکلتی چلی گئی تھی۔ زرکاش سرعت سے اس کے پیچھے آیا جب کہ رائمہ دہل کر چیخ اٹھی تھی خون کے گہرے نشان فرش پر دیکھ کر جو کمرے تک جا رہے تھے۔

"دراج...... یہ کیا حرکت ہے؟" انتہائی سخت لہجے میں بولتا وہ اس تک پہنچا جو ہاتھ پشت پر کیے دیوار سے الگ ہونے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ڈھٹائی سے مسلسل مزاحمت کرتی وہ اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ جس کا ہاتھ اس کی خون آلود کلائی تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے بھل بھل بہتے خون سے زرکاش کا ہاتھ تر بتر ہو گیا تھا۔ ہوش اڑ گئے تھے۔ سرعت سے اس نے دراج کو سنبھالا جو غشی کی حالت میں اس کے سینے سے آ لگی تھی۔ اسے بازو میں سنبھالتے ہوئے زرکاش نے اسے تخت پر لٹایا اور اس کا ہی دوپٹہ تیزی سے اس کی کلائی کے زخم پر لپیٹنا شروع کر دیا۔

"رائمہ...... اپنی آواز بند کرو کسی قسم کا شور نہیں ہونا چاہیے۔ اسے کچھ نہیں ہوا جلدی پانی لے کر آؤ اسے ہوش میں رکھنا

ہے۔" زرکاش کی تاکید پر اپنی سسکیوں کو ضبط کرتی رائمہ بدحواسی میں پانی لینے دوڑی۔ خون کے مسلسل بہنے کی وجہ سے کمزوری کے باعث اس کی آنکھیں مکمل نہیں پا رہی تھیں۔ اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو چکا تھا۔
زرکاش کی یہی کوشش تھی وہ اسے مکمل حواسوں میں اسپتال لے جائے۔ اس کی کلائی کے زخم کو صرف حادثہ قرار دیا جائے گا۔ اسے مکمل یقین نہیں تھا۔ پانی کا گلاس دراج کے لبوں سے لگاتی رائمہ شدید فکر انگیز نظروں سے زرکاش کو ہی دیکھ رہی تھی جو بہت عجلت میں فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ یہ شکر تھا کہ اپنے پیروں پر چل کر باہر گاڑی تک آئی تھی زرکاش نے سختی سے رائمہ کو تاکید کی تھی کہ کسی کو اس سب کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ رائمہ خود بہت محتاط تھی۔ دراج کی خیریت سے واپسی کے ساتھ دعا بھی کر رہی تھی کہ دراج کو زرکاش اپنی گاڑی میں اسپتال لے گیا ہے۔ یہ بات اس کے گھر میں کسی کو پتا نہ چلے۔ اس فکر کے ساتھ ساتھ وہ اس الجھن میں بھی تھی کہ چھری دراج کی کلائی تک کیسے پہنچی؟

✿.........✿.........✿.........✿

اسے اندازہ نہیں تھا کہ کتنا وقت گزرنے کے بعد اس نے آنکھیں کھولی ہیں۔ البتہ اردگرد جائزہ لیتے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی اسپتال کے روم میں ہے۔ نیم وا آنکھوں سے وہ بیڈ کے قریب اسٹینڈ پر لٹکی ڈرپ کی بوتل کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یاد آ رہا تھا۔ وہ گاڑی کی بیک سیٹ پر تھی۔ ڈرائیو کرتا زرکاش مسلسل اس سے باتیں کرتا اسے ہوش میں رہنے اور اپنی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش میں تھا مگر کوئی بات اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے سب کچھ دھندلا رہا تھا۔ زرکاش کی آواز آہستہ آہستہ دور جاتی سنائی دی اور اس کے بعد کیا ہوا اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ ہاتھ کو حرکت دیئے بغیر اس نے کلائی پر بندھی بینڈیج کو دیکھا۔ اس ہاتھ میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ تب ہی وہ بیڈ کے قریب آتی اس عورت کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو چہرے پر مہربان مسکراہٹ سجائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں جوس کا گلاس موجود تھا۔
"زرکاش میرے شوہر کے قریبی دوست ہیں بلکہ دونوں بچپن کے دوست ہیں۔" اس کی سوالیہ نظروں پر عورت نے بتایا۔
"تمہاری ڈرپ ختم ہو جائے اور ڈاکٹر چیک کرلیں تمہیں تو میں مشرف کو فون کردوں گی وہ یہاں آجائیں گے تم تھوڑا سا اٹھ جاؤ تاکہ یہ جوس پی سکو۔" اس کے سر کے نیچے رکھا تکیہ اونچا کرتی وہ عورت بولی۔ دراج کا حلق خشک ہو رہا تھا لہٰذا بغیر کسی توقف کے اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا۔ اس دوران وہ عورت بغور اسے دیکھتی رہی تھی۔
"یہ کون سا اسپتال ہے؟" اس نے گلاس واپس اس عورت کو دیتے پوچھا۔
"یہ پرائیویٹ کلینک ہے یہاں جو ڈاکٹر ہیں وہ میری کزن ہیں میرا گھر قریب میں ہی ہے۔ اس لیے زرکاش کے فون پر میں پہلے ہی یہاں آ گئی تھی اور زیادہ اچھا ہوا کیونکہ تم بالکل ہوش میں نہیں تھیں زرکاش تمہیں نہیں سنبھال سکتے تھے۔" عورت کے تفصیل بتانے پر وہ کچھ بول نہیں سکی۔
"دوبارہ یہاں چیک اپ کے لیے تو تمہیں آنا ہوگا۔ میرے گھر لازمی آنا میں زرکاش سے بھی کہوں گی کہ تمہیں ساتھ لے کر گھر آئیں۔" اس کے لیے سیب کاٹتی وہ عورت مستقل بول رہی تھی جب کہ غائب دماغی سے اس عورت کو سنتی وہ رائمہ کے لیے فکر مند ہونے لگی تھی۔ سامنے دیوار پر لگی گھڑی میں رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ مزید آدھا گھنٹہ تھا ڈرپ کے ختم ہونے میں ڈاکٹر نے چیک اپ کر کے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔
زرکاش کے دوست کی بیوی کے ہمراہ کلینک سے باہر آئی تو زرکاش اپنے دوست کے ساتھ ہی اس کا منتظر تھا۔ وہ تو کسی سے نظر تک نہیں ملا سکی تھی۔ اسے خدشہ تھا مگر زرکاش نے کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کی طبیعت کے بارے میں راستے بھر سوال کرتا رہا تھا۔ گیٹ پر رائمہ منتظر ملی تھی اس کے حد درجہ پریشان چہرے نے دراج کو بے تحاشہ شرمندہ کر دیا

تھا مگر وہ بھی بس اس کی طبیعت اور خیریت کے بارے میں ہی بات کر رہی تھی۔ دراج کو اس بات کی خبر نہیں تھی کہ زرکاش نے پہلے ہی رائمہ کو یہ تاکید کردی تھی کہ دراج سے کوئی باز پرس نہ کرے۔ یہ ایک حادثہ تھا۔ دراج نے جان بوجھ کر خود کو نقصان پہنچایا تھا۔ یہ جھوٹ اسے رائمہ سے بولنا پڑا تھا کہ وہ مطمئن ہوجائے۔ حقیقت میں تو اس کو اندازہ ہوچکا تھا کہ یہ کوئی حادثہ نہیں تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

سرخ جھلملاتے دوپٹے میں وہ گٹھڑی بنی بازوؤں میں چہرہ چھپائے سسک رہی تھی۔ اس کی زندگی کا فیصلہ ہوچکا تھا ایک تعلق میں وہ بندھ چکی تھی۔ وہ تعلق کہ جس کے قائم ہونے کے باوجود اس کے دل کی دنیا میں کوئی خوش گوار دل افروز احساسات نہیں جاگے تھے۔ ہر سمت سناٹا پھیلا ہوا تھا اس کی زندگی کے کسی فیصلے میں نہ پہلے اس کا اختیار تھا اور نہ اب آگے اسے کوئی اختیار ملنے والا تھا۔ وہ ایک بے جان کٹھ پتلی تھی جسے کوئی بھی اپنی مرضی کے رخ پر لے جاسکتا تھا۔

"رجاب......" راسب کی آواز پر اس کی گھٹی سسکیاں اور بلند ہونے لگی تھیں۔ دوسری جانب نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ندا اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی تو نہ کرسکی تھی۔

"رجاب......تم میری بہن نہیں میری اولاد ہو۔ باپ اپنی اولاد کے لیے دنیا کی ہر خوشی سمیٹنا چاہتا ہے۔ اپنی اولاد کی خوشیوں سے زیادہ اسے کچھ عزیز نہیں ہوتا۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھے وہ بول رہے تھے۔

"میں نے بھی جو کیا تمہارے مستقبل کو دیکھتے ہوئے کیا۔ تم میرے پاس میرے ماں باپ کی امانت ہو قیمتی متاع ہو میں جانتا ہوں کیا تمہارے قابل ہے کون تمہارا زیادہ حق دار ہے۔ ابھی تمہیں یہ سب سمجھ نہیں آئے گا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد تمہیں احساس ہوگا کہ تمہارے لیے یہی سب بہتر تھا جو ہوا ہے تمہارے پاس ابھی بہت وقت ہے تم اسی گھر میں ہو کوئی تمہیں یہاں سے کہیں جانے پر مجبور نہیں کر رہا تم نے میری فرماں برداری کر کے میرا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمہاری مرضی کے خلاف میں تمہیں اس گھر سے رخصت کرنے کے بارے میں سوچوں گا بھی نہیں۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔ تمہیں اپنے آغا جان پر اتنا اعتبار تو ہونا چاہیے۔ آج تم نے میرا مان رکھا ہے۔ آج کے بعد میری مرضی وہی ہوگی جو تمہاری ہوگی۔ تم جو چاہو گی وہی ہوگا بس تم اس طرح رو کر مجھے میری نظروں میں شرمندہ مت کرو۔" راسب کے التجائی لہجے پر وہ ان کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کررونا شروع کرچکی تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

سرد ہواؤں کی سرسراہٹوں میں چند پل مزید خاموشی سے سرک گئے تھے۔ پول سے ٹیک لگائے وہ سر جھکائے بالکل ساکت بیٹھا تھا۔ تیز روشنی میں اس کے چمکتے بال کچھ اور زیادہ سنہری دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا وجہ ہوسکتی ہے اس کی کہ تم زندگی گزارنے پر مجبور ہو؟" مدھم لہجے میں پوچھتی وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔

"میں سمجھتی تھی کہ مجھ سے زیادہ قابل رحم زندگی کسی کی نہیں ہوسکتی مگر تمہیں دیکھ کر احساس ہوا کہ مجھ سے زیادہ رحم کے قابل تو تم ہو۔ میری زندگی جس راستے پر چل رہی ہے میں نہیں جانتی میں کہاں پہنچوں گی مگر تم جس راہ پر چل رہے ہو صاف نظر آتا ہے کہ یہ راہ تمہیں کھائی کے دہانے پر لے جائے گی۔ پھر کیوں تم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں؟ تم عقل و شعور سے محروم کوئی جانور نہیں ایک سمجھدار انسان ہو۔ مجھے پورا یقین ہے تم کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔ تم کیوں یہ سب کچھ بھول چکے ہو؟"

"میں سب جانتا ہوں جانتا ہوں کہ میں کس راہ پر چل رہا ہوں مگر...... میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

سر جھکائے وہ کمزور آواز میں بولا۔

"اپنی زندگی میں موجود واحد رشتے کو زندہ رکھنے کے لیے میں کسی حد تک بھی جاسکتا ہوں۔ زندگی کے سترہ سال میں نے اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت سکون اور بے شمار خوشیوں کے درمیان گزارے تھے مگر پھر اچانک جیسے کسی نے مجھے جنت سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ پاپا کے ایکسیڈنٹ نے مجھے زندگی کا ایک بھیانک رخ دکھایا۔ کئی دن تک وہ کومہ کی حالت میں رہے اور جب کومہ سے باہر نکلے تو بالکل معذور ہوچکے تھے۔ ان کے بہتر علاج کے لیے ماما نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی زیور تک نہیں بچا کہ جسے فروخت کر کے وہ روپے حاصل کرتیں۔ ایک ایک کر کے سب رشتے دار ساتھ چھوڑ گئے۔ پاپا کا علاج جاری رکھنے کے لیے ماما نے ہمارا گھر گروی رکھوایا۔ میں نے اپنی پڑھائی چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی نوکریاں شروع کردیں اس امید کے ساتھ کہ ایک دن سب کچھ پھر پہلے جیسا ہوجائے گا۔ مگر......" چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہوا۔ ساکت بیٹھی وہ بغور اسے سن رہی تھی۔

"میں اور ماما سرتوڑ کوشش کرتے رہے پاپا کو زندگی کی طرف واپس لانے کی مگر پاپا ہمت ہار چکے تھے۔ بہت اذیت برداشت کر رہے تھے وہ ایک دن پھر قیامت آگئی۔ ان کی سانسوں نے ہی ان کا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ اپنی خالی آنکھوں میں وہ میرا اور ماما کا چہرہ قید کیے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرگئے۔ میرے اور ماما کے لیے ہر سمت میں تاریکی رہ گئی تھی۔ ماما ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ زندہ تھیں مگر زندگی نظر نہیں آتی تھی۔ سر پر قرض کا بوجھ اٹھائے مجھے ماما کے ساتھ اپنے گھر سے نکلنا پڑا تھا۔ وہ گھر جسے پاپا نے میرے اور ماما کے لیے انتھک محنت سے بنوایا تھا۔" نم آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کے ہونٹ لرز رہے تھے نظر جھکی ہوئی تھی آواز گھٹ رہی تھی مگر وہ بول رہا تھا۔

"زندگی بہت بدصورت ہوچکی تھی مگر زندہ تو رہنا تھا' مجھے اپنی ماں کا سہارا بننا تھا ہمت جمع کر کے میں نے کام کے ساتھ کوئی اچھی جاب بھی تلاش کرنا شروع کردی تاکہ قرض کا بوجھ کچھ تو کم ہوجائے۔ مگر میرے پاس نہ کوئی ڈگری تھی نہ کوئی تجربہ...... میری بھوک' پیاس' نیند سب کچھ ختم ہوچکا تھا یہی سوچ تنگ کرتی کہ کیسے قرض اتاروں گا؟ کس طرح اپنا گھر واپس حاصل کروں گا؟ ان فکروں میں' میں یہ بھی نہیں جان سکا کہ اندر ہی اندر گھٹتیں ماما کس ناسور مرض کا شکار ہوچکی ہیں اور جب معلوم ہوا تو میرے پیروں تلے زمین بھی نہ رہی تھی۔ ایک ہی جنون سر پر سوار ہوچکا تھا کہ اپنے باپ کے بعد مجھے اپنی ماں کو کسی قیمت پر نہیں کھونا...... ماما کے علاج کے لیے بھی مجھے ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی جو میں دن رات بھی چھوٹے چھوٹے کام کر کے حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ اس وقت میرے پاس کچھ سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے بس میری ماں کا چہرہ تھا۔ کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ اس راہ کو منتخب کرتے ہوئے مجھے کس اذیت سے گزرنا پڑا تھا اور اب تو اس اذیت کی عادت ہوچکی ہے۔ چند گھنٹوں میں مجھے ہزاروں روپے حاصل ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد میں انسانیت کے درجے سے گر کر کسی کھائی میں گروں یا جہنم میں' یہ چیز میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتیں' میرے لیے یہ اہم ہے کہ میری ماں ایک بہترین اسپتال میں زیر علاج ہے۔ وہ اس انتظار میں بھی ہیں کہ میں کب اپنا گھر واپس حاصل کر کے ان کو اپنے ساتھ اس گھر میں لے جاؤں گا۔ میں نے اگر یہ کام چھوڑ دیا تو جو کچھ بچا ہے وہ بھی ختم ہوجائے گا اور...... میں بھی۔" اس کے خاموش ہونے پر وہ فوری طور پر کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"تمہارا سارا قرض ادا ہوگیا؟"

"ہاں...... بس اب کچھ عرصے میں' میں اپنا گھر بھی واپس لے لوں گا۔ ابھی ماما کے علاج کے لیے مزید رقم کی ضرورت ہے۔ ان کے صحت یاب ہونے کے بعد میں یہ سب چھوڑ کر کوئی باعزت کام شروع کروں گا۔"

"میں دعا کروں گی کہ تمہاری ماں جلد از جلد ٹھیک ہوجائیں اور تم اس بھنور سے نکل آؤ۔" وہ مدھم لہجے میں بولتی اس کے

سامنے سے اٹھی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"عرش......" ایک پل کو رک کر وہ بولا۔

"عرش...... مجھے یقین ہے کہ تم ایک دن واپس ان ہی اونچائیوں تک جاؤ گے جس اونچائی اور بلندی پر عرش کو اللہ نے رکھا ہے۔" پریقین لہجے میں اس نے کہا۔ جب کہ وہ خاموش نظروں سے وہاں سے جاتا دیکھتا رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

بے آواز قدموں سے چلتی وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔ رات کا سناٹا اور تاریکی صحن میں چھائی ہوئی تھی مگر آسمان پر ادھورے چاند کی مدھم روشنی میں یہ تاریکی گہری نہیں تھی۔ کچن کے پاس کھڑی وہ اسے دیکھ رہی تھی جو سیڑھیاں طے کرتا نیچے آرہا تھا۔ دراج کی وہاں موجودگی کی اسے خبر ہوچکی تھی۔

"میرا میسج دیکھا تھا تم نے؟" اس کے سوال پر وہ خاموش رہی۔ ظاہر ہے جب ہی تو وہ رات کے اس پہر اس کے سامنے تھی۔

"میرا اس وقت یہاں آنا کسی حد تک خطرناک ہے یہ تم بھی جانتی ہو مگر مجھے یہاں آنا پڑا ہے جو باتیں میں تم سے کرنا چاہتا ہوں وہ فون پر یا رائمہ کے سامنے نہیں ہوسکتی تھیں۔" زرکاش کی آواز بہت ہلکی تھی۔

"تم جانتی ہو کل کیا کرچکی ہو تم؟" اس نے سوال کیا۔

"مجھے فوراً جواب چاہیے کس وجہ سے وہ حرکت کی تم نے؟" اس کی مدھم لہجے میں سختی در آئی تھی۔

"فون پر آپ کے لہجے کی بے زاری نے میرا دل توڑ دیا تھا۔ آپ نے کہا تھا آپ کو میری محبت پر یقین نہیں ہے جو انسان آپ کے لیے محبت میں پاگل ہو...... اس کے لیے آپ کے لہجے میں ذرا سی محبت بھی نہیں گھل سکی تھی۔" دراج کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ تاریکی اتنی نہ تھی کہ زرکاش کو اس کے آنسو دکھائی نہ دیتے۔

"صرف میری آواز سے تم نے سارے اندازے لگالیے اور اس حد تک چلی گئیں۔" زرکاش کے لہجہ میں غصہ در آیا۔

"تم نے مجھے خوف زدہ کردیا ہے دراج...... یہ سب مت کرو اللہ کے لیے اگر تمہیں میری پروا ہے خود پر نہیں تو کم از کم رائمہ پر رحم کرو، تمہاری طرح اس کے دل میں بھی اپنی ماں کی جدائی کا زخم تازہ ہے۔ کل اگر امان اور اس کی بیوی میری مدد نہ کرتے تو میں کہاں لے کر بھاگتا تمہیں؟ کوئی ڈاکٹر تمہیں ہاتھ نہیں لگاتا، یہ سیدھا سیدھا سوسائیڈ کیس بن سکتا تھا۔" غصے کو ضبط کرنے کے لیے وہ چند لمحے چپ رہا مگر دراج کی سسکیاں اسے غصہ ضبط کرنے سے روک رہی تھیں۔

"دراج...... سمجھنے کی کوشش کرو، میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے تم پر یقین ہے تمہاری محبت کی میں عزت کرتا ہوں، تمہیں بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میں تمہاری طرح ٹین ایجر نہیں ہوں پچیس سال کا ایک میچور مرد ہوں، اس گھر میں میری پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" عاجز آ جانے والے انداز میں بولتا وہ یک دم رکا۔ گھٹی گھٹی آواز میں روتے ہوئے دراج نے اپنے ہاتھ اس کے چہرے کے گرد رکھ دیئے تھے۔ زرکاش کے دل کو جیسے کچھ ہوا تھا۔

"دراج...... تم نے بہت بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے مجھے، تمہارے لیے اپنی سوچ اپنی نظر کو بدلنے کے لیے چند دن بہت کم ہیں...... مجھے وقت چاہیے جس سے محبت ہوتی ہے اسے پریشان نہیں کیا جاتا، مجھ سے ناراضگی کا اظہار کرو، مجھ پر غصہ کرو مگر خود کو نقصان مت پہنچاؤ۔" وہ التجائی لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا جو اس کے چہرے اس کی گردن کو بار بار چھوتی بس روئے جارہی تھی، پاگلوں کی طرح اسے دیکھے جارہی تھی۔ زرکاش جیسے ہار گیا تھا، دھیرے سے وہ اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے چکا تھا۔

"میں جانتا ہوں سب سمجھ رہا ہوں' تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' تمہارے احساسات اور جذبات کی میں بہت عزت کرتا ہوں۔ میں کبھی تم سے بے زار نہیں ہوسکتا۔ کبھی ایسا مت سوچنا۔" مدھم آواز میں وہ اس سے مخاطب تھا جو آنسوؤں سے اس کا گریبان بھگو رہی تھی۔

"اپنا خیال رکھو' خوش رہا کرو تاکہ رائمہ تمہاری طرف سے مطمئن ہوجائے۔" دھیرے سے اسے الگ کرتے ہوئے وہ بولا۔

"کل موقع ملا تو مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے مگر رائمہ کو ابھی اس بات کی خبر نہ ہو۔ یہ بات ابھی میرے اور تمہارے درمیان رہے گی۔ میں اب جاتا ہوں تم بھی جا کر سوجاؤ شب بخیر۔" اس کا بازو تھام کر کمرے کی سمت بڑھاتا وہ خود بھی تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دروازے پر رکی وہ تب تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا۔

صبح بیدار ہونے کے بعد سے ہی وہ بہت سنجیدگی سے ان باتوں پر غور کرتی رہی تھی جو زرکاش نے کی تھیں۔ اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ بچکانہ قسم کی حرکتیں اسے نہیں کرنی چاہئیں۔ اسے میچورڈ اور معاملہ فہم ہونا پڑے گا۔ بردباری کے ساتھ ہی وہ معاملات کو اپنے حق میں کرسکتی تھی۔ اسے زرکاش کے دل میں اس کی زندگی میں جگہ بنانی ہے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب ایسا کوئی کام نہیں کرنا جو زرکاش کو اس سے متنفر کردے۔

چائے کا پہلا سپ لیتے ہوئے اس نے نیچے آتے زرکاش کو دیکھا۔ تخت کے کنارے بیٹھی وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی جو اسی جانب آتا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دراج..... تم مسکراتے ہوئے کتنی اچھی لگتی ہو۔ پھر بارہ کیوں بجائے رکھتی ہو چہرے پر.....؟" اس کے حیران لہجے پر دراج کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"چائے لیں گے آپ؟"

"بالکل لیں گے۔" بولتے ہوئے زرکاش نے اس کے ہاتھ سے مگ لی لیا۔

"بینڈج کے لیے گئی تھیں؟"

"نہیں' کل جانا ہے بجیا کے ساتھ جاؤں گی۔"

"رائمہ نے مجھے منع کردیا ورنہ میں تمہیں لے جاتا۔ تم رائمہ سے پوچھ لو تو چلنا میرے ساتھ ہی۔"

"نہیں بجیا اور میں چلے جائیں گے۔ آپ کو کوئی بات کرنی تھی مجھ سے؟" اس نے یاد دلایا۔

"رائمہ کہاں ہے؟" پوچھتے ہوئے زرکاش نے کچن کی جانب بھی نظر ڈالی۔

"وہ پڑوس میں گئی ہیں' اپنی دوست کے پاس کچھ دیر لگے گی ان کو وہاں۔" اس نے بتایا۔

"سب کو ایک گھر پسند آگیا ہے۔" کھڑے کھڑے ہی چائے کے سپ لیتا وہ بتا رہا تھا۔

"بڑے ماموں کے گھر کے ساتھ ہی ہے وہ گھر۔ اس لیے امی کو اب وہیں جانا ہے۔"

"آپ وہی گھر خریدیں گے؟" سنجیدہ نظروں سے دراج نے اسے دیکھا۔

"ہاں..... کیونکہ سب یہی چاہتے ہیں۔" بولتے ہوئے وہ کچھ فاصلے پر تخت کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

"امی جلد از جلد شفٹ کرنا چاہتی ہیں۔ شزا کی شادی وہ نئے گھر سے ہی کریں گی۔"

"آپ نے کہا تھا آپ اس گھر کو فروخت نہیں کریں گے۔" دراج کا چہرہ اترا۔

"میں اپنی بات پر قائم ہوں۔" وہ بولا۔

"میں تمہیں اور رائمہ کو اس گھر میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جتنا جلدی ممکن ہو سکے رائمہ کی شادی ہو جائے۔"

"بجیا کی شادی؟" دراج نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں اور اچھی بات یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے۔" زرکاش نے اس کی آنکھوں میں ابھرتے تجسس کو دیکھا۔

"اتفاق سے اس بارے میں، میں نے امان اور ربیعہ بھابی کے سامنے بات کی تھی پتا چلا کہ ربیعہ بھابھی امان کے بھائی کے لیے لڑکی کی تلاش میں ہیں کلینک میں وہ تمہارے ساتھ تھیں انہوں نے رائمہ کے بارے میں بات کی تم سے کوئی؟"

"ہاں......بس نارمل بات ہی کی تھی مجھے لگا وہ ایسے ہی پوچھ رہی ہیں۔"

"انہوں نے تمہیں اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی؟" زرکاش کے سوال پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر کل ایسا کرو کلینک پہنچ کر مجھے ایک کال کر دینا۔ میں وہاں آجاؤں گا اور تم دونوں کو امان کی طرف لے جاؤں گا۔ رائمہ کے وہاں جانے کا جو مقصد ہے اسے بالکل مت بتانا ورنہ وہ وہاں جانے کے لیے راضی نہیں ہوگی پھر جو بھی ہوگا میں بعد میں خود رائمہ سے بات کروں گا۔ سمجھیں تم؟"

"جی ہاں۔" وہ غائب دماغی سے بولتی رائمہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی جس کی آمد ہوگئی تھی۔ کل کے لیے وہ بہت پر جوش ہوگئی تھی۔

رات میں جب رائمہ کپڑے سینے میں مصروف تھی تو وہ چپکے سے دوسرے کمرے میں رائمہ کے لیے ایک اچھے لباس کو منتخب کرتی پریس کرنے بیٹھ گئی تھی۔

"دراج یہ تم کیا کر رہی ہو؟ پہلے ہی تمہارا ہاتھ زخمی ہے میں صبح پریس کرلوں گی اٹھو تم یہاں سے۔"

"میں فارغ بیٹھی ہوں آہستہ آہستہ کرلوں گی پریس اب اتنا زخمی بھی نہیں میرا ہاتھ......اور آپ کل یہ ڈریس پہنیں گی۔ کاسنی رنگ بہت سوٹ کرتا ہے آپ پر......اور کل ذرا اچھے سے تیار ہو کر چلیے گا۔ گھر میں تو حال سے بے حال رہتی ہیں آپ۔"

"بات سنو زرکاش بھائی کے دوست کی بیگم تمہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دے گئی تھیں تم ہار سنگھار کرکے جاؤں میں تو بن بلائی مہمان بن کر جا رہی ہوں۔" رائمہ نے اسے جتایا۔

"اچھا آپ جا کر اپنا کام کریں۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔" دراج نے بات ہی ختم کردی تھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے باہر جاتی رائمہ کو دیکھا......زرکاش نے رائمہ کے لیے جو سوچا تھا اس کے لیے وہ بہت خوش تھی۔ ربیعہ کی خوش مزاجی اور نرم لہجہ اسے اچھا لگا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ رائمہ سے مل کر خوش ہوں گی۔ رائمہ سگھڑ تھی۔ اچھی شکل وصورت کی مالک ہے، بہت خوبیاں تھیں اس میں کسی کو کوئی نظر انداز نہیں کرسکتا اور اسے اپنی بہن پر فخر تھا۔

دوسرے دن وہ بڑی بے چینی سے کلینک تک پہنچنے کے انتظار میں تھی۔ رائمہ کے ہمراہ گھر سے نکلتے ہوئے اس نے زرکاش کو اطلاع دے دی تھی۔ جس وقت وہ دونوں کلینک سے فارغ ہو کر باہر نکلیں زرکاش ان دونوں کا منتظر تھا۔ ربیعہ نے بہت گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تھا۔ زرکاش نے ان دونوں کا تعارف امان سے بھی کروایا تھا پرکشش شخصیت کے حامل سانولے سلونے سوبر سے اسد اسے پہلی ہی نظر میں اچھے لگے تھے اگر اس معاملے کو آگے بڑھنا ہے تو وہ مطمئن تھی کہ رائمہ کے لیے اسد پرفیکٹ ہیں۔ رائمہ تو ربیعہ سے باتوں میں مگن رہی مگر وہ مستقل نظر بچا کر اسد کا جائزہ ہی لیتی رہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"دیکھو ذرا آئینے میں کتنی پیاری لگ رہی ہو تھوڑی سی مسکراہٹ بھی چہرے پر لے آؤ تو کتنا اچھا ہو۔" ندا نے محبت بھری

نظروں سے اسے دیکھا۔ جو پیشانی پر بل ڈالے بالکل چپ تھی۔

"رجاب تمہیں اب سچائی کو قبول کرنا ہوگا وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا حاذق بہت اچھا ہے، بہت خوش ہے تم سے اس تعلق پر، میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت دیکھی ہے اور محبت کرنے والوں کی قدر کی جاتی ہے۔" ندا نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

"بھابی..... آپ ان کو بتادیں کہ میں ان کے ساتھ اس وقت باہر نہیں جانا چاہتی۔" وہ شدید ناگواری سے بولی۔

"میں اسے نہیں روک سکتی۔ وہ اب تمہارا شوہر ہے۔"

"تو اس کا کیا مطلب؟ رات میں ان کے ساتھ سیر سپاٹے کروں ہوٹلنگ کروں ساری دنیا کو یہ بتاؤں کہ دو دن پہلے اس شخص سے میرا نکاح ہوا ہے اور آج اس کے ساتھ ساتھ میں بھی ساری شرم و حیا بھول چکی ہوں؟" وہ ہتھے سے اکھڑی تھی۔

"اگر وہ ہم سب کی اجازت سے ایک بار تمہیں ساتھ باہر کھانے پر لے جانا چاہتا ہے تو کیا برائی ہے؟ اسے منع بھی تو نہیں کیا جاسکتا اور تمہاری ناراضگی اپنے بھائی سے ہے حاذق پر غصہ مت اتارو اسے کسی بھی بات یا حرکت سے یہ مت باور کروانا کہ تم اس کے ساتھ نکاح پر خوش نہیں تھیں۔"

"میں اب بھی خوش نہیں ہوں۔ ان کو جو بھی سوچنا ہے وہ سوچیں مگر میں ان سے نہ بات کروں گی نہ کرنا چاہتی ہوں۔" وہ ہٹ دھرمی سے فیصلہ سنا گئی تھی۔

✿ ✿ ✿ ✿

گرنے والے انداز میں گیٹ سے باہر نکلتی وہ اندھا دھند بھاگتی اس کی سمت آرہی تھی جو حیران نظروں سے اس کے پیچھے آتے مریل شخص کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے اس جانور سے بچاؤ۔" اس کے عقب میں آتی وہ چیخی تھی جب کہ عرش کی نظریں مریل شخص پر ہی تھیں جو موٹی سی لکڑی اٹھائے بھاگتا ہوا اس طرف آیا تھا مگر درمیان میں آتے عرش کے ایک ہی جھٹکے پر واپسی پرے ہٹتا چلا گیا تھا۔

"اتنی فکر ہے اس کی تو لے جا اسے مگر میں پوری قیمت وصول کروں گا بتائے دیتا ہوں۔" سنبھلتے ہی وہ شخص للکارا۔

"کہاں بھیج رہا ہے اس کے ساتھ..... اپنے باپ کے باغیچے میں؟" عرش کے عقب سے وہ غرائی۔

"جائیداد نہیں ہوں تیری کہ بیچ کر قیمت وصول کرے گا بے غیرت بھائی کے نام پر تو دھبہ ہے لعنت ہے تجھ پر۔"

"آج تو نہیں بچے گی میرے ہاتھوں سے۔" مریل شخص نے بے قابو ہو کر جھپٹنا چاہا تھا کہ عرش نے سرعت سے روک کر اس سے لکڑی چھین لی۔

"سیدھے سیدھے مطلب پر آجا بول لے کر کچھ منہ سے مدعا کیا ہے؟ یہاں اب اگر کوئی ہنگامہ کھڑا کیا تو گھما کر یہ لکڑی سر پر دے ماروں گا بغیر نشے کے مدہوش ہو جائے گا۔" عرش نے سختی سے اسے گھرکا۔

"اس سے کیا پوچھ رہے ہو؟ اس کے پاس ایک ہی مطلب ہے، جس کے لیے یہ اپنی منحوس شکل لے کر میرے سامنے آجاتا ہے۔" وہ درمیان میں بھڑکی۔

"زیادہ بک بک نہ کر، پیسے دیتی ہے یا اٹھا کر لے جاؤں تیری سلائی مشین۔" اس شخص کے دھمکانے پر وہ چیل کی طرح اس پر جھپٹی مگر مریل شخص اسے پرے دھکیل گیا تھا۔

"جانے کب میری جان تجھ سے چھوٹے گی۔ کوئی گاڑی بھی نہیں کچلتی تجھ جیسے ناکارہ بے غیرت انسان کو۔" بری طرح تلملاتی ہوئی وہ چادر کی گرہ سے روپے نکال کر اس کے منہ پر مار چکی تھی۔

"جب یہ پیسے دینے ہی تھے تو پہلے دے دیتی۔ دوڑا دوڑا کر ادھ موا کر دیا۔ اب گھر چل کر مجھے کچھ کھانے کے لیے

دے۔" روپے جیب میں اڑستا مریل شخص اسے حکم دے رہا تھا۔
"ادھر آ...... تجھے دوں کھانا۔" بھنا کر عرش سے لکڑی چھینی وہ اس کی طرف بڑھی تھی جو وہاں سے بھاگتا چلا گیا تھا جب کہ عرش کی ہنسی بے ساختہ تھی۔
خونخوار تاثرات کے ساتھ عرش کی طرف پلٹتے ہوئے اس نے مارنے کے لیے لکڑی اٹھائی مگر وہ فوراً پیچھے ہٹا تھا۔
"ہنس لو دل کھول کے میرے باپ کی بارات آئی ہے۔" اس کے ہنستے چہرے کو دیکھ کر وہ مزید بھڑکی اور پھر لکڑی ایک طرف پھینکتی پول کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی مگر عرش کی ہنسی اس کو دیکھ کر مزید بڑھ رہی تھی۔
"تم اگر اور مجھ پر ہنسے تو پتھر مار کر بھیجا اڑا دوں گی۔" وہ پھر بھنا اٹھی تھی جب کہ عرش بمشکل ضبط کرتا اس کے سامنے پنجوں کے بل آ بیٹھا۔
"دراصل مجھے بار بار وہ منظر یاد آ رہا ہے جب وہ ڈیڑھ پسلی کا پہلوان لکڑی اٹھائے تمہارے پیچھے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔" عرش کے مسکراتے لہجے پر وہ ناگواری سے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
"پتا ہے میری ماں بھی غصے میں بہت پیاری لگتی ہے۔" مسکراتی نظروں سے عرش نے اس کے لال بھبھوکا چہرے کو دیکھا۔
"اور اس وقت تو مجھے بالکل میری ماما جیسی لگ رہی ہو۔"
"تو کیا کروں؟ تمہارا سر گود میں رکھ کر تھپکیاں دوں؟ سلا دوں ابدی نیند؟" وہ کھا جانے والے انداز میں بولی۔
"ہاں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" عرش نے سرعت سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھنا چاہا مگر وہ پہلے ہی کرنٹ کھا کر اٹھتی دور ہوئی۔
"یہ غلط ہے اب تم بھاگ کیوں رہی ہو؟" عرش نے تیزی سے اس کی چادر کا کونا پکڑا۔
"دور ہٹ سنکی کہیں کے۔" ایک جھٹکے سے چادر چھڑاتی وہ سڑک کی طرف بھاگی جب کہ اس کی بدحواسی پر عرش ایک بار پھر بے ساختہ ہنستا چلا گیا تھا۔

✿ .... ✿ .... ✿ .... ✿

"مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ یہ سراسر تمہارا فیصلہ ہے تم نے مجھ پر بھروسہ کیا مجھے میری نظروں میں اونچا کر دیا میں کبھی تمہارے بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دوں گا۔" سنجیدہ لہجے میں وہ رائمہ سے مخاطب تھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔
"دراج سے پتا چلا کہ تمہیں جلدی پر اعتراض ہے مگر وقت بڑھانے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں...... یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ تم دونوں کو ایک گہرے صدمے سے گزرے زیادہ دن نہیں گزرے اس لیے سب کچھ سادگی سے ہی ہو رہا ہے میں جانتا ہوں تمہیں دراج کی زیادہ فکر ہے مگر یہ میری ذمہ داری ہے اسے ابھی پڑھنا ہے دنیا دیکھنی ہے میری موجودگی میں تم اس کی طرف سے بالکل مطمئن رہو اور بس اپنے بارے میں سوچو۔" اسے تاکید کر کے وہ خاموش ہوا اور پھر دراج کو باہر آنے کا اشارہ دیتا کمرے سے نکل آیا۔
"دراج ہمارے پاس دن بہت کم ہیں تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ کل سے ہی رائمہ کے لیے کپڑے وغیرہ جو بھی ہیں ان کی خریداری شروع کر دو۔ میں ابھی بینک جا رہا ہوں واپس سیدھا تمہارے پاس آؤں گا رقم لے کر اس کے علاوہ بھی جب ضرورت ہو مجھے کال کر دینا بلا جھجک۔" زرکاش کی تاکید پر اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔
"حالات اگر اس گھر کے خوشگوار ہوتے تو میں کسی چیز کی کسر نہیں چھوڑتا تم بھی جانتی ہو کہ اگر میں منظر پر آ گیا تو کیا ہوگا؟ رائمہ کے اس گھر سے رخصت ہونے تک میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا۔" وہ کچھ افسردگی سے بولا۔

"ویسے تو ربیعہ بھابی نے صاف کہہ دیا تھا کہ ان کو صرف رائمہ سے غرض ہے مگر میں صرف ان کی وجہ سے نہیں اپنے گھر والوں کی وجہ سے رائمہ کو کیش دوں گا۔ بعد میں وہ اپنی مرضی سے جو چاہے خرید سکتی ہے۔"

"آپ میرے اور بجیا کے لیے اتنا سب کچھ کررہے ہیں ہم کبھی آپ کا یہ احسان نہیں اتار سکیں گے۔"

"یہ احسان نہیں میرا فرض ہے اب دوبارہ اس طرح کی بات مت کرنا۔" زرکاش نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

"دراج تم جانتی ہو کہ رائمہ کے اس معاملے میں میں پس پردہ ہی رہوں گا مجھے امید ہے کہ اس چیز میں تم میری مدد کرو گی۔" زرکاش کی اس بات نے اسے الجھا دیا تھا۔

"اب جب کہ رائمہ نے بھی شادی کے لیے اپنی رضامندی دے دی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ امی وغیرہ کو بھی اس بات کا علم ہوجائے اور یہ تمہیں امی کو بتانا ہوگا۔" زرکاش بغور اس کے بدلتے تاثرات دیکھتا بولا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ مشکل ہے مگر تمہیں یہ کرنا ہوگا۔" زرکاش کا لہجہ التجائی تھا۔

"مجھے ان سے جاکر کیا بات کرنی ہوگی آپ بتادیں؟"

"صرف یہ کہ ربیعہ بھابی تمہاری دوست کے ریلیٹوز میں سے ہیں اور یہ کہ وہ شادی کی ڈیٹ جلد از جلد طے کرنا چاہتی ہیں۔"

"اگر آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ میری اتنی بات بھی سننے کے لیے تیار ہوجائیں گی تو ٹھیک ہے میں ان کے پاس جاؤں گی۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم بات کو سنبھال لوگی۔ امان کی اور میری دوستی شروع سے باہر تک ہی محدود رہی ہے وہ اور اس کی بیوی کبھی میرے گھر میں کسی سے نہیں ملے اس لیے مجھے یقین ہے کہ امی کو شک نہیں ہوسکتا کہ میں اس معاملے میں پوری طرح شامل ہوں۔" زرکاش بات ختم کرکے گیٹ کی سمت بڑھ گیا جب کہ وہ سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

✿ ✿ ✿ ✿

سیڑھیوں کے پہلے اسٹیپ پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے دور کھڑی رائمہ کو دیکھا جس کا چہرہ بالکل اترا ہوا تھا نفی میں سر ہلاتی وہ اب بھی دراج کو اوپر جانے سے روکنا چاہتی تھی مگر وہ رکی نہیں۔ باہر چند لمحوں کے لیے وہ رکی اندر سب ہی موجود تھے آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اندر کا ماحول کافی خوشگوار ہے گہری سانس لے کر وہ اندر داخل ہوئی۔ سب سے پہلے شذا کی نظر اس پر پڑی اس کے بعد ایک ایک کرکے سوائے زرکاش کے سب کے ہی چہرے تن گئے تھے اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتی شیراز جارحانہ تیوروں کے ساتھ اس کی طرف آیا۔

"کس کی اجازت سے اوپر آئی ہو؟ میں نے کہا تھا اگر یہاں قدم رکھا تو ٹانگیں توڑ دوں گا نکلو یہاں سے ورنہ دھکے دے کر نکالوں گا۔" شیراز کے لہجے میں اس کے لیے نفرت اور حقارت تھی۔

"مجھے تائی امی سے بات کرنی ہے۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی۔

"جوتا پڑے گا منہ پر اگر میری ماں سے کلام کیا۔ ان کی بے عزتی کرکے سکون نہیں ملا۔"

"شیراز وہ بات کرنے آئی ہے۔ اسے بات کرنے دو۔" زرکاش نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہ بات کرنے کے لائق نہیں...... میرے سامنے اس نے امی پر آنکھیں نکالیں۔ ان کو برا بھلا کہا۔ مجھ پر چڑھ دوڑی تھی یہ آپ نہیں جانتے۔ یہ جتنی زمین سے باہر ہے اتنی ہی زمین کے اندر ہے۔" شیراز بھڑک کر بولا۔

"دراج کیوں ہمارے گھر کا ماحول خراب کررہی ہو؟ جو بھی بات ہے رائمہ کو بھیجو ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔" شذا نے غصیلے لہجے میں

"تمہارے اندر ذرا شرم نہیں ہے اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی یہاں آ گئی ہو۔" یہ شذا تھی جو تن فن کرتی اس کے اور شیراز کے درمیان آ گئی۔

"بھائی..... آپ اس کے منہ مت لگیں۔ ورنہ ان کو تو شوق ہیں یتیم اور مظلوم بن کر تماشے کرنے کے۔"

"شذا..... ہوش میں رہ کر بات کرو۔" زرکاش درمیان میں۔ بہن کو روکتا ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"امی آپ اسے بلا کر تو پوچھیں۔ بات کیا ہے؟"

"زرکاش تمہیں یہاں جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے بہتر ہے کہ تم خاموش رہو۔ میں کیا لوگوں کی باتیں سننے کے لیے ہی رہ گئی ہوں۔ اس چھٹانک بھر کی لڑکی کی زبان کندھے پر پڑی ہے۔ آٹھ آٹھ آنسو رلائے ہیں اس نے تمہاری ماں بہنوں کو عمر گزر گئی ان پر اپنے شوہر اور اولاد کی کمائی خرچ کرتے کرتے مگر پھر بھی ذلیل ہو رہے ہیں۔ یہ گھر تو وبال بن گیا ہے۔ قبر میں لے جائے گی یہ اس گھر کو۔ میرا بس چلے تو آج ہی اس کا حصہ اس کے منہ پر مار کر اس گھر سے چلتا کروں مگر اس کی ماں کا خیال آڑے آ جاتا ہے۔ اس بے چاری کی جگہ اس احسان فراموش کو دنیا سے چلے جانا تھا۔" زرکاش ماں کو روکتا ہی رہ گیا مگر وہ جو شروع ہوئیں تو رکی نہیں۔ ان کے آخری جملے دراج کا ضبط ختم کر گئے تھے۔

"کسی کے کہنے سے اگر کوئی مرنے لگتا تو میں ہزاروں بار کہہ چکی ہوں میرے ماں باپ تایا کی جگہ آپ سب کو اس دنیا سے اٹھ جانا چاہیے تھا۔" دراج کی آواز حلق میں گھٹ گئی تھی۔ جب زوردار تھپڑ اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا۔ اس کے بعد دوسرا..... تیسرا تھپڑ زرکاش نے روک لیا مگر تب تک دراج بری طرح لڑکھڑاتی سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی تھی۔ رائمہ چیختی ہوئی اس کی طرف بھاگی آئی تھی۔ جسے زرکاش نے سیڑھیوں کے وسط میں ہی پکڑ کر روک لیا تھا۔ اس کی پیشانی سے بہتے خون کو دیکھ کر زرکاش کا چہرہ تپ اٹھا تھا۔

"تمہارے اندر انسانیت باقی رہی ہے یا نہیں۔" مشتعل ہو کر اس نے اوپر کھڑے شیراز کو دیکھا۔ جواباً شیراز نے دہاڑتے ہوئے کیا کہا رائمہ نہ خود سننے رکی تھی نہ دراج کو اس نے وہاں رکنے دیا اس کا ہاتھ کھینچتی وہ تیزی سے کمرے میں لے آئی تھی۔

"کوئی آواز مت نکالنا دراج..... تمہیں میری قسم ہے تم اسے ایک لفظ نہیں بولو گی۔" اس کا چہرہ اپنے شانے میں چھپائے رائمہ نے سختی سے اسے گرفت میں جکڑ رکھا تھا خوف سے لرزتی وہ باہر سے ابھرتی آواز کو سن رہی تھی۔

"تم نے دوبارہ اس کے لیے مغلظات منہ سے نکالے تو منہ توڑ دوں گا تمہارا۔" پہلی بار زرکاش کو اتنے غصے اور بلند آواز میں بولتے وہ سن رہی تھی۔

"وہ ایسی دس گالیاں دے چکی ہے مجھے۔ وہ دوبارہ میرے سامنے بھی آئی تو میں گلا گھونٹ دوں گا اس کا۔" شیراز کی آواز اور زیادہ بلند ہوئی تھی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس نے دراج کے سپاٹ چہرے کو دیکھا اور پھر خاموشی سے اس کے زخم کو صاف کرنے لگی تھی۔ قدموں کی آہٹ پر وہ دونوں متوجہ ہوئی تھیں۔ اندر آتے زرکاش نے رک کر ان دونوں کو شرمندہ نظروں سے دیکھا۔

"اندازہ ہوا کہ میری کسی بات کی یہاں کتنی اہمیت ہے؟" اس کے سوالیہ سنجیدہ لہجے پر وہ دونوں بس خاموش تھیں۔ "میری عزت اسی میں ہے کہ میں کسی کو یہاں کچھ غلط کرنے سے کبھی نہ روکوں۔ شاید یہ دس سال گھر سے دور رہنے کی قیمت ہے۔ جو میں ادا کر رہا ہوں۔" اس کے طنزیہ تلخ لہجے پر دراج تخت سے اٹھ کر اس کے مقابل آئی۔

"مگر ہمارے دل میں آپ کی بہت عزت ہے۔ قدر ہے کیونکہ آپ اس کے لائق ہیں۔" اس کے مدھم لہجے پر زرکاش نے ایک نظر اس کی ابرو کے اوپر زخم کو دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کو جسے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں تھام رکھا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کو مایوس کیا میری وجہ سے ساری بات بگڑ گئی۔"

''نہیں...... غلطی میری ہے سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں نے تمہیں اوپر آنے کی تاکید کی۔ بہت اچھی طرح شرمندہ ہو چکا ہوں تمہاری نظروں میں۔''

''آپ شرمندہ مت ہوں یہ سب کوئی پہلی بار نہیں ہوا۔'' رائمہ نے کہا۔

''اسی بات کا تو افسوس ہے کہ میری موجودگی سے بھی حالات پر کوئی فرق نہیں پڑا۔'' وہ گہری سانس لے کر دراج کی طرف متوجہ ہوا۔

''زخم زیادہ گہرا تو نہیں؟ دکھاؤ ذرا۔'' سنجیدگی سے وہ اس کے زخم کا جائزہ لینے لگا۔

❁ ❁ ❁ ❁

سڑک کی ہموار سطح پر گاڑی پھسلتی جا رہی تھی۔ درختوں کی قطار دیکھتی وہ کسی اور جانب دیکھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''میرا خیال ہے باہر ایسی کوئی چیز نہیں جو تمہارے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہو۔'' حاذق نے ایک بار پھر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر بے سود نرم ہوا کے جھونکوں سے چہرے پر بکھرتیں تراشیدہ لٹیں سمیٹتی وہ مکمل بے نیاز تھی۔

''تم نے کھانے کے لیے بھی انکار کر دیا...... میں تمہارے رحم و کرم کا منتظر ہوں۔ کم از کم اتنا تو بتا سکتی ہو کہ تم کہاں جانا پسند کرو گی؟'' ایک گہری نگاہ حاذق نے اس کے سجے سنورے چہرے پر ڈالی۔

''میری پسند نہ پوچھیں۔ میں تو گھر ہی جانا پسند کروں گی۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ ناگوار لہجے میں بولی۔

''اور فی الحال میں تمہاری اس پسند کو خاطر میں نہیں لانے والا۔'' وہ مسکرایا۔

''ٹھیک ہے...... تم مجھ سے شاید بات بھی نہیں کرنا چاہتیں مگر تم ایک بار میری طرف دیکھ تو سکتی ہو ایک میں ہوں جو تمہیں دیکھ دیکھ کر نہیں تھک رہا' میرے لیے ڈرائیونگ کرنا اتنا مشکل کبھی نہیں رہا۔ جس قدر تمہاری موجودگی میں ہو رہا ہے۔'' اس کے بے بس لہجے پر بھی وہ قطعی لاتعلق رہی۔

''رجاب تمہارے ساتھ میں ان لمحوں کو اور خوب صورت بنانا چاہتا ہوں تمہاری لاتعلقی مجھے پھر ہرٹ کر رہی ہے غلطی تمہاری نہیں ہے۔ بس میں ہی تمہارے لیے۔ بہت زیادہ حساس ہوتا جا رہا ہوں کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم میرے ساتھ نہیں آنا چاہتی تھیں؟'' وہ بہت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''مجھے نہیں معلوم بس اتنا پتا ہے کہ یہ اٹلی نہیں ہے یہاں لحاظ اور ادب۔ بہت معنی رکھتے ہیں یہاں نکاح کے دو دن بعد ہی اس طرح تفریح کے لیے سڑکوں پر نہیں نکلا جاتا جس طرح آپ مجھے ساتھ لے آئے ہیں۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر ہی وہ جتانے والے انداز میں بولی...... جب کہ حاذق کچھ حیران ہوتا بے ساختہ مسکرایا۔

''کمال ہے پانچ سال میں یہاں اتنا کچھ بدل چکا ہے مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔'' وہ سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

''ویسے مجھے اب مکمل یقین ہو چکا ہے کہ پانچ سال بعد یہاں آ کر میری زندگی چند دن میں ہی سنور گئی ہے۔''

''جی ہاں آپ کی ہی سنوری ہو گی۔'' باہر دیکھتی وہ بیزاری سے بڑبڑائی۔

''مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ان دونوں نے تمہیں بھی کافی چینج کر دیا ہے میں تو خیر پہلے سے زیادہ تمہارے لیے بے قرار ہوتا جا رہا ہوں مگر اس وقت تم خراب موڈ میں بالکل ناراض بیوی دکھائی دے رہی ہو۔'' اس کے شوخ لہجے پر رجاب خفت سے سرخ ہوئی مگر کچھ بولی نہیں۔

''سنو تم میرے ساتھ ڈنر نہیں کرنا چاہتیں کم از کم آئس کریم کھانے کے لیے تو تیار ہو جاؤ یا وہ بھی نہیں؟''

''مجھے آئس کریم پسند نہیں۔''

''عجیب لڑکی ہو تم میری معلومات کے مطابق تو لڑکیوں کو ہر موسم میں آئس کریم کھانا پسند ہوتا ہے۔'' اس کے حیران

لہجے پر رجاب نے پہلی بار اسے دیکھا۔
"کتنی لڑکیوں کو آئس کریم کھلانے کا تجربہ ہو چکا ہے آپ کو؟" اس کے ناراض لہجے پر حاذق نے دھیرے سے ہنستے ہوئے اس کی سبز آنکھوں میں بہت چاہت سے دیکھا۔
"سچ سچ بتادوں گا تو اور ناراض ہو جاؤ گی۔ میں تو ہو جاؤں گا تباہ۔" اس کی مسکراتی نظروں پر وہ نخوت سے دوبارہ رخ پھیر گئی۔
"تم ناراضگی میں دل پر قیامت ڈھا رہی ہو جب محبت سے دیکھو گی تب جانے کیا حال ہوگا میرا۔" اس کے ٹھنڈی سانس بھرنے پر رجاب نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا مگر اگلے ہی پل چوری پکڑے جانے پر اس کا دل بے تحاشا دھڑک اٹھا تھا۔
کچھ چونک کر رجاب نے اردگرد کا جائزہ لیا سنسان سڑک کو اسٹریٹ لائٹ نے روشن کر رکھا تھا مگر سڑک سے ہٹ کر دونوں اطراف میں دور دور تک ہر سمت تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔
"ہم یہاں کیوں رکے ہیں؟" پریشان ہو کر رجاب نے اسے دیکھا جو مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔
"اس لیے کہ میں سکون سے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور فی الحال اس سے زیادہ بہتر جگہ کوئی اور نہیں۔" گہری نظروں سے اس کے گھبرائے تاثرات دیکھتا وہ بولا جب کہ رجاب کی دھڑکنیں اس کی محویت پر بے تحاشا بڑھنے لگی تھیں۔
"تمہیں اپنے ساتھ باہر لانے کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ میں صرف تمہارے ساتھ اچھا وقت گزارنا چاہتا تھا۔ میں اپنے احساسات، اپنے جذبات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ تمہیں بتانا تھا کہ چند دنوں میں ہی تم میرے دل کے ہر حصے میں براجمان ہو چکی ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ تم سے بہت ساری باتیں کروں گا وہ ساری باتیں جو میں صرف تم سے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری آواز تمہارے دل کی باتیں سننا چاہتا تھا مگر...... اب بتاؤ میں کیا کروں؟ جب تم ہی خوش نہیں ہو ہمارے درمیان بندھے اس بندھن سے تو......" وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔ اس کے بجھے تاثرات نے رجاب کے دل کی کیفیت عجیب کردی۔
"ایسا تو نہیں ہے کہ میں خوش نہیں میں تو بس ایسے ہی......" کمزور لہجے میں بولتی وہ رک کر سر جھکا گئی۔
"تمہارے گریز کو محسوس کرنے کے بعد میں اب کس طرح یقین کر سکتا ہوں کہ تم خوش ہو؟" اس کے بے حد سنجیدہ لہجے نے رجاب کو ہراساں کر دیا تھا۔
"مجھے راسب بھائی سے بات کرنی ہوگی انہیں اس طرح زبردستی تمہیں میرے ساتھ باندھنا نہیں چاہیے تھا۔" رجاب کے فق ہوتے تاثرات کے باوجود اسی سنجیدگی سے بولتا اس وقت دنگ ہوا۔ جب کہ یک دم ہی رجاب کی آنکھوں سے موٹے موٹے قطرے برسنے لگے تھے۔
"آپ آغا جان سے میری شکایت مت کریں میں آپ کے ساتھ کھانا بھی کھاؤں گی اور آئس کریم بھی مگر آپ آغا جان سے یہ سب مت کہیے گا۔"
"رجاب تم رو کیوں رہی ہو؟ میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ تم رو مت میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا۔ تمہاری کوئی غلطی نہیں۔" اس کے بہتے آنسوؤں نے حاذق کو پریشان کر دیا تھا۔
"تم جیسا چاہتی ہو میں ویسا ہی کروں گا۔ میں واقعی راسب بھائی سے کچھ نہیں کہوں گا میرا یقین کرو۔" نرم لہجے میں تسلی دیتے ہوئے حاذق نے اس کے حنائی ہاتھ تھاما۔ رجاب واقعی رونا بھول گئی تھی۔ کتنی محبت سے وہ اس کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا وہ لرز ہی تو گئی تھی۔

"تمہیں منانا تو میرے لیے بہت آسان ہوگا۔ اس لیے تم مجھ سے ناراض ہوکر اپنی توانائی ضائع مت کرنا۔" مسکراتی نظروں سے اس کے چہرے پر بکھری حیا کی سرخی اور بھیگی پلکوں کو دیکھتا وہ بولا۔

"اب جب تک تم نظر اٹھا کر میری طرف نہیں دیکھو گی میں یقین نہیں کروں گا کہ تم خوش ہو۔" اس کے قطعی لہجے پر رجاب نے ایک نظر اس کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لرزتے اپنے ہاتھوں کو دیکھا...... فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اپنے آپ میں مزید سمٹتے ہوئے وہ بمشکل ہی نظر اٹھا کر وارفتہ اور محبت سے لبریز آنکھوں میں دیکھ سکی تھی۔ بس یہی ایک پل تھا جس میں سب کچھ بدلنے لگا تھا۔ جس دھڑلے سے وہ اس کی زندگی میں وارد ہوا تھا اسی طرح اب ایک لمحے میں اس کے دل میں بھی داخل ہوگیا تھا۔ دل کو یہ یقین ہونے لگا تھا کہ قریب موجود یہ شخص اس کے لیے ساری دنیا سے زیادہ پیارا اور اچھا ہے۔ دل اس کی ہی رفاقت کا تو طلب گار ہے۔ گل رنگ ہوتے چہرے کے ساتھ اس کی بھاری پلکیں جھک گئی تھیں۔ گہری نظروں کی تپش سے اس کا چہرہ پگھلتا جارہا تھا۔

"پتا نہیں میں اب تک کیسے اس جذبے سے انجان رہا جو تمہارے لیے میرے دل میں ہے۔" اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے وہ مدھم لہجے میں بولا۔

"جانتی ہو تم بہت خوب صورت ہو۔ بہت زیادہ یا پھر میری نظروں میں اب تمہارے علاوہ کوئی چہرہ نہیں جچتا۔" خواب ناک لہجے میں سرگوشی کرتا وہ اس کے صبیح چہرے کو چھونے سے رک نہیں سکا جو مزید سمٹنے لگی تھی۔

"رجاب...... اب میرے لیے اور زیادہ مشکل ہے تمہارے بغیر سانس لینا۔ میں تم سے دور واپس نہیں جانا چاہتا کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟" اس کے ہاتھ اپنی گرفت میں لیے وہ التجائی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ کیسے......" تیزی سے دھڑکتے دل اور غالب آتی حیا نے رجاب کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"میں سب سے بات کروں گا۔ راسب بھائی کو بھی راضی کروں گا تمہیں ڈاکٹر بننا ہے تو میں تم سے ابھی وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اسٹڈیز کا میں تم سے زیادہ خیال رکھوں گا۔ تمہارے اس مقصد کے راستے میں بالکل نہیں آؤں گا۔ بس تم پہلے میرا اعتبار کرو...... ابھی مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔ بتاؤ تم دوگی میرا ساتھ؟" اس کے بے تاب لہجے اور پرامید نظروں نے رجاب کو کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی اس کی آنکھوں کے دیپ روشن کرگئی تھی۔ وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ چند لمحوں میں ہی یہ شخص پورا کا پورا اس کے دل میں اتر کر بے بس کرچکا تھا۔ رجاب کی ہاں نے اس کے چہرے پر روشنیاں بکھیر دی تھیں۔

"مجھے وہ لفظ نہیں مل رہے جو تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے کافی ہوں۔ تم نہیں جانتیں تمہارا ساتھ مجھے کتنا مضبوط کرگیا ہے۔ میں اب سب کو راضی کرنے کی ہمت کرسکتا ہوں۔ تم یہ بھی ابھی نہیں جانتیں۔ تمہاری محبت نے تمہاری قربت نے مجھے کس طرح اپنے حصار میں جکڑا ہوا ہے۔ میرا دل تو تمہارا غلام بن چکا ہے۔" جذبوں سے بھرپور لودیتی نگاہوں سے اس کے محبوب چہرے کو اپنے دل میں اتار رہا تھا۔ تب ہی فضا میں ابھرتے تیز بے ہنگم شور نے ان دونوں کو بری طرح چونکایا۔ وہ چار بائیکس تھیں جن میں سے دو ان کی گاڑی کے بالکل سامنے رکتیں۔ راستہ بلاک کرگئی تھیں اور اپنے خطرناک ارادوں سے آگاہ بھی۔ رجاب کا دل حلق میں آنے لگا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

سحر ہونے کو ہے

علینہ اختر

"اڑی حملہ بھولیں گے نہ اٹھارہ جوانوں کا خون رائیگاں جائے گا' پاکستان کو تنہا کردیں گے' بھارتی وزیراعظم۔" دائم آواز بلند خبر پڑھ کر سنانے لگا۔

"اوہ......" ولید کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑے۔

"آگے بھی تو پڑھو......" وردہ نے طیش سے لقمہ دیا۔ وہ صبح یہ خبر پڑھ چکی تھی اور اس وقت سے اب تک سوچ سوچ کر مسلسل خون کھول رہا تھا' گجراتی قصائی نہ ہو تو دائم مزید خبر پڑھنے لگا۔

"ساتھ ہی جنگ وجدل کی باتیں کرتے مودی نے اچانک یوٹرن لیا اور پاکستان کو غربت' بے روزگاری اور دہشت گردی کے خلاف لڑنے کی دعوت دے ڈالی۔ خطاب کے دوران مودی وزیراعظم کم اور وشوا ہندو پریشہ کے جنونی زیادہ لگ رہے تھے۔" اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر دائم نے طائرانہ نگاہ سب پہ ڈالی' دس سالہ ہادیہ بھی ہمہ تن گوش تھی۔

"واہ...... واہ یعنی ہندو جنونیت کا بھرپور مظاہرہ کیا محترم نے......" ولید طنزاً بولا جبکہ وردہ اس کے آخری الفاظ پہ ہی اٹکی ہوئی تھی۔

"وشوا ہندو پریشہ کا جنونی...... یہ کیا ہوتا ہے؟" وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"جو ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔" دائم کو خود بھی نہیں پتہ تھا سو گول کر گیا۔ "ہمیں کوئی ہندی تھوڑی آتی ہے جو پتہ ہوگا اونہہ......" وردہ نے اپنے سوال پہ خود ہی مٹی ڈال دی۔

"ویسے بھی یہ ہندی انسانوں کی کم مریخ والوں کی زبان زیادہ لگتی ہے۔" اس نے لیپ ٹاپ گود میں رکھا اور اپنا پسندیدہ کالم پڑھنے لگی۔

"ویسے یار...... ایک بات ہے......" ولید جو اخبار پہ جھکا مزید تفصیلات پڑھ رہا تھا کچھ سوچتا ہوا سیدھا ہوا۔

"یہ انڈیا خود ہی ساری دنیا میں اپنا امیج خراب کرتا پھر رہا ہے' ہمیں تو کوئی فرق نہیں پڑ رہا مگر دنیا دیکھ رہی ہے کہ حقیقی دہشت گرد کون ہے اور سب سے مزے کی بات تو یہ ہے کہ جنگ کے معاملے میں خود انڈیا اندرونی اختلافات کا شکار ہے' وہ لوگ کسی ایک بات پہ متفق ہی نہیں ہیں' جبکہ ہمارے ہاں اپوزیشن سمیت ساری سیاسی اور مذہبی جماعتیں متحد ہیں۔ قومی مسائل پہ چاہے جتنے بھی اختلافات ہوں مگر جہاں بات آتی ہے ملکی سلامتی کی تو وہاں ساری قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے۔"

"حتیٰ کہ کل ہم سب فرینڈز بارڈر پہ گئے' پرچم کشائی کی تقریب دیکھنے۔" ولید ٹھوڑی مسلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہاں پاکستانی اسٹینڈرز پہ تو ہمیشہ کی طرح کافی رش تھا اور وہی جوش وخروش دیکھنے میں آرہا تھا مگر یقین کرو سرحد پار تو ہو کا عالم تھا' سارے اسٹینڈز ہی خالی تھے۔" وردہ بے اختیار ہنسی' لیپ ٹاپ سائیڈ پہ دھرا۔

"سننے میں تو یہ بھی آرہا ہے کہ جب شہری نہیں آتے تو مجبوراً وہ لوگ پولیس آباد کرنے کے لیے فوجیوں کو سول کپڑوں میں بٹھا دیتے ہیں۔" قریب بیٹھی بغور ان کی گفتگو سنتی ہادیہ اس کی بات پہ ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہوگئی وہ اور چھ سالہ حسن قریب ہی بیٹھے ہوم ورک کر رہے تھے۔

"ان کے تو سرحدی دیہات بھی تیزی سے خالی کروائے جارہے ہیں' متوقع جنگ نے وہاں پہ خوف وہراس پھیلا رکھا ہے' جبکہ رہا میڈیا تو وہاں تو ہمیشہ کی طرح پاکستان دشمنی عروج پہ ہے' پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ کرانے اور علیحدگی پسندوں کو اکسانے اور ان کی سرپرستی

کرنے میں تو خیر وہ ہمیشہ سے آگے آگے ہی ہے......"
دائم کا لہجہ تلخی سے بھرپور تھا۔

"ستر سال گزرنے والے ہیں مگر بھارتی قوم آج تک اپنی فطرت پہ قابو نہیں پاسکے۔ انتہائی مکار اور متعصب قوم ہے یہ......" وردہ کے چہرے سے بھی خفگی وناپسندیدگی چھلک رہی تھی۔ یہ موضوع تھا ہی ایسا' اندر تک کڑواہٹ بھر دیتا۔

"ویسے صرف ہمارے کیا یہ لوگ ہر معاملے میں ایسے ہی ہیں۔ بھارت ویسے تو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بنتا ہے' ہمیں غربت' بے روزگاری کے خلاف لڑنے کی دعوت دی جارہی ہے اور خود وہاں کے بے چارے عوام کا تو کوئی پرسان حال ہی نہیں...... دنیا کتنی بدل گئی ہے مگر ان کے ہاں کی جہالت ویسی ہی ہے بلکہ پہلے سے زیادہ بڑھ کر...... ذات پات کا فرق وہاں زمین وآسمان سے زیادہ بڑا ہے۔ پتہ ہے وہاں پہ آج بھی چھوت پات کے تصورات قائم ہیں' ان کی دیہاتی آبادی آج کی دنیا سے صدیوں پیچھے کی زندگی بسر کررہی ہے' پاکستان کے ایشوز کو تو انٹرنیشنل لیول پہ بہت اچھالا جاتا ہے اسے قرضوں کے بوجھ تلے دبا کر غربت کا مارا ہوا جاہل اور پسماندہ ملک کہا جاتا ہے مگر بھارت کی اصلیت کا نقاب کبھی کسی نے الٹنے کی کوشش نہیں کی' وہ لوگ کتنے جاہل' غیر مہذب' کتنے غیر فطری اور بے رحم ہیں اگر کوئی جاننا چاہے تو وہاں کی مسلمان اور دیہاتی آبادی سے پوچھ لے جن سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔" بول بول کر وردہ کا سانس پھول گیا۔

"اخبارات گواہ ہیں آئے دن وہاں فسادات ہوتے ہیں' گائے ذبح کرنے پہ اس کا گوشت کھانے پہ قتل ہوتے ہیں جبکہ نچلی ذات والوں کو تو وہ اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے' منہ سے خود کو سب سے بڑی جمہوریت کہنے والے اور اندرونی طور پہ اتنے جاہل اور مفلس...... چہ معنی ندارد۔" ولید جوشن سینے پہ رکھ کے نیم دراز تھا سیدھا ہوتے ہوئے طنزاً بولا' گفتگو اب اس رخ پہ چل نکلی تھی۔

"ارے باقی سب کو چھوڑو اگر ہم صرف کشمیر کو ہی دیکھ لیں نا تو بھارت کے مکروہ چہرے پہ چڑھا نقاب اتر جاتا ہے۔" دائم نے طیش وغضب کے سنگین تاثرات سمیت ہتھیلی پہ مکا برسایا۔ "آج اٹھتر واں دن ہے وہاں کرفیو کو لگے......"

"ٹھیک کہتے ہیں سب کہ دو ہزار سولہ میں بھارتی فوج نے اتنے کشمیریوں کی آنکھوں کی بینائی چھینی ہے کہ یہ سال مقبوضہ وادی میں "Dead Eyes Year" (مری ہوئی آنکھوں کا سال) کے طور پہ یاد رکھا جائے گا۔ اس دفعہ تو ظلم وستم کی حد ہی ختم کردی انہوں نے' مجھے تو یقین نہیں آتا کہ کوئی انسان اتنا سنگ دل بھی ہوسکتا ہے' میں تو کہتی ہوں کہ اس بھارتی فوج کا نام بدل کے قاتل فوج رکھ دینا چاہیے۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اور میں نے ایک سروے پڑھا' ٹھہرو میں تم لوگوں کو بتاتی ہوں......" وردہ نے بولتے بولتے لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن کی جو اسٹینڈ بائی پہ تھا جلدی سے گوگل پہ کچھ سرچ کیا...... یہ پچھلے ستائیس سالوں کا اعداد وشمار ہے کہ بھارتی فوج نے اب تک تقریباً 94 ہزار 548 کشمیروں کو شہید اور ایک لاکھ 37 ہزار چار سو پچاس افراد کو گرفتار کیا ہے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہوئیں۔" آخر میں وردہ کی آواز واضح طور پر بھیگ گئی تھی۔ اس نے اسکرین پر سے نگاہیں ہٹالیں اور اپنے دونوں بھائیوں کی جانب دیکھا وہ اپنی اپنی سوچوں میں گم خاموش بیٹھے تھے۔ لاؤنج میں افسردگی اور سناٹوں نے ڈیرے ڈال لیے۔

"ابھی تو کتنا قرض ہے جو ہمیں چکانا ہے......" لاؤنج میں چھائی معنی خیز خاموشی جیسے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی' ان سب نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر نگاہیں چرالیں۔

❁ ❁ ❁

"بھئی بارڈر پہ تو پتہ نہیں کب جنگ ہوگی اور نہ جانے ہوتی بھی ہے یا نہیں لیکن فیس بک پہ تو خوب جنگ چھڑی ہوئی ہے دونوں طرف سے ہر وقت گولہ باری جاری رہتی

ہے ہمارے پیج پہ بھی کافی ممبرز ہیں انڈیا کے اور ہر تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی پوسٹ پہ سب آپس میں لڑ پڑتے ہیں ایڈمن بے چارا تو بیچ بچاؤ ہی کرواتا رہ جاتا ہے......" حور یہ ہنستے ہوئے ان سب کو بتا رہی تھی اور اس کی بات سنتے انہوں نے بےزاری سے منہ بنائے تھے اس کی فیس بک نامی چخ چخ سے وہ سب عاجز تھے۔ اس گھر کا وہ واحد فرد تھی جس کا ہونا نہ ہونا ان کے لیے برابر تھا کیونکہ وہ سارا دن گھر کے ایک کونے میں موبائل یا لیپ ٹاپ لے کے بیٹھی پائی جاتی تھی' کھانے پہ مما بمشکل ڈانٹ ڈپٹ کے اٹھاتی تھیں اور وہ بولتی بھی کہیں تھی کیونکہ فرصت ہی نہیں ملتی تھی اور اگر کبھی منہ سے آواز برآمد بھی ہوتی تو بس وہی ایف' بی' ایف' بی فرینڈز' فلاں پیج اور فلاں گروپ اف!!

"اور ہاں......" دائم کو کچھ یاد آیا۔

"وہ اس عدنان سمیع خان کا بھی تو کتنا مذاق اڑا رہے ہیں نا سب' پاکستانی شہریت چھوڑنے پہ رضا مند ہے وہ۔" اور اس بات پہ وردہ نے خون آشام نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔ اسے اس موٹے آلو کا نام تک اپنے گھر میں سننا پسند نہیں تھا۔ "بھارتی پریشر ککر نہ ہو تو۔ ہونہہ۔"

"ہاں وہ......" ولید اچھل پڑا۔ "غدار' موٹو تھوسہ نہ ہو تو' ہر وقت پیپسی مانگتا پھرتا تھا' اب تو لائیں' ٹھڈے اور کے ہی ملیں گے اسے' بےشرم ارے اس کے تو دیدوں کا پانی ہی مر گیا ہے' باپ دادا کا نام ڈبو دیا کمبخت نے۔" ولید بڑی بوڑھیوں کی طرح کوسنے دینے لگا۔

"قسم سے ایک دفعہ چڑھ جائے میرے ہاتھ زندہ زمین میں نہ گاڑ دیا تو ولید میرا نام نہیں' پاکستانی قوم کے لیے شرم ناک حوالہ......" سرخ چہرے لیے وہ شدت جذبات اور جوش سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"او......او میرے بھائی......او شہنشاہ جذبات......یار تو بیٹھ جا چپ کر کے ہڈی پسلی تڑوانی ہے کیا اپنی؟ وہ گاڑا جائے گا تجھ سے زمین میں بھلا' الٹا یہ جو تھوڑا بہت تو دکھائی دیتا ہے اس سے بھی جائے گا۔" نوفل بھائی نے جو پتہ نہیں کہاں سے نمودار ہوئے تھے اسے حقیقت کا آئینہ دکھاتے

اپنے دبلے پتلے سراپے پہ متوجہ کرتے دونوں کندھوں پہ ہاتھ کا دباؤ ڈال کر زبردستی بٹھایا' وہ یک دم سمندر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"اوہ...... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" حلق سے کمزور سی آواز نکلی۔

"بیٹا جی چادر دیکھ کر پاؤں کو پھیلاتے ہیں نا...... پہلے سوچ بلکہ دیکھ لیا ہوتا تو اتنی انرجی ویسٹ ہونے سے رہ جاتی۔" حسیب ماموں جو بھیا کے ساتھ ہی کہیں باہر سے ابھی ابھی لوٹے تھے تھکن سے کاؤچ پہ ڈھیر ہوتے ہوئے بولے ولید جز بز ہو کر رہ گیا۔ جبکہ وردہ فوراً سے بھاگ کر دونوں کے لیے پانی لے آئی۔

"جیے میری گڑیا۔" ماموں کو خشک حلق کے ساتھ وہ پانی جیسے آب حیات لگا تھا' فوراً سے جی اٹھے۔

"آج تو بہت ہی تھک گئے۔" پانی پی کے وہ دوبارہ پیچھے گر گئے تھے۔ دراصل' ڈیڑھ ہفتے بعد نوفل بھیا کی شادی تھی اور شادی میں جیسے جیسے دن کم ہوتے جا رہے تھے تو کاموں کا بوجھ بھی بڑھتا ہی جا رہا تھا اور باہر کے کاموں میں جو بھاگ دوڑ ہوتی تھی تو گھر واپسی پہ نوفل اور ماموں ایسی ہی حالت میں ملتے۔

"بھائی یہ جنونی کیا ہوتا ہے۔" دائم ماموں سے کوئی بات کر رہا تھا جب ہادیہ نے ٹھوڑی تلے ہتھیلی جماتے دلچسپی سے پوچھا۔

"جنونی ہوتا ہے پاگل' انتہا کا پاگل' دماغ پھرا۔" دائم نے اسے اپنی آسان اصطلاح میں سمجھایا۔

"اوہ......" ہادیہ کی آنکھیں چمکیں۔ "جب مودی جنونی یعنی کہ پاگل ہے تو پھر تو انڈیا کو چاہیے کہ اسے مینٹل ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرا دے۔" اس نے اپنے تئیں سب سے مفید مشورہ دیا۔

"لو جی قصہ ہی ختم......" سب بے اختیار ہنس پڑے۔

"ویسے اس کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ماشاءاللہ سے یہ سارا انڈیا ہی انہی صفات سے مزین ہے کیا گورنمنٹ' کیا میڈیا' کیا دوسری سیاسی جماعتیں اور آرگنائزیشنز سب کے

سب ماشاءاللہ سے ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔" ولید نے کسی دانشور کی طرح لہجے کو اتار چڑھاؤ دیتے کہا تھا۔

"ہاں تو ہوتے رہیں، ہمیں کون سا فرق پڑتا ہے انڈیا اگر کسی غلط فہمی میں ہے تو اپنی تصحیح کرلے ہم بھی کوئی سو نہیں رہے پاکستانی قوم سے پنگا لے گا تو منہ کی کھائے گا اس ملک کا دفاع ناقابل تسخیر ہے، ہم بھی ہیں ہر دم تیار......" دانت پیس کر فضا میں مکا لہراتے سینہ تان کے گردن اکڑاتے، دائم نے جوش جذبات میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا تھا سب فوراً جذباتی ہوئے۔

"ان شاء اللہ......" کی آواز بلند ہوئی۔ تبھی مما وہاں آنکلیں اور اس کا حرف بہ حرف اپنے کانوں سے سن چکی تھیں اور اس کے خاموش ہوتے ہی بے اختیار بول اٹھیں۔

"بیٹا جی، حریف اگر جنگی جنون میں مبتلا سب کچھ بھلا چکا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم بھی آپے سے باہر ہوجائیں، جنگ کبھی بھی امن اور خوش حالی کا پیغام نہیں لاتی، وہ بے وقوف ہیں تو کیا ہم بھی ان کے جیسے ہوجائیں؟ دعا کرو کہ یہ جنگ نہ ہو اور معاملہ بخیر و عافیت ٹل جائے۔ جنگ سے نقصان کے سوا بھی کبھی کسی کو کچھ اور ملا ہے کیا؟" وہ ناصحانہ انداز میں سمجھا رہی تھیں پھر ماموں کی طرف مڑ گئیں۔

"اف یہ پاکستانی مائیں......" دائم کلس کر منہ ہی بڑبڑایا۔

"حسیب...... اسلام آباد والوں نے کچھ کنفرم بتایا کہ کب تک آنے کا ارادہ ہے۔" مما اب ماموں سے جیٹھ اور بہن کی بابت دریافت کررہی تھیں جو اپنی دو بیٹیوں سمیت اسلام آباد میں سکونت پزیر تھے۔

"جی آپی وہ بڑی آپا تو کہہ رہی تھیں کہ دو دن تک وہ اور بچیاں آجائیں گی جبکہ بھائی صاحب پر تو آج کل کام کا کافی بر ڈن ہے آفس میں، وہ تو بارات سے دو دن پہلے ہی آئیں گے۔" ماموں نے بڑی آپا کی بتائی بات من و عن ان کے سامنے دہرادی۔

"چلو ٹھیک ہے، مجھے بس یہی پوچھنا تھا آپا سے رابطہ نہیں ہو پارہا تھا میرا تو۔" وہ واپس جانے کے لیے پلٹیں۔

"ارے ہاں وردہ......" وہ کچھ یاد آنے پہ رکیں۔ ہونٹ خفگی سے بھینچے۔ "یہ حوریہ کدھر ہے۔ نظر نہیں آرہی؟" وہ بھی باقی سب کی طرح اس کی حرکتوں سے نالاں ہی رہتی تھیں۔

"وہ مما حوریہ تو اپنے روم میں ہوگی، پہلے ادھر ہی بیٹھی تھی پھر اٹھ گئی۔" اس نے دزدیدہ نظروں سے ان کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو دیکھا حوریہ ان کے آتے ہی وہاں سے کھسک گئی تھی۔

"ایک تو میں اس لڑکی کے ہاتھوں بڑی تنگ ہوں، بندوں کے بیچ میں بیٹھنا تو اسے بھاتا ہی نہیں ہے ہر وقت وہی موا موبائل یا لیپ ٹاپ لے کے بیٹھی رہے گی نہ کام کی نہ کاج کی اور رونا تو اس بات کا کہ اناج کی بھی دشمن نہیں، کونے میں لڑتی رہے گی ارے میں تو کہتی ہوں آگ لگے ان منحوس بلاؤں کو لڑکی پاگل ہو کے رہ گئی ہے ان کے پیچھے......" وہ باآواز بلند بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئیں پیچھے ان سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کھی کھی کرنے لگے۔

❁......❁......❁

"آج کی تازہ خبر...... آج کی تازہ خبر......" رات کے کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے وردہ اپنا ٹیسٹ یاد کررہی تھی دائم اپنی اسائنمنٹ اور ہادیہ اور حسن ہوم ورک کمپلیٹ کررہے تھے جبکہ حوریہ سے مما کچن میں کھڑی برتن دھلوا رہی تھیں جو وہ منہ کے ہزار زاویے بنا بنا کر دھو رہی تھی۔ جب راہداری سے ولید پھیری والے کے سے انداز میں بولتا دھپ دھپ کرتا اندر آیا۔ وہ سب چونک اٹھے۔

"کیا ہوا...... کون سی خبر؟"

"آج کی سب سے بڑی خبر آج کی سب سے اچھی خبر۔" اس نے پھر دبنگ انداز میں نعرہ لگایا، حوریہ بھی افتاں و خیزاں صابن والے ہاتھوں سمیت باہر نکل آئی مما اسے چھوڑ کر کمرے میں جاچکی تھیں۔

"تم لوگوں کو پتہ ہے آج گیمز میں کبڈی ایونٹ کا

فائنل میچ تھا انڈیا اور پاکستان کے درمیان......" اس نے اشتیاق سے بتانا شروع کیا' خوشی انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"ہاں...... ہاں تھا...... پھر۔" ورده بے صبری سے بولی۔

"اف......" ولید بدمزہ ہو کر رکا اور اسے گھورا۔

"ایک تو تم لوگ بھی نا...... بیچ میں ٹانگ اڑانا مت بھولا کرو۔"

"ہونہہ......" ورده نے خفگی سے سر جھٹکا اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"اچھا چھوڑو بھی...... اب آگے پھوٹو......" دائم جھنجلا گیا۔

"بھئی فائنل میچ میں پاکستان نے بھارت کو اٹھائیس کے مقابلے میں تیس پوائنٹس سے شکست دے کر گولڈ میڈل جیت لیا ہے۔" آخر اس نے پھوٹ ہی دیا۔

"کیا......؟" وہ سب خوشی سے چیخ اٹھے۔ "یاہو...... ہرے۔" لاؤنج میں در و دیوار ہلا دینے والے زوردار نعرے گونجے تھے۔

"او جئیں ہمارے پہلوان......" دائم بھنگڑا ڈالنے لگا۔

"مزا آ گیا بھئی...... اب پتہ چلے گا انڈیا کو۔" وہ سب کچھ زیادہ ہی جوش میں آ گئے تھے' عام دنوں میں تو یہ خبر انہیں اتنا جذباتی نہ کرتی مگر آج صورت حال الگ تھی۔ جب پاکستان انڈیا میں جنگ کا امکان ہو۔ بھارتی وزیراعظم ہر حد پار کرنے پہ تلا ہوا تھا۔ ایسے حالات میں ایسی خبر...... اتنا تو بنتا تھا۔ ان کا شور سن کر نوفل اپنے کمرے سے بھاگا بھاگا آیا۔

"کیا ہوا' کیوں اتنا شور مچا رہے ہو سب۔" وہ بدحواس سا بغیر سامنے دیکھے اندر آیا تو آگے کھڑے ولید سے ٹکراتے ٹکراتے بچا' پھر ناک سے پھسلتی عینک درست کرتے ناقدانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اوہ یہ تم ہو...... میں سمجھا ہینگر پہ کپڑے لٹک رہے ہیں۔" نوفل نے حسب عادت اس پہ چوٹ کی تھی۔ ان سب کے منہ سے ہنسی کے فوارے پھوٹ نکلے۔ جبکہ ولید وہیں کھڑے کھڑے بال نوچنے لگا۔

"اچھا...... اچھا سوری' بال تو مت نوچو...... ایسے تو تم گنجے ہو جاؤ گے اور کچھ دن بعد میری شادی ہے پھر سب کہیں گے کہ اتنے ڈیشنگ دلہا کا گنجا بھائی۔" نوفل نے اسے ڈرایا' ولید رک تو گیا مگر ساتھ ہی گھور کے بڑے بھیا کو دیکھا اور پھر دھپ دھپ کرتا خفا سا جا کے صوفے پہ بیٹھ گیا۔ جبکہ تب تک ورده ایکسائیٹڈ سی گڈ نیوز اس کے گوش گزار کرنے لگی۔

"یس......" نوفل نے دائم کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔

"اس خوشی میں آئسکریم تو بنتی ہے نا۔" نوفل نے کن اکھیوں سے ولید کو دیکھتے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی غرض سے کہا۔

"جی بھیا بنتی ہے' بالکل بنتی ہے۔" سب یک زبان بول اٹھے تھے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو ہنس پڑے۔

"میں ذرا ہاتھ دھو کے آئی۔" حوریہ فوراً سے واپس اندر بھاگی۔

"میں ذرا ماموں کو بلا کے لایا۔" ولید اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف بھاگا' نوفل نے رک کر سب کو دیکھا۔

"میں ذرا چابی لے کے آیا۔" کہتا اپنے کمرے کو لپکا۔

بیس منٹ بعد وہ مطلوبہ جگہ پہنچ چکے تھے' ہر سو روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور رونق کا سا سماں تھا۔ ماموں نے کونے والی ٹیبل اپنے لیے منتخب کی تھی۔ جب سب سیٹ ہو گئے تو نوفل میز کی سطح پہ انگلی سے دستک دیتا ہوا بولا۔

"چلو بھئی بچو جلدی بتاؤ کون سے فلیور کھانے ہیں؟"

"بھیا میں چاکلیٹ......" ورده فوراً بول اٹھی۔

"میں نے بھی......" حسن اور ہادیہ یک زبان تھے۔

"میں نے اسٹرابری۔" حوریہ نے بھی اپنی پسند بتائی۔

چاروں بیک وقت بولے تو ٹیبل پہ شور سا مچ گیا۔

"جاہلوں...... انسانوں کی طرح بتاؤ نا...... کیوں سب

کودکھا رہے ہو کہ چک نمبر چار سو بیس سے اٹھ کے آئے ہو۔" ولید زچ ہو کر بولا...... نوفل اور ماموں آرڈر نوٹ کروانے لگے۔

"تم چپ کرو سنگل پسلی......" حوریہ نے اسے گھورا اور ہاتھ میں پکڑا اسیل فون سیدھا کیا' وردہ نے ناگواری سے اسے گھورا۔

"اسے ادھر آ کے بھی سکون نہیں تھا فیس بک جنکی......" آرڈر آیا تو سب اس طرف متوجہ ہو گئے' پسندیدہ فلیورز کھاتے وہ سب آپس میں چھیڑ چھاڑ بھی کر رہے تھے پھر جب وردہ سے مزید صبر نہ ہوا تو ایک چپٹر رکھ کر اس کے ہاتھ پہ مارا۔

"حوریہ...... یار بندہ اتنا بھی خود پسند نہ ہو' ہمیں پتہ ہے کہ تمہیں یہ فیس بک اور اپنے فرینڈز وغیرہ ہم سے زیادہ عزیز ہیں مگر کچھ وقت تو بندہ فیملی کے ساتھ بھی گزار ہی لیتا ہے۔" وردہ بہت خفا اور شرم دلاتے لہجے میں کہہ رہی تھی' وہ کھسیا گئی۔

"اچھا...... اچھا رکھ رہی ہوں......" مگر اتنے میں ماموں بھی ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے' حوریہ کو دیکھا اور بے اختیار بولے۔

"حوری بیٹا...... اگر آپ نے ملک شیک پینا تھا تو بتا دیتیں وہی منگوا لیتے...... اس بے چاری آئسکریم کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔" حوریہ پہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"جی ماموں میں کھا ہی رہی تھی۔" وہ بوکھلا کر آئسکریم کی طرف متوجہ ہو گئی اور انہوں نے ہنسی روکنے کو منہ دوسری طرف کر لیا۔

"کھاؤ...... کھاؤ بچو آج جتنی چیزیں کھانی ہیں کھا لو جی بھر کے بھیا کی جیب خالی کرواؤ' آج کے بعد پھر یہ دن نہیں آنا......" دائم ان سب کو جوش دلا رہا تھا۔

"کیونکہ پھر بیگم کے آنے کے بعد تو بھیا نے ہمیں لفٹ ہی نہیں کروانی۔" وردہ نے بھی ٹکڑا لگایا۔

"جی نہیں...... ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" نوفل جھینپ گیا۔

"بھئی ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ جب بھابھیاں آ جاتی ہیں تو پھر ہر چیز پہ قبضہ ہو جاتا ہے' بھائی پہ اس کی جیب پہ اور......" وردہ کو بھیا کو تنگ کرنے میں مزا آ رہا تھا۔

"اور بے چارے کے خوابوں پہ......" ماموں نے لقمہ دیا۔ نوفل بوکھلا گیا' فوراً اپنی صفائیاں دینے لگا۔

"ایسی بات نہیں ہے' اس کی اپنی جگہ اور آپ لوگوں کی اپنی......"

"آہم......" وردہ نے گلا کھنکھارا۔ "شروع میں سب ایسے ہی کہتے ہیں......" اور اس کے شرارتی سے لہجے پہ نوفل اب کی بار ہنس پڑا۔

"بھئی ایک بات تو کلیئر ہو گئی۔" ولید نے ہاتھ اٹھائے۔

"سب نے دیکھ لی ان محترمہ کی اصلیت......" وردہ کی سمت اشارہ کیا۔

"ویسے تو بڑا انڈیا کے خلاف بولتی ہے لیکن اب خود بھی وہی رول پلے کیا جا رہا ہے بھابی کے آنے سے پہلے ہی بھائی کے کان بھرے جا رہے ہیں' بھابی کے آنے کے بعد تو اللہ ہی حافظ ہے' کبھی ادھر سے مارٹر گولہ آئے گا کبھی ادھر سے شیل فائر ہوگا' کبھی لگائی بجھائی ہو گی' آنسو گیس کا استعمال ہوگا......" بولتے بولتے ولید کا سانس چڑھ گیا' وردہ ہکا بکا منہ کھولے سن رہی تھی۔

"بس...... بس میرے بھائی' بس کر دے' مجھے پتہ ہے تجھے اپنی بھابی کی بہت فکر ہے۔" نوفل نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"شہنشاہ جذبات......" دائم نے اسے ٹائٹل پیش کیا۔

"نہیں...... بلکہ شہنشاہ جنات......" وردہ تلملا کر بولی اور رکھ کے زور سے اس کے کندھے پہ دھپ ماری۔

"مجھے انڈیا سے کیوں ملایا؟"

"ویسی ہی مکار اور چال باز ہونا اس لیے۔" ولید نے کمال اطمینان سے کہا اوپر سے حوریہ اور ہادیہ کی دبی دبی

"بھیا' ماموں' دیکھیں نہ اس کو' میں نے تو ویسے ہی ایک بات کی تھی۔" شکایتی نظروں سے دونوں بڑوں کو دیکھتے وہ روہانسی ہوئی۔

"برسبیل تذکرہ......" ولید نے ٹکڑا لگایا۔

"ہمارے جنرل نالج میں اضافے کے لیے۔" دائم بھی چپ نہ رہ سکا۔

"اونہوں......" ماموں نے اپنی تنبیہی نظروں سے گھورا۔

"مت کرو بھئی' میری گڑیا بہت اچھی ہے' بڑی لونگ اور کیئرنگ سی۔" نوفل نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے خود سے لگایا اور ان دونوں کی جانب دیکھا جو گلے کھنکھار رہے تھے۔

"ہاں البتہ تم دونوں اپنی خیر منالو ثمرہ کہہ رہی تھی کہ روزانہ رات کے برتن ولید اور دائم سے دھلواؤں گی۔"

"اوں......" ان دونوں کی شکلیں دیکھنے والی ہوگئیں۔

جبکہ وردہ' حوریہ اور ہادیہ ہنس ہنس کر بے حال ہورہی تھیں اور حسن بات سمجھ میں نہ آنے کے باوجود انہیں دیکھ دیکھ کر کھلکھلا رہا تھا۔

❀......❀......❀

احسن صاحب کے پانچ بچے تھے سب سے بڑا نوفل تھا پھر دائم اس کے بعد جڑواں حوریہ اور ولید پھر سب سے چھوٹی وردہ تھی' نوفل چند ماہ قبل ہی ایم بی اے کر لینے کے بعد بابا کا بزنس جوائن کر چکا تھا اس کی نسبت بچپن سے ہی ماموں زاد ثمرہ سے طے تھی نکاح کو بھی دو سال گزر چکے تھے اور اب ڈیڑھ ہفتے بعد وہ باقاعدہ شوہر نامدار کے عہدہ پہ فائز ہونے جارہا تھا۔ دائم میڈیکل کے تھرڈ ایئر میں تھا' ولید لمز میں جبکہ حوریہ پنجاب یونیورسٹی سے بی ایس سی کر رہی تھی اور پانچویں سمسٹر میں تھی۔

پھر سب سے آخر میں وہ تھی وردہ احسن' ایف ایس سی سیکنڈ ایئر میں تھی' اٹھارہ سالہ بے حد پر جوش اور محب وطن پاکستانی' آرمی کی تو مانو دیوانی تھی وہ۔ تمام بہن بھائیوں میں وہ بابا جان کے سب سے زیادہ قریب تھی۔ عادات واخلاق اور پسند و ناپسند میں بالکل ان کے جیسی۔ بابا جان بہت پیاری شخصیت کے حامل تھے' اپنے ملک سے بے حد محبت کرنے والے اور اس محبت کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنے والے' اپنی یہی محبت انہوں نے اپنی اولاد میں بھی انڈیل دی تھی۔ مگر جس کا سب سے زیادہ اور مکمل اثر وردہ احسن میں دکھائی دیتا تھا' وہ انڈین ڈراموں' فلموں موسیقی حتیٰ کہ کمرشلز تک کی جانی دشمن تھی' جہاں بھائیوں میں سے کسی کی کوئی سی ڈی وغیرہ نظر آتی اور ہوتی وہ انڈین مووی کی تو اس کے ہاتھوں بچ نہ پاتی...... خیر اب تو سی ڈیز والے زمانے ہی گئے اب تو انٹرنیٹ کا دور ہے' جب ہر چیز گوگل پہ سرچ کرو اور سیکنڈ میں حاضر......

پاکستانی چینلز سے بھی دوستی بس نیوز کی حد تک تھی ہاں البتہ اخبار تھا جس کے وردہ اور بابا رسیا تھے۔ گھر میں روزانہ اخبار کے علاوہ مختلف ادبی جرائد' میگزینز' ہفت روزہ ماہانہ رسائل وغیرہ آتے رہتے تھے' جنہیں وہ پورے شوق و دل جمعی سے پڑھتی اور اپنے پاس محفوظ کرتی رہتی' اس حوالے سے تحریک اسے بابا جان سے ملی تھی جو انہیں اکثر اوقات مطالعہ کرنے کے لیے ترغیب دلاتے رہتے تھے۔

"ہماری آج کی ماڈرن اور انٹرنیٹ ایج کی نسل فیس بک واٹس ایپ کی جتنی عادی ہے مطالعہ وغیرہ کرنے سے اتنی ہی دور ہے' سوشل میڈیا پہ ہر وقت متحرک رہنے کے باوجود ملکی و عالمی حالات سے لاعلم' کرنٹ افیئرز سے الرجک اسلام سے دور...... مگر فضول چیزوں اور کاموں میں آسانی سے دماغ چلالیتی ہے......" اور وہ بہت تاسف سے اپنی یہ بات دہرایا کرتے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد سب کی محفل جمتی تھی جس میں سب مختلف خبروں کو ڈسکس کرتے' کرنٹ افیئرز پہ تبصرے ہوتے' آرٹیکلز پڑھے جاتے' ملکی سیاست و موجودہ عالمی صورت حال پہ تبادلہ خیال ہوتا' یہی وجہ تھی کہ کسی نہ کسی حد تک ہی سہی وہ سب ملکی و عالمی حالات سے باخبر رہتے تھے۔

اور آج کل تو ویسے بھی ایک نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا' جب سے سرحد پار سے فائرنگ کے تبادلوں اور مارٹر گولوں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کے ساتھ جنگ کی دھمکیاں آنے لگی تھیں، پاک بھارت کشیدگی اور متوقع جنگ گھر بھر کا ہاٹ ٹاپک بن چکی تھی، جس میں حسب توفیق سبھی حصہ لیتے تھے۔

ان کا گھر لاہور کی ایک خوب صورت کالونی میں واقع تھا، دو منزلہ خوب صورت اور وسیع و عریض رقبے پہ پھیلی اس کوٹھی کے ایک حصے میں وردہ کے ماموں پلس بابا کے چچا زاد کزن حسیب احمد بمعہ فیملی رہائش پذیر تھے، ہنس مکھ اور شوخ سے یہ ماموں خاندان بھر کی ینگ جنریشن کی جان تھے، بچوں کو اپنی ہر محفل اور ہر آؤٹنگ ان کے بغیر ادھوری لگتی تھی، حسیب فارن کوالیفائڈ تھے اور اپنی ذاتی فرم کے مالک تھے، جو بے حد کامیابی سے ترقی کی منازل طے کرتی شہر میں اپنی ایک الگ پہچان بنا رہی تھی۔ ان کے دو بچے ہادیہ اور حسن تھے جبکہ بیگم وردہ کی مما کی طرح ہاؤس وائف تھیں۔

جب سے سرحدی کشیدگی بڑھتے بڑھتے جنگ کی حدود میں داخل ہونے لگی تھی گھر کی دونوں خواتین ہر وقت ہولتی رہتی تھیں، سرحد پار والوں کو کوسنے دینے کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا سلسلہ بھی جاری تھا جو اس اچانک آپڑنے والی مصیبت کے ٹلنے کے لیے تھیں۔

❁......❁......❁

"یار تم لوگوں کو پتہ ہے گوگل نے بھارت کو نمک حرام ملک قرار دے دیا ہے جبکہ مودی کو دنیا کا سب سے ایڈیٹ پرائم منسٹر کا ٹائٹل ملا ہے......" نگاہیں ہاتھ میں تھامے اسمارٹ فون سے ہٹاتے رامین نے جوشیلی آواز میں کہا۔

"واؤ......" ہادیہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔

"ارے...... یہ گوگل چچا اتنے اچھے کب سے ہو گئے۔" حوریہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

"اچھا...... یہ دیکھو......" رامین اب انہیں سرچ کر کے دکھانے لگی، اس نے ورلڈز موسٹ ایڈیٹ پرائم منسٹر لکھا اور جواباً وہاں بھارتی وزیر اعظم کا نام اسکرین پہ جگمگانے لگا تھا وہ سب اس چیز کو انجوائے کرتے ہوئے بے تحاشا ہنس رہی تھیں اور پورے کمرے میں ہلچل سی مچی تھی۔

رامین اور رانیہ محسن تایا اور بڑی خالہ کی بیٹیاں تھیں، وہ لوگ اسلام آباد میں رہائش پذیر تھے اور کل ہی وہ دونوں اپنی مما کے ساتھ نوفل کی شادی میں شرکت کے لیے لاہور آئی تھیں جبکہ تایا جان کی آمد مزید چند دن تک متوقع تھی۔

نوفل بھیا کی شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا، گھر میں شادی والے روایتی ہنگامے جاگ اٹھے تھے مگر جس طرح کے ملکی حالات چل رہے تھے وردہ کا سارا جوش و خروش جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا۔

بقول اس کے اگر اسے پتہ ہوتا کہ ان دنوں جنگ کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو جانے تھے تو بخدا وہ کبھی بھی اپنے بڑوں کو ان تاریخوں میں شادی نہ رکھنے دیتی۔ لیکن انسان نجومی نہیں، غیب کا علم اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور اگر وہ اس میں سے کچھ انسان کو بھی دے دیتا تو وقت آزمائش اس کا اصل چہرہ کیسے کھلتا؟

وہ چاروں ابھی تک کسی بات پہ بے تحاشا ہنس رہی تھیں کمرے کا دروازہ نیم وا تھا باہر مدھم سی روشنی میں راہداری سنسان پڑی تھی، دائیں طرف کونے والے کمرے سے مما، ممانی اور بڑی خالہ کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں، بائیں طرف آگے چھوٹی راہداری کے اختتام پہ ٹی وی لاؤنج تھا، وہاں دھیمی سی روشنی پھیلی تھی اور ٹی وی چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، اور بھاگتے دوڑتے مناظر دکھاتی ٹی وی کے سامنے صوفے پہ وہ براجمان تھی...... وردہ احسن۔

ریموٹ تھامے ہاتھ میں واضح لرزش تھی، بھیگی آنکھیں اسکرین پہ جمائے وہ بار بار آنکھوں میں امڈ آتے آنسو روک رہی تھی۔ سامنے نیوز بلیٹن چل رہا تھا صرف نیوز سننے کی حد تک تھا، گو کہ کبھی وہ بہت شوق سے نیوز سنتی اور ٹاک شوز دیکھتی تھی مگر آج کل جب ہر سو چینلز کی بھرمار تھی ہر طرف افراتفری کا سا سماں تھا، ہر خبر کو چٹپٹا مصالحے دار دھماکہ خیز اور شہ سرخیوں میں پیش کیا جانے لگا تھا چھوٹی سی عام سی خبر بھی بریکنگ نیوز بن چکی تھی اور انہیں لے کر تیز تیز سنسنی خیز انداز میں مصنوعی تاثرات اور لہجے کے اتار

چڑھاؤ سمیت بولتے نیوز اینکرز...... پیچھے بجتا تیز میوزک...... ان سب چیزوں نے ہر حساس پاکستانی کی طرح اس کا دل بھی نیوز تک سے اچاٹ کردیا تھا۔ بس کبھی کبھی جب جی چاہتا تو سن لیتی' ابھی بھی کسی مشہور نیوز چینل پہ کشمیری حریت رہنما یاسین ملک کی اہلیہ مشعال ملک گفتگو کررہی تھیں تو وہ وہاں سے گزرتے گزرتے رک کر بے اختیار سننے آ بیٹھی۔ اور اب دل تھا کہ پسیجا جارہا تھا اور آنکھیں تھیں کہ آنسوؤں بہانے کو بےتاب۔

یاسین ملک کافی عرصے سے بھارتی فورسز کی حراست میں تھے اور انہوں نے نہ جانے کتنے دن سے انہیں تنگ و تاریک ٹارچر سیل میں مقید رکھا ہوا تھا' کئی روز سے کھانا پانی بھی نہیں دیا جارہا تھا' جس بنا پہ ان کی حالت غیر تھی اور بے پناہ تشدد کے باعث ہونے والے ٹانگ کے انفیکشن نے انہیں چلنے پھرنے سے بھی معذور کردیا تھا مشعال ملک اپنے عزیز شوہر کی حالت زار کے بارے میں بتاتے آبدیدہ ہورہی تھیں۔

بے اختیار وردہ کا دل بھی بھر آیا۔ کتنے ظالم تھے نا یہ بھارتی' انسانیت نام کی تو کوئی چیز ان کے اندر تھی ہی نہیں' بے حس اور بے رحم تھے بس۔ اس نے ریموٹ کا بٹن دبا کر چینل چینج کردیا' نیوز بلیٹن شروع تھا وہ افسردہ سے دل کے ساتھ اٹھنے لگی اور تبھی جیسے ایک لمحے کو ساری دنیا ساکن ہوگئی۔ وہ بے اختیار واپس بیٹھی اور پھیلی آنکھوں کے ساتھ سامنے اسکرین کو دیکھتے اس نے جلدی سے آواز بلند کی۔

''آزاد کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے پانچ سیکٹرز پر بھارتی فوج کی بلااشتعال فائرنگ اور گولہ باری...... پاک فوج کے دو جوان شہید اور نو زخمی ہوگئے' جبکہ جوابی فائرنگ میں آٹھ بھارتی فوجی ہلاک ایک گرفتار...... اور......'' آج کے دن وردہ کے لیے اتنا کافی تھا۔

وہ فوراً وہاں سے اٹھی تیز تیز قدموں سے چلتی راہداری تک آئی ایک سرے پہ دائم کھڑا تھا' اسے دیکھ کر چونکا۔

''کیا بات ہے وردہ......؟'' غور سے اس کا ستا ہوا چہرہ اور سرخ گلابی آنکھیں دیکھتے وہ بے اختیار پوچھنے لگا۔

''کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟'' وہ نفی میں سر ہلاتے فوراً سے آگے بڑھ گئی۔ منہ سے کچھ نہیں بولا لگا ابھی رو دے گی مگر کمرے کا دروازہ بند کرتے اس کا ضبط تمام ہوگیا' آنسو آنکھوں سے نکلتے چہرے پہ لکیر کی صورت پھلتے ٹپ ٹپ نیچے گرتے گئے وہ بے اختیار کارپٹ پہ بیٹھتی چلی گئی۔

ہر ایسے واقعے کے بعد جسے لوگ تاسف سے سنتے' دکھ بھری نظروں سے دیکھتے' چند افسوس بھرے کلمات کہتے اور کچھ دن یاد رکھنے کے بعد بھول جایا کرتے تھے اسے ہمیشہ اپنی بھاگتی دوڑتی زندگی' پرشور لمحات مسکراہٹوں' قہقہوں ہنستے بستے خوش باش لوگوں' پرسکون روٹین اور ڈھیروں مصروفیات کے بیچ چند لمحات چاہیے ہوتے تھے' صرف لمحات...... جن میں وہ اپنی خاموشی' چند آنسو اور ڈھیروں دعائیں ان عظیم اور مقدس قربانیوں کی نذر کردیا کرتی تھی۔ ان عظیم قربانیوں کی جن کی یادیں ہمیشہ سے اس کے دل پہ نقش تھیں ان مٹ اثرات لیے۔ ایسی قربانیاں جنہیں پڑھ کر' سن کے اسے اپنا آپ ہمیشہ چھوٹا لگتا تھا کسی بونے سے بھی چھوٹا اور...... اور کتنے عظیم تھے نا وہ لوگ' جو ایسے کام کیا کرتے تھے' کتنے باظرف اور کتنے جری...... چٹانوں سے مضبوط بڑی سے بڑی تکلیف' بڑے سے بڑے غم پہ بھی اپنی جگہ کسی پہاڑ کی مانند ایستادہ۔ کوئی آندھی' کوئی طوفان ان کے پائے استقامت میں لرزش ڈالنے سے عاجز تھا۔ بھلا کوئی ایسا بھی ہوتا ہے؟

وہ دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ رگڑتی اٹھی پھر دھیرے دھیرے چلتی اسٹڈی ٹیبل تک آئی' کرسی کھینچ کر بیٹھی اور پھر جھک کر نیچے دراز میں سے کچھ ڈھونڈنے لگی۔ چند لمحے خاموشی سے سرکے تھے' پھر تلاش ختم ہوئی اور مطلوبہ چیز تھامے وہ دھیرے سے سیدھی ہو بیٹھی تو اس کا چہرہ واضح ہوا وہاں عجیب ناقابل فہم سے تاثرات رقم تھے۔ اور آنکھوں میں پھر سے کچھ تیر رہا تھا' پانی سا بے رنگ اور شفاف۔

شاید وہ آنسو تھے یا شاید وہ کچھ اور تھا' کچھ جذبے تھوڑا سا درد...... اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل ٹیبل پہ دھری اور پھر دھیرے سے اسے کھولا اور جیسے سالوں پرانی یادیں کھلتی

چلی گئیں' صفحہ در صفحہ پرت در پرت......
مختلف تکلیف دہ واقعات جو اس قوم کا المیہ تھے۔
سانحہ سیاچن گلیشیئر' سانحہ سلالہ چیک پوسٹ' آرمی پبلک اسکول' باچا خان یونیورسٹی' کامرہ ایئر بیس' پشاور ایئر بیس حملہ' وہ ایک ایک کر کے سارے گوشوارے' ان واقعات پہ لکھے گئے کالمز' اخبارات کی کٹنگز وغیرہ ہٹاتی جارہی تھی...... یہ سب وہ نہ جانے کب سے اپنے پاس جمع کررہی تھی...... پتہ نہیں یہ تکلیف دہ یادیں تھیں یا یہ اس قوم کا انتقام تھا جو وہ جمع کررہی تھی......
یہ ہیروں سے بیٹے جو اس دھرتی کا ماضی تھے' جن کی قربانیوں سے حال باقی تھا اور ان شاء اللہ مستقبل شاندار تھا' فائل کے سرورق پہ اس کی لکھائی میں اقبال کا یہ شعر درج تھا۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ گیا گردوں تھا جس کا تو ہے ٹوٹا ہوا ہے اک تارہ
اور دو آنسو ٹوٹ کر اس کی گود میں جا گرے۔

یہ دھرتی کے وہ بیٹے تھے جن کے لیے اپنا مقصد سب سے بڑھ کر تھا' جان اس سے ارزاں تھی۔ کیسے پہاڑوں سے عظیم تھے نا وہ؟ سمندروں سے بڑے ظرف والے...... اپنا آپ جن کے سامنے چھوٹا پڑ جاتا تھا۔ جنہوں نے اپنا آج ہمارے کل کو روشن بنانے کے لیے قربان کردیا تھا' جن کی آنکھیں سیاہ اندھیری راتوں میں پہرہ دیتی تھیں اور ان قیمتی آنکھوں کے طفیل کراچی تا خیبر ایک ایک پاکستانی اپنے نرم گرم بستر میں خواب خرگوش کے مزے لوٹتا تھا' مگر کتنے تھے جنہیں ان حقیقتوں کا ادراک تھا' کتنے تھے جن کی دعاؤں میں ان کا نام تھا۔
کتنے تھے جن کے آنسوؤں میں ان کا حصہ تھا......
جن کی التجائیں ان کے نام تھیں...... وردہ احسن نے آہستگی سے فائل بند کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیئے۔
کمرے کا ماحول سوگوار آہوں سے پر اور آنسوؤں سے بھیگا تھا' باہر کے ہنگاموں سے بے نیاز وہاں ایک مقدس چاپ تھی اور کمرے کے در و دیوار ان دعاؤں میں اس کے ہمدم ان التجاؤں میں اس کے ہمراز اور ان آنسوؤں میں اس کے حصے دار تھے۔

❀......❀......❀

گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ آس پاس کے شہروں میں جو اکا دکا قرابت دار رہتے تھے وہ بھی آچکے تھے' جبکہ زیادہ تر خاندان کے لوگ اور دور پرے کے رشتے دار وغیرہ لاہور میں ہی رہائش پذیر تھے سو ان کا ناشتے کے بعد جو آنا جانا لگتا تو رات تک رونقیں محفلیں اور ہلچل عروج پہ رہتی۔
"وردہ بیٹے...... ثمرہ کے ویڈنگ ڈریس والا ڈبہ اٹھا کے رکھ دو گاڑی میں...... پھر نکلتے وقت بھول نہ جائیں......" مما پتہ نہیں گھر کے کس کونے سے پکاری تھیں' آواز ہوا کے دوش پہ اڑتی ہوئی وردہ کی سماعتوں سے آٹکرائی۔
"اوہو......" اس نے بے اختیار خود کو کوسا' یہ بات مما کوئی تین چار دفعہ تو دہرا ہی چکی تھیں مگر وہ کب سے اپنی تیاریوں میں پھنسی "جی ابھی رکھ دیتی ہوں۔" کہے جارہی تھی اور اب کی بار بھی اگر وہ سابقہ جواب دہرا دیتی تو یقیناً مما نے بھی "ندرت بہن" کی طرح ضرور جوتا اتار لینا تھا۔ اور مہمانوں سے بھرے پرے گھر میں سب کے سامنے اس کی درگت بنے یہ وردہ کو ہرگز منظور نہ تھا۔
"جی مما' میں رکھنے جارہی ہوں۔" وہ اونچی آواز میں جواب دیتی فوراً سے ڈبہ اٹھانے ان کے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔
لڑکیوں کے کمرے سے شور و غل باہر تک سنائی دے رہا تھا' وہ سب اندر تیار ہورہی تھیں مگر آوازوں سے تو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا وہاں ریسلنگ ہورہی ہو۔
بارات میں دو دن رہ گئے تھے اور کیونکہ بابا جان نے ہر قسم کی فضول رسمیں اور مہندی مایوں وغیرہ کرنے سے سختی سے منع کردیا تھا (اور اس فیصلے میں انہیں حسیب ماموں اور وردہ کی پرزور حمایت اور باقی سب کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا) مگر وہ اپنے کہے سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے تھے۔ سو آج خالد ماموں یعنی ثمرہ کے والد کی طرف ان

سب کی دوپہر میں دعوت تھی' چونکہ دلہا دلہن کا خاندان ایک ہی تھا سو آدھے رشتے دار ان کی طرف اور آدھے وردہ لوگوں کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے اور اس وقت وہ سب ماموں کی طرف جانے کے لیے افراتفری میں تیاری کرتے ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے' لڑکیاں اپنے میک اپ وجیولری کی فکروں میں ہلکان ہو رہی تھیں تو لڑکوں کی طرف بھی ہاہو کار مچی تھی۔ ایک کی ٹائی نہیں مل رہی تو دوسرے کے موزے' کسی کی شرٹ تو کسی کی بنیان' باقی رہ گئے مرد حضرات تو وہ تو ویسے ہی بیچارے کسی کھاتے میں نہیں تھے جب کہ مائیں مختلف فکروں میں ہلکان ادھر ادھر آ جا رہی تھیں اپنی اپنی اولادوں کو صلواتیں سنانا اور کوسنے دینا بھی جاری تھا۔

مختصراً پورا گھر اس وقت مچھلی منڈی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ مگر اس ساری ہلڑ بازی میں ایک مظلوم ایسا بھی تھا جو شریف عوام کی طرح لاؤنج کے ایک کونے میں بیٹھا بے بسی سے یہ ساری ہنگامہ آرائی ملاحظہ کر رہا تھا۔

نوفل احسن بھی برا سا منہ بنائے خفگی سے انتظامات دیکھتی اور سب کو گاڑیوں میں لوڈ ہونے کا کہتیں مما جان کو دیکھ رہا تھا جو اسے مکمل نظر انداز کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھیں۔

''کیا ہے بھئی ثمرہ کا پردہ ہے نا' میرا تو نہیں جو یوں لڑکیوں کی طرح منہ چھپا کے گھر میں بیٹھ جاؤں' کس دانشور کا قول ہے یہ کہ شادی سے دو دن پہلے لڑکا اپنی سسرال نہیں جا سکتا اور وہ تو میرے ماموں کا گھر بھی ہے۔'' اس نے ناراضگی سے ابرو بھینچے تھے' جبکہ مما پہ تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔

''ارے بھیا میں کہہ تو رہی ہوں کب سے اگر آپ کو بھابی کو دیکھنے کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو میں ان کی ڈھیر ساری پکس بنا کر لے آؤں گی' پھر آپ دیکھتے رہیے گا جی بھر کے۔'' پاس سے گزرتی وردہ نے اسے چھیڑا۔

''بہنیں تو اپنے بھائیوں کے لیے کیا کچھ نہیں کرتیں اور تم کیسی بہن ہو جو صرف تصویروں پہ ٹرخا رہی ہو......''

نوفل نے چہرے پہ مظلومیت طاری کی اور انتہائی غمزدہ دکھائی دینے لگا۔

''جانا تو پڑے گا آپ کو پھر پرسوں پوری کی پوری بھابی خود آ جائیں گی......'' وردہ اس کی ایموشنل بلیک میلنگ سے متاثر ہوئے بغیر بولی اور وہ کیا جانے کہ نوفل کے لیے دو دن نہیں دو سال تھے۔

''کوئی بات نہیں ممانی جان' لے ہی جاتے ہیں بیچارے کو۔ ڈرائیور بنا کے ہی سہی' روکھی سوکھی جو ملی کھا لے گا اور ایک کونے میں پڑا رہے گا......'' عدنان نے بیچ میں ٹانگ اڑائی تھی' مما نے بے اختیار مسکراہٹ دبائی مگر منہ سے کچھ نہ بولیں۔

''تو چپ رہ جنگلی...... روکھی سوکھی کھائیں میرے دشمن۔'' نوفل فوراً برا منا گیا' عدنان اس لقب پہ اچھل پڑا اور اسے گھورا۔

''تو بھئی نیکی کا تو کوئی زمانہ ہی نہیں۔'' وہ مما کی نظروں سے بچ کر اسے آنکھ مارتا اور ڈھٹائی سے ہنستا اٹھ گیا' جواباً نوفل کلس کر رہ گیا' پھر ٹھنڈی آہ بھری کہ وہ لوگ اب جانے لگے تھے۔

''سب لوگ آنکھیں کھلی رکھنا اردگرد کوئی برقعہ پوش خاتون نظر آئے تو سب اس کے جوتے ضرور دیکھ لیں اور ہاتھ بھی' جو برقعے تلے سے دکھائی دے رہے ہوں گے......'' وردہ لاؤنج سے نکلتے باآواز بلند بولی تھی' نوفل اس کی بات کا مطلب سمجھتے کرنٹ کھا کر اچھلا۔

''اوہ...... وردی کی بچی......'' حسیب ماموں نے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ ''آپ نے تو نوفل بیچارے کے سارے پلان پہ پانی پھیر دیا۔'' اور ان کی بات سمجھ کر سب بے اختیار کھلکھلا اٹھے۔

''جی نہیں......'' نوفل پیر پٹخ کر اٹھا اور دانت کچکچا کر دونوں ماموں بھانجی کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

''اوہ...... یعنی تم پھر بھی آؤ گے؟'' اب کہ بولنے کی باری حامد بھائی کی تھی مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلا کر

انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں......" وہ حلق پھاڑ کے چلایا۔ اور "اونہہ۔" کہہ کر دھپ دھپ کرتا راہداری کی سمت بڑھا۔

"اچھا...... اچھا' روؤ مت کا کے' ہم کھانا پیک کروا لائیں گے تیرے لیے۔" حامد بھائی پھر بھی باز نہیں آئے۔

"ضرورت نہیں' بہت بہت شکریہ۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"اچھا پھر ہم تو چلتے ہیں' آپ پیچھے اکیلے بیٹھ کر اداس بلبل کی طرح فلمی گانے گاتے ہوئے ہمارا انتظار کریں۔" ولید نے آخری فقرہ پھینکا اور پھر سب اسے جلتا بھنتا چھوڑ کر گاڑیوں میں لدے پھندے خالد ماموں کی طرف کوچ کر گئے۔ پیچھے نوفل اپنے گھر والوں کی بے حسی پر کڑھ کر رہ گیا۔ کسی کو اس کے جذبات کا احساس نہیں تھا...... اور اب واقعی اسے اداس بلبل کی طرح کھڑکی سے لٹک کر ان سب کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔

ادھر وہ سب ماموں کے ہاں پہنچے تو لان میں داخل ہوتے ہی وہاں کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئے' ایک کونے میں قناتیں لگی تھیں' دیگیں پک رہی تھیں اور بیرے آ جا رہے تھے جبکہ ماموں خود ادھر ادھر پھرتے انتظامات کا جائزہ لے رہے تھے پر جوش سے ان کی جانب استقبال کو بڑھے۔ گھر کے مرکزی دروازے پہ حامد بھائی کی مسز فرزانہ باجی ان سب کو ریسیو کرنے کھڑی تھیں۔ ساتھ ثمرہ کی خالہ زاد کزنز بھی تھیں۔ وہ سب انہیں مسکرا کر خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

"ہم لوگوں نے تو آپ کو دعوت پہ بلایا تھا اور آپ لوگ تو منی بارات لے آئے ہیں۔" ان کی تعداد دیکھ کر فرزانہ باجی نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلاتے شرارتاً کہا۔

"سمجھا کریں نا آپی...... ہم بھی آرمی والوں کی طرح آج فل ڈریس ریہرسل کر رہے ہیں۔" وردہ کا جواب تیار تھا اور اس بات پہ وہاں زور کا قہقہہ گونجا۔

"تم نہیں سدھرو گی۔" فرزانہ نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی' جواباً وہ کندھے اچکا گئی۔ وہ سب اندر آئے تو وہاں مما' خالد ماموں سے خفا ہو رہی تھیں۔

"بھائی صاحب آپ بھی نا حد کرتے ہیں' اتنے اہتمام کی کوئی تک تھی بھلا؟ بارات سے زیادہ خرچہ تو ادھر کر دیا آپ نے......" وہ انتہائی ناراضی سے کہہ رہی تھیں' جواباً ماموں شفقت سے مسکرائے۔

"اور آپ......" اب مما جان کا رخ قریب ہی کھڑے بابا کی جانب ہوا' وہ صبح سے تایا جان اور بڑی خالہ سمیت یہیں تھے۔

"آپ نے بھی مجھے ہوا تک نہیں لگنے دی کہ بھائی صاحب اتنا کچھ انتظام کیے بیٹھے ہیں۔ کم از کم آپ ہی منع کر دیتے انہیں۔" اور ان کی بات پہ احسن صاحب گڑبڑائے۔ تب ماموں نے آگے بڑھ کر ان کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"ارے بہنا خفا تو مت ہو' بھئی اکلوتی بیٹی کی شادی ہے مجھے جی بھر کے ارمان تو نکالنے دو......" وہ افسردہ سا مسکرائے۔ مما یک دم ڈھیلی پڑ گئیں جبکہ آنکھیں بھی فوراً نم ہو گئیں۔

"اور ویسے تم کیا چاہتی تھیں......" ماموں نے اچانک لہجہ بدلا۔

"یہ جو سارا خاندان میں نے اکٹھا کیا ہے' اسے صرف دال روٹی پہ ٹرخا دیتا' کیسی بہن ہو بھئی' اپنے بھائی کی ناک کٹوانے پہ تلی ہو۔" اور اب کے مما واقعی سٹپٹا گئیں' جبکہ وردہ نوفل کا ڈائیلاگ یاد کر کے مسکرائی۔

"نہیں...... نہیں بھائی صاحب میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ فوراً صفائی پیش کرنے لگیں' تبھی ماموں کو جیسے کوئی خیال آیا۔

"اور یہ نوفل کدھر ہے' ملا نہیں مجھے ابھی تک......" وہ حیرانی سے دائیں بائیں اسے ڈھونڈ رہے تھے اور ادھر وہ سب ہونق ہوئے' کسی کو بھی ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ ماموں اس کا پوچھیں گے۔

"وہ بھائی جان' نوفل کو تو ہم گھر پہ چھوڑ آئے ہیں۔" حسیب نے مودب سے لہجے میں اطلاع دی۔

"کیوں؟" خالد صاحب نے کڑے تیوروں سے انہیں گھورا۔

"جی؟" حسیب گڑبڑا گئے۔ اس سوال کی نہ انہیں توقع تھی اور نہ ہی ان کے پاس اس کا کوئی جواب تھا' سو گھبرا کے فوراً بہن کی سمت دیکھا' اور نظروں ہی نظروں میں اس کیوں کا جواب پوچھا کہ ماموں کا غصہ تو ویسے بھی پورے خاندان میں کافی مشہور تھا اور ان کے بہن بھائیوں کی تو اس غصے سے جان جاتی تھی۔

"وہ بھائی صاحب......" مماہمت مجتمع کر کے چھوٹے بھائی کی مدد کو میدان میں اتریں۔ "دراصل دو دن بعد شادی ہے نا' تو مناسب نہیں لگتا کہ وہ بھی ساتھ آتا' اس لیے ہم اسے گھر ہی چھوڑ آئے۔ بے شک نکاح ہو چکا ہے مگر پھر بھی......" انہوں نے بات بنانی چاہی مگر وہی ہوا جس کا ڈر تھا ان کے چہرے کے زاویے تیزی سے بگڑے تھے۔

"اچھا؟ پھر خود بھی نہ آتے تم سب' یہ بھی مناسب نہیں لگتا......" وہ بری طرح جلال میں آ گئے اور جب وہ غصے میں آتے تھے تو کسی کا لحاظ نہ کرتے۔ "حد ہو گئی یعنی کہ......ارے میں نے یہ دعوت کی ہی اپنے بیٹے کے لیے تھی اسے ہی گھر چھوڑ آئے تم لوگ اور خود سارے اکٹھے ہو گئے ادھر......" اور ان کی آخری بات پر سب بغلیں جھانکنے لگے۔

"کہاں ہیں یہ سب لڑکے' دائم انفیسر!" انہوں نے بارعب آواز میں پکارا۔

"جی ماموں......" وہاں کھڑے ہجوم میں سے دائم ہڑبڑا کر نکلا ماموں بغیر کسی کو دیکھے تیزی سے اس کی جانب لپکے۔

"چلو آؤ میرے ساتھ' میں خود جا رہا ہوں اسے لینے۔" انہوں نے اسے بازو سے دبوچا اور لے کے چل دیئے اور دائم بے چارے کی آواز تک نہ نکل سکی تھی۔

اور یہ سب اتنا آناً فاناً ہوا کہ وہ لوگ ہونقوں کی مانند منہ کھولے کھڑے ہی رہ گئے لیکن پھر جو قہقہوں کا طوفان ابھرا تو پورا لاؤنج ہل کے رہ گیا۔

اور اصل شغل تو تب لگا جب گھر میں سب سے خفا اور طیش میں بیٹھا نوفل ماموں اور دائم کی معیت میں اندر داخل ہوا تو خاصا جھینپا ہوا تھا اوپر سے سب نے گلے کھنکھار کے ہوٹنگ کر کے اور فقرے اچھالتے بیچارے کو مزید بوکھلا دیا۔

"ارے بھئی بس بھی کرو اب' کیوں خوامخواہ اسے کنفیوژ کر رہے ہو۔" بلآخر ثمرہ کی مما ہی آگے بڑھی اور ان سب کو خاموش کروایا' جبکہ ثمرہ تو نوفل کے آتے ہی منظر نامے سے غائب ہو گئی تھی اور وردہ حوریہ مع ساری کزنز کے اسے اس کے کمرے میں گھیرے بیٹھی تھیں اور تنگ کر کر کے اس کی ناک میں دم کیا ہوا تھا' وہ بھی جواباً شرم سے سرخ ہوئی جا رہی تھی۔

"ذرا دیکھو تو بھیا کو گھر میں تو بڑا سب سے ناراض ہو رہے تھے لڑ رہے تھے اور خوب باتیں بنا رہے تھے اور اب آواز بھی بمشکل نکل رہی ہے۔" ولید کی زبان میں مسلسل کھجلی ہو رہی تھی اور وہ اپنے ماضی کے سارے بدلے آج گن گن کے لے رہا تھا اور جواباً نوفل اسے گھور بھی نہیں پا رہا تھا۔

وہ ایک بہت یادگار دن تھا جو انہوں نے وہاں گزارا' اور پھر یادوں کی پٹاری میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا۔

❁......❁......❁

اگلا دن بے حد مصروف' یادگار اور جیسے پر لگا کر اڑا تھا اور پھر بارات کا دن بھی آ ہی گیا۔ جس کا سب کو بے چینی سے انتظار تھا' چونکہ گھر کی پہلی شادی تھی اس لیے وہ سب بے حد ایکسائٹڈ تو تھے ہی بے حد انجوائے بھی کر رہے تھے۔ ان سب کی ایک ہی کوشش تھی کہ اس شادی کو ہر طرح سے یادگار بنانا ہے' سو سب ہی پیش پیش تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

بارات مغرب کے بعد روانہ ہونی تھی' سو نماز پڑھتے ہی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی لڑکیاں نیچے والے پورشن میں تھیں جبکہ لڑکوں کا قبضہ اوپر تھا اور ہر سو افراتفری اور عجلت بکھری تھی۔ وردہ جب تیار ہو کر نکلی تو اس کے پیچھے کمرے

کے نیم وا دروازے سے دکھائی دیتا منظر واضح تھا' اندر کی جگہ کسی اکھاڑے کا سا منظر پیش کر رہی تھی' جا بجا بکھرے رنگین آنچل' زرق برق کپڑوں میں ملبوس لڑکیاں' جبکہ اطراف میں میک اپ کا بھی کافی سامان اپنی حالت زار پہ رو رہا تھا' وہ سب جلدی جلدی تیار ہو رہی تھیں یا ہادیہ کا میک اپ کرتی رامین اور تعبیر جبکہ حوریہ کے بال بناتی رانیہ' سب بے حد مصروف اور تیز تیز ہاتھ چلا رہی تھیں۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی سج سج چلتی راہداری سے لاؤنج تک آئی' سامنے ہی مما ملازمین کے ساتھ ضروری سامان وغیرہ گاڑی میں رکھوا رہی تھیں' جبکہ کھلے مرکزی دروازے سے باہر دلہا کے لیے تیار کی گئی گاڑی کی ڈگی کے قریب حسیب ماموں کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ تبھی کھلے دروازے سے بابا اندر داخل ہوئے۔

"بھئی کدھر غائب ہیں سب' اتنی دیر ہوگئی اور ابھی تک کوئی تیار نہیں ہوا کیا؟" وہ متحیر و متعجب سے بولتے ہوئے اندر آئے' تبھی راہداری کے سرے پہ کھڑی وردہ پہ نگاہ پڑی۔

"وردہ بیٹے آپ لوگ تیار نہیں ہوئے ابھی تک...... ٹائم دیکھا ہے؟" وہ بوکھلا گئی۔

"جی بابا بس تیار ہو رہے ہیں سب' تھوڑی دیر مزید لگے گی۔"

"یعنی کہ ایک آدھ گھنٹہ پھر کہیں نہیں گیا......" انہوں نے افسوس سے سر ہلایا۔

"اندر جا کے باقی سب کو کہو کہ جلدی کریں' بارات نہیں لے کر جانی کیا......؟" وہ تاسف اور خفگی سے کہتے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے تاکہ اوپر والوں کی خبر لیں اور وردہ شرمندہ سی ان سب کو بلانے واپس اندر بھاگی۔

ادھر اوپر کے پورشن کا حال بھی مختلف نہ تھا باہر راہداری میں پرفیوم کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جیسے سب نے جی بھر کے بوتلیں خود پہ انڈیلی تھیں۔ احسن صاحب ریلنگ چھوڑ کر آگے بڑھے ان کے قدموں کا رخ نوفل کے کمرے کی جانب تھا جہاں مچی ہا ہو کار کی آوازیں پوری راہداری میں گونج رہی تھیں' کمرے کے نزدیک آنے پہ انہیں نیم وا دروازے سے اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا...... وہاں سارے کزنز نوفل کے گرد کھڑے تھے' پورے کمرے میں چیزیں بکھری تھیں اور وہ سب خود تیار ہونے کے بعد اب اس پہ بری طرح یلغار کر چکے تھے اور وہ بے چارا بے بس و مسکین سی شکل لیے ان کے رحم و کرم پہ تھا۔

"ویسے کیا خیال ہے نوفل تجھے وہ سہرا نہ پہنا دیں سنہری لڑیوں والا' وہ جو لمبا سا ہوتا ہے اور اس پہ ڈھیر سارے نوٹ چپکے ہوتے ہیں۔" حامد بھائی نے اپنی پٹاری میں سے ایک نیا مشورہ نکالا۔

"ہیں......؟" نوفل کی شکل دیکھنے والی ہوگئی۔

"نہیں...... نہیں......" وہ بدکا۔ "میں نے نہیں پہننا کوئی سہرا وہرا' میں یہاں دلہا بنے کھڑا ہوا ہوں اور آپ لوگ مجھے دنیا کا آٹھواں عجوبہ بنانے پہ تلے ہیں۔" وہ روہانسا ہوا۔

"پہن لیں نا بھائی' اچھا ہے ٹور بن جائے گی سب کہیں گے کتنا امیر دلہا ہے' اس کے سہرے پہ نوٹ لگے ہیں۔" دائم کی زبان پہ گدگدی ہونے لگی' احسن صاحب کے چہرے پہ بے ساختہ مسکراہٹ در آئی' انہوں نے کمرے کا دروازہ بجایا۔

"نوشے میاں آپ تیار نہیں ہوئے ابھی تک۔" سب کرنٹ کھا کر پلٹے تو انہوں نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا۔

"جی بابا بس تیار ہوں۔" نوفل جھینپ سا گیا۔

"جی ماموں...... آپ چلیں ہم بس آ رہے ہیں۔ ذرا اسے جوکر بنا لیں۔" حامد نے آخری فقرہ منہ میں ادا کیا تھا مگر نوفل نے سن لیا۔

"جنگلی......" کہتے کندھے پہ زور سے مکا مارا۔

"اچھا...... اچھا یار' یہ تخریب کاری بعد میں کر لینا ابھی چلو ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" حامد نے اسے آگے دھکیلا تو اس نے فوراً سے مڑ کر پرفیوم کی شیشی دوبارہ اٹھالی' وہ اب تک تقریباً پوری بوتل تو اپنے اوپر انڈیل ہی چکا تھا' حامد نے سر

لپیٹ لیا۔

"بس کردو کمینے کب سے لگا ہے اسپرے کرنے سوچ لے مستقبل میں یہ ساری خالی شیشیاں ثمرہ کے ہاتھوں تیرے ہی سر پہ پڑنے والی ہیں۔" رشتے کے ایک کزن نے اسے جیسے مستقبل سے خبردار کیا تھا' نوفل نے دہل کر اسے دیکھا۔

"اللہ نہ کرے۔" سب بے اختیار ہنس پڑے اور پھر وہ ایسے ہی چھیڑ چھاڑ کرتے اسے نیچے لے آئے تھے۔

❀.......❀.......❀

شادی کے ہنگامے سرد پڑے تو دھیرے دھیرے مہمان بھی اپنے ٹھکانوں کو واپس پلٹنے لگے۔ تایا جان ولیمے کے اگلے ہی روز واپس اسلام آباد کے لیے روانہ ہوگئے اور جاتے جاتے ثمرہ اور نوفل کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے گئے۔ مہمانوں کی رخصتی کے ساتھ ہی گھر کی وہی ازلی پرسکون سی فضا واپس لوٹ آئی' کچھ دن تو گھر کو مکمل سیٹ کرنے میں لگے' پھر وہ سب اپنی اپنی روٹین کی جانب لوٹتے گئے۔ مگر یہ ہنگامے رکے تو دلہا دلہن کی خاندان بھر میں دعوتوں کا سلسلہ چل پڑا' رشتے داروں کی اکثریت وہیں لاہور میں آباد تھی سو ہر روز ہی وہ دونوں کہیں نہ کہیں انوائیٹڈ ہوتے' کبھی رشتے داروں کے ہاں اور کبھی دوستوں کی طرف۔

دو ہفتے ایسے ہی کھاتے پیتے سرک گئے' پھر سب کے بے حد اصرار پر نوفل بابا جان کے آفس سے مزید پندرہ دن کی چھٹی مانگ تانگ کے نئی نویلی بیگم کے ساتھ نادرن ایریاز کی طرف نکل کھڑا ہوا' سب نے انہیں خوشی خوشی رخصت کیا تھا مگر نئی نویلی بھابی کے جاتے ہی گھر کی فضا میں تھوڑی ویرانی سی در آئی تھی۔ اس دن ویک اینڈ تھا حسیب ماموں کی فیملی حسب معمول ان کے پورشن میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھی جبکہ خالد ماموں اور ممانی بھی آئے ہوئے تھے' ثمرہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی جبکہ بیٹے تین تھے جو کہ اس سے چھوٹے تھے اور کالج' یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے ان کا گھر چونکہ قریب ہی واقع تھا سو وہ اکثر اوقات چکر لگالیا کرتے تھے۔

اس وقت وہ سب شام کی چائے پی رہے تھے' فارغ ہوئے ہی تھے کہ خوشگوار ہوا کے جھونکے کی مانند پھوپو کی فیملی کی آمد ہوئی تو پورے گھر کی ہلچل مزید بڑھ گئی' ماموں ممانی نکلنے کو تیار بیٹھے تھے مگر انہیں بھی سب نے زبردستی رات کے کھانے تک روک لیا اور ہر طرف محفلیں جم گئیں۔ پھوپو کے تین بچے حامد بھائی' عدنان اور تعبیر تھے حامد بھائی کسی کام سے آؤٹ آف سٹی گئے ہوئے تھے اس لیے ان کے ساتھ نہیں آئے تھے جبکہ باقی دونوں بچے ان کے ساتھ ہی تھے۔ ان سب کزنز کی آپس میں بے حد اچھی انڈراسٹینڈنگ تھی سو چند لمحوں بعد پورا گھر شور قہقہوں اور باتوں کی آوازوں سے گونجنے لگا تھا۔

رات کا کھانا انہوں نے ادھر ہی کھایا' کھانے کے بعد کافی کا دور چلا تو مرد حضرات ڈرائنگ روم کی طرف اٹھ گئے اور خواتین نے لاؤنج میں نشست جمالی تو سب حسیب ماموں کے لان میں چلے آئے۔ حسیب ماموں بہت بذلہ سنج اور خوش طبع شخصیت کے حامل تھے' بچوں میں بچہ بن جاتے اسی لیے وہ سب ان کی کمپنی کو بے حد پسند کرتے تھے اور بلا جھجک ان کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ لیتے' ایج ڈیفرنس کے باوجود ان کی سب سے بلا کی انڈراسٹینڈنگ تھی' اب بھی باہر لان میں آتے وہ انہیں بھی ساتھ کھینچتے لائے۔

باہر رات دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلانے لگی تھی۔ موسم خوشگوار سا تھا' سب لان میں بچھی ایزی چیئرز پہ براجمان ہوگئے۔ مما جان نے وہیں ان کے لیے کافی بھجوادی تھی' وردہ اور ہادیہ سب کو سرو کرنے لگیں۔ وہ لوگ کافی پیتے باتیں کرنے لگے' مگر اپنے درمیان انہیں نوفل اور ثمرہ کی بے حد کمی محسوس ہورہی تھی' تین دن گزر چکے تھے انہیں گئے اور وہ ابھی مری میں تھے پھر نادرن ایریاز کی طرف جانا تھا اور واپسی میں تایا جان کی طرف اسلام آباد جو انہیں گھر واپس جانے کے بعد وہاں سے بھی دو تین دفعہ فون کر کے اپنے ہاں آنے کا کہہ چکے تھے' سو انہیں چند دن

وہاں ٹھہر کے واپس آنا تھا اور آتے آتے بیس دن تو لگ ہی جانے تھے اور وہ سب ابھی سے ان کے لیے بے حد اداس ہو رہے تھے وہ سب اب بھی ان کی شادی پہ کیے جانے والے مزوں کو یاد کر رہے تھے جب بیٹھے بیٹھے ولید کو جانے کیا سوجھی۔

"بھئی میں تو اپنا ہنی مون منانے انڈیا جاؤں گا......" دایاں ہاتھ اٹھاتے اس نے اعلان کیا تھا۔ ساتھ ہی کن انکھیوں سے وردہ کو بھی دیکھا اسے پتہ تھا کہ وہ انڈیا کے نام تک سے کتنا چڑتی تھی سو اس کی غرض صرف اسے تپانا تھا۔

"ٹھیک ہے نا ہادیہ؟ دیکھو میرا ٹیسٹ کتنا بہترین ہے۔" اس نے کہا ہادیہ کو اور دیکھا وردہ کو تھا جو کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"استغفر اللہ بھائی...... کتنے بدذوق ہیں آپ۔" ہادیہ نے بہت برا سا منہ بنایا۔

"لو میں بدذوق ہوں یا تم؟" وہ فوراً برا مان گیا۔ "تم کیا جانو وہاں کتنا حسن بکھرا پڑا ہے کبھی تاج محل کو نہیں دیکھا تم نے؟ بھئی میں تو وہاں ضرور جاؤں گا اس خوبصورتی کو خراج تحسین پیش کرنے۔" وہ بڑا لہک کر بولا تھا وردہ کے ضبط کا پیمانہ چھلکا۔

"خراج تحسین کے بچے......" رکھ کے دھپ اس کے کندھے پہ لگائی اور وہ بے چارا بلبلا اٹھا تڑپ کر اسے دیکھا وردہ نے دانت پیسے تھے۔

"جو خراج تحسین وہ پیش کریں گے نا وہ بھی بڑا ذائقے دار ہوگا جب انہوں نے جاتے ہی جاسوسی کے الزام میں پکڑ کے ڈال دیا نہ جیل میں تب پتہ چلے گا اور ویسے بھی تمہیں وہاں کیا رکھا نظر آ گیا جہاں کے لوگوں کو کسی چیز کی تمیز و تہذیب ہی نہیں ہے تم نے کیا لینا ہے وہاں جا کے......" وہ دھاڑی تھی ولید نے جواباً ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"بڑا آیا انڈیا جاؤں گا تم جا کے دکھاؤ نا ذرا مجھے انڈیا ٹانگیں توڑ کے ہاتھ میں تھما دوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"ارے یار تو جگہ سے کیا فرق پڑتا ہے زمین تو ساری

کی ساری اللہ کی ہے اور میں اس کا بندہ میرا بھی تو کچھ حق بنتا ہے نا۔" وہ مسکین سی شکل بنا کے بولا تھا' وردہ لاجواب ہوئی پھر اسے ناراضی سے گھورا۔
"اچھا تو جب سارا انڈیا مسلمان ہوجائے گا تب چلے جانا حق جتانے۔"
"ارے بابا ناراض تو مت ہو میں تو مذاق کررہا تھا۔" ولید نے زور سے قہقہہ لگایا تھا اور وردہ بے وقوف بن جانے پہ اسے فقط گھور کے رہ گئی۔ باقی سب ہنس پڑے۔
"ویسے آج کل دشمن کی جانب کافی سناٹا چھایا ہوا ہے' بڑے دنوں سے کوئی نیا ڈرون نہیں گرا۔" دائم کو انڈیا کے ذکر پہ بھولی بسری جنگ یاد آ گئی۔
"بے چارے کا جنگی جنون اترا ہے تو تھوڑی کمزوری ہوگئی ہوگی' بھئی کچھ ٹائم تو دو اسے سنبھلنے کا۔" ولید کا لہجہ استہزائیہ تھا۔
"یقیناً کوئی نئی سازش تیار ہو رہی ہوگی' اتنی جلدی سدھرنے والی چیز نہیں ہیں محترم۔" وردہ جل کر بولا۔
"خاصا فتنہ پرور دماغ پایا ہے جناب نے۔" عدنان نے بھی تبصرہ کیا۔
"ویسے ماموں ایک بات تو بتائیں۔" بھاپ اڑاتی کافی کا کپ اٹھا کر دائم پیچھے ہوا۔ "آپ کا کیا خیال ہے اب انڈیا کا اگلا لائحہ عمل کیا ہوگا؟' مطلب جنگ کا راگ الاپنا تو بند کردیا تا انہوں نے...... کیا وہ ہمارا پانی روک لیں گے۔" اور اس سوال پہ سب نے دلچسپی سے ماموں کو دیکھا۔
"دیکھو بھئی......" حسیب ماموں انگلیاں باہم پھنسائے آگے ہوئے۔
"ویسے تو بھارت سے کسی بھی سنگین اقدام کی توقع کی جاسکتی ہے کیونکہ ماشاء اللہ سے وہاں عقل نامی شے کی شدید قلت ہے وہ ہمارا پانی روک تو سکتا ہے مگر اس میں اس کا اپنا بھی نقصان ہے کیونکہ اگر پانی کی قلت' ہمیں نقصان پہنچائے گی تو اس کی کثرت بھارت کے لیے بھی فائدہ مند تھوڑی ہوگی؟ اور ویسے بھی سندھ طاس معاہدہ توڑنا اتنا آسان نہیں ہے پاکستان عالمی عدالت میں چلا جائے گا اور پھر اس معاہدے میں ورلڈ بینک بھی شامل ہے کیا وہ خاموش رہے گا؟" انہوں نے بہت اہم نکتہ اٹھایا تھا وہ سب اثبات میں سر ہلانے لگے۔ "اور ویسے بھی انڈیا نے صرف جنگ جنگ کا راگ الاپنا بند کیا ہے ورنہ اور بہت سے محاذ ہیں جو وہ کھول کے بیٹھا ہے' لائن آف کنٹرول پہ روزانہ فائرنگ ہوتی ہے' آبادی کو نقصان پہنچایا جارہا ہے ان کا میڈیا بدستور پروپیگنڈہ پھیلا رہا ہے انڈیا شاید باقاعدہ حملہ کرنے کی پوزیشن میں تو نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں پاکستان بھی منہ توڑ جواب دینے کے لیے تیار ہے مگر دو محاذ ایسے ہیں جو وہ مستقل و مسلسل جاری و ساری رکھے ہوئے ہے آج سے پہلے بھی اور بعد میں بھی......" سب بہت غور سے سن رہے تھے' حسیب احمد نے بات جاری رکھی۔
"ایک محاذ تو ہے اندرون پاکستان دہشت گردی کا' ساری دنیا جانتی ہے کہ بھارت پاکستان کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کرسکا' پاکستان کا وجود ہمیشہ اس کی آنکھ کا کانٹا ہے اور اسے جب جب موقع ملا اس نے ہماری پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی کوشش کی۔ وہ ہر وقت ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے موقع کی تاک میں رہتا ہے اب بھی وہ پاکستان میں علاقائی' لسانی' نسلی' ملکی تعصبات کو ہوا دے رہا ہے' فرقہ واریت پھیلا رہا ہے' را کے ایجنٹ پورے پاکستان کی رگوں میں خون کی مانند گردش کررہے ہیں۔ بلوچستان' فاٹا' کراچی' ہر جگہ اس کی مداخلت کے ثبوت ہیں اور وہ علیحدگی پسندوں کی کھلم کھلا سرپرستی کرکے اس ارض پاک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ بھارتی ایجنٹ کلبھوشن یادیو کے اعترافی بیانات اس کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔" وہ پوری جزئیات سے ایک ایک نقطہ بیان کررہے تھے' تبھی وردہ بے اختیار بول اٹھی۔
"تو اس سب میں قصور ہمارا بھی تو ہے نا' ہم نے کیوں اتنے آرام سے بھارت کو اپنی جڑیں مضبوط کرنے دیں' ہم نے کیوں اپنی کمزوریاں دشمن کے ہاتھ دی ہیں اگر ساری

قوم متحد ہوتی‘ فرقوں میں نہ بٹتی‘ قبائلی اور صوبائی عصبیت کو اپنی اندر پنپنے نہ دیتی تو کون تھا جو یہاں تباہی مچا سکتا...... ہم خود بھی تو اپنے آپ کو ٹھیک نہیں کرتے نا‘ ہم خود بھی تو مناسب اقدامات نہیں کرتے‘ ہر بار ہر نئے حادثے پہ صرف را کو الزامات دے دینا‘ یہ اعلان کر دینا کہ ہمیں فلاں جگہ بھارتی مداخلت کے ثبوت ملے یہ سب مسائل کا حل تو نہیں ہے‘ قوم کو خود اس وقت اس دلدل سے نکلنا ہوگا‘ ہمیں ایک پرچم تلے واحد ہونے کی ضرورت ہے‘ جب قوم متحد ہوگی تو دشمن کی سازشیں خود بخود ناکامی کا منہ دیکھیں گی۔“ وہ جذباتی انداز میں بولتی چلی گئی تھی‘ ہادیہ‘ عدنان‘ دائم‘ ولید سب منہ کھولے اس کی تقریر سن رہے تھے جو نان اسٹاپ بول رہی تھی۔ حسیب احمد ذرا سا مسکرائے۔

”آپ کی تمام باتیں بجا ہیں لیکن گڑیا آپ بھول رہی ہیں کہ قوم کو راہ دکھانے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے نا‘ کوئی ایسا راہ نما جو اپنے مفادات میں اندھا نہ ہو نفس اور خواہشات کا پجاری نہ ہو جسے دولت اکٹھی کرنے کی دھن نہ ہو جو ملک وملت سے مخلص ہو اور دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔“ ماموں نے اسے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا تھا‘ گفتگو دلچسپ موڑ اختیار کر چکی تھی‘ سب اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے۔ حوریہ اور تعبیر ان کے درمیان نہیں بیٹھی تھیں وہ دونوں قریب ہی گھاس پہ چہل قدمی کر رہی تھیں‘ موبائلز بھی متحرک تھے اور زبانیں بھی‘ مگر جب انہیں کسی بات پہ مستقل بحث کرتے دیکھا تو وہ بھی خاموشی سے محفل کا حصہ بن گئیں۔

”کمال کی بات کرتے ہیں ماموں آپ بھی......“ دائم تلخ سا مسکرایا تھا۔

”یہی تو المیہ ہے ہمارا کہ ایسی لیڈر شپ کی ہمارے ہاں کمی ہے‘ ہمارے حکمرانوں کو صرف باتیں بنانی آتی ہیں‘ قوم کو طفل تسلیاں دینی آتی ہیں ورنہ آپ نے دیکھا وہ بھی بھی کھل کر انڈیا کے خلاف بات نہیں کرتے اب تو معاملہ مختلف تھا سو انہیں بولنا ہی پڑا مگر کلبھوشن یادیو کے معاملے میں ان کا رویہ یقیناً آپ کو یاد ہوگا‘ صرف آرمی ہی تھی جو اس معاملے کو سنجیدہ لے رہی تھی ورنہ میڈیا والے بھی صرف ریٹنگ بڑھانے کے چکروں میں تھے‘ ہمارے لیڈرز کو پیسہ بنانے‘ غیر ملکی دورے کرنے‘ ایک دوسرے پہ کیچڑ اچھالنے‘ جلسے جلوس اور دھرنوں سے ہی فرصت نہیں‘ ایسے میں قوم کی رہنمائی کون کرے؟“ بات تلخ سہی مگر حقیقت یہی تھی کہ ایک لمحے کو سب خاموش سے ہوگئے۔ مخلص قیادت کا فقدان شاید پاکستانی قوم کا سب سے بڑا المیہ تھا ایک ایسا خلا جو قائداعظم کے بعد آج تک پر نہیں ہوسکا۔

”اچھا چلیں چھوڑیں اس ٹاپک کو‘ ماموں آپ اپنی بات مکمل کریں‘ وہ دوسرا محاذ کون سا ہے......“ عدنان نے ان کی توجہ ادھوری رہ جانے والی بات کی طرف دلائی۔

”دوسرا محاذ؟“ حسیب کے چہرے پہ زخمی پن سا در آیا تھا‘ سب ہمہ تن گوش ہوئے۔

”افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے مگر اس محاذ کے سپاہیوں کو تو اس جنگ کا ادراک ہی نہیں۔“

”مطلب......“ وہ سب ناسمجھی سے انہیں تکنے لگے کسی کو بھی ان کی بات سمجھ میں نہ آئی تھی‘ سوائے دردہ کے...... وہ جو بنا پلک جھپکے غور سے ماموں کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی جانتی تھی کہ اب وہ آگے کیا بات کرنے والے ہیں۔ حسیب ماموں نے گہری سانس بھرتے کافی کا کپ میز پہ دھر دیا اور دھیرے سے سیدھے ہو کر ٹمٹماتے تاروں پہ آزردہ سی نگاہ ڈالی۔

”وہ جو سرحد کا محاذ ہے اس کے محافظ تو بیدار ہیں‘ جان ہتھیلیوں پہ رکھے دشمن کے سامنے سینہ سپر ہیں‘ ڈھلتی رات میں جب پورا پاکستان آرام وہ بستروں پہ پرسکون نیند کے مزے لوٹ رہا ہوتا ہے تو ان کی سرخ آنکھیں بند ہونا بھول جاتی ہیں اور یہ بہادر سپوت دشمن کا ہر وار ناکام بنانے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں مگر وہ دوسرا محاذ جس کا ہماری قوم کو سامنا ہے وہ نظریاتی محاذ ہے‘ جہاں دشمن کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا کیونکہ ملک کی نظریاتی سرحدوں کے نگہبان تو گہری نیند میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں اور جو جاگ رہے ہیں

ان کی آوازوں کو یا تو سننے والا کوئی نہیں یا انہیں زبردستی خاموش کروادیا جاتا ہے، کسی کو احساس ہی نہیں کہ قوم کیسی گہری کھائی میں گر رہی ہے بھارت تو چونکہ ازلی دشمن ہے سو وہ تو پاکستان کو تباہ کرنے کو اپنے سارے حربے آزمائے گا، ہتھیاروں سے حملہ کرکے بھی اور عقائد و نظریات پہ حملہ کرکے بھی...... ہمیں احساس ہی نہیں ہے کہ اس جنگ میں وہ کتنا کامیاب جارہا ہے، اس کی فلمیں، اس کے ڈرامے یہ سب کیسے ہمارے کلچر اور ہماری اسلامی شناخت کو تباہ کررہے ہیں، نوجوان نسل کے ذہن بدلے جارہے ہیں، وہ ہم سے ہماری مسلم شناخت، اسلامی تہذیب چھیننا چاہتے ہیں اور ہم چھیننے دے رہے ہیں، ہمارے بچے اپنے عقائد اور ثقافت چھوڑ کر ان کے عقائد اور طریقے اپنا رہے ہیں، آج یہ ہمارے ہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جب ہمارا کھانا پینا، لباس، بول چال سب ایک سا ہے تو علیحدہ ملک کی کیا ضرورت تھی، ہم دو قومی نظریہ بھول چکے ہیں، ہندووانہ رسم ورواج کی ہمارے ہاں ایسے جگہ بن چکی ہے کہ ہماری شادیاں نکاح اور ولیمے جیسی سنتوں سے نہیں بلکہ مہندی مایوں جیسی فضول رسموں سے مکمل ہوتی ہیں۔

ہمارے چینلز پروگرامز ڈرامے دکھاتے ہیں انہی کے کیونکہ قوم کو بھی پسند ہے قوم بھی دیکھتی ہے، بچے بچے کو ان کی ہٹ فلموں کے نام پتہ ہیں ان کے اداکار پسند ہیں، لڑکے لڑکیاں انہیں آئیڈلائز کرتے ہیں، ہمارے اداکار وہاں جانے کے لئے تڑپتے ہیں چاہے انہیں وہاں دھتکارا جائے، بے عزت کیا جائے مگر وہ پلٹ کر وہیں جانا چاہیں گے حالانکہ ہم یہ نہیں دیکھتے، اپنے بچوں کو یہ نہیں بتاتے کہ ان کے دلوں میں ہمارے خلاف کتنا زہر بھرا ہوا ہے وہ ہمارے حق میں کتنے متعصب ہیں انہوں نے ایک خاص مقصد کے تحت اپنی فلمیں ہمارے ہاں بھیجنی شروع کی ہیں اور ہم ہیں کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں سمجھ پارہے۔" ان کا لہجہ شکستہ اور دکھ سے لبریز تھا، وہ سب شرمندگی کے گہرے گڑھوں میں جا پڑے تھے سر اٹھ ہی نہ سکے واقعی یہ سب سچ ہی تو تھا اور وہ لوگ جانتے بوجھتے ان حقیقتوں کو فراموش کیے بیٹھے تھے۔

"مجھے آپ کی سب باتوں سے اتفاق ہے ماموں!" وردہ نے گہری سانس لی اور کہنا شروع کیا، ماموں کی ایک ایک بات اس کے اپنے دل کی آواز تھی۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ جنگ صرف محاذ پہ کھڑا سپاہی لڑتا ہے، ہم یہ نہیں جانتے کہ صرف سپاہی نہیں بلکہ اس کی قوم کا ایک ایک فرد، بچہ بچہ اس جنگ میں شریک ہوتا ہے اور لڑتا ہے، جنگیں کبھی بھی ہتھیاروں سے نہیں جیتی جاتیں، جیت ہمیشہ اپنے ایمان و یقین مضبوط قوت ارادی اور عزم و بہادری سے ملتی ہے، آپ کبھی بھی کسی قوم پہ اس وقت تک غلبہ نہیں پاسکتے جب تک آپ اس کے عقائد پہ قبضہ نہ کرلو اس کے نظریات کو اپنی مرضی کے قالب میں نہ ڈھال لو اسی اصول پہ ہمارا دشمن عمل پیرا ہے مگر افسوس کہ ہم سو رہے ہیں ہم نہ خود اس سے لڑ پارہے ہیں اور نہ اس کے مقابلے میں برسرپیکار اپنوں کی مدد کررہے ہیں...... وہ تو کشمیر، گجرات اور احمد آباد میں ہمارے مسلمان بہن بھائیوں کو ماریں، ننھے بچے اور بوڑھے ان کی دی اذیتوں سے تڑپیں، مقبوضہ وادی میں کرفیو کے سبب اشیائے خورد و نوش اور ادویات کا کال ہو، یاسین ملک، ٹارچر سیل میں بے یارو بے حال ہو، حریت رہنما نظر بند ہوں روزانہ کسی نہ کسی ماں کا برہان وانی شہید ہو، روزانہ ایل او سی پہ ہونے والی فائرنگ میں ہمارے لوگ زخمی اور شہید ہوں اور ہم یہاں اپنے پرتعیش ڈرائنگ رومز ایئر کنڈیشنڈ بیڈ روم میں بیٹھ کر چند جملے افسوس اور ترحم سے کہہ کر پھر سوناکشی سہنا، دیپکا پڈکون، رنبیر کپور اور فلاں فلاں کپور کی فلمیں دیکھنے میں محو ہو جائیں، وہ ہمیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوں اور ہمارے حکمران ان کے خلاف ایک جرات مندانہ پیغام تک نہ دے سکیں...... پھر بھی ہم بات کرتے ہیں کشمیر آزاد کروانے کی، کیا ہم کرواسکتے ہیں......؟" اس کی آواز شدت غم سے کانپ رہی تھی۔ جھکے سر مزید جھک گئے تھے وہ یہ سب باتیں کرسکتی تھی مگر وہ نہیں کرسکتے تھے، قول کے ساتھ عمل بھی تو چاہیے ہوتا ہے نا خالی باتیں اور دعوے کس کام کے؟"

"بس ہمارا المیہ ہی یہی ہے کہ ہم کچھ عرصے جب کوئی نئی بات ہوتو ہم بھارت سے اظہار نفرت کرتے رہتے ہیں اور پھر چند دنوں بعد دوبارہ سب کچھ بھول بھال کے پرانی روش پہ آجاتے ہیں۔" دائم کا لہجہ افسردگی و شرمساری لیے ہوئے تھا۔

"مگر بیٹے جب ارادے مضبوط ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انسان کو نہیں ہرا سکتی......" ماموں نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

"ٹھیک ہے ہم آئندہ سے انڈین چینلز نہیں دیکھیں گے' ہم ان کی موویز اور سونگ کا بائیکاٹ کرلیتے ہیں مگر اس سے کیا ہوگا' باقی عوام تو نہیں بدل جائے گی نا' کچھ عرصے بعد ان سے تجارتی تعلقات پھر عروج پہ پہنچ جائیں گے' امپورٹرز ان کی فلمیں برآمد کرتے رہیں گے اور ہمارے اخبارات جو بھارت کے خلاف خبریں چھاپتے ہیں' بڑی باتیں کرتے ہیں' وہ تو ابھی بھی اپنے شوبز کے صفحات پہ بالی وڈ کی خبریں چھاپتے ہیں' ایک ہمارے بدلنے سے اور کون کون بدلے گا؟" عدنان کا لہجہ مایوسی اور تلخی کے سارے عکس اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔

ماموں نے بغور اس کا مایوسانہ انداز دیکھا اور ہلکا سا کھنکھار کر گویا ہوئے۔

"میرے بیٹے' اس دنیا کی ایک سب سے بڑی حقیقت ہے' ہم تبدیلی لانا چاہتے ہیں مگر یاد رکھیے کہ تبدیلی کبھی بھی آپ یا ہم سے شروع نہیں ہوتی تبدیلی ہمیشہ میں سے شروع ہوتی ہے' انقلاب یکدم اجتماعی طور پر نہیں بلکہ انفرادی طور پر ہر شخص کو اپنے اندر لانا پڑتا ہے۔" انہوں نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔ عدنان کے چہرے پہ چھائی تناؤ زدہ کیفیت یکدم غائب ہوئی۔

"پھر فرد سے قافلے اور قافلوں سے کارواں خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔" وردہ نے مسکرا کر ان کی بات مکمل کی تھی اور سر کو مسکرا کر خم دیتے انہوں نے فخر سے اپنی اس پیاری بھانجی کو دیکھا تھا۔

"ہمیں اپنے نظریات کی حفاظت کرکے دشمن کے مقابلے میں اپنی اخلاقی برتری واضح کرنی ہوگی' ہمارا دشمن مکار بھی ہے اور موقع شناس بھی' اپنے قدموں پہ مضبوطی ہی ہمیں یقینی فتح دلاسکتی ہے۔" سب اب اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وردہ اور ہادیہ کپ سمیٹنے لگیں۔

پھر وردہ نے دیکھا کہ اس سے آگے چند قدم کے فاصلے پہ چلتا دائم اپنے سیل فون سے سارے انڈین گانے ڈیلیٹ کرتا جارہا تھا۔

"عدنان یار! تیرے پاس وہ (میں کشمیر میں معصوم لوگوں کے قتل پہ احتجاج کرتا ہوں) والی فوٹو تھی نا؟" وہ ساتھ چلتے عدنان سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ہے' کیوں؟" عدنان کے ساتھ ساتھ وردہ کی سوالیہ نگاہیں بھی اٹھیں۔ "مجھے سینڈ کرو ڈی پی لگانی ہے فیس بک پہ......" وہ مصروف سا بولا تھا' وردہ کا منہ اس بات پہ حیرت سے کھلا۔

"اوئی اللہ......" عدنان جیسے بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

"کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔" عدنان نے بے اختیار اپنی آنکھیں مسلیں' پھر دائم کا بازو پکڑ کر جھنجوڑنے لگا۔

"تو اپنی سلمان خان والی ڈی پی چینج کررہا ہے۔ سلمان خان والی؟" وہ سلمان خان کا کتنا ہاٹ فین تھا یہ اس کا پورا حلقہ احباب جانتا تھا' اس کا تو شاید جینا مرنا بھی سلمان خان کے ساتھ تھا' اور اب یکدم اتنی بڑی تبدیلی؟

"چل چل زیادہ بکواس نہ کر......" اس نے جواباً اسے جھاڑ پلادی تھی مگر عدنان ابھی تک آنکھیں مل مل کر اسے دیکھ رہا تھا جیسے سامنے دائم نہیں کوئی بھوت ہو یا پھر کم از کم اس کے سر پہ سینگ تو ضرور ہی نکل آئے ہوں' باقی سب باتیں اور حقیقتیں اپنی جگہ مگر ایک دم سے ایک لمحے میں اتنا بڑا چینج......؟

اور دائم نے یکدم رک کر عدنان کا چہرہ دیکھا جس پہ اسے یہ سوال صاف لکھا دکھائی دے رہا تھا' دائم مسکرایا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"ایک حقیقت ہے جو مجھے بالکل ابھی ابھی پتہ چلی ہے۔" وہ پراسرار سے لہجے میں کہہ رہا تھا' ان دونوں سے چند قدم کے فاصلے پہ وردہ بھی رکی ہوئی تھی مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔

"سلمان خان سے زیادہ بڑا ہیرو برہان وانی ہے کیونکہ وہ ریئل لائف ہیرو ہے' خان تو فقط باتوں کا کھلاڑی ہے مگر وانی جو تھا نا وہ کردار کا غازی تھا' دلوں کا فاتح' اب میرے لیے ایک اداکار سے زیادہ اہم کشمیر ہے کیونکہ یہ تو ایک فرد کا معاملہ ہے مگر وہ ایک ملت کا قصہ ہے اور عدنان بات سمجھتے کھل کر مسکرا دیا تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے مڑ گئے مگر وردہ وہیں رکی رہی تھی اور پھر جب وہ سب دھیرے دھیرے لش گرین گھاس پہ چلتے آگے نکل گئے تو وردہ نے گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

ہر سو ستارے ٹمٹمارہے تھے جیسے ننھی ننھی قندیلیں ان کے جگمگانے سے روشنی تو نہیں پھیلتی تھی مگر آنے والی صبح کی امید ضرور زندہ رہتی تھی۔

شاید وہ بھی جانتے ہوں کہ ان کے وجود دوسروں کو روشنیاں نہیں دے سکتے ان کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا تھا' مگر وہ نگاہوں کو خیرہ ضرور کردیتے تھے۔ وہ ہر روز آسمان پہ آموجود ہوتے تھے اور اپنی بساط بھر جگمگاہٹیں بکھیرتے رہتے تھے۔

شاید تاریک رات میں ان ننھے ستاروں کا وجود بھی ناگزیر ہوا کرتا ہے ورنہ رات گزارنی ناممکن تو نہیں مگر مشکل ضرور ہوجاتی ہے' اس نے آزردہ سی سانس خارج کرکے انہیں تفاخر سے مسکراتے دیکھا۔ یہی تارے مقبوضہ وادی کے آسمان پہ بھی بکھرے جگمگا رہے ہوں گے وہ وادی جس کے چنار جلتے ہیں۔

وہ وادی جہاں ظلم وجبر اور استبداد کی چکی میں پستے عوام کمال حوصلے سے آزادی کی امنگ میں زندگی گزار رہے تھے۔

ان کے وجود اگر تھکے ہوئے بھی تھے تو عزم وحوصلے اور ایمان ویقین کی قوتیں پھر بھی جواں تھیں.....اور وہ ظالم بھارتیوں کے سامنے چٹان سے زیادہ مضبوطی سے ایستادہ تھے۔

آزاد فضا میں آزاد سانسیں لیتے!!

آزاد صبح کے انتظار میں...... جو نہ جانے کب طلوع ہونی تھی' نہ جانے کب اس وادی کے چناروں' آبشاروں اور نیچی چھتوں والے گھروں پہ چھائی سیاہ رات کی تاریکیاں اپنے انجام کو پہنچنی تھیں۔

نہ جانے ابھی صبح کتنی دور ہے' کوئی تو بتادے!

لیکن وہ صبح کتنی بھی دور ہوئی' ظلمت کی آندھیوں کے بیچ حریت پسندوں کے چراغ ضرور جلتے رہنے تھے......

اور کفر کا ہر تندوتیز طوفان انہیں بجھانے سے قاصر تھے۔

یہ جلتے روشن چراغ جنہوں نے شکست کو شکست دی تھی' اور اگر تم ظلم کی دبیز چادر میں چمکتے ان چراغوں کے پار دیکھو...... تو تمہیں دور افق پہ کسی ابھرتے سورج کے نشان دکھائی دیں گے۔

سحر امید کے سورج کے......!

سحر آزادی کے سورج کے......!

ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو مٹ جاتا ہے اس کا حد سے بڑھنا اس کے زوال کی نشانی ہے' اور اگر تم افق پار دیکھو تو......

امید سحر کا سورج یہ پکار پکار کر کہتا ہے

اب فتح قریب ہے اپنی......!

اب روشنیاں ہماری ہیں ...... امید سحر رکھو اور اپنے دیئے جلاتے رہو لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے!!

اندھیرے سے لڑائی کا یہی احسن طریقہ ہے

تمہاری دسترس میں جو دیا ہو وہ جلا دینا

آیئے' ہم بھی اپنے اپنے حصے کے دیئے جلاتے ہیں۔

شہید کی موت

زارا رضوان

"میرے بیٹے! یہ بچوں کے کھیلنے کی چیز نہیں ہے' چھوڑ دو اسے' خود کو زخمی کرلو گے چھوڑ دو اسے۔" سات سالہ عبدالہادی کے ہاتھوں سے بریگیڈیئر شجاعت نے بندوق لیتے ہوئے کہا۔

"مگر دادا جان میں نے بھی آپ کی طرح بہادر سپاہی بننا ہے۔ ٹھا ٹھا کر کے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔" عبدالہادی نے معصومیت سے کہا تو بریگیڈیئر شجاعت نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"ہاں کیوں نہیں میرے بیٹے۔ لیکن تمہیں سخت محنت کرنا پڑے گی اور وہ بھی ایمانداری کے ساتھ۔"

"دادا جان میں بہت محنت کروں گا اپنے ملک کے لیے اور دشمن کو مار بھگاؤں گا لیکن دادا جان میں شہید ہونا چاہتا ہوں۔" معصومیت سے عبدالہادی نے کہا تو بریگیڈیئر شجاعت کو لگا جیسے ان کا بچپن ان کے سامنے ہے۔ کتنی خواہش تھی انہیں شہید ہونے کی مگر شاید ان کی قسمت میں شہادت نہیں تھی جنگ کے دوران ایک ٹانگ ضائع ہوگئی تو وہ کتنا روئے تھے اپنی امی کے گلے لگ کر۔

"ماں میرے کمانڈ میں آئے درجن افسران شہادت پاچکے ہیں مگر میں کیوں نہیں ماں...... میں کیوں نہیں......"

"بیٹا ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہے اس کو تم سے کوئی اور کام لینا ہے' ملک کے لیے ہمارے لیے' سب کے لیے تم فکر نہیں کرو میری جان!"

❁......❁

بریگیڈیئر شجاعت کو اللہ نے تین بیٹوں سے نوازا' اپنے بیٹے کو بھی آرمی میں بھیجنے کی خواہش تھی مگر ایک کا رجحان شروع سے انجینئرنگ کی طرف تھا تو دوسرے کا ارادہ ڈاکٹریٹ کرنے کا تھا جبکہ سب سے چھوٹے بیٹے نے اپنا پرنٹنگ پریس کا بزنس شروع کیا۔ بریگیڈیئر شجاعت نے بھی کسی کو فورس نہ کیا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ بچے وہ کریں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ تینوں صاحب اولاد تھے بڑے بیٹا نصیر تھا جس کی دو بیٹیاں تھیں اسماء اور تارا۔ اس کے بعد تنویر تھے جو ڈاکٹر تھے اور ان کے چار بچے تھے دو بیٹے حمزہ اور سفیر اور بیٹیاں ندا اور دلکش تھیں۔ سب سے چھوٹے بیٹے سمیر کا ایک بیٹا عبدالہادی اور بیٹی تحریم تھی بریگیڈیئر شجاعت انہی کے ساتھ رہتے تھے۔ تینوں بھائی الگ الگ رہتے تھے مگر ہر ویک اینڈ میں سب کزن مل جل کر خوب ہنگامہ کرتے اور اسی بہانے بڑے بھی آپس میں مل لیتے۔

بریگیڈیئر شجاعت اپنی پوتی پوتوں کو اپنے جنگ کے قصے سناتے سب تھوڑی دیر بعد رفتہ رفتہ کھسک جاتے۔ عبدالہادی اور دلکش واحد تھے جو بہت توجہ اور انہماک سے ان کی باتیں سنتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آرمی جوائن کرنا چاہتا تھا دلکش کو بھی آرمی آفیسر اچھے لگتے تھے اور بریگیڈیئر شجاعت کو لگا ان کا دیرینہ خواب بہت جلد پورا ہوگا عبدالہادی کی صورت میں۔

"دادا جان آپ مجھے تیاری کروایا کریں گے نہ ٹیسٹ کی' بہت مشکل ہوتا ہے نہ ٹیسٹ؟"

"ہاں میرے بیٹے' اگر میری زندگی رہی تو میں خود تمہیں تیاری کرواؤں گا' تمہارے ساتھ انٹرویو دینے جاؤں گا۔ کیوں دلکش بیٹا جائے گی ہمارے ساتھ؟"

"نہیں دادا جان! میں نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں دلکش! تمہیں تو آرمی آفیسر اچھے لگتے ہیں نہ تو کیوں نہیں جاؤ گی میرے ساتھ؟" عبدالہادی نے

اداس لہجے میں پوچھا۔

"ارے بدھو میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا کیا کروں گی کہ تم پاس ہو جاؤ۔ کتنا اچھا لگے گا نہ عبدالہادی یونیفارم میں آپ کی طرح اسمارٹ' ہینڈسم' ہے نہ دادا جی؟" بریگیڈیئر شجاعت اس کی باتیں سن کر ہنس پڑے اور سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"یس میرا بیٹا!" عبدالہادی کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔

وقت کا پہیہ دھیرے دھیرے بڑھتا گیا اتنا ہی عبدالہادی کے دل میں خواہش جڑ پکڑتی گئی۔ "آج بارڈر پہ دشمن نے ہمارے اتنے سپاہی شہید کردیئے اتنے زخمی ہوئے۔" یہ سن کر عبدالہادی کا خون کھول اٹھتا اور اس کے ننھے دل میں دشمن کو نیست و نابود کرنے کی آرزو شدید تر ہو جاتی۔ مسز سمیر کسی بھی طور اسے آرمی میں بھیجنا نہیں چاہتی تھیں' انہیں لگا کہ آہستہ آہستہ اس کا جذبہ ماند پڑ جائے گا مگر وہ غلط تھیں۔

❁ ❁ ❁

ویک اینڈ تھا سب کزنز مل جل کر بیٹھے ہنسی مذاق کررہے تھے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچ رہے تھے جبکہ بریگیڈیئر شجاعت بس ہنسنے پر اکتفا کررہے تھے' حمزہ اٹھلا کر اٹھا۔

"ارشاد کیا ہے......

"اپنے وطن کے لیے جان گنوادوں اور اُف نہ کروں"

غور کیجیے گا

"اپنے وطن کے لیے جان گنوادوں اور اف نہ کروں"

حمزہ نے اُف پر خاصا دباؤ دیا

"مجھے "دیو" سمجھ رکھا ہے ہمارے ہڈ حرام آفیسرز نے"

سب حمزہ کے شعر کو سن کر ہنس پڑے۔

"دیکھا عبدالہادی! تمہیں دیو کہہ رہا ہے حمزہ' ندا نے لقمہ دیا۔

"کہنے دو کہنے دو' جیلس ہوتا ہے تمہارا بھائی میری پرسنالٹی سے میری نقل سسٹر۔"

"ایسا نہ سوچیں جناب آپ کی دیو ہیکل پرسنالٹی سے ڈر گئے ہیں۔"

ہمیں افسوس ان جنوں چڑیلوں کا ہے
جو آپ کی صورت دیکھ کر مر گئے ہیں

بے چارہ عبدالہادی پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا حمزہ سے جیتنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اس لیے مزید کچھ نہ بولا مگر تحریم سے بھائی کی میٹھی بے عزتی برداشت نہ ہوئی تو اس کو اس کا جواب اسی انداز میں دیا۔

رکیے ذرا صاحب کیا بات کرتے ہیں
جن بھوت میرے بھائی سے ڈرتے ہیں
خود کتنے پانی میں ہو یہ تو بتایئے
جو چڑیلوں کو پٹانے کے لیے بونگے بونگے فیشن کرتے ہیں

کتنی چڑیلوں کو ہارٹ اٹیک ہوا یہ بھی بتائیے
آئے دن جو چہرے پرنت نئے تجربے کرتے ہیں

"واہ واہ تحریم! بہت خوب۔" یکدم واہ واہ کی پکار اور اپنے اوپر کمنٹ سن کر حمزہ ٹھنڈا ہو کر بیٹھ گیا جبکہ عبدالہادی نے پیار سے اپنی بہن اور فاتحانہ نظروں سے حمزہ کو دیکھا۔

"نوازش نوازش۔" آدابی ہاتھ اٹھاتے ہوئے تحریم اٹھلائی۔ حمزہ بناوٹی اداس لہجے میں بولا۔

میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہم
بتادو سب کو کسی سے کم نہیں ہم
لفظوں کا اسٹاک ختم ہوگیا ورنہ بتلادیتے
ابھی ابھی...... کتنے پانی میں ہیں تم یا ہم

اتنے میں دلکش چائے اور نمکو لے آئی تو سب کی توجہ کھانے کی طرف مبذول ہوگئی۔ سب چائے کا لطف اٹھا رہے تھے جب مسز سمیر ایک خاکی لفافہ لے کر آئیں اور عبدالہادی کو دے دیا۔ عبدالہادی کا دل ایک دم دھڑکنے لگا اس نے لفافہ دادا جان کو دے دیا' انہوں نے کھولا اور فرط جذبات سے بولے۔

"میرے بیٹے! تمہارا بلاوا آگیا ہے' تمہیں ٹیسٹ کے لیے بلایا ہے۔ مبارک ہو میرے بچے مبارک ہو۔" اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔ تحریم اٹھی اور شکرانے کے نفل ادا کرنے چل دی جبکہ ندا نے بھاگ کر سب گھر والوں کو یہ خبر سنائی اور مبارکباد دی۔

"دادا جان آپ دعا کیجیے گا شہادت میرا مقدر ہو۔" اندر آتی دلکش کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑلیا ہو۔ دادا جان کی آواز سنائی دی۔

"ان شاء اللہ میرے بچے!" حمزہ' سفیر' ندا اور دلکش بت بنے تھے ان کو خوشی تو بہت تھی مگر وہ عبدالہادی کی شہادت والی خواہش کو بس خواہش ہی سمجھتے تھے مگر وہ تو بچپن سے اپنے وطن کے لیے جان ہتھیلی پر لیے پھر رہا تھا اس کا اندازہ سب کو ہوگیا تھا۔

"یار حمزہ! اب تو کچھ کہہ دے میرے لیے کوئی دعا کچھ بھی اللہ مجھے کامیاب کرے۔" سب نے ایک ساتھ آمین کہا۔

قبول رب تیری ہر دعا کرے
تُو جو چاہے وہ عطا کرے
شہادت کے رتبے پر فائز ہو میرا یار
آرزو یہ پوری خدا کرے

اس کے ساتھ ہی حمزہ عبدالہادی کے ساتھ لپٹ گیا' دلکش' ندا اور تارا اپنے آنسو چھپانے کے لیے اندر چلی گئیں۔

❁.........❁.........❁

ویک اینڈ پر سب کزن اکٹھے ہوئے اور باتوں کا سلسلہ چل پڑا۔ اندر بڑے لوگ اپنی میٹنگ کر رہے تھے جہاں سب کی متفقہ رائے سے عبدالہادی اور دلکش کی نسبت طے کردی گئی دوسری طرف تحریم اور حمزہ کی۔ ندا کو پتا چلا تو وہ بھاگ کر سب کو خبر دینے کے لیے آئی تھی۔ دلکش اور تحریم تو شرما کر وہاں سے اٹھ گئیں جبکہ سفیر' ندا' تارا اور اسماء ٹریٹ لینے کے لیے عبدالہادی اور حمزہ کے سر ہوگئے۔

"چلیں عبدالہادی بھائی آپ تو ٹریٹ دیں' کینڈی والی نہیں۔ دیکھنا آپ کو جلد ہی انٹرویو کے لیے بلائیں گے وہ لوگ' چلیں ایڈوانس میں آپ منہ میٹھا کروادیں۔" ندا نے ایموشنلی بلیک میل کیا تو عبدالہادی نے جھٹ اپنا والٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"جتنے چاہو پیسے لے لو مگر میرے لیے دعا کرنا پیاری بہن!"

"ضرور عبدالہادی بھائی۔"

❁.........❁.........❁

عبدالہادی کو انٹرویو کے لیے لیٹر ملا تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ بے صبری سے وہ اس دن کا انتظار کر رہا تھا آخر وہ دن آ ہی گیا۔ صبح صبح اٹھ کر نماز پڑھی اور اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر کامیابی کی دعا کرنے لگا۔ اگلی صبح بریگیڈیئر شجاعت اس سے پہلے تیار تھے۔

"پورے بھروسے سے میرے بچے' گھبرانا نہیں اور

ہاں میرا ذکر مت کرنا ورنہ یہ ایک سفارشی نوکری ہوگی سمجھے بچے۔'' آخری ٹائم تک اسے حوصلہ دیتے رہے آخرکار اس کو پکارا گیا۔

''عبدالہادی سمیر!''

''یس سر!'' اس کے انداز سے مختلف انہوں نے نارمل سوالات کیے مگر اب کی بار جو سوال کیا گیا اس کے لیے اسے مناسب لفظوں کا انتخاب کرنا تھا اور سوچ کر جواب دینا تھا۔

''مسٹر کرنل! مان لیں آپ کا گھر دشمن کے گھیرے میں ہے اور آپ کو فوراً بارڈر پر طلب کیا گیا ہے اپنے وطن کے لیے تو کیا کریں گے۔ آپ ایک طرف آپ کے اپنے دوسری طرف' آپ کا فرض اور ملک آپ کیا کریں گے؟''

''میرے لیے فرض زیادہ ضروری ہوگا اگر میں اپنے فرض سے کوتاہی کرتا ہوں تو کبھی خود سے اور اپنے گھر والوں سے نظریں نہیں ملا پاؤں گا اس لیے میرا پہلا اور آخری فرض میرے ملک کی حفاظت ہوگا۔'' بغیر کسی سوچ اور مناسب الفاظ کے جواب دیا۔

''اپنے ملک کے لیے اپنے جذبات کا اظہار کس طرح کریں گے آپ؟''

''مجھے کوئی اظہار نہیں کرنا بلکہ پریکٹیکل ہوکر کام کرنا ہے۔ اظہار تو سب کرتے ہیں یہاں تک کہ چھوٹا بچہ بھی مگر دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا آپ اپنے وطن کے لیے جان قربان کرسکتے ہیں یا نہیں۔''

''اوکے آپ جاسکتے ہیں۔''

❀........❀........❀

عبدالہادی کو آرمی جوائن کیے کافی عرصہ ہوچکا تھا۔ بریگیڈیئر شجاعت نے تحریم اور حمزہ کی شادی کا کہا تو بڑوں نے کوئی اعتراض نہ کیا مگر ساتھ ہی وہ عبدالہادی اور دلکش کی بھی شادی کرنا چاہتے تھے مگر مسئلہ عبدالہادی کا تھا جو بارڈر پر دشمنوں سے لڑ رہا تھا کوئی نہیں جانتا تھا وہ کب واپس [illegible] کی شادی کی تاریخ طے

کردی گئی۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ عید پر لازمی آئے گا تبھی بریگیڈیئر شجاعت کے کہنے پر عید کے دوسرے ہفتے کی تاریخ مقرر کی گئی اور ابھی عید آنے میں بھی چھ ماہ تھے ہوسکتا ہے وہ آج آجائے کل آجائے یا پھر کچھ ہفتوں یا مہینوں بعد۔ ان گیارہ مہینوں میں وہ جب بھی آیا صرف اور صرف اس کے لبوں پر شہادت کی دعا ہوتی۔ مسز سمیر اکلوتے بیٹے کو کھونے کے تصور سے کانپ جاتیں۔ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے اچانک دروازے پر بیل ہوئی سامنے عبدالہادی کو دیکھ کر تحریم بھائی بھائی کہتی اس سے لپٹ گئی۔

"پتا ہے ڈیڑھ ماہ ہوگیا ہے آپ کو دیکھے۔"

"مجھے پتا تھا میری بہنا مجھے یاد کررہی ہے۔" سب عبدالہادی کو دیکھ کر بے اختیار آگے بڑھے۔ مسز سمیر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے بیٹے کی بلائیں لیں اور تایا تائی اب واری قربان ہورہے تھے۔ سب سے باری باری ملا اور بارڈر پر ہونے والی روداد سنانے لگا۔

"میرے تین دوست پچھلے ہفتے شہید ہوگئے ایک زخمی ہے مگر لگتا ہے میری قسمت میں شہادت نہیں ہے۔" بریگیڈیئر شجاعت سفیر تنویر اور نصیر کے ساتھ اپنے والد کو بتاتے ہوئے اس کا لہجہ نمناک تھا۔

"دیکھو بیٹا اللہ کی ہر کام میں مصلحت ہے جو تمہارے لیے بہتر ہے وہ ہی کرے گا۔ جلد یا بدیر اور فی الحال تو اس کے حکم سے ہم نے تمہاری دلکش حمزہ اور تحریم کی شادی پکی کردی ہے۔" نصیر صاحب نے اپنے بھتیجے کو بتایا۔

میرے پیو نے شادی دا پیغام دتا اے
ساڈی آزادی چھین دا اہتمام کیتا ہے

"حمزہ بیٹا! بی سیریس پلیز ہر چیز کا وقت ہوتا ہے ہر ٹائم مذاق اچھا نہیں لگتا۔" تنویر صاحب نے اسے گھرکا۔

"میں مذاق کررہا تھا پاپا!"

"ہم...... تو بیٹا اب آپ بچہ لوگ انجوائے کرو ہم چلتے ہیں۔" اسماء اور تارا بھی شادی کے بعد پہلی بار عبدالہادی سے ملنے آئی تھیں تو رات کو خوب رونق لگی اسماء کا شوہر طاہر بھی آرمی میں تھا لہٰذا بریگیڈیئر شجاعت اور مسٹر طارق آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے جبکہ عبدالہادی کو سب نے زبردستی اپنے پاس روک لیا لیکن وہ دادا جان کی لرزتی آواز سن سکتا تھا بے ربط شعر جس کا کوئی سر پیر نہیں تھا ہاں وہ محسوس کرسکتا تھا کہ ان کی آواز بھر آئی ہے۔

بہت سے گھروں کو دیکھا ہے میں نے اجڑا آشیاں دیکھا ہے
ماؤں بہنوں بیوی بچوں کو چھوڑنے والی
ادھوری لاشوں کا قبرستان دیکھا ہے
یوں تو دیکھا ہوگا سب نے مُردوں کا
مرنے کے بعد مٹی میں دفن ہو کہ ٹل جانا
میں نے شہیدوں کا مٹی میں ٹل کر آسمان میں گھر بنانا دیکھا ہے

❀......❀......❀

"سر! ابھی ابھی خبر ملی ہے چوکی نمبر بارہ میں دشمنوں نے حملہ کردیا ہے۔ ہمارے کئی سپاہی زخمی ہیں اور کرم دین نے موقع پر ہی دم توڑ دیا گولی اس کی کنپٹی چیرتی ہوئی نکل گئی ہے۔"

"کیپٹن عبدالہادی اپنے مزید فوجی وہاں بھیج دیں۔"

"سر! مگر اس بار میں بھی ان کے ساتھ جانے کی اجازت چاہوں گا تاکہ وہاں بھی دستے کی کمانڈ سنبھال سکوں۔"

"آپ کی یہاں ضرورت ہے۔" میجر رانا نے عبدالہادی کو مایوس کردیا۔ وہ حکم دے دے کر تھک گیا تھا وہ بھی دشمن کے سامنے آنا چاہتا تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں یہاں آکر پتا چلا کہ وہ بس آرڈر کرسکتا ہے لیکن آخری کوشش کے طور پر کہا۔

"سر! یہاں آپ ہیں کیپٹن عبدالشکور ہیں مجھے لگتا ہے ہم میں سے کسی ایک کو چوکی نمبر بارہ جانا چاہیے۔"

"وہاں کیپٹن رضا ہے۔"

"ان کی موجوگی میں دشمن نے حملہ کیسے کیا؟ کیا وہ سورہے تھے؟" کیپٹن عبدالشکور ڈانٹ تو فوجی کو رہے تھے مگر نظروں کا زاویہ میجر رانا کی طرف تھا جیسے وہ ان کی کمانڈ

سے خوش نہ ہو۔ میجر رانا کا شمار صرف حکم دینے والے افسران میں شمار ہوتا تھا وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو ملک کے لیے سینے پر گولیاں کھائیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس کے ماتحت افسران اس کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔

"ٹھیک ہے عبدالہادی' تم آج ہی چوکی نمبر بارہ پر جاؤ اور ہمیں دشمن کے عزائم سے آگاہ کرتے رہنا اگر مزید سپاہی چاہیے ہوں تو مجھے خبر کردینا۔"

"یس سر! عبدالہادی سلیوٹ کرکے فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ گیا' کہیں میجر رانا اپنا ارادہ نہ بدل دیں۔

"سر! آپ کو یہ میجر صاحب کیسے لگتے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں کیوں؟"

"ایسے ہی سر! کوئی بھی ان کو پسند نہیں کرتا۔"

"ہمم......بس ہر انسان کی اپنی اپنی نیچر ہے' ہم کیا کرسکتے ہیں۔"

پورے راستے اکرام گنگناتا رہا تو سفر کا پتا ہی نہ چلا' اسے اکرام کو دیکھ کر حمزہ کی یاد آ رہی تھی وہ بھی اسی طرح تھا زندگی انجوائے کرنے والا۔ ایک دم اسے گھر کی یاد آنے لگی سب کیا کررہے ہوں گے؟ اسی اثناء گاڑی رک گئی۔ یہاں آ کر عبدالہادی کو لگا کہ اس کا یہاں آنے کا فیصلہ درست تھا کیونکہ کیپٹن رضا بہت محنتی تھا مگر اکیلا سب کام سنبھال رہا تھا۔

"السلام علیکم کیپٹن عبدالہادی' آئی ایم کیپٹن رضا' نائیس ٹو میٹنگ یو۔"

"سیم ہیئر!" عبدالہادی نے ہاتھ ملا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کچھ ہی پل میں وہ ایک دوسرے کے اچھے دوست بن گئے۔

"ہمیں ہر پل دشمن پر نظر رکھنی چاہیے وہ بہت چالاک ہے مگر ہمیں اپنے کام اور آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔" ابھی وہ باتیں کرہی رہے تھے کہ گولیوں کی آواز سنائی دی۔

"لگتا ہے دشمن نے پھر کارروائی کی ہے' میں دیکھتا ہوں۔"

''ٹھہریئے آپ اپنے جوانوں کو ہدایات دیں ان کو آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے‘ میں ان کافروں سے نپٹتا ہوں۔'' عبدالہادی نے کہا تو کیپٹن رضا اپنے فوجی دستے کی طرف بڑھ گئے۔

ہر طرف جھڑپیں ہو رہی تھیں‘ گولیوں کی برسات جاری تھی کیپٹن عبدالہادی نے ہیڈ کوارٹر فون کر کے مزید فوجیوں کو بھیجنے کا کہا کیونکہ ان کی تعداد دشمن کے مقابلے میں کم تھی۔ کیپٹن رضا کی ٹانگ کو گولی چیرتی ہوئی گزر گئی مگر انہوں نے پتا نہیں چلنے دیا اور دستے کی کمانڈ جاری رکھی۔ شام کے وقت کہیں شور تھما تو پتا چلا کہ کیپٹن رضا کی ٹانگ شدید زخمی ہے یہ ہی نہیں بر وقت ٹریٹمنٹ نہ کرنے پر زخم پھیل گیا ہے مگر وہ خود کو نارمل ظاہر کر رہے تھے جیسے ان کو تکلیف ہوئی ہی نہ ہو‘ عبدالہادی نے رشک سے انہیں دیکھا۔

''تم کہاں ہو عبدالہادی۔''

''کہیں نہیں‘ میں نے ہیڈ کوارٹر پیغام بھیجا ہے کہ ہمیں سپاہیوں کی ضرورت ہے۔ دشمن ہم سے زیادہ ہے۔'' ابھی بات ہو رہی تھی اچانک پھر سے گولیوں کی آواز سنائی دی۔

''لگتا ہے دشمن نے پھر حملہ کر دیا ہے۔'' کیپٹن رضا اٹھنے لگے تو عبدالہادی نے روک لیا۔

''آپ یہیں رہیں کیپٹن رضا! میں جاتا ہوں ان کو جواب دینے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ صورت حال کنٹرول نہیں کر سکتے‘ آپ یہیں رکیں۔ جب آپ بہتر ہوں گے میں خود آپ کو وہاں بھیجوں گا۔'' عبدالہادی فوراً بارڈر کی طرف چند فوجی لے کر روانہ ہو گیا مگر یہاں تو لگتا تھا دشمن پوری تیاری سے آیا ہوا ہے‘ پاکستانی فوجیوں کی طرف سے بھی جوابی کارروائی کی گئی۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا اس لیے آدھے فوجی دشمن سے نپٹ رہے تھے جبکہ عبدالہادی کے کہنے پر چار چار کر کے سب فوجی نماز ادا کرنے لگے۔ عبدالہادی نے ایک بار پھر ہیڈ کوارٹر فون کیا اور جلد از جلد فوجیوں کو وہاں سے روانہ کرنے کا حکم دیا۔ نماز کے دوران ایک فوجی کے کان کو گولی چھو کر گزر ی تو عبدالہادی خود ان کی نگرانی کرنے اور دشمن پر جوابی کارروائی کرنے کے لیے وہاں رک گیا جب تک سب نے نماز ادا نہ کی اس نے نماز پڑھی اور نہ وہ وہاں سے ہٹا دشمن پھر مدھم پڑ چکا تھا۔

''کیپٹن عبدالہادی میں نے سنا ہے تمہاری شادی ہونے والی ہے‘ کیا ہمیں بلاؤ گے شادی میں؟'' رضا کے پوچھنے پر عبدالہادی جھینپ گیا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے تم سب آؤ گے اور اکرام تم خاص طور پر۔''

''ضرور ضرور‘ مجھے تو بے صبری سے انتظار ہے اس دن کا‘ میں تو گانا گاؤں گا۔''

سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اگر آپ کے سر پر موت منڈلا رہی ہو تو آپ موت آنے سے پہلے خود کو موت کے حوالے کر دیں گے مگر عبدالہادی کو لگا جیا تو ایسے جاتا ہے جب موت سامنے ہو تب بھی ہو مگر ہونٹوں سے ہنسی جدا نہ ہو۔

وہ لوگ خشوع خضوع سے روزے رکھ رہے تھے‘ دشمن کی جھڑپیں اور حملوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ بقول اکرام ''سر وہ چاہتے ہیں ہم عبادت نہ کر سکیں‘ وہ شاید سمجھتے ہیں ہم کمزور پڑ گئے ہیں ذہنی اور جسمانی طور پر کہ سارا دن بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔'' اور سچ یہ ہی تھا کہ رمضان میں ان کی شدت پسندی میں اضافہ ہو چکا تھا مگر وہ لوگ ترکی بہ ترکی ان کا جواب دے رہے تھے۔

❁......❁......❁

گھر میں شادی کے ہنگامے اور خریداری زوروں پر تھی‘ ساتھ ساتھ افطاری کے فوراً بعد لڑکیاں شاپنگ کرنے نکل پڑتیں۔ اس دن اکیسواں روزہ تھا‘ جب عبدالہادی کا ایک اور خط ملا کہ وہ عید پر نہیں آسکے گا اس طرف حالات کافی خراب ہیں مگر شادی سے پہلے لازمی پہنچ جائے گا۔ سب کے چہرے مرجھا گئے مگر بریگیڈیئر صاحب نے سب کو تسلی دی کہ وہ شادی سے پہلے آ جائے

گا سب تیاریاں مکمل رکھو بس۔

عید آئی اور گزر گئی مگر عبدالہادی تو دور کی بات اس کا کوئی خط بھی نہیں آیا۔ شادی میں دو دن باقی تھے جب اس کا خط ملا کہ وہ مہندی والے دن پہنچ جائے گا' مسز سمیر تو بیٹے کا خط پا کر نہال ہو گئیں۔ مہندی کا دن آن پہنچا' نہیں آیا تو عبدالہادی' سب مرجھائے دلوں سے کام کر رہے تھے مگر لڑکیوں کی شوخیاں عروج پر تھیں۔

"تین بج گئے مگر وہ ابھی تک نہیں آیا۔" مسز سمیر نے ہاتھ مسلتے ہوئے تحریم سے کہا۔

"امی! بھائی نے کہا تھا وہ آٹھ بجے تک پہنچ جائیں گے آپ فکر نہ کریں۔"

"دیکھ لینا میرا شیر پورے ٹائم پر آئے گا۔" دادا جان نے خوش دلی سے کہا تاکہ بہو کو ذرا حوصلہ ہو جائے۔

تحریم کو مہندی لگائی جا رہی تھی مگر جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کی بے چینیاں بڑھ گئیں۔ آٹھ بج کر ایک منٹ پر دروازے پر دستک ہوئی تو سب کی نگاہیں دروازے پر مرکوز ہو گئیں۔

"دیکھا پورے وقت پر آیا ہے میرا ہیرو! ٹھہرو میں دروازہ کھولتا ہوں۔" بریگیڈیئر شجاعت نے اپنی چھڑی پکڑ کر دروازہ کھولا باہر اکرام اور کیپٹن رضا کے ساتھ چار اور فوجی تھے انہوں نے بریگیڈیئر شجاعت کو سلیوٹ کیا اور اپنی کیپ اتار لی۔

"کیسے ہو میرے بچوں! بتاؤ کہاں ہے میرا پوتا۔ ٹائم کا پکا ہے میرا پوتا!" باہر چاروں اطراف دیکھا پھر مایوس ہو کر پوچھا۔ "وہ تمہارے ساتھ نہیں آیا' جانتے ہو کل اس کی شادی ہے۔ اسے آنا چاہیے تھا سب اس کا انتظار کر رہے ہیں' کہاں ہے وہ؟" بریگیڈیئر شجاعت سمجھ گئے تھے کہ ان کا پوتا شہید ہو چکا ہے مگر تبھی انہیں لگتا شاید وہ کوئی مذاق کر رہے ہیں۔ بلاوجہ بڑبڑاتے جا رہے تھے سب دروازے پر جمع ہو گئے اتنے میں ایمبولینس بھی آ گئی جہاں کیپٹن عبدالہادی کا جسد خاکی تھا جو مر چکا تھا مگر پھر بھی زندہ تھا۔ اس کی خواہش پوری ہوئی' کل رات بارہ بجے دشمن سے مقابلے کے دوران کیپٹن عبدالہادی نے جام شہادت نوش کیا۔ کیپٹن رضا نے بھرائی آواز میں بریگیڈیئر شجاعت اور اہل خانہ کو بتایا۔ پورا گھر چیخوں سے گونج اٹھا مگر بریگیڈیئر شجاعت پرسکون تھے ایک اطمینان تھا ان کے چہرے پر۔

❀ ❀ ❀

اسٹیج پر شہید کیپٹن عبدالہادی سمیر کا نام پکارا گیا تو دادا جان نے مسز سمیر کو اسٹیج پر میڈل لینے بھیجا۔ میڈل ہاتھ میں تھامے ان کی آنکھیں نم مگر دل بھی مطمئن تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کیا ہر شہید کی ماں میری طرح مطمئن ہوتی ہے؟ اور ان کا دل بار بار ہاں کی تکرار کر رہا تھا۔ بریگیڈیئر شجاعت نے اپنی اسٹک پکڑی اور بہو اور دلکش کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑے مگر وہ یاد کر رہے تھے کہ ان کے دائیں بائیں ہمیشہ شہید عبدالہادی ہوتا تھا۔ ایک آنسو ان کی آنکھ سے گرا مگر انہوں نے فوراً پونچھ لیا کہیں بہو اور پوتی دیکھ نہ لے۔

"اے لوگوں جو اللہ کی راہ میں جان دے دیں ان کو مردہ نہ کہو مگر تم ان کی زندگی کا ادراک نہیں رکھتے۔"

وطن پہ جان لٹا دیں جو ایسے نرالے متوالے جواں
ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کے رکھوالے جواں
خون جن کا مٹی میں ملا تو ہمیں ملا یہ پاکستان
وطن کی حفاظت جن کا دین وطن کی حفاظت جن کا دیں
ان عظیم شہیدوں کو میرا سلام
ان عظیم شہیدوں کو میرا سلام

❀

نادیہ احمد

مجھے کچھ کہنا ہے......

السلام علیکم!

''ڈھل گیا ہجر کا دن'' میرے پہلے سلسلہ وار ناول کے روپ میں حجاب کے قارئین کے لیے پیش خدمت ہے۔ اس سے پہلے آپ کا اور میرا ساتھ مکمل ناول یا ناولٹ تک محدود تھا لیکن اس بار ہمارا تعلق ماہانہ اقساط کی شکل میں اگلے چند ماہ یا پھر چند سال تک بنا رہے گا۔ ان شاءاللہ۔

ہر کہانی داد پانے کی غرض سے ہی لکھی جاتی ہے کہ بطور لکھاری دل کے نہاں خانوں میں یہ احساس پوشیدہ ہوتا ہے کہ اس کی تحریر قاری کو ضرور متاثر کرے، اس کے ذہن پہ ایک خوشگوار تاثر چھوڑ جائے۔ یہ ناول، میرے اب تک لکھے رومانوی ناولوں سے ہٹ کر لکھی ایک معاشرتی تحریر ہے۔ اس کہانی کے کردار ہمارے اردگرد ہی موجود ہیں، ہمارا ان سے سامنا کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہتا ہے اور ان سے نفرت و محبت کے تعلق میں جڑے، ہم انہیں سراہتے ہیں یا ان پہ تنقید کرتے ہیں لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو ان کرداروں کے قول و فعل کے محرکات پہ غور کرتے ہیں۔ وہ اگر قابلِ نفرت ہیں تو کیوں اور اگر ان سے محبت کرنے کو دل چاہتا ہے تو اس کے پیچھے وہ کون سے عوامل ہیں۔ سود و زیاں کا یہ قصہ ایسے ہی کرداروں سے مل کر بنا ہے۔ کیا کھو کر کیا پایا؟ اور جو کھو گیا اسے کہاں ڈھونڈیں؟ کیا ہجر کے طویل کرب کے بعد وہ مل پائے گا جو دنیا کی بھیڑ میں کہیں کھو گیا ہے اور کیا اسے پا کر ماضی کے ہر دکھ کا مداوا ممکن ہوگا۔

تو چلیں آج اس سفر کا آغاز کرتے ہیں اور تلاش کرتے ہیں ان رتوں کو جہاں ہم ایک ساتھ کہہ پائیں گے کہ آج واقعی ''ڈھل گیا ہجر کا دن...... آ ہی گئی وصل کی شام''

مقدر سے الجھتی نا گنت ان میں لکیریں ہیں
لکیروں میں کہانی ہے
ہماری زندگانی ہے
مگر پھر بھی یہ لگتا ہے ہمارے ہاتھ خالی ہیں۔
میں پہروں اپنے ہاتھوں کی لکیریں تکتی رہتی ہوں
مگر اپنی ہتھیلی پہ نہیں دکھتی مجھے ہرگز
وہ اک ساعت جو خزاں رت کو بہاروں میں بدلتی ہو
وہ اک لمحہ جو صدیوں کی تھکن کو مات دے جائے
وہ اک رستہ جو پل بھر میں منزل کو پہنچ جائے
میری تکمیل کر جائے......

نادیہ احمد

ہلکی بوندا باندی نے گرمی کی شدت میں واضح فرق کر دیا تھا اور موسم ایک دم ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ موسم کا اثر تھا یا گھر جانے کی خوشی، اس کا موڈ بہت فریش تھا۔ ''زندگی گزارنے کے قابل ہے۔'' جسٹن بیبر کے

مدھم سروں پہ ہلکی سی سیٹی بجاتا وہ اپنی ڈرائیو کو بھرپور انجوائے کررہا تھا۔ اس باروہ ایک لمبے بریک کے بعد گھر جارہا تھا اور بے حد خوش بھی تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کا دل کررہا تھا وہ کسی طرح اڑ کر گھر پہنچ جائے۔ ممی کے ہاتھ کا پکا کھانا، ڈیڈ کے ساتھ شطرنج اور مزیدار گپ شپ، سب سے بڑھ کر اپنی پیاری لاڈلی بہن کے ساتھ کھٹی میٹھی نوک جھونک اور وہ واقعی اپنے گھر والوں کے لیے ایسا ہی تھا۔ بس تھوڑی دیر اور پھر وہ اپنوں کے درمیان ہوگا۔ ایسا نہیں تھا وہ پہلی بار فیملی سے جدا ہوا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ امریکہ میں تھا اور جب پاکستان آیا تو اپنی ٹریننگ اور ملازمت کے سلسلے میں اس کا زیادہ وقت گھر سے دور ہی گزرا پر اس بار وہ ان سب کو بہت مس کررہا تھا۔ انہی سوچوں میں مگن اس نے گاڑی کی رفتار بڑھائی اور اسی پل اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ میوزک کی آواز دھیمی کرکے اس نے بلیوٹوتھ کے ذریعے کال ریسیو کی۔

''میں تمہیں دیکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔'' اس کے ہیلو کہنے پہ دوسری طرف سے جوش میں ڈوبی فریحہ کی آواز ابھری۔

''میری جان بس دو گھنٹے اور...... اور میں وہاں ہوں گا۔'' بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

''گاڑی تیز مت چلائیں، ممی کی خاص ہدایت ہے۔'' وہ ایسی ہدایات کا عادی تھا۔

''او کے میں بہت احتیاط سے ڈرائیو کررہا ہوں۔ چلو اب فون رکھو، اب سب باتیں آمنے سامنے ہوں گی۔'' اس نے کال ڈسکنیکٹ کی۔ اس چھوٹی سی نصیحت کے بعد اس نے گاڑی کی اسپیڈ کچھ کم کی اور پورا دھیان سڑک پہ مرکوز کرلیا۔ ایک خوب صورت آسودہ مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی پر راستہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اللہ اللہ کرکے وہ شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ چھوٹا سا شہر تھا لیکن پچھلے کچھ سالوں میں بہت بدل گیا تھا۔ اس نے دلچسپی سے نئی تعمیراتی عمارتوں کو دیکھا۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں کی جگہ اب پلازہ بن چکے تھے۔ کچھ سال پہلے جب وہ اپنے والدین کے ساتھ یہاں آتا تھا تو اس علاقے میں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی اور اب تو مین روڈ پہ بے تحاشہ رش تھا۔ سڑک بھی پہلے سے وسیع ہوچکی تھی۔ وہ اس وقت ایک بے ہنگم ٹریفک جام میں پھنس چکا تھا اور ناچاہتے ہوئے بھی اس کا موڈ خاصا خراب ہوگیا تھا۔ اس ہجوم سے بچنے کے لیے اس نے گاڑی ایک ذیلی سڑک پہ موڑی جہاں خوش قسمتی سے ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی اور مطمئن انداز میں ایکسلریٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھایا۔ گاڑی نے یک دم رفتار پکڑی لیکن اگلے ہی پل اسے ایمرجنسی بریک لگانا پڑا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ ٹائروں کی چرچراہٹ نے سب کو اس طرف متوجہ کیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

شدید گرمی کے باوجود لڑکیوں کے چہرے کھلے گلاب کی مانند مسکرا رہے تھے۔ ہال میں پھیلا جوش وخروش ان کی دلی آسودگی اور بے فکرے پن کا ترجمان تھا۔ آج آخری پیپر تھا اور آج کے بعد لمبی چھٹیوں کا آغاز، یہی وجہ تھی کہ سب کالج میں اپنے آخری دن کو بہت انجوائے کررہی تھیں۔ پیپر ختم ہوچکا تھا اور ان میں سے کوئی بھی گھر واپسی کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔ علینہ نے افسردہ چہرے اور اداس نظروں سے ان سب کو دیکھا۔

''یہ سب مجھ سے کتنی مختلف ہیں۔ ان کی زندگی میں سب کچھ کتنا نارمل ہے۔'' ہمیشہ کی طرح اس کی خود ترسی عروج پہ تھی۔ ان سب پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر اس نے گہرا سانس لیا اور اپنی چیزیں شولڈر بیگ میں رکھنے لگی۔

''تھینکس گاڈ...... ایگزامز ختم ہوئے۔'' ساتھ والے ڈیسک پہ بیٹھی رومیصہ کی پرجوش آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''واقعی یار ٹینشن ختم ہوئی۔'' سائرہ نے بھی پرسکون انداز میں کہا۔

''اب رزلٹ آنے تک ریسٹ کریں گے۔ ویسے کیا پلان ہے تمہارا، چھٹیوں میں کہیں جارہی ہو؟'' وہ دونوں کلاس فیلو ہونے کے ساتھ بہت اچھی دوست بھی تھیں۔

دونوں کے گھر پاس ہی تھے۔ اچھے متمول گھرانے کی سلجھی ہوئی لڑکیاں تھیں۔

"پاپا نے پرامس کیا تھا اس بار نادرن ایریاز لے کر جائیں گے۔" رومیصہ نے بیگ میں کتابیں رکھتے کہا۔ وہ خاصی ایکسائیٹڈ تھی۔

"واؤ زبردست پلان ہے۔ ہم لوگ کراچی جارہے ہیں۔ ماموں کے پاس۔" سائرہ نے بھی اپنا پلان شیئر کیا۔

"تم اتنی چپ چپ کیوں ہو۔ تمہیں چھٹیوں کی ایکسائیٹمنٹ نہیں ہورہی۔" اس کلاس میں علینہ کی اگر کسی سے تھوڑی بہت بات چیت تھی تو وہ رومیصہ اور سائرہ ہی تھیں۔ علینہ اپنی ذات کے خول میں بند رہنے والی کم گو لڑکی تھی۔ اس کے کمپلیکس اسے کسی سے بھی زیادہ گھلنے ملنے نہیں دیتے تھے لیکن رومیصہ اور سائرہ کو وہ اکیلی اور تنہا بیٹھی اچھی نہیں لگتی تھی یہی وجہ تھی کہ ان دونوں نے اس کے نظر انداز کرنے کے باوجود اس سے تھوڑی بہت دوستی گانٹھ ہی لی تھی۔

"ہاں آں...... میں بھی ایکسائیٹڈ ہوں۔" ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ پاکر وہ اپنے خیالوں سے باہر آئی۔ چہرے پہ سجی زبردستی کی مسکراہٹ اس کی آنکھوں تک نہیں پہنچ پائی تھی۔

"تو پھر کیا پروگرام ہے؟" اس کے یوں چونکنے کو نظر انداز کرتے رومیصہ نے پوچھا۔

"پروگرام تو کچھ نہیں...... بس گھر پہ ہی رہوں گی۔ اگلے سمیسٹر کی تیاری کروں گی۔" وہ سنجیدگی سے بولی تو ان دونوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ انہیں علینہ سے اس مردہ دلی کی ہرگز امید نہیں تھی۔

"ہاؤ بورنگ...... مشکلوں سے تو یہ سمیسٹر ختم ہوا ہے اور تم بغیر بریک کے دوبارہ پڑھنا شروع کردوگی۔" علینہ نے لب کاٹتے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں کی اداسی کچھ اور گہری ہوئی تھی اور اس سے بھی زیادہ اس کا احساسِ کمتری بڑھا تھا۔ سائرہ کی بات کو نظر انداز کرکے اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور انہیں الوداع کہتی ہال سے باہر نکل گئی۔

خموشی سے طبیعت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل! تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

ہال کے باہر کھڑے مونس نے اسے دیکھ کر اپنے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اونچی آواز میں کہا جس پہ ہنستے ہوئے اس کے دوستوں نے لچر انداز میں واہ واہ کی تان لگائی۔ علینہ کے چہرے پہ واضح ناپسندیدگی کے تاثرات دیکھ کر بھی وہ اس کی طرف بڑھا۔ وہ پہلے ہی اتنے بہ خراب موڈ میں تھی اس پہ مونس کا چھچھوراپن اسے مزید تپا گیا تھا۔ اس نے تیزی سے وہاں سے نکلنا چاہا پر اس نے ٹانگ ایک دم آگے کردی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ...... راستہ چھوڑو میرا۔" وہ اشتعال میں بولی تو اس کے غصے کو قصداً اگنور کرتا وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

"اس حسین چہرے پہ اتنا غصہ ہرگز سوٹ نہیں کرتا میری جان ویسے بھی اتنے لمبے بریک پہ جارہی ہو جاتے جاتے ان حسین لبوں سے الوداع تو کہتی جاؤ۔" علینہ کے تاثرات کو نظر انداز کرتے لوفرانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے باکی سے بولا۔ مونس اور اس کا گروپ اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں اور نکمے پن کی وجہ سے خاصا بدنام تھا۔ جب سے علینہ نے وہاں ایڈمیشن لیا تھا وہ ان سب کے متعلق بہت کچھ سنتی آرہی تھی۔ اس سے پہلے بھی مونس اس کی طرف جملے اچھالتا رہا تھا جنہیں علینہ خاموشی سے نظر انداز کرتی آرہی تھی۔ وہ اپنے حالات سے بخوبی واقف تھی اور نہیں چاہتی تھی اس کی وجہ سے مزید کوئی نئی پریشانی کھڑی ہو۔ اسے اندازہ تھا بات کا بتنگڑ بنتے دیر نہیں لگی گی اور وہ اب اپنے حوالے سے مزید کوئی نیا ایشو بنانا نہیں چاہتی تھی۔ یہی سوچ کر اس نے مونس کی حرکتوں کو مسلسل نظر انداز کیا تھا پر اس کی خاموشی نے مونس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ وہ جس طرح اس کا راستہ روکے سامنے کھڑا تھا علینہ سرتا پیر کانپ گئی تھی۔ اس کی بے باک نظریں علینہ کے حسین سراپے کا طواف کررہی تھیں اور اسے اپنا وجود جلتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ آج جو حدود وہ پار کرچکا

تھا اگر اس پہ علینہ پہلے کی طرح اسے نظر انداز کرتی گزر جاتی تو وہ مزید شیر ہوجاتا۔ اسے اس کی بدتمیزی کا جواب دینا ضروری تھا اور پھر ایک زناٹے دار تھپڑ سے اس کا دایاں گل سرخ کرتے علینہ تیزی سے کالج کی عمارت سے باہر نکل گئی۔ مونس اور اس کے دوستوں کے لیے علینہ کا یہ ردعمل انتہائی غیر متوقع تھا۔ وہ تو جیسے سن ہی رہ گئے اور بھی بہت سے لوگ تھپڑ کی آواز سن کر ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے جبکہ علینہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر فوراً ہی منظر سے غائب ہوگئی تھی۔

انتہائی غصے میں وہ کالج سے باہر نکلی اور دائیں بائیں دیکھے بغیر سڑک پار کرنا چاہی اس پل ایک انتہائی تیز رفتار گاڑی نے عین اس کے قریب پہنچ کر بریک لگائے۔ غصے اور شرمندگی سے پہلے ہی اس کے اعصاب بوجھل ہو رہے تھے اس پہ اچانک گاڑی کے ایمرجنسی بریک اور ٹائروں کا شور اس کے مزید اوسان خطا کر گیا تھا۔ سہم کر اس نے کار کی طرف دیکھا جو اس سے انتہائی کم فاصلے پہ ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ اگر چند لمحوں کی بھی دیر ہوجاتی تو یہ گاڑی اسے کچل دیتی، یہ سوچ کر اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور نکلنے والے کے چہرے پہ غصہ اور تشویش تھی۔ وہ علینہ سے کچھ کہہ رہا تھا پر وہ اس کی آواز سن نہیں پائی تھی۔ اپنے اردگرد کی ہر شے اسے گھومتی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر اگلے ہی پل وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

ڈاکٹر نور نے علینہ کے بے ہوش وجود کو دیکھا اور پھر پرتشویش انداز میں پاس کھڑے سمیر کے متفکر چہرے کو ان کے سینے سے ایک گہرا سانس خارج ہوا۔

''آئیں میرے ساتھ۔'' گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے انہوں نے بہت سرد لہجے میں کہا۔ سمیر نے ایک نگاہ علینہ پہ ڈالی جو اب تک بے ہوش تھی۔ نرس اسے ڈرپ لگا رہی تھی۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ بس ڈاکٹر نور کی معاونت میں چلتا ان کے کمرے میں آگیا۔

''کوئی پریشانی والی بات تو نہیں؟'' وہ اچانک اس کی گاڑی کے آگے آئی تھی۔ یہ سچ تھا اس کی گاڑی کی رفتار تیز تھی پر اس نے تو بروقت بریک لگا کر اسے متوقع حادثے سے بچایا تھا لیکن وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنی نشست سنبھالی تو وہ بھی میز کے دوسری طرف رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''ول اینڈ واسو واگل سینکوپے...... معدہ خالی ہے، بے چینی اور کشیدگی کی وجہ سے بلڈ پریشر بہت لو ہوگیا ہے۔'' انہوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تھینک گاڈ میں تو گھبرا ہی گیا تھا۔'' سمیر نے سکون کا سانس لیا۔ ڈاکٹر نور نے اسے بغور دیکھا۔

''آج کل کی لڑکیاں ڈائیٹ اور اسٹڈی پریشر کے چکر میں اپنی صحت کو بالکل اگنور کردیتی ہیں۔ وقت پر کھائیں پئیں تو ایسے مسائل پیش نہ آئیں۔'' دونوں کہنیاں میز پہ ٹکائے انہوں نے تبصرہ کیا۔

''یہ اچانک میری گاڑی کے سامنے آگئی۔ میں نے بروقت بریک لگائیں ورنہ جیسے آندھی طوفان کی طرح یہ سڑک پہ منہ اٹھائے چلی آئی تھی کوئی بڑا حادثہ بھی ہوسکتا تھا۔'' سمیر نے اعتماد سے کہا۔ ''میں گاڑی سے یہ سوچ کر باہر نکلا تھا کہ تھوڑی عقل دلاؤں پر یہ تو ایک دم بے ہوش ہوگئی۔'' اس نے مزید بتایا۔

''خیر اس بات کو اب رہنے دیں کیونکہ یہ جگہ اس بحث کے لیے مناسب نہیں۔'' اسے گہری نظروں سے دیکھتے وہ سنجیدگی سے بولیں۔ سمیر نے اپنا نچلا لب بے اختیار کاٹا۔

''آپ کیا کہتی ہیں میں رکوں یا جاؤں؟'' انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے سوال کیا۔

''اس لڑکی کے بیگ میں اس کے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر تھا۔ میں نے اسٹاف سے کہہ دیا ہے وہ اب تک اس کے گھر رابطہ کرچکے ہوں گے لہٰذا جانا چاہیں تو چلے جائیں باقی سب میں خود ہینڈل کرلوں گی۔'' ان کے جواب پہ مطمئن سے انداز میں سر ہلاتا سمیر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کے تعاون کا بہت شکریہ ڈاکٹر۔"

"آپ کی بروقت اسپورٹ نے ایک بڑا مسئلہ ہینڈل کرلیا ورنہ میں تو بے قصور پھنس جاتا۔"

"میں نے فقط اپنا فرض ادا کیا ہے مسٹر سمیر لیکن آپ کو وارن کررہی ہوں ایسی غلطی اگلی بار نہ ہو کیونکہ تھوڑی سی بے احتیاطی کسی بہت بڑے حادثے کا پیش خیمہ بن سکتی ہے لہٰذا امید کرتی ہوں آپ اگلی بار ڈرائیو کرتے ہوئے ایسی غفلت نہیں برتیں گے۔" ڈاکٹر نور انصاری کے جواب پہ سمیر نے متفق انداز میں سنجیدگی سے سر ہلایا اور ان کو اللہ حافظ کہہ کر ان کے کلینک سے باہر نکل گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس دراز قامت وجیہہ مرد کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

☆☆☆......☆☆☆

کھانے کی میز پہ سب ہی موجود تھے۔ اپنی ممی کے ہاتھ کے پکے کھانوں کا تو وہ یوں بھی شیدائی تھا اس پہ آج اس کی پسند کی تمام ڈشز موجود تھیں۔ وہ خاصی رغبت سے کھا رہا تھا پھر بھی ان کی خواہش تھی کہ وہ اور کھائے۔ آج جو کچھ پکا تھا وہ اسے ایک ہی نشست میں کھلا دینا چاہتی تھیں۔

"ممی پلیز...... اب بالکل گنجائش نہیں......" انہیں اپنی پلیٹ میں ایک بار پھر روسٹڈ چکن کا پیس رکھتے دیکھ کر وہ منمنایا۔

"کیوں کیا ہوا...... اچھا نہیں لگا؟ یہ تو تمہارا فیورٹ ہے۔" وہ حیرت سے بولیں۔ فریحہ نے مسکراہٹ دباتے انصاری صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ خود بھی بمشکل ہنسی دبائے کھانے کی طرف متوجہ تھے۔

"بہت اچھا ہے اور میں اپنی بھوک سے بہت ہی زیادہ کھا چکا ہوں۔" ان کے مایوس چہرے کو دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔

"لیکن سب کچھ تو یونہی رکھا ہے۔ اچھا میں میٹھا لاتی ہوں، شاہی ٹکڑے بنائے ہیں میں نے۔" وہ جلدی سے اٹھیں۔ سمیر نے امداد طلب نظروں سے انصاری صاحب کی طرف دیکھا۔

"ہاتھ ہلکا رکھیں بیگم صاحبہ وہ ابھی دو ہفتے یہاں ہی ہے۔ آپ نے تو پورے ایک ہفتے کا مینیو ایک ڈنر میں پکا کے اس کے سامنے ڈھیر لگا دیا۔" ان کے شرارتی انداز پہ مسز انصاری بھی مسکرادیں۔

"مجھے لگ رہا ہے اگر کھانے کا یہی معمول رہا تو مجھے واپسی پہ اپنی واڈروب بدلنی پڑے گی۔" فریحہ نے جاندار قہقہہ لگایا۔

"وہ کیا ہے نا بھائی ممی کو آپ سے خاص محبت ہے۔ اسی لیے ان کا بس نہیں چل رہا وہ آپ کو کھلا کھلا کر گول گپا کردیں ورنہ دیکھیں نا میں بھی تو اتنے دن بعد آئی ہوں لیکن مجھے تو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔" فریحہ نے شرارتی انداز میں انہیں چھیڑا۔

"شرم نہیں آتی ماں کی محبت پہ شک کرتے ہوئے، ایک ہفتے سے روز ہر کسی کی پسند کے کھانا پک رہا ہے۔" انہوں نے ہلکی سی دھپ لگائی تو فریحہ کھسیانی ہوکر مسکرائی۔

"میں اب کافی پیوں گا۔ میٹھے کی تو گنجائش بچی ہی نہیں۔" اس نے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے سرینڈر کیا۔ بیگم انصاری نے منہ بنایا۔

"مادام آپ کا بیٹا کسی قحط زدہ علاقے سے نہیں لاہور سے آیا ہے جو خاصے خوش خوراک مشہور ہیں اور دل کیوں چھوٹا کرتی ہیں۔ ہم ہیں نا شاہی ٹکڑوں پہ ہاتھ صاف کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا۔ تھوڑی سی شوگر ہائی ہوجائے گی۔" انصاری صاحب نے موقع غنیمت جان کر اپنا راستہ صاف کیا۔ جب سے انہیں ذیابطیس کی تشخیص ہوئی تھی وہ خود بھی محتاط ہوگئے تھے باقی ان کی بیگم نے بھی میٹھے پہ سختی سے کرفیو لگادیا۔

"ہرگز نہیں...... آپ تو شاہی ٹکڑوں کے پاس سے بھی مت گزریئے گا۔ اب میری اتنی بھی عقل نہیں ماری گئی۔ فروٹ سیلیڈ بنوایا ہے آپ وہی کھائیے گا۔" انصاری صاحب کی ساری شوخی ہوا ہوگئی تھی۔ وہ جو شاہی ٹکڑوں کا نام سن کر منہ میں پانی آرہا تھا اسے بیگم نے ان کے

ارمانوں پہ ڈال دیا تھا۔
"اور برخوردار...... سنا ہے آتے ہی شہر میں دھماکہ کردیا۔" کھانے کی میز سے اٹھ کر وہ سب لاؤنج میں چلے آئے۔ گھریلو ملازمہ رفعت کو کافی کا کہہ کر وہ خود بھی ان کے پاس آ بیٹھی تھیں جب انصاری صاحب نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے سمیر کی ٹانگ کھینچی۔ وہ خود وہاں موجود نہیں تھے پر ان کے پاس معلومات ساری تھی۔ آج جو بھی ہوا اس کی رپورٹ ان تک پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔
"کم آن ڈیڈ...... اب ایسے تو نہ کہیں آپ نے اچھے خاصے شریف انسان کو خودکش حملہ آور بنا دیا۔" سمیر نے جھینپ کر ماں کی طرف دیکھا۔ وہ تو ہسپتال سے گھر آ گیا تھا لیکن ڈاکٹر نور انصاری کی واپسی کچھ دیر بعد ہوئی تھی۔ انہوں نے جب کوئی بات نہیں کی تو سمیر نے بھی اس قصے کو چھیڑنے سے گریز کیا۔ فریحہ تو خیر لاعلم تھی سو اب تک یہ معاملہ دبا ہوا تھا۔
"یار ایسی جارحانہ اینٹری تو وہ بھی نہیں دیتے۔ اچھے منتظم ہو شہریوں کی جان بچانے کی بجائے سیدھا گاڑی ہی چڑھا دی۔" ڈاکٹر انصاری کا اپنے بچوں سے بہت دوستانہ تعلق رہا تھا۔ ان پہ رعب جما کر یا سرزنش کرنے کی بجائے وہ ہمیشہ ہلکے پھلکے انداز میں ان سے ڈسکشن کرنے کو فوقیت دیتے تھے۔ یوں بھی ان کے دونوں بچے ذہین، لائق اور فرماں بردار تھے ایسے میں اگر ان سے کوئی غلطی ہو بھی جاتی تو وہ بہت اچھے ماحول میں انہیں سمجھاتے۔ ان کے اسی انداز نے ان دونوں کی شخصیت پہ بہت مثبت اثر ڈالا تھا۔
"گاڑی چڑھائی نہیں بلکہ چڑھنے سے بچالی۔ ویسے میرا قصور نہیں ہے آپ ممی سے پوچھ لیں۔" کافی کا کپ لبوں سے لگاتے اس نے تصحیح کی۔
"کوئی مجھے بھی بتائے گا کہ آخر ہوا کیا ہے؟" فریحہ جو مسلسل ان دونوں کی باتیں سن کر کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ پائی تھی بالآخر خاموش نہ رہ سکی۔
"یار ہونا کیا ہے؟ گھر آتے ہوئے کالج روڈ پہ ایک لڑکی اچانک نکل کر میری گاڑی کے سامنے آ گئی۔ میں نے بریک لگا کر گاڑی تو روک لی لیکن وہ محترمہ بے ہوش ہوگئیں۔" سمیر نے بات ایک بار پھر دہرائی۔
"اوہ مائی گاڈ...... پھر؟" فریحہ کا منہ حیرت سے کھلا۔
"میں تو اچھا خاصہ گھبرا گیا تھا کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا نئی پریشانی گلے پڑ گئی۔ ممی کو کال کی تو انہوں نے کہا کہ اسے ہسپتال لے آؤں۔ بس پھر میں اسے ممی کے پاس لے گیا اور انہوں نے مجھے گھر بھیج دیا۔ باقی کی اسٹوری تو اب انہی کو معلوم ہے۔" سمیر نے کافی کا سپ بھرتے ڈاکٹر نور انصاری کی طرف دیکھا۔
"آئی سی...... اب کیسی ہے وہ لڑکی۔ ڈسچارج ہوگئی کیا؟" فریحہ نے تشویش سے پوچھا جس پہ ڈاکٹر نور نے سر ہلایا۔
"میرے بار بار تاکید کرنے کے باوجود تم گاڑی آہستہ نہیں چلاتے...... شہر کی حدود میں تو یوں بھی محتاط رہنا چاہیے۔ وہ تو اللہ نے کرم کیا بات بڑھی نہیں۔ شریف لوگ تھے میں نے معذرت کرلی الٹا وہ تو میری ہی مشکور ہو رہی تھیں ورنہ کوئی اور ہوتا تو پولیس کو انوالو کرلیتا۔" یہ تو اچھا ہوا وہ اس وقت خود وہاں موجود تھیں ورنہ جونیئر عملہ ایسے معاملات کو کہاں سنبھال سکتا ہے۔ ویسے تو اس شہر میں ان کے خاندان کا اثر و رسوخ اور عزت ایسی تھی کہ بات پولیس تک کبھی نا پہنچتی نہ ہی یہ اتنا بڑا جرم تھا پر نور انصاری کو اپنے بیٹے کی غفلت اچھی نہیں لگی تھی وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ خود انتظامیہ کا حصہ تھا۔
"حالانکہ قصور ان صاحب زادی کا ہی تھا۔ وہی جنگلی ہرنی کی طرح اچانک سڑک پہ نکل آئی تھیں۔ نا دائیں دیکھا نا بائیں بس بھاگ پڑی سڑک پہ۔ مجھے اگر ذمہ داری کا احساس نہ ہوتا تو محترمہ کو ہسپتال لے جانے کی بجائے وہیں سڑک پہ پٹخ کر آتا۔" وہ فوراً بولا۔ جو حادثہ ہو چکا تھا اب اسے بدلا تو جا نہیں سکتا تھا پر ممی کی نصیحتیں تو سننی ہی تھیں۔

"اچھا اب بکو مت، تمہارے منہ سے ایسی فضول باتیں بالکل اچھی نہیں لگتی۔" انہوں نے گھرکا۔

"دیکھ لیں ڈیڈی...... جب سے آیا ہوں ان سے ایسی ہی عزت افزائی کروا رہا ہوں۔ گھر سے باہر لوگ لیس سر کی گردان کرتے ہیں اور گھر میں ہماری والدہ صاحبہ کلاس لیتی ہیں۔" اس نے تاسف سے ڈاکٹر انصاری سے مدد مانگی۔

"توبہ...... توبہ ایسی گستاخانہ باتیں۔ ارے میاں اتنے بڑے تو ابھی ہم بھی نہیں ہوئے کہ آپ کی والدہ کی شکایت کر پائیں یہ آپ نے کہاں سے ایسی سرکشی سیکھ لی۔" ڈاکٹر انصاری کا لہجہ ایسا تھا کہ فریحہ اور سمیر کے ساتھ ساتھ نور بھی ہنسی پڑیں تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

اس گھر میں آنا اس کے لیے ایک ناخوشگوار تجربہ تھا۔ اس کا احساس ندامت یہاں آتے ہی چار گنا ہو جاتا تھا اور جو چند منٹ یہاں گزرتے اس دوران دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتے وہ اپنی ہی نظروں میں گر جاتا تھا۔ پر یہاں آئے بغیر اس کو کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ وہ چاہ کر بھی خود کو یہاں آنے سے روک نہیں پاتا تھا۔ وہ اب بھی سر جھکائے شرمندہ چہرے کے ساتھ وہاں موجود تھا اور اسی پل وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے فوراً سر اٹھا کر پر امید نظروں سے اس کی طرف دیکھا بدلے میں ایک سرد نگاہ اس پر ڈالتی وہ نپے تلے قدموں سے اندر آئی۔

"السلام علیکم!" انتہائی بے زاری سے کہتے وہ سر جھکائے سامنے والے صوفے پہ جا ٹکی تھی۔ انداز ایسا تھا کہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔

"وعلیکم السلام۔" اس کی طرف محبت سے دیکھتے بہت پیار بھرے لہجے میں دیئے جانے والے جواب پہ اس نے لب کاٹے۔ کچھ لمحے خاموشی کے گزرے اور پھر اسی نے دوبارہ بات شروع کی۔

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" لہجے میں ہمیشہ کی طرح محبت تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" ناخنوں کو دانتوں سے چباتے اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"وقت پر کھانا کھایا کرو، اپنا خیال رکھا کرو دیکھو پہلے سے کتنی کمزور ہوگئی ہو۔ آنکھوں کے گرد حلقے بھی ہوتے جا رہے ہیں۔ پڑھنے لکھنے والے بچوں کو تو اپنی خوراک کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔" ہر بار کی طرح اس بار بھی وہی نصیحتیں شروع ہوگئی تھیں حالانکہ اس بار ان کا سیاق وسباق اس کی طبیعت کے پیشِ نظر تھا پر وہ حد سے زیادہ بیزار ہو رہی تھی۔

"آپ کو کچھ اور کہنا ہے یا میں جاؤں، مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ کوفت سے بولی اور پہلی بار اس نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں بہت سے جذبے ایک ساتھ نظر آ رہے تھے۔ محبت، امید، حسرت، مایوسی، ناکامی اور معذرت وہ لب کاٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا اگر یہاں مزید ٹھہرتی تو ٹوٹ کر بکھر جاتی اور اس شخص کے سامنے وہ ٹوٹنا اور بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔

"نہیں...... نہیں تم آرام کرو۔ میں تو بس یونہی تمہاری طبیعت پوچھنے چلا آیا تھا۔ یہ کچھ فروٹ لایا ہوں......" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا پر اس کی بات کے مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر علینہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ اسے خاموشی سے جاتا دیکھتا رہا۔ اسی وقت شاکرہ کمرے میں داخل ہوئی اور اسے یوں غم کی تصویر بنے دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"اس کی باتوں سے پریشان مت ہو، میں اسے سمجھاؤں گی۔" ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا تھا وہ جب بھی اس سے ملنے آتا علینہ کا اس سے یہی سلوک ہوتا تھا پر اس میں علینہ کا بھی کیا قصور تھا اس کے ان رویوں کا ذمہ دار بھی تو وہ خود ہی تھا پھر بھی شاکرہ کو اب اس سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔ لاکھ اس کے لیے دل میں نفرت سہی پر علینہ کے بار بار اس کی تذلیل کرنے پہ ان کا دل کا بھی کٹتا تھا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا اس کی شاید اسی لیے......"

اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی پر اس مسکراہٹ میں بھی درد پنہاں تھا۔

"میں اب چلتا ہوں، اس کے لیے کچھ پھل لایا تھا۔ اسے کھلا دیجیے گا۔ میں پھر آؤں گا۔" پھلوں کا شاپر سینٹر ٹیبل پہ دھرا تھا۔ اس نے شاکرہ کو لفافہ تھمایا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اللہ حافظ۔" کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتے اس نے حسرت سے سامنے والے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ کمرہ علینہ کا تھا۔

"اللہ حافظ۔" اس کی بے بسی پہ افسردہ اور بوجھل دل کے ساتھ شاکرہ نے دروازے کو کنڈی لگائی اور پھلوں کے شاپر کو باورچی خانے میں رکھنے چلی گئی۔ شاپنگ بیگ کاؤنٹر پہ رکھ کر وہ علینہ کے کمرے کی طرف آگئیں اور بنا دستک کے دروازہ کھولا۔

"یہ کیا طریقہ ہے بڑوں سے بات کرنے کا؟" علینہ تکیے میں منہ چھپائے لیٹی تھی۔ اس کا وقفے وقفے سے ہلتا وجود دیکھ کر شاکرہ کو بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اس وقت رو رہی ہے۔ پر اس کے رونے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔

"وہ کتنے مان سے آیا تھا تم سے ملنے، بدلے میں تم نے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ دن بہ دن بدتمیز ہوتی جا رہی ہو تم۔ اگر یہی حال رہا تو مجھے تمہاری ماں سے بات کرنی پڑے گی پھر وہ خود تمہیں اپنی زبان میں سمجھائے گی۔" اس نے بہت سے آنسو تکیے میں جذب کیے۔ وہ آنسو جنہیں وہ اس کے سامنے بہا نہیں پائی تھی اپنے اس چھوٹے سے کمرے کی تنہائی میں ان پہ بند باندھنا مشکل ہو رہا تھا۔

"کچھ کہہ رہی ہوں میں جواب کیوں نہیں دیتی؟" شاکرہ نے غصے سے کہا پر اس نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔

"مجھے نیند آرہی ہے میں سونا چاہتی ہوں۔" بہت مشکل سے بھیگے ہوئے لہجے میں بس اتنا ہی کہہ پائی۔ شاکرہ کا سامنا کرنے کی تو اس میں ہمت ہی نہ تھی۔ کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی اور پھر علینہ کو زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ شاکرہ جا چکی تھی۔ وہ اب اس تنہائی میں بڑی سہولت سے تمام رات آنسو بہا سکتی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"میں دیکھ رہا ہوں، جب سے آپ کے بچے آئے ہیں مجھے خاصہ اگنور کیا جا رہا ہے۔" ڈاکٹر نور انصاری نے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے سے دکھائی دیتی ڈاکٹر انصاری کی شبیہہ پہ نگاہ ڈالی جو بیڈ پہ بیٹھے ان کے مسکراتے چہرے کو خاصی توجہ سے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے جلنے کی بو آرہی ہے ڈاکٹر انصاری۔" ان کے لفظوں کا مفہوم سمجھ کر انہوں نے بھی شرارت سے تپایا۔ ہاتھوں پہ لوشن لگاتے ہوئے ان کی نگاہ ڈاکٹر انصاری پہ تھی۔ گزرے ماہ و سال کا اثر اپنی جگہ لیکن ان کی کشش اب بھی قائم تھی۔

"میں واقعی جیلس ہو رہا ہوں مادام۔" نور انصاری نے پلٹ کر دیکھا۔ وقت نے انہیں اور بھی باوقار بنا دیا تھا۔ عمر کے اس حصے میں بھی ان کے حسن و دلکشی دیدنی تھی۔ بقول ڈاکٹر انصاری وہ آج بھی انہیں دیکھ کر تیس سال پہلے کی طرح محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

"اس کا مطلب صورت حال سنگین ہے۔" سنجیدگی سے کہتے وہ بیڈ پہ چلی آئیں۔

"اسے سنگین بھی تو آپ نے بنایا ہے۔ اپنی بھرپور توجہ کی عادت ڈال کر اب ایک دم مجھے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ میں تو متاثر ہوں گا۔" جب سے وہ دونوں یہاں شفٹ ہوئے تھے فریحہ اور سمیر گھر سے دور ہی تھے۔ قریب تو وہ ہمیشہ سے تھے پر اب ایک دوسرے پہ بہت زیادہ ڈیپنڈ کرنے لگے تھے۔ ہسپتال کے علاوہ نور انصاری کا سارا وقت ان کے شوہر ڈاکٹر انصاری کا تھا۔

"اور جیلس بھی۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"مائی ڈیئر وائف...... ایسے مت کیا کریں۔ آپ بہت کیوٹ لگتی ہیں......" ان کے چھیڑنے پہ وہ جھینپ

گئیں۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر انہوں نے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا۔

"ڈیئر ہزبنڈ...... ریٹائرمنٹ کے بعد سے آپ کچھ زیادہ ہی رومینٹک ہوگئے ہیں۔" ڈاکٹر انصاری جو پاس رکھی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے ان کے کمنٹ پہ خاصے محظوظ ہوئے۔

"خیر میں تو پیدائشی رومانٹک ہوں۔" ان کا جواب برجستہ تھا۔

"بچوں کو گھر میں دیکھ کر دل بہت پرسکون ہوگیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے، دونوں ہی اپنی اپنی فیلڈ میں ایڈجسٹ ہوگئے ہیں۔ انہیں مطمئن دیکھتی ہوں تو خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوں۔ بس اب ان کی شادیاں ہوجائیں تو ہم اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہوجائیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ان شاء اللہ وہ وقت بھی جلد آئے گا۔" ڈاکٹر انصاری نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فوراً کہا۔

"فریحہ اور سمیر ماشاء اللہ بہت سمجھدار ہیں، پراعتماد اور ذہین۔ ان کی شخصیت میں کوئی جھول نہیں۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ نگاہیں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں پر ذہن اس وقت کہیں اور تھا۔

"الحمدللہ...... اور اس کا سارا کریڈٹ مجھے جاتا ہے۔" ڈاکٹر انصاری نے برملا کہا تو نور نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

"مجھے اس سے انکار نہیں کیونکہ آپ کی فہم وفراست کی تو میں خود بھی قائل ہوں۔ آپ نا صرف ایک آئیڈیل شوہر بلکہ ایک آئیڈیل باپ بھی ہیں اور آپ کی بدولت میری زندگی گل وگلزار ہے۔" اپنے محبوب شوہر کی بے مثال شخصیت کی وہ دل سے قائل تھیں۔ وہ خود اپنی اس خوشیوں بھری زندگی کا سارا کریڈٹ انہیں دیتی تھیں۔

"میں نے زندگی میں بہت سے اہم فیصلے بروقت کیے ہیں اور وقت نے ثابت کیا کہ ان کے نتائج کتنے مثبت تھے اور محترمہ آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ میری زندگی کا بہترین فیصلہ تھا۔" ان کا ہاتھ اپنے دونوں میں تھام کر وہ بولے تو ان کا لفظ لفظ سچائی اور چاہت پہ مبنی تھا۔ نور انصاری نے حیرت سے دیکھا۔

"یہ خوشیوں بھرے لمحے، یہ پیاری اولاد اور یہ مسکراتی زندگی سب تمہاری بدولت ہے۔ تم نے جس انداز میں ہمارے بچوں کی تربیت کی ہے۔ خود اپنی ذات کو بھول کر اپنے گھر اور فیملی کو فوقیت دی ہے اس پر مجھے فخر ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔" نور کی آنکھوں میں بے اختیار نمی اتر آئی۔ دل خوشی سے بھر گیا کہ سنبھالنا مشکل ہوگیا تو آنکھوں سے جذبات چھلکنے لگے۔

"یہ تو میری خوش نصیبی ہے جو آپ کا ساتھ ملا۔ میری زندگی تو......" وہ انہیں بتانا چاہتی تھیں کہ زندگی میں انصاری صاحب کا ساتھ ان کے لیے کتنا اہم ہے۔ وہ کہہ نہیں پائیں...... جذبات کے زیر اثر آواز رندھ گئی۔

"ششش...... جو ہوگیا اسے بھول جاؤ۔ ماضی کی راکھ کریدنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تمہارے چہرے پہ یہ دکھ کی پرچھائیاں اچھی نہیں لگتی ہیں۔" انصاری صاحب نے ان کے لبوں پہ انگلی رکھ کر انہیں مزید کچھ نہ کہنے دیا۔ انگلی کی پوروں سے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں ان کا سر کندھے پہ ٹکایا۔ کچھ لمحے خاموش گزرے اور پھر نور انصاری کی آواز نے اس سکوت کو توڑا۔

"ایک بات کہوں۔" انصاری صاحب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"میری اتنی بہت سی تعریفیں کرنے کے لیے شکریہ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو ڈاکٹر انصاری نے زیر لب ہنسی کو دبایا۔

"ہمارا مقصد تو جناب کو خوش کرنا تھا۔" وہ ایک بار پھر اپنی کتاب کی طرف متوجہ ہوگئے۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ بھرے دل کے ساتھ ہال سے باہر نکلی۔ کلاس فیلوز کی باتوں نے اس کا احساس کمتری اور بھی بڑھا دیا تھا۔ اپنی کم مائیگی پہ دل ہی دل میں کڑھتی وہ جلد سے جلد اس جگہ

سے باہر نکل جانا چاہتی جہاں آ کر آج سے پہلے وہ ہمیشہ خود کو آزاد اور آسودہ پاتی تھی پر آج اس جگہ نے بھی اس کی تلخیوں کو بڑھا دیا تھا۔ یہاں اسے کوئی نہیں جانتا تھا اور اگر کسی کو کچھ علم بھی تھا تو بس اتنا جتنا اس نے سب کو بتا رکھا تھا۔ وہاں سب ہی اسے بہت اہمیت دیتے تھے۔ اس کی شخصیت سے متاثر تھے، اس کے بہترین اکیڈیمک کریئر کی مثالیں دی جاتی تھیں پر ان میں سے کوئی بھی اس کی ذات کی ڈارک سائیڈ سے واقف نہ تھا۔ چند لوگوں کے سوا شاید ہی کوئی اس کے والدین کے متعلق جانتا تھا اور جو جانتے تھے انہیں اس معاملے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی شاید اسی لیے اسے کالج آنا اچھا لگتا تھا۔ یہاں شاکرہ نہیں تھی جو ہر بات پہ ٹوکتی اسے صحیح اور غلط میں فرق بتانے کے ساتھ ساتھ اس پہ ہونے والے احسانات کی تفصیل جتاتی لیکن آج جو ہوا وہ اس کی برداشت سے زیادہ تھا۔ وہ ایک دم اپ سیٹ ہوئی تھی۔ باتونی تو خیر وہ کبھی نہیں تھی پر سارہ اور رومیصہ کی باتوں کے جواب میں اس کے پاس لفظ سرے سے تھے ہی نہیں سوچپ چاپ وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی پر ہمیشہ کی طرح وہ بے ہودہ انسان اس کا راستہ کاٹ رہا تھا اور آج تو اس نے گھٹیا پن کی حد ختم کردی اور ہمیشہ خاموش اور بظاہر ڈری سہی رہنے والی علینہ کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا تھا۔ اس نے غصے سے ایک زوردار تھپڑ مونس کے گال پہ مارا اور پھر اپنی ہی حرکت پہ حیران پریشان وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کالج سے باہر نکلی۔ مونس اور اس کے دوست ساکت کھڑے رہ گئے لیکن علینہ کا پورا جسم خوف اور دہشت سے کانپ رہا تھا۔ صبح شاکرہ کے لاکھ کہنے پر بھی وہ ہمیشہ کی طرح ناشتہ کیے بغیر چلی آئی تھی۔ اس سے پہلے وہ کالج میں کچھ کھا پی لیتی تھی لیکن اب اس کا موڈ اتنا خراب تھا کہ کھانا پینا تو دور کی بات وہ بس وہاں سے جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ رہی سہی کسر مونس کی بدتمیزی نے پوری کردی اور اس پہ اپنی شخصیت کے برعکس علینہ کا جو ردعمل تھا وہ اسے خود ہی ڈرا گیا تھا۔ سڑک تک آتے آتے جانے کتنی بار اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن کوئی اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ سڑک پہ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کا گھر کالج سے زیادہ دور نہیں تھا۔ سڑک پار کرتے ساتھ جو ذیلی سڑک تھی بس اسی سے دو گلیاں چھوڑ کر ان کا مکان تھا۔ علینہ نے بغیر دیکھے سڑک پار کی اور اسی پل ایک تیز رفتار گاڑی نے اس کے بالکل پاس بریک لگائے جس سے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے۔ بھوکے پیٹ خوف و دہشت اور سر پہ کھڑی موت کو دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ گاڑی میں سے نکلنے والے شخص کو چکراتے سر کے ساتھ اس نے اپنی طرف آتے دیکھا تھا پر وہ اسے کیا کہہ رہا تھا اس کے لفظوں کا مفہوم سمجھنے کی حالت میں وہ نہیں تھی اور پھر اس کے حواس جواب دے گئے اور وہ خرد و نوش سے بے خبر ہوگئی۔

آنکھ کھلی تو خود کو ہسپتال کے بستر پہ پایا۔ اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو دائیں ہاتھ سے اٹھتی ہلکی سی ٹیس پہ اس نے چونک کر دیکھا۔ ڈرپ بس ختم ہی ہونے والی تھی۔ اسی وجہ سے یہ ٹیس اٹھ رہی تھی۔ اس نے نظریں گھمائیں تو کرسی پہ بیٹھی پریشان شاکرہ کو دیکھا۔ شاکرہ اسے اٹھتا دیکھ چکی تھی۔ بہت نرمی سے اس کے بالوں کو سہلاتے اس نے اس کا ماتھا چوما تھا۔ بہت دنوں بعد اس نے شاکرہ کی طرف سے ایسا جذبہ محسوس کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے شفقت تھی، ترحم تھا۔ علینہ جو اس کی طرف سے ڈانٹ پھٹکار اور غصہ کی توقع رکھتی تھی اس کے برعکس وہ آج بہت مختلف تھی۔ وہ پرسکون ہوگئی تھی لیکن یہ کیفیت بہت وقتی تھی۔

اس کی آمد نے اس کا سارا سکون غارت کردیا تھا۔ اتنے سالوں میں وہ اسے اپنی زندگی میں کوئی مقام، کوئی حیثیت نہیں دے پائی تھی۔ اس کے وجود سے اسے کبھی اپنائیت اور خلوص کیوں محسوس نہیں ہوتا تھا، کیوں اسے دیکھتے ہی اس کا دل سب کچھ برباد کردینے کو چاہتا تھا، ساری دنیا کو تہس نہس کردینے کو بے تاب ہوجاتا تھا۔ وہ اسے اپنی زندگی کے ہر درد، ہر غم اور ہر پریشانی کی وجہ سمجھتی

تھی اور وہ غلط نہ تھی۔ اس کے احساس کمتری کی ذمہ داری فقط اس پر تھی اور آج اگر وہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی تو وہ اس کا حق تھا۔ علینہ کی زندگی میں اس کا کوئی مقام نہیں تھا ایسا اس کا ماننا تھا، وہ اس سے بات نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی پھر بھی وہ چلا آتا تھا۔ کبھی مہینے، کبھی دو مہینے تو کبھی چھ ماہ بعد اور اس بار تو دو ہفتے بھی نہیں گزرے تھے جب وہ اس سے ملنے کے کرب سے گزری تھی اور اب ایکسیڈنٹ کے بہانے وہ اس کا حال پوچھنے چلا آیا تھا۔ ایک اور رات علینہ کی زندگی میں بے آواز آنسو بہاتے گزری تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

صبح خیزی اس کی عادت تھی اور ورزش اس کا جنون۔ جن دنوں وہ جم نہیں جا پاتا تھا وہ باقاعدگی سے جاگنگ کرتا۔ اس وقت بھی وہ تین میل کا چکر لگا کر گھر لوٹا تھا اور لان میں کھڑا جسم کو اسٹریچ کررہا تھا۔ پسینے میں بھیگی قمیص اس کے کسرتی بدن سے چپکی ہوئی تھی۔ صبح کی روپہلی کرنیں اس کے دلکش نقوش کو مزید پرکشش بنارہی تھیں۔

''کچھ پتا چلا وہ لڑکی کون تھی جو کل آپ کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔'' فریحہ کی آواز پہ اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ جوس کا گلاس تھامے اسی کی طرف آرہی تھی۔

''میری گاڑی سے ٹکرائی نہیں تھی بلکہ اس کے ٹکرانے سے پہلے میں نے بروقت گاڑی روک کر اسے بچالیا تھا۔'' اس کے جملے کی تصحیح کرتے اس نے جوس کا گلاس تھاما۔ ''تھینکس۔'' فریحہ اور سمیر دونوں اب لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

''ہاں ہاں وہی لڑکی جو آپ کی گاڑی سے ٹکرانے والی تھی لیکن آپ نے بریک لگا کر اسے بچالیا اور پھر وہ خوف سے بے ہوش ہوگئی اور آپ اس محترمہ کو ممی کے پاس ہسپتال لے گئے تو کچھ پتا چلا وہ محترمہ تھیں کون؟'' فریحہ نے لمبی تمہید کے بعد مدعا بیان کیا تو سمیر نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''ممی سے پوچھا نہیں اس کی فیملی کے بارے میں۔'' یہ سوال تو سمیر کے ذہن میں بھی تھا بلکہ اس وقت بھی اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جاگنگ کرتے کرتے وہ گھر سے دور اسی سڑک تک چلا آیا تھا جہاں کل وہ حادثہ ہوا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس واقعہ کو بھول نہیں پایا تھا۔

''تمہارے سامنے ہی کل بات ہورہی تھی، مام ڈیڈ نے تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ ویسے ممی کہہ رہی تھیں کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے وہ صرف خوف سے بے ہوش ہوئی ہے۔ چوٹ تو ویسے بھی اسے کوئی نہیں لگی تھی۔'' اپنی سوچ پہ قابو پاتے اس نے فریحہ کو تفصیلاً بتایا۔

''اندازہ کریں بھائی، آپ کی دہشت سے شہری بے ہوش ہورہے ہیں۔ ذرا سوچیں آپ کی پوسٹنگ اس شہر میں ہوگئی تو لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ سڑکیں سنسان ہوجائیں گیں۔'' فریحہ نے شرارت سے کہا۔ ان دونوں میں خاصی بے تکلفی تھی۔

''میری دہشت پہ سر دھننے کے بجائے اپنے متعلق سوچو، بھلا ہوا ان مریضوں کا جو تمہارے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ ویسے سنا ہے ممی تمہیں اپنے ہسپتال کو جوائن کرنے کی آفر دے رہی ہیں۔ پھر تو سمجھو بہت سے غریب مارے گئے۔ میں ممی سے کہوں گا ایک انڈر انشورنس آفس بھی شروع کرلیں۔ ڈاکٹر فریحہ انصاری ہسپتال جوائن کرنے والی ہیں کوئی مذاق تھوڑی...'' اس نے بھی باقاعدہ چڑایا۔ فریحہ نے غصے سے اسے دیکھا جو اطمینان سے بیٹھا جوس پی رہا تھا۔

''پہلی بات میں ڈاکٹر ہوں نیم حکیم نہیں...... الحمدللہ سب کہتے ہیں میرے ہاتھوں میں بہت شفا ہے اور دوسری بات میرا اسلام آباد چھوڑ کر ہسپتال جوائن کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' فریحہ نے صاف گوئی سے کہا۔

''لیکن تمہاری ہاؤس جاب تو مکمل ہوچکی ہے، پھر وہاں اکیلی رہ کر کیا کروگی؟'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

''ہسپتال کی طرف سے مجھے جاب آفر ہوئی ہے اور میں سنجیدگی سے جوائننگ کا سوچ رہی ہوں اور پھر مجھے اس

کی تیاری بھی کرنی ہے۔" فریحہ نے اسے مزید بتایا۔
"یہ تیاری تو یہاں رہ کر بھی ہوسکتی ہے ویسے ممی سے کیا کہو گی۔ وہ تو بہت ایکسائیٹڈ ہیں یہ سوچ کر کہ تم مستقل یہاں آگئی ہو۔ تم نے اب تک ان سے یہ بات ڈسکس نہیں کی۔" فریحہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں نے ڈیڈ سے بات کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا وہ خود ممی سے بات کریں گے۔ ویسے بھی اس شہر میں تو میرا کوئی مستقبل نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔
"لیکن فری مام اور ڈیڈ بھی تو یہاں ہیں۔ ممی نے بھی تو اپنی پریکٹس چھوڑ کر یہ ہسپتال جوائن کیا تھا۔ ڈیڈ کی خاطر وہ اپنا کریئر ختم کر کے یہاں آئی ہیں ناں...... اور اب تو ہمارا ہسپتال پہلے سے بہت زیادہ اسٹیبلش ہوگیا ہے۔" فریحہ نے کرسی پہ بیٹھے پہلو بدلا۔ اس کے انداز میں واضح بے چینی تھی۔
"ڈیڈی نے تو ریٹائرمنٹ کے بعد یہاں آنے کا فیصلہ کیا اور ممی بھی کئی سال اسلام آباد کے سب سے بڑے ہسپتال میں اپنی جاب کو انجوائے کرتی رہی ہیں۔ میرے تو ابھی کریئر کا آغاز ہے اور میں ابھی سے خود کو اس چھوٹے سے شہر میں محدود نہیں کرنا چاہتی۔" سمیر کو اس کی بات سے اختلاف تھا۔ وہ اپنے والدین کے جذبے کو نور گر انڈ لے رہی تھی۔
"یہ شہر چھوٹا ضرور ہے لیکن ہماری جڑیں یہیں ہیں اور اگر ہمارے والدین کو یہ جگہ اتنی عزیز ہے تو پھر ہمارے دلوں میں اس علاقے کے لیے وسعت ہونی چاہیے فری۔"
"مجھے آپ کی بات سے ہرگز اختلاف نہیں...... بے شک یہ ہماری بنیاد ہے پر بھائی میں ابھی خود کو ہسپتال کے لیے وقف نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے ابھی تجربہ درکار ہے جو یہاں رہ کر حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ جگہ ٹریننگ کے لیے موضوع نہیں...... اب آپ خود بتائیں آپ کیا لاہور چھوڑ کر یہاں آئیں گے؟" انگلیاں مروڑتے وہ جذباتی ہو کر بولی۔
"تجربہ کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے ڈیئر سس اور مجھے نہیں لگتا یہاں کام کی کمی ہے بلکہ یہاں اور اس جیسے تمام چھوٹے شہروں اور دیہاتوں میں تو صحت کی سہولتوں کے فقدان کے باعث سب سے زیادہ ڈاکٹروں کی ضرورت یہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔
"آپ سے بحث میں تو میں پہلے بھی نہیں جیت سکی۔" وہ چڑ کر بولی۔
"میرا ارادہ بحث کا ہے بھی نہیں میں نے تو بس تمہیں حقائق بتائے ہیں۔ تمہیں کہاں رہنا ہے اس کا بہتر فیصلہ ممی اور ڈیڈی ہی کریں گے فی الحال ہم اس بحث کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں ابھی تو مجھے تمہیں ایک نیوز دینی ہے۔" وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ فریحہ اب یہیں رہے اور یہاں وہاں ملازمت کرنے کی بجائے اپنے ہسپتال پہ توجہ دے لیکن یہ بھی سچ تھا ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر اپنی سوچ یا مرضی مسلط کرنے کا قائل نہ تھا بلکہ ہر فیصلہ باہمی رضامندی اور افہام و تفہیم سے ہوتا تھا۔ فریحہ کے پاس بھی یہ اختیار تھا۔
"کیسی نیوز؟" سمیر کے لفظوں نے اسے پرتجسس کر دیا تھا۔
"میری پرموشن ہوگئی ہے اور میری اگلی پوسٹنگ بطور ڈی سی اسی شہر میں ہورہی ہے۔" اس پہ حیرت انگیز انکشاف کر کے وہ مسکراتا ہوا گھر کے اندر چلا گیا۔ فریحہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لیے اس کو اندر جاتے دیکھتی رہی۔

☆☆☆......☆☆☆

کمپیوٹر پہ نظریں جمائے وہ فرطِ جذبات سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی اور اسی پل اس کا ستا ہوا ناراض چہرہ دکھائی دیا۔ دل اسے پیار سے اپنی بانہوں میں سمیٹنے کو بے تاب ہوا تھا۔ کب سے اس نے اس کی کشادہ پیشانی پہ بوسہ نہیں دیا تھا۔ اپنی گود میں سر رکھے اس کے لمبے ریشمی بالوں کو سہلائے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ کئی دن، بہت سے مہینے،

کتنے سال۔ یا پھر صدیاں۔ وہ اس کی جدائی میں تڑپ رہی تھی، اس کی ناراضی سہہ رہی تھی، اپنی مامتا کو آزما رہی تھی پر وہ بے بس تھی کیونکہ کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

"السلام علیکم!" اس کی طرف دیکھے بغیر وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو گڑیا؟" گزرے ماہ و سال میں اس کا روپ اور بھی نکھر گیا تھا۔ دل کے جذبات نے زور پکڑا تو آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے علینہ کے اداس چہرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہوں۔" انداز اتنا لاتعلق تھا کہ دل کٹ سا گیا۔

"پوچھو گی نہیں میں کیسی ہوں؟" اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"ظاہر ہے ٹھیک ہی ہوں گی آپ کی ساری پریشانی کی وجہ تو میں تھی مجھ سے جان چھوٹ گئی ہے آپ کی پھر اب کیا پریشانی۔" اس کی آواز دھیمی پر انداز تلخ تھا۔

"ایسا مت کہو، تم میرے لیے کبھی پریشانی نہیں تھی میری جان، تمہیں کیا پتا تمہیں اپنے سے دور کرکے میں خود کتنا تڑپ رہی ہوں۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"حالانکہ ایسا ہونا تو نہیں چاہیے......" اس نے حیرت سے کہا۔

"طبیعت کیسی ہے تمہاری، امی بتا رہی تھیں کل تم بے ہوش ہوگئی تھی۔" اس نے موضوع بدلا۔ وہ اس کی بدگمانی دور کرنے سے قاصر تھی۔ سالوں سے جو پھانس اس کے دل میں چبھی تھی وہ اب تک ناسور بن چکی تھی اور وہ ایک نشست میں نہ اس کی غلط فہمی دور کرسکتی تھی نا ہی اس کے دکھوں کا مداوا۔

"بہتر ہے۔" جواب مختصر تھا۔ علینہ کے چہرے پہ ناراضگی ہنوز قائم تھی۔

"اپنا خیال کیوں نہیں رکھتی...... ٹھیک طرح کھاؤ پیو گی نہیں تو بیمار پڑ جاؤ گی۔ تم اب کوئی چھوٹی بچی تو ہو نہیں جو تمہیں نوالے بنا کر کھلائے جائیں۔ کھانے پینے میں لاپروائی مت کیا کرو بیٹا۔" اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے وہ اب اسے تاکید کررہی تھی۔

"ٹھیک ہے اور کچھ؟" وہ بیزاری سے بولی۔ جب معلوم ہو سامنے والا گلے شکوؤں اور شکایات کا مداوا نہیں کرسکتا تو پھر کچھ بھی کہنا بے معنی ہوتا ہے۔ وہ چاہ کر بھی اپنے دل کی بات نہیں کہہ پائی۔

"ایگزامز کیسے ہوئے؟" ایک طویل سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔

"پاس ہو جاؤں گی۔" اس نے بغور علینہ کو دیکھا جہاں نا کوئی امید تھی نا ہی کوئی ایکسائٹمنٹ۔ اس کی عمر کی لڑکیوں کے چہرے تو حال کی آسودگی اور مستقبل کے خوابوں سے دمکتے ہیں۔ اسے اپنی کم مائیگی پہ رونا آیا۔ جو ہو رہا تھا اس نے ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا پر قسمت کے لکھے کو کون بدل سکتا ہے۔

"کچھ چاہیے یہاں سے تو بتاؤ میں بھیج دوں گی ویسے میں خود بھی کوشش کروں گی چکر لگانے کی، تمہاری چھٹیاں ہیں تو کہیں گھومنے چلیں گے۔" یہ آس تھی کہ اس کی بات کے ردِعمل میں اس کے اداس چہرے پہ مسکراہٹ آجائے گی، اس کی بجھی بجھی آنکھوں میں خوشی جھلملائے گی پر وہاں ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔

"چیزیں تو پہلے بھی بہت ہیں، مزید چیزیں نہیں چاہئیں۔" لفظ "چیزیں" پہ زور دیتے وہ اسے بہت کچھ جتلا گئی تھی گو کہ وہ اس مقام سے بہت آگے نکل چکی تھی جہاں وہ اس کو اپنی ناراضگی جتاتی۔ اس کے آنے یا نہ آنے سے کوئی خوشی یا دکھ محسوس کرتی۔ اس سے مہینوں بات نہ ہوتی پھر بھی وہ نارمل رہتی اور اگر روز بات ہو جاتی تو بھی اسے کوئی فرق نہ پڑتا۔ اس کی زندگی میں جذبات کہیں دور رہ گئے تھے پھر بھی اپنے اندر کی کڑواہٹ کو باہر نکلنے سے روک نہ پائی تھی۔ اس نے بے بسی سے لب کاٹے، علینہ کی چبھتی باتوں سے اسے ہمیشہ تکلیف ہوئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اس کی بدگمانیاں ختم کرنے سے قاصر تھی۔ اس نے کچھ کہنے کو لب وا کیے پھر اسی پل قدموں کی آہٹ پہ اس

نے پلٹ کر دیکھا اور اس کے چہرے پہ پریشانی بھرا تاثر ابھرا جو علینہ کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا میں پھر کال کروں گی، اللہ حافظ۔" بوجھل دل کے ساتھ اس نے الوداعی کلمات کہے۔

کال ڈسکنیکٹ ہوچکی تھی علینہ کے رخسار پر پلکوں پہ ٹھہرے آنسو مچل کر بہنے لگے تھے۔ جلدی جلدی لاگ آؤٹ کر کے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرنے کے بعد واش روم میں جا گھسی۔ کتنی دیر واش روم میں گھسی وہ بے آواز روتی رہی۔ جب دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو چہرے پہ پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد اس نے ایک نظر دیوار پہ لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ گو آنکھوں میں لالی نمایاں تھی پھر بھی اس کا چہرہ اس کا بھرم رکھ رہا تھا۔ چہرے پہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے وہ بوجھل قدموں سے واش روم سے باہر نکلی اور لاؤنج کی طرف قدم بڑھائے۔

☆☆☆......☆☆☆

"تو پھر کیا سوچا تم نے؟" نور انصاری کی آواز پہ لاؤنج میں بیٹھی فریحہ نے چونک کر دیکھا۔ وہ ہسپتال جانے کے لیے تیار تھیں۔

"میں ابھی کسی نتیجے پہ نہیں پہنچی ممی مجھے کچھ وقت چاہیے۔" فریحہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ نور انصاری اس کے پاس ہی صوفہ پہ بیٹھ گئیں۔

"دیکھو فریحہ...... میں نے اور تمہارے ڈیڈی نے کبھی تم دونوں بھائی بہن میں نہ تو کوئی فرق رکھا ہے اور نہ ہی تم پہ اپنی مرضی مسلط کی ہے۔ تم دونوں نے اپنی مرضی، اپنی خوشی سے جس فیلڈ کا انتخاب کیا، جن اداروں میں پڑھنا چاہا ہم نے تمہاری رائے، تمہاری خواہش کو اہمیت دینے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے تمہیں فل سپورٹ بھی کیا۔" دوستانہ انداز میں بات کر رہی تھیں۔

"تم دونوں ہمارا مان، ہمارا غرور ہو اور تم نے ہمیشہ ہمارا سر فخر سے بلند کیا ہے۔" فریحہ اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوری توجہ سے ان کی بات سن رہی تھی۔

"یہ سب تو آپ کی بہترین تربیت اور سپورٹ کا نتیجہ ہے کہ ہم آج کسی قابل ہیں۔" ڈاکٹر نور انصاری کے چہرے پہ بڑی پیاری سی مسکراہٹ در آئی۔

"نہیں...... یہ سب تم دونوں کی محنت کا پھل ہے۔" انہوں نے برجستہ کہا۔

"ممی میں آپ کی خواہش سمجھ سکتی ہوں۔ آپ کی بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے لیکن میں خود کو بہت الجھا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کا ساتھ دوں پر میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ میں کچھ عرصہ مزید سیکھوں۔ ممی مجھے ابھی مزید ٹریننگ کی ضرورت ہے۔ یہ جگہ میری منزل نہیں......" فریحہ نے اپنے دل کی بات کی۔

"چلو تمہیں ہماری خواہش کا احساس ہے، میرے لیے یہی بہت ہے۔ ہم دونوں کبھی تمہارے راستے کی دیوار نہیں بنیں گے بیٹا، اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو پھر تم اپنے فیصلے میں آزاد ہو۔ تم سے زبردستی کوئی فیصلہ نہیں کرواؤں گی بس ایک درخواست ہے، یوں سمجھو تمہارے پاپا کی فرمائش ہے۔" نور انصاری نے برا مانے بغیر کہا۔

"ممی ایسے تو مت کہیں پلیز...... اگر آپ کہیں گی تو میں واپس نہیں جاؤں گی۔" فریحہ کچھ جھینپ سی گئی۔ وہ انہیں اپ سیٹ کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس وقت وہ بھی نہیں کرسکتی تھی جو وہ اسے کہہ رہی تھیں۔

"ایسی بات نہیں، تم اپنے پلان کے مطابق چلو اور اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... بس ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جب تک یہاں ہو، ہسپتال آجایا کرو۔ کچھ وقت وہاں گزارو، وہاں کے مسائل کو سمجھو، ہماری ہیلپ بھی ہوجائے گی اور تمہاری اسپورٹ سے تمہارے ڈیڈی کو بھی خوشی ملے گی۔ جب جانا طے ہے تو پھر یہ جو کچھ وقت ہے اسے ہمارے لیے وقف کردو۔" یہ صرف ان کے شوہر کا نہیں ان کا بھی بہت بڑا خواب تھا کہ فریحہ ان کا ساتھ اس ہسپتال میں کام کرے لیکن وہ یہاں کی بجائے اسلام آباد کے بڑے ہسپتال کو فوقیت دے رہی تھی تو انہیں اس کے راستے میں حائل ہونے کے بجائے

اس کی ہمت بنتا تھا۔ اس پہ اپنی مرضی مسلط کرنے کی بجائے اس کا حوصلہ بڑھانا تھا لیکن ہاں اگر جوائننگ سے پہلے یہ ایک ماہ فریحہ یہاں گزار لے تو ان کے لیے یہی بہت تھا۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ممی، میں کل سے ہی جوائن کرلوں گی ویسے بھی سارا دن یہاں کرنے کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ آپ اور ڈیڈ ہسپتال چلے جاتے ہیں اور بھائی تو اب بھی صبح سے غائب ہیں۔ اچھا ہے نا میرا بھی وقت گزر جائے گا۔" فریحہ نے بخوشی ان کے یہ آفر قبول کرلی۔

"کل سے کیوں بھئی، میں ہسپتال جارہی ہوں آنا چاہو تو ابھی چلو میرے ساتھ۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تو فریحہ بھی مسکراتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

"اچھا پھر دو منٹ رکیں میں چینج کرکے آتی ہوں۔" فریحہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ نور انصاری نے محبت سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا جواب خاصہ پرسکون تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

کشمالہ معین نے اپنی میز پہ رکھے فائلوں کے انبار کو دیکھا اور پھر اپنی نازک کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی پہ ایک نگاہ ڈالی۔ پچھلے کچھ دنوں سے اس کا ورک لوڈ بڑھ گیا تھا اور اس وقت اسے ایک بریک کی اشد ضرورت تھی لیکن ان حالات میں چھٹی ملنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ انسان جتنی اونچی سیڑھی پہ جا کھڑا ہوتا ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا جاتا اور اگر اس پوزیشن پہ کشمالہ معین جیسی بندی ہو جو کام سے عشق کرتی ہے اور اپنے ڈیپارٹمنٹ کی مستعد ترین آفیسر ہے تو وہ فقط کام نہیں رہتا، جذبہ بن جاتا ہے۔ اپنے تراشیدہ سلکی بالوں کو انگلیوں سے کان کے پیچھے اڑستے اس نے سامنے رکھی کھلی ہوئی فائل کا مطالعہ شروع کیا لیکن پاس رکھے انٹرکام کی گھنٹی سے اس کا تسلسل ٹوٹا، اس کی چوڑی صبیح پیشانی پہ چند ناگوار بل دکھائی دیئے۔

"جی بولیں۔" سنجیدہ لہجے میں اس نے کمرے کے باہر موجود اپنے پی اے سے پوچھا۔ دوسری طرف جو کہا گیا اس کو سن کر کشمالہ معین کے حسین چہرے پہ ایک خوشگوار حیرت کا تاثر ابھرا۔

"انہیں اندر بھیج دیں۔" اپنے لہجے کو بہت حد تک نارمل رکھتے اس نے کہا اور فون رکھ دیا۔ سامنے رکھی فائل کو بند کرکے سائیڈ میں رکھیں دوسری فائلوں کے ساتھ رکھ کر کشمالہ نے انگلیوں کی مدد سے اپنے کھلے بالوں کو سنوارا اور پھر ایک ناقدانہ نگاہ اپنے کمرے پہ ڈالی۔ اسی پل کمرے کے دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی اور کشمالہ یک دم چوکس ہوکر بیٹھ گئی۔

"میں اندر آسکتا ہوں میم۔" بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ نووارد نے کمرے میں قدم رکھا اور کشمالہ کے حسین لبوں پہ بڑی دلکش مسکراہٹ ابھری۔

"سمیر انصاری، بہت عرصے بعد تمہیں دیکھ کر خوشگوار حیرت ہورہی ہے۔" اپنی نشست سے کھڑی ہوکر کشمالہ نے استقبالیہ انداز میں کہا۔ رسمی سلام دعا کے بعد سمیر نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"دو سال......" وہ کچھ سوچتے ہوئے مسکرائی۔

"تم نے تو سب کو حیران کردیا۔" سمیر اس کی آنکھوں کی چمک کو نظر انداز نہیں کرپایا۔

"کیا کروں میرا چارم ہی کچھ ایسا ہے۔" سمیر نے ہنستے ہوئے کہا اور کشمالہ کے چہرے پہ ہزار واٹ کی مسکراہٹ ابھری جسے دبانے کی کوشش میں اس کے گالوں کی لالی بڑھ گئی۔

"واقعی میں تمہیں اس طرح ایکسپیکٹ نہیں کررہی تھی۔" اس نے یک دم موضوع بدلا۔ اپنی سوچ کو منتشر کرنے کے لیے اس نے میز پہ رکھا اپنا قلم اٹھا کر اپنی انگلیوں سے گھمانا شروع کردیا۔

"اپنے عملے کی کارکردگی جانچنے کے لیے ایسے سرپرائز وزٹ کرتے رہنا چاہیں۔" سمیر نے اس کے انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے شرارت سے کہا جس پہ کشمالہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"ویل پوائنٹ سر......" وہ سنجیدگی سے لب بھینچ کر بولی

جیسے اسے اس جواب کی امید نہ تھی پر سمیر انصاری سے وہ کچھ بھی امید کرسکتی تھی اوراس کی ہر بات برداشت کرسکتی تھی۔ وہ دونوں بیچ میٹ تھے۔ کامن ٹریننگ کے دوران ان کی دوستی ہوئی تھی۔ سمیر انصاری کے برعکس کشمالہ معین کا تعلق جاگیردار گھرانے سے تھا۔ اس کے کئی فیملی ممبر بیوروکریٹ اور عملی سیاست میں شامل تھے۔

"میں مذاق کررہا تھا یار...... تم نے تو بات کو دل پہ ہی لے لی اب ایسا بھی جابر افسر نہیں ہوں میں۔" کشمالہ معین اپنی کلاس کی نمائندہ نہایت اونچے دماغ والی انتہائی خودپسند لڑکی مشہور تھی لیکن سمیر انصاری کے لیے اس کے دل میں خصوصی جگہ تھی۔ وہ ان جذبات کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی دوسری طرف سمیر بھی اس معاملے میں چپ سادھے ہوئے تھا وہ دونوں ایک دوسرے سے خاصے بے تکلف تھے۔

سیاہ لباس میں وہ ہمیشہ کی طرح حسین لگ رہی تھی بلکہ شاید وقت کے ساتھ اور بھی خوب صورت ہوگئی تھی۔ اس کے بال ہمیشہ کی طرح نئے اسٹائل میں تراشے ہوئے تھے اور اس پہ سوٹ بھی کررہے تھے۔ سمیر کھلے دل سے کہہ سکتا تھا کہ اس نے آج تک کشمالہ معین سے زیادہ باوقار اور پرفیکٹ عورت نہیں دیکھی۔

"یہ بتاؤ چائے پیوگے یا کافی۔" وہ ایک بار پھر موضوع بدل چکی تھی۔ سمیر کی نظریں اب تک اس کے حسین چہرے پہ مرکوز تھیں۔

"بس چائے کافی پہ ٹرخانے کا ارادہ ہے میں تو لنچ کا سوچ کرآیا تھا تم تو بڑی کنجوس نکلی۔" سمیر نے بناوٹی تاسف سے کہا۔

"آپ حکم کریں سرکاری خزانے کا منہ آپ کے لیے کھول دیا جائے گا۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر ایک ادا سے کہا تو سمیر بے ساختہ ہنس دیا۔

"ابھی کے لیے کافی منگوالو۔" کشمالہ نے سرہلاتے ہوئے کافی کا آرڈر دیا۔

"مجھے تم سے ایسی بے قاعدگیوں کی امید نہیں تھی چارج سنبھالتے ہی ان کا واضح نوٹس لیا جائے گا۔" زیرلب ہنسی دباتے اس نے چھیڑا۔ کشمالہ بے اختیار ہنسی تو ایک پل سمیر کا اپنا دل ہاتھوں سے نکلتا محسوس ہوا۔

"میری لسٹ میں چند ہی لوگ ہیں جن کے لیے میں قاعدے قانون سے ہٹ کر چل سکتی ہوں۔" اس نے جتاتے ہوئے کہا تو سمیر نے میز پہ پڑا پیپر ویٹ گھماتے ہوئے اس کی طرف بغور دیکھا۔ دروازے پہ دستک ہوئی اور آفس بوائے ان کو کافی سرو کرکے مؤدبانہ انداز میں چلا گیا۔

"یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرا شمار ان گنے چنے لوگوں میں اب تک کیا جارہا ہے۔" سمیر نے ذومعنی لہجے میں کہا۔

"کیا کریں تمہارا چارم ہی ایسا ہے۔" اسی کے جملے دہراتے ہوئے کشمالہ نے کندھے اچکائے۔ سمیر نے کافی کا کپ ہونٹوں سے لگایا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

"کافی اچھی ہے، اس کافی کے لیے میرا تمہارے آفس کا چکر لگتا رہے گا۔" خاموشی کو سمیر کے جملے نے توڑا۔

"جب دل چاہے۔" اسسٹنٹ کمشنر کشمالہ معین نے برجستہ کہا اور گہری نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے یونانی دیوتا کو دیکھتے ہوئے کافی کا کپ لبوں سے لگالیا۔

☆☆☆......☆☆☆

چلچلاتی دوپہر میں در و بام کسی بھٹی کی طرح تپ رہے تھے۔ ہوا کے نام پر چلنے والی لو، جسموں کو جھلسا رہی تھی۔ پرندے سوکھی شاخوں کے روکھے پتوں میں منہ دیئے چھپے بیٹھے تھے۔ آسمان سے مینہ برستا تو ہریالی نظر آتی۔ ابھی تو گرم تپتی زمین تھی اور سورج کی تیزی سے سوکھتے درختوں کی بے جان ٹہنیاں۔ اس شدید گرمی کے باوجود سڑک پہ روزمرہ کی طرح ٹریفک دکھائی دے رہی تھی۔ اسکول اور کالج کی چھٹیاں ہونے میں ابھی چند دن باقی تھے اس حساب سے اس وقت رش اور بھی بڑھ جاتا تھا۔ موسم کی حدت سے بے حال سڑکوں پہ خلقت خدا کا ہجوم قابل دید تھا۔

چہرے پہ آئے پسینے کو چادر کے پلوں سے پونچھتے اس نے ایک بار رک کر اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی پہ اچٹتی نگاہ ڈالی۔ پریشانی کی چند لکیریں اس کی شفاف چوڑی پیشانی پہ نمودار ہوئیں۔ اس بار اس کے قدموں میں پہلے سے زیادہ تیزی تھی۔ اس کا رخ مین گیٹ کی طرف تھا۔ پتھریلی تپتی زمین پہ اس کی سستی مگر نئی جوتی میں قید اس کے تلوے جل رہے تھے اور اس لمحے اسے کالج کے گیٹ کے باہر کھڑی اس ہستی کے پیروں کا خیال آیا جس کی گھسی ہوئی جوتی دو بار ٹوٹنے پر موچی سے مرمت کروائی گئی تھی۔ اس کا دل مٹھی میں آ گیا۔ آج اسے کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی لیکن وہ مجبور تھی کیونکہ کلاس کے اختتام پہ بیالوجی کی پروفیسر انہیں لیبارٹری میں لے گئی تھیں جہاں انہیں آج کے موضوع کے حوالے سے چند سلائیڈیں دکھائی گئیں اور یوں اسے معمول سے زیادہ وقت لگ گیا۔ اس گرمی میں چلنا محال ہو رہا تھا۔ وہ اس وسیع دالان کو بھاگ کر عبور کر لینا چاہتی تھی تاکہ اسے انتظار کی مشقت سے بچا لے۔ کالج کے گیٹ سے باہر نکلی تو سڑک کے پار لگے درختوں کی قطار کے سائے میں اسے وہ چہرہ دکھائی دیا جو اس کے لیے اس دنیا کا سب سے خوب صورت چہرہ تھا۔ گرمی کی شدت سے اس کے گال سرخ ہو رہے تھے۔ لبوں پہ پپڑی جمی تھی پر اس کی آنکھوں میں شفقت اور محبت کے ٹھنڈے بادل وہ اتنی دور سے بھی با آسانی دیکھ رہی تھی۔ وہ جلدی سے سڑک پار کر کے اس کے قریب جا پہنچی۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کے خشک لبوں پہ مسکراہٹ ابھری اور وہ اپنی بوجھل طبیعت ہونے کے باوجود اسے دیکھ کر بے تحاشہ مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی ان لبوں پہ اتنی ہلکی سی مسکراہٹ بھی بہت مدت کے بعد دیکھنے کو ملتی ہے اور وہ لمحے بہت قیمتی ہوتے ہیں جب وہ خوش ہوتی کیونکہ ایسے لمحے اس نے اپنی اٹھارہ سالہ زندگی میں گنے چنے ہی دیکھے تھے۔

"کاش میں ان لمحوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر سکتی۔"
اس نے اداسی سے سوچا اور سر جھٹک کر قدم آگے بڑھا دیئے۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ پہلی بار یہاں نہیں آئی تھی لیکن بطور ڈاکٹر یہ پہلا موقع تھا کہ فریحہ اپنی والدہ کے ساتھ ہسپتال آئی تھی۔ ڈاکٹر نور تو یہاں پہنچ کر خاصی مصروف ہو گئی تھیں جبکہ فریحہ ہسپتال کا تفصیلی وزٹ کرنے کے بعد ایمرجنسی میں چلی آئی جہاں یکے بعد دیگرے کیس آتے ہی جا رہے تھے۔ یہ اس شہر کا واحد ہسپتال نہیں تھا لیکن اپنی سہولیات کے پیشِ نظر منفرد ضرور تھا اور فریحہ کو یہاں آ کر احساس ہوا کہ صحت ہمارے ملک کا کتنا اہم مسئلہ ہے۔ وہ اب تک تیسری دنیا کے صحت کے مسائل پہ جنرل پڑھتی رہی تھی، سیمینار اٹینڈ کرتی رہی تھی لیکن کبھی ان ایشوز کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ایک کے بعد ایک مریض دیکھتے وقت کا پتا ہی نہیں چلا اور جب وہ ایمرجنسی سے نکلی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آفس کی طرف جا رہی تھی جب اس کا سیل فون بجا۔

"السلام علیکم، کیسی ہیں ڈاکٹر صاحبہ آپ تو جا کر ہمیں بھول ہی گئیں۔" دوسری طرف سے ابھرتی آواز کی شوخی فریحہ کے خوب صورت لبوں پہ تبسم بھر گئی۔

"وعلیکم السلام، میں بالکل ٹھیک ہوں مزے میں۔" جواب بھی اسی انداز میں دیا گیا۔ "اور ہاں خاصی بزی بھی......" فریحہ نے اپنے لفظوں پہ کچھ زور دیتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے تو فون کیا محترمہ کو یاد کروا دوں ورنہ اتنی اہم شخصیت کو ہم جیسے معمولی لوگ کہاں یاد ہوں گے جو ایک ایک پل آپ کے انتظار میں گن گن کر گزار رہے ہیں کہ کب آپ کی واپسی ہو اور کب ہمیں دیدار نصیب ہو۔" فارس کے سنجیدہ جملے پہ اس نے سیل فون کان سے ہٹا کے ایک نگاہ فون پر ڈالتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا اور سر ہلاتے ہوئے فون ایک بار پھر کان سے لگا لیا۔

"فارس سیریسلی تم جو ڈائیلاگ بول رہے ہو نا انہیں سن کر لگتا ہے تم نے میڈیکل نہیں انگلش لٹریچر پڑھا ہے۔" ہنستے ہوئے اس کے رومانوی جملے کا انتہائی غیر رومانوی

انداز میں جواب دیتے وہ جانتی تھی فارس کا منہ کیسے اترا ہوگا۔

"اس میں میرا اتنا قصور نہیں ہے ان فیکٹ یہ سب ڈائلاگز تمہارے فراق میں خود بخود نکل رہے ہیں۔" وہ بھی شاید آج موڈ میں تھا۔

"جاؤ...... جاؤ زیادہ باتیں مت بناؤ، اتنے تم مجنوں کے جانشین نہیں جو ایک ہفتے کی جدائی میں بے قرار ہوگئے ہو۔" فریحہ نے چھیڑا۔

"تمہیں یقین نہیں آتا میری بات پہ......! یقین مانو میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔" فارس نے یقین دہانی کرائی۔

"اچھا اب کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔" اس پہ احسانِ عظیم کرتے فریحہ نے کندھے اچکا کر کہا تو فارس کے ہنسنے کی آواز ایئر پیس سے سنائی دی۔

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر فریحہ انصاری صاحبہ، مجھ پہ یقین کر کے آپ نے مجھ پہ ہی نہیں میری سات پشتوں پہ احسان کیا ہے۔" فریحہ کی شرارت پہ اب اس کا موڈ بھی بدل چکا تھا۔ وہ بھی اسی کی طرح شرارتی انداز میں بولا تو فریحہ کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی۔

"ایسے چھوٹے موٹے احسانات ہم اکثر کرتے رہتے ہیں۔" کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اپنی ریوالونگ چیئر کو گھماتے اس نے بڑے انداز سے کہا۔

"آپ بہت مہربان ہیں محترمہ۔" فارس کا جواب انتہائی سنجیدہ تھا۔

"میرا دل بہت بڑا ہے۔" فریحہ نے برجستہ کہا۔

"میں پوری طرح متفق ہوں...... اسی لیے تو وہاں بسیرا کیا ہوا ہے۔" جواب فوراً آیا تھا۔

"کیا کر رہی تھی؟" وہ خوشگوار موڈ میں بولا۔

"ایک ایمرجنسی تھی بس اسی کنسلٹیشن (معائنہ) میں مصروف تھی۔" فریحہ نے بتایا۔

"تم ہسپتال میں ہو اچانک فیصلہ؟" فارس اس کی بات پہ بے تحاشہ چونکا۔

"آئی مین تم نے تو مجھ سے۔" وہ قدرے سنجیدہ ہوا۔

"ممی کے ساتھ آئی تھی۔ ان کی خواہش ہے جب تک یہاں ہوں تو ہسپتال میں ریگولر وزٹ کروں، مریض دیکھوں۔ اس جگہ سے خود کو امیج کرنے کی کوشش کروں۔ میں نے سوچا اگر میرے اس فعل سے ان کو خوشی ملتی ہے تو حرج ہی کیا ہے۔" فریحہ نے تفصیل بتاتے ہوئے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"اوہ آئی سی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا یہاں آ کر میں خود کو اتنا پرسکون محسوس کروں گی، ہوسکتا ہے میں ہمیشہ کے لیے یہاں ہی رک جاؤں۔" فریحہ نے شرارت سے کہا لیکن دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی۔

"فارس...... تم ٹھیک ہو؟" وہ تشویش سے بولی۔

"فریحہ تم جانتی ہو اپنے کریئر کے حوالے سے میں کتنا پوزیسیو ہوں اور اپنے پلان میں معمولی سی بھی ردوبدل مجھے پسند نہیں۔" اس بار فارس کے لہجے میں نہ وہ پہلے والی شوخی تھی اور نہ ہی وارفتگی بلکہ اس کا لہجہ حد سے زیادہ سنجیدہ اور کسی قدر سرد تھا۔

"کم آن فارس...... میں تو مذاق کر رہی تھی۔ تم بلاوجہ سنجیدہ ہوگئے۔" فریحہ یک دم بولی۔ وہ تو بس اسے تنگ کر رہی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا فارس اتنی سی بات کا برا مان جائے گا۔

"یہ تمہارے لیے مذاق ہوگا فری پر میرے لیے یہ مذاق نہیں...... تم یا تمہارے پیرنٹس اپنے کریئر پہ کمپرومائز کر کے خود کو ان بے تکے فلاحی کاموں کے لیے وقف کر سکتے ہو لیکن میرا ایسی بے وقوفی کا کوئی ارادہ نہیں۔" فریحہ کے ماتھے پہ واضح بل نمودار ہوئے۔ اسے فارس سے اس تضحیک کی امید نہ تھی۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ بے ساختہ بولی۔ اس کے لہجے میں تنبیہہ تھی جسے فارس نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔

"میرے والدین کی سوچ اور ان کے کسی بھی عمل پہ تنقید کرنے کا حق تمہارے پاس نہیں...... ہم دونوں کے

درمیان جو بھی تعلق ہے اس کی پہلی شرط یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کی سوچ اور ان سے جڑے رشتوں کی ریسپیکٹ کریں گے۔" وہ بے حد سنجیدہ اور کچھ کچھ دلبرداشتہ بھی ہوئی۔ شاید وہ فارس سے اس جملے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"میں معذرت چاہتا ہوں فریحہ میرا مقصد تمہیں دکھ دینا نہیں تھا۔" فارس کو بھی اپنی بات کی ناشائستگی کا احساس ہوا اسی لیے اس نے بلا تامل معذرت کرلی۔

"لیکن تم ایسا کر چکے ہو۔" فریحہ کا موڈ ہنوز خراب تھا۔

"میں سوری کر تو رہا ہوں، بس تم جلد سے جلد واپس آجاؤ، تمہیں اندازہ ہے نا ہمیں بہت آگے جانا ہے۔" فارس نے اس کے خراب موڈ کے پیشِ نظر اپنا لہجہ نرم رکھا۔

"جانتی ہوں۔" فریحہ بھی کچھ نرم ہوئی۔ "خیر ابھی مجھے ممی کے پاس جانا ہے میں تم سے پھر بات کروں گی۔" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے یک دم کہا لیکن اس بار اس کے لہجے میں ناراضگی نہیں تھی جس سے فارس کو قدرے اطمینان ہوا۔

"اپنا خیال رکھنا اور یہ ہرگز التجا نہیں۔" اس کا انداز استحقاق بھرا تھا۔

"تمہیں پتا ہے نا یہاں کوئی ہے جسے تمہاری حد سے زیادہ پروا ہے اور جو تمہیں بے تحاشہ مس کر رہا ہے۔" فریحہ زیرِلب مسکرائی۔ مزید ناراضگی کی گنجائش باقی نہیں تھی فارس کی بات سے۔ بہرحال اب اس کا موڈ ٹھیک ہوگیا تھا۔

"ٹیک کیئر فارس۔ اللہ حافظ۔" مسکراتے ہوئے فریحہ نے الوداعی کلمات کہے اور فارس کے سینے سے ایک سکون کی سانس خارج ہوئی۔

"اللہ حافظ۔" کال منقطع کرکے اس نے اپنا سیل فون میز پہ رکھا اور کچھ سوچتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اس خوشگوار اختتام کے باوجود اس کے چہرے پہ واضح پریشانی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

وقار انصاری اس علاقے کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ اس شہر میں ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔ وہ

ملازم پیشہ انسان تھے پران کا سوشل سرکل بہت بڑا تھا۔ شہر کی سب سے بڑی فلاحی تنظیم کے ایکٹیو ممبر تھے اور آج بھی یہاں ایسے کئی تعمیراتی و تخلیقی کام تھے جو وقار انصاری سے وابستہ تھے۔ زینب وقار ان کی شریک حیات ایک گھریلو خاتون تھیں، اپنے خاوند کے برعکس ان کا زیادہ وقت گھرداری میں صرف ہوتا۔ تین بیٹیوں کے بعد وقار انصاری کو اکلوتے بیٹے کی پیدائش کی خوشی دے کر وہ اس دارِ فانی سے کوچ کرگئی تھیں۔ اس علاقے میں صحت اور تعلیم کے مسائل ہمیشہ ہی ابتر تھے اور یہی وہ وقت تھا جب پہلی بار وقار انصاری نے اس مسئلے پہ سنجیدگی سے غور کیا۔ خود سے کئے عہد کو پورا کرتے ہوئے انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو میڈیکل کی تعلیم دلوائی۔ ان کی خواہش تھی کہ اس شہر میں ان کی بیوی کے نام کا ایک خیراتی ہسپتال ہو۔ وقت نے انہیں مہلت نہ دی پران کا بیٹا اور بہو اتنے سالوں کے بعد ان کے خواب پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ڈاکٹر انصاری ریٹائر ہوئے تو وہ اپنے شہر واپس آنا چاہتے تھے جبکہ ڈاکٹر نور کے پاس بہترین جاب تھی وہ اگر چاہتیں تو اپنی ملازمت جاری رکھ سکتی تھیں لیکن ان کے لیے اس شہر سے زیادہ انصاری صاحب کے آبائی شہر میں کشش تھی جہاں پچھلے چند سالوں میں ایک چھوٹا سا خیراتی ہسپتال تعمیر کیا گیا تھا۔

نور نے اپنی زندگی کے خوب صورت دور ڈاکٹر انصاری کے شانہ بشانہ گزارے تھے پھر یہاں تو پیچھے ہٹنے کا سوال ہی نہ تھا۔ شروع میں تو بس دونوں میاں بیوی ہی مریضوں کو دیکھتے تھے پھر آہستہ آہستہ یہاں مریضوں کا رش بڑھنے لگا تو اسی ضرورت کے پیشِ نظر عملے کی تعداد بڑھنے لگی۔ ہسپتال کے لیے جدید مشینری اور دیگر سہولیات کے علاوہ بلڈنگ میں توسیع و تعمیر کے لیے فنڈز نجی و سرکاری سطح پہ باسانی مل گئے جس میں کچھ تو ڈاکٹر انصاری کی پہنچ کا عمل دخل تھا تو دوسری طرف سمیر کی شاندار پوسٹ نے اس مرحلے کو آسان تر بنا دیا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی اسلام آباد سے یہاں منتقل ہوگئے تھے۔ چند بستر اور بنیادی سہولیات سے شروع ہونے والا زینب وقار خیراتی ہسپتال اس وقت شہر کا معروف ترین ہسپتال بن چکا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"مجھے تو حیرت ہو رہی ہے اس میں اتنی ہمت آئی کہاں سے۔" مونس نے کھا جانے والی نظروں سے کامران کی طرف دیکھا۔

"واقعی یار...... اس سے پہلے تو کبھی اس نے پلٹ کر کسی بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ میں تو اسے بڑی مسکین سمجھتا تھا۔" شارق نے بھی تبصرہ کیا۔

"ویسے کیسا زناٹے دار تھپڑ تھا۔ میں تو سمجھتا تھا یہ نازک سی دکھائی دینے والی لڑکیاں بس مریل بلیاں ہی ہوتی ہیں پر یہ تو بڑی زوردار نکلی بھئی۔" مونس کی گھوریوں کو نظر انداز کرتے کامران مزید بولا۔

"میں تو سن ہی رہ گیا جب اس نے تڑاک سے مارا اور فٹاک سے کالج سے باہر نکل گئی اور مونس کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اس وقت۔ اس کا بھی منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔" کوک کا سپ لیتے شارق نے مذاق اڑایا۔

"تم دونوں اپنی بکواس بند کرو گے یا میں چلا جاؤں یہاں سے۔" کرسی دھکیل کر وہ جارحانہ انداز میں کھڑا ہوا تو وہ دونوں ہی گھبرا گئے۔ اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

"آرام سے ہم تو بس ایسے ہی بات کر رہے تھے۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر کرسی پہ واپس بٹھاتے ہوئے کامران نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شارق کو گھر کا۔

"بات کر رہے تھے یا میری انسلٹ......" مونس غصے سے بولا۔

"ہم دوست ہیں یار، تیری انسلٹ کیوں کریں گے۔" کامران نے اس کو رام کرنا چاہا۔

"تم جیسے دوستوں سے دشمن لاکھ درجے بہتر ہے کم سے کم وہ کھڑے ہوکر تماشا تو نہیں دیکھتے۔" ان دونوں نے ہی اسے اتنے طیش میں پہلی بار دیکھا تھا۔

"اب ایسے تو نہ کہہ مونس، ہم نے کب تیرا ساتھ نہیں دیا۔" شارق نے اعتراض کیا۔

"وہ سالی میرے منہ پہ طمانچہ مار کر نکل گئی اور تم دونوں وہاں کھڑے میرے منہ کے زاویے نوٹ کرتے رہے۔ اس کے پیچھے بھی نہیں گئے۔" اس نے دانت پہ دانت جما کر کہا۔ کل کالج کا آخری دن تھا۔ وہ جو ہمیشہ کی طرح اپنی چھیڑ چھاڑ پہ علینہ کی طرف سے سہمی ہوئی خاموشی کی امید رکھتا تھا اس کے ہاتھوں بھرے کاریڈور میں تھپڑ کھانے کے بعد تلملا رہا تھا اور اب ریسٹورنٹ میں بیٹھے اپنے دوستوں کی زبانی وہی قصہ دہرائے جانے پہ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

"حد کرتا ہے یار، پیچھے جا کر اس کا کیا بگاڑ لیتے۔ ہم اسٹوڈنٹس ہیں کوئی گینگسٹر نہیں جو اس کی اس حرکت پہ اس کا قتل کر دیتے۔" کامران نے منہ بنا کر کہا۔ ویسے بھی وہ تو خود فریز ہو گیا تھا جب اس بھیگی بلی کو ایک دم جھانسی کی رانی بنے دیکھا تو اس کے تو اپنے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"اور ویسے بھی ہم کالج میں تھے کوئی سڑک پہ نہیں جو اس کو کچھ نقصان پہنچاتے اور صاف بچ جاتے۔ خود سوچ بات اگر انتظامیہ تک پہنچ جاتی تو ہمارے گھروں تک پہنچنے میں کتنی دیر لگتی۔" شارق نے کھری بات کی تھی۔ مونس کا غصہ اب بھی کم نہیں ہوا تھا۔ علینہ کالج سے نکلی تو ان تینوں میں سے کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں گیا اور تو اور وہاں کھڑے دوسرے طلبہ کا ہجوم بھی علینہ کو بھول کر مونس کی طرف متوجہ تھا۔ اس کا اچھا خاصہ تماشہ بن گیا تھا اور ان میں سے کوئی بھی اس بات سے واقف نہ تھا کہ کالج سے باہر نکلنے تک علینہ کی کیا حالت ہوئی تھی۔

"تو اور کیا، وہ کیا چپ رہتی۔ اس کو چھیڑتے تم ہو اور پھنس ہم نے جانا تھا۔ پہلے ہی اتنا اچھا جی پی اے نہیں چل رہا اس پہ ایسی عزت افزائی۔" کامران برجستہ بولا۔

"ابھی ایک سمیسٹر باقی ہے بیٹا اور میرے پاپا نے صاف کہہ دیا ہے ڈگری مکمل نہ کی تو خرچہ پانی بند کر کے گھر سے باہر نکال دیں گے۔" شارق کچھ زیادہ ہی صاف گو تھا اس معاملے میں بھی اپنی پوزیشن بلا تامل بتا دی۔ "میں تو کہتا ہوں تم بھی گولی مارو اس علینہ کو اور ڈگری پہ توجہ دو، ایسی بھی کوئی حسن پری نہیں ہے یار ایسی لڑکیاں ایک ڈھونڈو ہزار ملتی ہیں۔ پوری زندگی پڑی ہے عیاشی کے لیے میرے دوست لیکن کالج میں ایسی حرکتیں مناسب نہیں۔" کامران نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔ مونس نے اس کے ہاتھ اس کی طرف دیکھا۔

"میرے پاس اس وقت اگر پستول ہوتا تو گولی ہی مار دیتا اس کو۔ اتنے لڑکے لڑکیوں کے سامنے میرے منہ پہ تھپڑ مار کر اس نے اچھا نہیں کیا اور اسے اس کا حساب دینا پڑے گا۔" وہ نفرت سے بولا۔ غصہ اب بھی ہنوز قائم تھا۔

"کیا کرو گے تم مونس؟" کامران نے چونک کر پوچھا۔

"دیکھ یار جو کچھ بھی کرنا سوچ سمجھ کر کرنا اور اس سے پہلے اس کا اور اپنا رشتہ مت بھولنا۔" شارق نے تنبیہی انداز میں کہا۔ یوں بھی وہ کوئی پیشہ ور غنڈے بدمعاش نہ تھے ہاں عمر کے جس حصے میں تھے وہاں برے دوستوں کی صحبت اور بے جا فراغت سے ایسی آوارگی میں مبتلا تھے۔ کالج یا کالج سے باہر لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کی حد تک تو ٹھیک تھا پر اس سے آگے جانے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

"اس کی انگلیوں کے نشان میرے گال نہیں بلکہ میرے دل پہ مہر ہوئے ہیں شارق اور یہ اتنی جلدی مٹنے والے نہیں۔" ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کو انگلیوں سے مسلتے وہ گہری سوچ میں بولا۔ شارق اور کامران نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

☆☆☆......☆☆☆

وہ صبح گھر سے نکلا اور اب دوپہر ہو چکی تھی۔ دن کہاں گزرا کچھ پتا ہی نہیں چلا تھا۔ گھر جانے کی بجائے اس نے گاڑی کا رخ ہسپتال کی طرف موڑا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی فریحہ سے بات ہوئی تھی اور اسی نے بتایا تھا کہ وہ بھی اس وقت ہسپتال میں ہے۔

"تو پھر میں اکیلا گھر جا کر کیا کروں گا۔" وہ حیرت سے بولا۔

''کبوتر بازی آپ کا شوق نہیں ورنہ میں کہہ دیتی کبوتر اڑالیں۔'' وہ شرارت سے زیر لب مسکراتے ہوئے بولی۔

''پریشان نہ ہوں، آپ کو فون کرنے کا بھی یہی مقصد تھا کہ آپ کو بتادوں گھر جاتے ہوئے مجھے یہاں سے پک کرلیں می نے کہا ہے۔'' اس سے پہلے کہ اس کا موڈ بگڑتا فریحہ نے جلدی سے کہا اور اب وہ ہسپتال اپنی چھوٹی بہن کو پک کرنے آیا تھا۔ عملہ اس سے بخوبی واقف تھا اور کل اتفاقاً اس کا ہسپتال چکر لگ چکا تھا تو سب ہی اس کی شہر مین آمد سے باخبر تھے۔ سب سے ملتے ملاتے وہ ڈاکٹر نور کے آفس پہنچا تو فریحہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔

''دھیان رکھیئے گا ممی اس سے اپنی نگرانی میں کام کروایئے گا۔ ایسا نہ ہو کہیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔ یہ محترمہ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ڈاکٹر بنیں ہیں کوئی چاند نہ چڑھادیں۔'' کافی کا سپ لیتے اس نے فریحہ کو چھیڑا۔ فریحہ نے دانت پیستے ہوئے سمیر کی طرف دیکھا جبکہ نور انصاری اس کی شرارت سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرائیں۔

''میری بیٹی بہت قابل ڈاکٹر ہے اور آج ماشاء اللہ اس نے میری بہت مدد بھی کی ہے۔'' فریحہ نے ماں کی بات پہ فخریہ انداز میں گردن اکڑائی۔

''اللہ بچائے ایسے نیم حکیموں سے، کیا زمانہ آگیا ہے ویسے۔'' سمیر نے بناوٹی تاسف سے سر ہلایا۔

''ویسے آپ کی اس مریضہ کے کیا حال ہیں۔'' اس سے پہلے کہ فریحہ کوئی جواب دیتی سمیر نے بات کا رخ بدل کر علینہ کا ذکر چھیڑا۔

''وہ تو کل ہی ڈسچارج ہوگئی تھی۔ اس کی نانی بیچاری بہت پریشان تھیں اور وہ خود بھی خاصی اپ سیٹ تھی...... لیکن وہ جسمانی طور پہ صحت مند تھی۔'' نور نے پروفیشنل انداز میں بتایا۔

''آپ کہہ رہی تھیں آپ ان لوگوں کو جانتی ہیں۔''

''براہ راست تو نہیں ہاں لیکن اس کی نانی اور تمہاری دادی کی کوئی دور کی رشتے داری ہے، تمہارے ڈیڈی بھی ان لوگوں کو جانتے ہیں گو کہ اتنا ملنا جلنا نہیں...... تمہاری دادی کا انتقال تو تمہارے ڈیڈ کی پیدائش کے وقت ہوگیا تھا اور ان سے کوئی بہت قریبی رشتے داری بھی نہیں تھی بس اسی لیے کبھی ملنا نہیں ہوا۔'' انہوں نے تفصیل بتائی۔

''پھر تو ہمیں اس لڑکی کی خیریت پوچھنے جانا چاہیے۔ کیوں بھائی؟'' فریحہ نے ساری بات سن کر اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''کیا ضرورت ہے؟'' وہ فوراً بولا۔

''میرا مطلب ہے اسے یہاں بہترین ٹریٹمنٹ دی ہے ویسے بھی وہ کسی خطرناک بیماری میں مبتلا نہیں تھی بس بھوک اور خوف سے بے ہوش ہوئی تھی اور ممی بتارہی ہیں کہ وہ اب بالکل ٹھیک ہے تو پھر کیا ضرورت ہے خوامخواہ تیمارداری کی۔'' وہ ٹپٹا کر بولا تو فریحہ کے ساتھ نور انصاری نے بھی اس کی طرف سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔

''ویسے تو یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے اور اس صورت میں جبکہ وہ بے ہوش بھی آپ کی وجہ سے ہوئی ہے تو آپ پر ڈبل ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔'' فریحہ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا تو اس کے ماتھے پہ ناگوار بل نمودار ہوئے۔

''ایکسکیوزمی...... میری وجہ سے؟'' سمیر نے ٹیبل پہ انگلی بجا کر فریحہ کو مخاطب کیا اور پورا کا پورا اس کی طرف گھوم گیا جواب میں فریحہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا جبکہ اس کے چہرے کے تاثرات سنجیدہ تھے۔

''ممی نے پہلے بھی بتایا تھا اسے بھوک سے چکر آئے، ہاں وہ گھبرا گئی تھی، خوف زدہ ہوئی تھی لیکن اس میں بھی اسی کی غلطی تھی۔ کون پاگل ایسے دائیں بائیں دیکھے بنا سڑک پار کرتا ہے یار۔ تم خود سوچو کیا تم نے کبھی اس طرح غیر ذمہ داری اور حواس باختہ انداز میں روڈ کراس کی ہے؟'' سنجیدہ انداز میں اپنا دفاع کرتے ہوئے اس نے پہلے فریحہ اور پھر اپنی ممی کی طرف دیکھا۔

''نہیں، میں نے کبھی اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ نہ روڈ کراس کرتے ہوئے اور نہ ڈرائیو کرتے

ہوئے۔" اپنی آخری بات پہ زور دیتے ہوئے فریحہ نے اپنا کافی کا مگ ہونٹوں سے لگالیا۔ سمیر نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر نور کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے ایک بار ان کے پاس جانے کا حق تو بنتا ہے خاص طور پہ اس صورت میں جبکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہمارے ملنے والے ہیں اور میرا خیال ہے معذرت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ غلطی تو بہر حال ہوئی ہے اور معذرت کرنے سے کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں ہوجاتا۔" سمیر کے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہوئی۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔ آپ جب کہیں گی میں آپ کے ساتھ چلا جاؤں گا۔" اس نے باقاعدہ ہار مانتے ہوئے کہا تو فریحہ کے ساتھ ڈاکٹر نور بھی مسکرادیں۔

"گڈ بوائے۔" فریحہ نے شرارت سے کہا تو سمیر نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔

"تمہارا گھر جانے کا ارادہ ہے یا ابھی دو چار اور لوگوں کو قبرستان بھیج کر نکلو گی یہاں سے۔" وہ ادھار رکھنے والوں میں سے تو بہر حال نہیں تھا۔ فریحہ نے تلملا کر دیکھا لیکن سمیر کوئی اثر نہ لیتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں گھر جارہا ہوں امید ہے آپ بھی جلدی آجائیں گیں۔" فریحہ کا گھورنا نظر انداز کرکے اس نے ڈاکٹر نور انصاری کی طرف دیکھا۔

"تم فری کو گھر لے جاؤ میں تمہارے ڈیڈ کے ساتھ تھوڑی دیر تک آجاؤں گی۔" انہیں الوداع کہہ کر وہ دونوں ان کے آفس سے باہر نکل آئے۔

☆☆☆......☆☆☆

"آج تو بے انتہا گرمی ہورہی ہے۔ چھٹیوں میں تو ابھی بہت دن باقی ہیں پتا نہیں کیسے یہ وقت گزرے گا۔" پتھریلی تپتی سڑک پہ تیز تیز قدموں سے چلتی وہ دونوں گھر کی طرف گامزن تھیں۔

"آپ کو تو اتنا لمبا چکر پڑ جاتا ہے میری وجہ سے اور جلتی دوپہر میں انتظار الگ کرنا پڑ رہا ہے۔ کتنی پریشانی ہوتی ہے آپ کو۔" اس کا احساس جرم اور بھی بڑھ گیا تھا۔

"پریشانی والی کون سی بات ہے، کون سا اتنا لمبا راستہ ہے بس بیس منٹ کی واک ہی تو ہے میرے اسکول سے۔ تیس چالیس منٹ کا ہی فرق پڑتا ہے اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔" وہ ایسے بول رہی تھی جیسے کوئی بڑی بات ہی نہ ہو۔ پتا نہیں وہ اتنی ہمت کہاں سے لے آتی تھیں۔

"آخری کلاس میں لیبارٹری میں چلے گئے تھے اسی لیے باہر نکلتے دیر ہوگئی۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"پڑھائی میں دیر سویر ہوجاتی ہے بیٹا۔" اس نے مختصراً کہا۔ جس بات کو لے کر وہ اتنی افسردہ تھی وہ اس موضوع کو نظر انداز کرگئی تھی۔

"آپ اسکول سے سیدھا گھر چلی جایا کریں امی، میں کالج سے خود واپس آجایا کروں گی۔" یہ بات وہ کب سے کہنا چاہتی تھی۔ جب سے اس نے کالج میں داخلہ لیا تھا اس کی ماں کی ذمہ داری بڑھ گئی تھی اور اس کے ساتھ اس کا احساس جرم بھی۔ وہ پہلے ہی ان سب کے لیے دن رات محنت کررہی تھی اور اب اس کی مشقت میں ایک نیا اضافہ ہوچکا تھا۔

"پتا ہے نا تمہارے کالج میں داخلے پہ کتنا واویلا مچا تھا۔ میں نہیں چاہتی تمہارے باپ کو تم پہ یا میرے اس فیصلے پہ انگلی اٹھانے کا کوئی موقع ملے۔" اس کے تیز قدم یک دم رکے تھے۔ اس نے پلٹ کر بغور اس کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھا جہاں کئی تاثر ایک ساتھ تھے۔ اس کے ہر تاثر کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی ماں نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

"تو آپ کب تک خود کو ہلکان کرتی رہیں گیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ اس کی آواز میں التجا تھی۔

"جب تک مجھ میں ہمت، صبر اور برداشت ہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ وہ ایک بار پھر چلنے لگی۔

"صبر اور برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے امی۔ آپ تو خود پہ ظلم کررہی ہیں۔" وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اس کے سامنے چلی آئی۔

"تو کیا کروں؟ ہے کوئی حل تمہارے پاس اس بات کا تو بتاؤ مجھے، وہی کر لیتے ہیں۔" وہ دوٹوک انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہی تھی۔ اس نے ماں سے نظریں چرائیں۔

"میرے پاس بھی کوئی حل نہیں ہے اس لیے خود کو ہلکان کرنے کے بجائے اللہ سے دعا کرو، وہ اپنے بندوں کی دعا ضرور سنتا ہے۔ دیر تو ہو سکتی ہے پر دعا رد نہیں ہوتی۔" اسے اپنی ماں کے یقین پہ حیرت ہوئی۔ وہ واقعی بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔

"اب چلو، تمہارے ابا کو بھوک لگی ہوگی۔ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔" اپنے ہاتھ سے اس کا گال تھپکتے ہوئے اس نے اسے پچکارا۔ انہیں آج واقعی دیر ہو گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

مین دروازے پہ لگی گھنٹی پہ کوئی ہاتھ رکھ کر بھول گیا تھا۔ رخشندہ نے بہت اکھڑے ہوئے انداز میں دروازہ کھولا پر اسے اپنے سامنے دیکھ کر اس کا سارا غصہ ایک پل میں رفع ہو گیا۔

"ماں صدقے جائے، آج تو تجھے فرصت مل ہی گئی اپنی شکل دکھانے کی۔" اسے گلے سے لگاتے وہ میٹھے لہجے میں بولی۔

"ابھی پچھلے ہفتے تو آیا تھا۔" کمرے میں داخل ہوتے مونس نے اکھڑے لہجے میں کہا۔ رخشندہ نے اس کے بیزار چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

"ایک ہفتے میں پورے سات دن ہوتے ہیں بیٹا جی۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس صوفہ پہ بٹھاتے وہ بہت محبت سے بولی لیکن اس کی بات کا مونس پہ الٹا اثر ہوا۔

"ہاں تو کیا پڑھائی لکھائی چھوڑ دوں، کتابوں کو آگ لگا دوں اور یہاں آپ کے پاس ڈیرے ڈال لوں۔" وہ تنک کے بولا تو رخشندہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ جانتی تھی وہ گرم مزاج کا ہے پر ایسا بھی کیا ماں کا لحاظ بھی نہ رہے۔

"آئے ہائے...... اب ایسا بھی میں نے کیا کہہ دیا ہے جو تو اتنا غصہ دکھا رہا ہے، ماں ہوں تیری، تجھ پہ اتنا بھی حق نہیں رکھتی۔ ایک تیرا باپ ہی کیا کم تھا جو اب تو بھی میرے ساتھ ایسا سلوک کرے گا۔" وہ خفگی سے بولی۔ اپنے جملے کے اختتام تک اس نے اس کے باپ کو موردِ الزام ٹھہرانے کی روایت برقرار رکھی تھی۔

"پلیز اب وہی پرانا رونا نہ لے کے بیٹھ جانا امی جی، میرا موڈ پہلے ہی بہت خراب ہے۔" مونس نے پہلو بدلا۔ اسے ڈر تھا رخشندہ اب رونا دھونا نہ شروع کر دے۔ ویسے بھی اسے ان جذباتی باتوں سے کوفت ہوتی تھی جو ہو چکا اس پہ سینہ پیٹنے سے کیا حاصل۔

"کیوں، خیر تو ہے کیا ہوا میرے بچے کے موڈ کو۔ دوستوں سے جھگڑا تو نہیں ہو گیا۔" وہ اچانک سب بھول بھال کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھامے بولی تو مونس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ ایک ناشائستہ یاد اس کے ذہن کے پردے پہ نمودار ہوئی اور اس کے حلق تک کڑواہٹ اتر گئی۔

"نہیں جھگڑا نہیں ہوا۔" اس کا ہاتھ پرے دھکیلتے وہ سنجیدگی سے بولا تو رخشندہ کی تشویش میں اور بھی اضافہ ہوا۔

"تو پھر یہ منہ کیوں اترا ہوا ہے۔ بتا نا میری جان اپنی ماں سے کیا چھپانا۔" اس بار دلار سے کام لیتے ہوئے اس نے مونس کا بازو تھام کر کہا تو اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا لیکن ابھی فیصلہ کر رہا تھا کہ اسے معاملہ بتائے یا نہیں۔

"آپ کو تو پتا ہے نا علینہ میرے ہی کالج میں پڑھتی ہے......" کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا اور رخشندہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"نام مت لے اس بدذات کا میرے سامنے۔" وہ سلگتے ہوئے لہجے میں نفرت سے بولی۔

"ابھی خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ کیا ہوا ہے مجھے بتاتا کیوں نہیں، اب بتانے لگا ہوں تو نام مت لے اس کا۔ آپ کا بھی ویسے کوئی حال نہیں ہے۔ بندہ جائے تو جائے کہاں۔" مونس نے تلملا کر کہا۔ اسے رخشندہ کی انہی

باتوں سے کوفت ہوتی تھی۔ یہ شاید دنیا کی واحد عورت تھی جسے سب سے شکایت تھی۔

"اچھا...... اچھا چل بتا، پتا نہیں اس منحوس کا نام سن کر میرا دماغ ویسے ہی کام کرنا بند کردیتا ہے۔" اس کی خفگی سے ڈر کر اس نے بات کو وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور اصل موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی۔

"کل کالج کا آخری دن تھا تو میں نے ایسے ہی رشتے دار سمجھ کر سلام دعا کرنے کی کوشش کی پر اس کا تو دماغ ہی خراب ہے، سارے کالج کے سامنے آؤ دیکھا نا تاؤ میرے منہ پہ تھپڑ مار کر بھاگ گئی۔" مونس نے اپنی گزشتہ تمام بدتمیزیوں اور بالخصوص کل والے واقعے کی اصل کہانی گول کرکے اسے یہ من گھڑت کہانی سنائی۔ رخشندہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"اس کی اتنی مجال کہ میرے بیٹے پہ ہاتھ اٹھائے۔ آلینے دے ذرا آج خاور کو اس کے ساتھ جا کر اس کی ایسی خبر لوں گی ساری زندگی یاد رکھے گی وہ۔ بتاتی ہوں اس کی لاڈلی کے کرتوت، سرِ عام میرے بچے کی بے عزتی کرتی پھر رہی ہے اور ایک وہ ہے جس کا غم ہی نہیں ختم ہو کے دیتا اس کالے منہ والی کے لیے۔" اس کے تو جیسے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی تھی۔ علینہ کے لیے اس سے پہلے بھی اس کے دل میں نفرت بھری تھی۔ جب سے وہ آئی تھی ایک نیا پنڈورا باکس کھل گیا تھا۔ وہ تو اسے ویسے بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی اور اب اس نے اس کے لاڈلے، اکلوتے، بگڑے ہوئے بیٹے کے منہ پر طمانچہ مار کر جیسے اس کے غصے کو سوگنا کردیا تھا۔

"نہیں امی، حوصلے سے کام لیں۔ ان سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں...... میں یہ معاملہ خود ہی ہینڈل کرلوں گا۔ آپ بلاوجہ ٹینشن نہ لیں۔" اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر ٹھنڈا کرنا چاہا۔ اب اتنا بھی بیوقوف نہیں تھا وہ۔ علینہ اگر خاور کو اصل بات بتادے تو پھر خاور کا سامنا کون کرے گا۔ خاور کا تو بس ایک ہاتھ ہی کافی تھا مونس کے لیے۔ رخشندہ کو تسلی دے کر خاموش کرانا بھی ضروری تھا۔

"چل تو کہتا ہے تو تیری خاطر کچھ نہیں کہتی ورنہ دل تو میرا کر رہا ہے جا کر اس کو بالوں سے پکڑ کر اتنا ماروں کہ نانی یاد آجائے اسے، رخشندہ کے لعل پہ ہاتھ اٹھایا ہے اس نے۔ میں تو اسے مر کر بھی معاف نہ کروں۔" رخشندہ کا غصہ ختم تو نہیں ہوا تھا پر مونس کے کہنے پہ کچھ کم ضرور ہوگیا تھا۔ علینہ کے معاملے میں اس کی بس اتنی ہی چلی تھی کہ وہ اس گھر سے دور تھی ورنہ باقی تو خاور کی ساری ہمدردیاں اسی کے ساتھ تھیں اور وہ اس بات سے بے خبر نہیں تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آپ کا بیٹا اس سے خود ہی نبٹ لے گا۔" مونس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اسی پل کمرے سے کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ مونس اپنے خیالوں سے باہر نکلا اور چونک کر رخشندہ کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"یہ بڈھا مرا نہیں اب تک۔" اس کے لہجے میں طنز واضح تھا۔ آنکھوں سے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے رخشندہ سے پوچھا تو اس نے نفرت سے ہاتھ جھٹکا۔

"ابھی کہاں، زندہ ہے ابھی تک میری چھاتی پہ مونگ دلنے کے لیے۔" رخشندہ کے چہرے سے زیادہ اس کے لہجے میں نفرت تھی۔ مونس ہلکا سا ہنسا۔

"بڑا سخت جان ہے ویسے بھئی، سو بیماروں کا ڈھیر ہے پھر بھی اب تک قائم ہے۔" سر ہلاتے ہوئے اس نے کندھے اچکا کر کہا تو رخشندہ نے بے اختیار بند دروازے کی طرف دیکھا۔

"اللہ جانے کون سے گناہوں کا بوجھ ہے اس پر جن کی سزا بھگت رہا ہے۔ خیر مجھے کیا پڑا ہے منحوس مارا کون سا میرے سر پہ ہے۔" وہ اپنے مخصوص جلے کٹے انداز میں بولی۔

"چھوڑ ان سب باتوں کو میں تیرے لیے کھانا لاتی ہوں، آج بریانی پکائی ہے میں نے خاص اپنے بچے کے لیے۔ بس تو دو منٹ رک ابھی لائی۔" اچانک اسے یاد آیا تو فوراً مونس کو پچکارتے ہوئے باورچی خانے کی طرف چلی

گئی۔ ڈرائنگ روم کے صوفہ پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھے مونس نے شانِ بے نیازی سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ اس کا ذہن اب بھی علینہ سے بدلہ لینے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

شہباز نہا کر نکلا تو سیدھا باورچی خانے میں چلا آیا۔ سفینہ نے قدموں کی چاپ پہ پلٹ کر دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ زینب جلدی جلدی آٹا گوندھ رہی تھی۔ باپ کو باورچی خانے میں دیکھ کر وہ ایک دم چوکس ہوگئی پر اس کے برعکس سفینہ کا انداز ہمیشہ والا تھا۔

"کاہل عورت، اب تک کھانا نہیں پکا تجھ سے۔" وہ سر جھکائے چولہے پہ رکھی پتیلی میں چمچہ چلا رہی تھی۔ باہر سورج قہر برسا رہا تھا اور اندر باورچی خانے میں چولہے کی آنچ سے پسینے سے شرابور وہ نڈھال ہو رہی تھی لیکن اس کے برعکس وہ نہا دھو کر، اس کے ہاتھ کا دھویا اور استری کیا ہوا اجلا لباس پہنے خاصا ہشاش بشاش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"گھر پہنچتے کچھ دیر ہوگئی، تھوڑا سا صبر کرلو۔" اس کی طرف دیکھے بنا وہ دھیمے لہجے میں بولی تو اس کا پرسکون انداز اسے اور بھی سلگا گیا۔

"زینب آٹا ٹھہر جائے تو ابا کو دو روٹیاں پکا دے جلدی سے انہیں بھوک لگی ہے۔" اس کی طرف دھیان دیئے بغیر وہ اب اپنی بیٹی سے مخاطب تھی جو گوندھا ہوا آٹا پرات سے نکال کر رکھ رہی تھی۔

"اس گھر میں میری پروا ہے کسی کو۔ تم سب موجیں مارو، میری خیر ہے میں بھوکا رہ لوں گا۔" ان دونوں کو اپنی طرف سے لاپروا دیکھ کر وہ تلملایا۔ شدید غصے کے عالم میں اس نے پاس رکھے موہڑے کو پاؤں سے ٹھوکر ماری جو لڑھکتا ہوا باورچی خانے سے باہر چلا گیا۔

"غصہ کیوں کرتے ہو، کھانا پک رہا ہے کھانا۔" اس بار اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ انداز اب بھی دھیما تھا۔ چہرے پہ لالی تھی پر اس کا تعلق غصے سے ہرگز نہ تھا بلکہ وجہ شدید گرمی تھی اور حبس کے سدِ باب کے لیے اس گھر میں کوئی وسیلہ نہ تھا۔

"یہ سب تیرا کیا دھرا ہے۔ خود تو آوارہ تھی ہی بیٹی کو بھی اسی کام پہ لگا دیا۔ تیرے جیسی مائیں ہوتی ہیں جو اولاد کو برباد کردیتی ہیں۔ جوان بیٹی کو گھر داری سکھانے کی بجائے اپنی طرح آوارہ گردی سکھا رہی ہے۔" اس کا تیر نشانے پہ لگا تھا۔ وہ بالآخر اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ بہت دن سے وقت خاموشی سے گزر رہا تھا کیونکہ جھگڑا کرنا اس کی فطرت نہ تھی لیکن لڑے بغیر، اپنا احساسِ کمتری اپنے سے کمزور عورت پہ نکالے بغیر اس کا گزارا ہی نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ ایسا کوئی نا کوئی موقع ڈھونڈ ہی لیتا تھا اور اب کی بار تو یہ موقع اسے خود اس نے دے دیا تھا۔

"پڑھنے جاتی ہے وہ، تعلیم حاصل کرنا اس کا بنیادی حق ہے۔ خالی گھر داری تو نہیں سکھانی۔ شعور بھی دینا ہے جو تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ پڑھ لکھ جائے گی تو میری طرح وقت پڑنے پہ زندگی میں آئی ہر آزمائش کا سامنا کر پائے گی۔" وہ بڑے ضبط سے بولی۔ اس کی طرف دیکھے بغیر سالن بھوننے کے بعد اس نے پاس پڑے کٹورے کا پانی پتیلی میں ڈالا اور اس کا منہ ڈھکن سے بند کردیا۔

"ہاں...... ہاں جتا دے میں نکھٹو ہوں، میری وجہ سے تیری زندگی عذاب بنی ہوئی ہے۔ کما کر نہیں لاتا، تیری روٹیوں پہ بیٹھا ہوں۔ تیرا تو کھانا ہضم نہیں ہوتا جس دن تو مجھے طعنہ نہ مارلے۔" وہ فسادی عورتوں کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر بولا۔

"طعنہ نہیں مار رہی بس اتنا بتا رہی ہوں کہ لڑکیوں کی تعلیم بہت ضروری ہے اور میں چاہتی ہوں وہ بہت پڑھے۔" اس نے بس ایک نظر دیکھا اور پھر باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔ وہ طیش کھاتا اس کے پیچھے پیچھے باہر چلا آیا۔ زینب پہلے ہی باورچی خانے سے جا چکی تھی اور اب اندر کمرے میں اپنے بھائی کے پاس بیٹھی تھی۔

"سب کچھ تیرے چاہنے سے ہی تو ہوتا ہے کیونکہ کمائی جو کرتی ہے تو۔ بڑا گھمنڈ ہے نا تجھے اپنی کمائی پہ۔ چھ ہزار روپے کما کر حاتم طائی کی قبر پہ لات مارتی ہے۔

سارا غرور خاک میں مل جائے گا تیرا جس دن میرا بس ایک داؤ لگ گیا۔ نوٹوں کی بارش ہوگی اور دیکھنا تم پھر کیسے سب میرے تلوے چاٹو گے۔" وہ دھاڑتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ دونوں بہن بھائی کمرے کے کھلے دروازے سے ان دونوں کو صاف دیکھ سکتے تھے۔ باپ کا غصے سے تپتا لال چہرہ اور ماں کی آنکھوں کی بے بسی، انہیں سب نظر آرہا تھا۔

"اللہ نہ کرے ہمیں تمہاری حرام کمائی سے کبھی لقمہ کھانا پڑے۔ ہمیں تو حلال کی سوکھی روٹی ہی من وسلویٰ لگتی ہے۔ کاش تمہیں بھی یہ فرق معلوم ہوتا۔ اب بھی وقت ہے اپنے ان آوارہ دوستوں کی صحبت میں خود کو برباد کرنے کی بجائے اپنی ذمہ داریوں پہ توجہ دو۔" وہ بہت دھیمی آواز میں بولی لیکن اس کا سچ اسے مزید تلملا دینے کو کافی تھا۔ وہ ایک دم آگے بڑھا اور اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں بے دردی سے جکڑتے ہوئے بولا۔

"بکواس بند کر، یہ لیکچر اپنے اسکول میں جا کر دیا کر۔ میرے آگے زبان چلائی تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔ جانتی نہیں شوہر کا کیا درجہ ہوتا ہے۔" درد کے مارے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ زینب نے بے بسی سے پاس بیٹھے بھائی کو دیکھا جو دہشت اور خوف سے اپنے ماں باپ کو دیکھ رہا تھا اور بے اختیار اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ بخار سے اس کا جسم دہک رہا تھا اور خوف سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

"جانتی ہوں، اسی لیے کہتی ہوں کوئی عزت والی نوکری کرو۔ تم کم بھی لاؤ گے تو میں گزارا کرلوں گی۔ آج اگر تم کوئی ملازمت کررہے ہوتے تو مجھے دھکے نہ کھانے پڑتے۔" ماں کی درد بھری آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ زینب نے لپک کر بھائی کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ خوف اور پیاس سے خشک ہورہے تھے۔ خود زینب بھی اس وقت بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی پر وہ بڑی تھی خود کو اور اسے سنبھال سکتی تھی۔

طبیعت ٹھیک کرنی پڑے گی۔ بہت دن جو گزر گئے ہیں ٹھکائی ہوئے۔ دیکھ آج میں تیرا کیا حشر کرتا ہوں۔" اس نے ایک زوردار دھکا مارا اور وہ لڑھک کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔ خون کا ایک فوارہ اس کے سر سے نکلا اور وہ بازو کے بل زمین پہ جاگری۔

"امی......" زینب اسے گود میں تھامے بے اختیار باہر کی طرف لپکی جہاں ان کی ماں کا بے دم وجود کراہ رہا تھا۔ اپنے ہی خون میں لت پت وہ نیم وا آنکھوں کے ساتھ ان دونوں کو روتے بلکتے دیکھ رہی تھی جبکہ اس کا شوہر اس کے جسم کو ٹھنڈے مار کر اب گھر سے باہر جاچکا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

خوف سے اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا اور خوف ودہشت سے اس کا برا حال تھا۔ جسم پہ کپکپی طاری تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے اپنے پاس رکھے لیمپ کا بٹن دبایا۔ کمرہ ایک لمحے میں روشنی میں بھیگ گیا تھا۔ اس میں اس وقت اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ بستر سے اٹھ سکے کیونکہ اس خواب نے ہمیشہ کی طرح اس کے جسم سے جان نکال دی تھی۔ نڈھال بستر پہ لیٹے اسے دردناک ماضی کے عذاب نے پھر آگھیرا تھا۔ سود وزیاں، پچھتاوے، پشیمانیاں، افسوس اور غصہ...... کیا کچھ نہیں تھا جو اس پل یاد آیا تھا۔ ماضی سے جڑی یادیں، وہ رشتے جو دنیا کی بھیڑ میں جدا ہوگئے اور اب ان کا سراغ بھی نہ تھا۔ نا جانے کب آنکھوں میں نمی در آئی اور آنسو بہہ نکلے جنہیں اس نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اسے یہ خواب پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھا اور اس کا خوف اگلے کئی دن تک اس کے اعصاب پہ سوار رہنے والا تھا۔

(ان شاء اللہ بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

چپکے سے بہار آئی

تمثیلہ لطیف

آج پھر ایک عجیب سا دُکھ، اداسی اور مایوسی مایا کے وجود پر چھانے لگی تھی۔ گہرا، لحہ بہ لحہ پھیلتا ہوا دُکھ، جو اسے کچھ کرنے نہیں دیتا تھا ساتھ ہی ایک تمنا دل میں سسکنے لگتی۔ اس نے خوابوں اور تمناؤں کی دنیا صرف نبیل سے آباد کی تھی لیکن حالات اتنے تیزی سے تبدیل ہوئے کہ نبیل، مایا کی محبت کی شدت اور گہرائی کا اندازہ نہ کرسکا۔ ورنہ وہ اپنی امی جان کے کہنے پر اتنی بے دردی سے اپنی محبوب بیوی سے یوں منہ نہ موڑتا۔ محبت کے سب وعدے قسمیں ریت کا گھروندہ ثابت ہوئیں۔ مایا آنکھوں میں خواب سجائے زخم زخم یادیں دل میں بسائے ایسے ریزہ ریزہ ہوکر بکھری کہ اس کے جسم کا انگ انگ لہولہان ہوگیا تھا۔ اس کے سامنے زندگی کے گزرے دن آن ٹھہرے۔ وہ یونہی بیٹھے بیٹھے ماضی میں کھوئی تو جانے کہاں جا پہنچی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

سعدیہ جمال نے جوانی میں بیوگی کی چادر اوڑھ لی تھی۔ مصائب کا مقابلہ کرتے اس نے اپنے دونوں بچوں کو پروان چڑھایا تھا۔ مایا کو یاد تھا کہ وہ اپنے بابا، کیپٹن جمال کے ہوتے بہت خوش حال زندگی بسر کررہے تھے۔ اس کے بابا کو اپنی ملازمت کی وجہ سے دو اڑھائی سال سے زیادہ کہیں بھی قیام کرنے کا موقع نہ ملا۔ شادی کے بعد انہوں نے اپنی بیوی سعدیہ کو بھی اپنے پاس بلالیا تھا۔ اللہ نے انہیں ایک پیاری سی بیٹی، مایا اور ایک چاند سا بیٹا علی دیا تھا۔ سعدیہ کی توجہ اپنے بچوں کی طرف ہوئی تو ان کی زندگی میں حقیقی معنوں میں بہار آگئی۔ ان کے دونوں بچے ان کے لیے کل کائنات تھے۔ مایا تیسری جماعت میں تھی جب اس کے بابا کی پوسٹنگ آزاد کشمیر میں ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد وہ جنت نظیر وادی کے ایک خوب صورت شہر مظفر آباد پہنچ گئے۔ اس کے بابا روز ہی شام کو ان کے پاس آجاتے لیکن ایک دن انہوں نے سعدیہ سے کہا کہ وہ دو دن کے لیے کہیں جارہے ہیں اس لیے وہ بچوں کا خیال رکھیں تو سعدیہ فکر مند ہوگئی۔ یہ دو دن اس نے کانٹوں پر گزارے۔ مایا اپنے بابا کے ساتھ بہت مانوس ہوگئی تھی وہ الگ تنگ کرتی رہی لیکن سعدیہ کیا کرتی۔ اس کے دل میں ہوک اٹھ رہی تھی لیکن وہ کہاں جاتی۔ کس کے پاس جاتی۔ انجان شہر میں کوئی پرسان حال نہ تھا مجبور ہوکر چپ چاپ گھر بیٹھی رہی۔

دو دن اللہ اللہ کرکے گزرے۔ لیکن تیسرے دن بچوں نے خاص طور پر مایا نے ضد شروع کردی۔ وہ اپنے بابا کا پوچھ رہی تھی۔ سعدیہ نے انہیں یہ کہہ کر چپ کرالیا۔

''آپ کے بابا آجائیں گے۔'' دل ہی دل میں وہ خود بھی خوف زدہ تھی کہ اس سے پہلے کبھی جمال نے اسے اس طرح پریشان نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اسے یہ تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جارہے ہیں۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے فون اٹھایا اور پھر اسے کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ آواز آرہی تھی۔

''کیپٹن جمال شہید ہوگئے ہیں، آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ میت آبائی گھر پہنچانے کے انتظامات کیے جارہے ہیں۔ وہاں بھی اطلاع کردی گئی ہے۔'' کال کاٹ گئی تھی۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ فون پھر بج اٹھا۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ پھر کال سنتی لیکن موبائل کی اسکرین پر اس کے دیور جلال کا فون نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے فون کانوں سے لگایا تو جلال کے ساتھ ساتھ اسے اپنی پھوپو اور ساس کی رونے کی آواز صاف سنائی دی۔ وہ بھی روتی رہی۔ بچے پریشان ماں کو روتا دیکھتے رہے۔ پھر وہ بھی رونے لگے۔

گاڑی کے ہارن اور پھر دستک کی آواز سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی لیکن اس کی ٹانگوں نے اس کے جسم کا وزن سہارنے سے معذرت کرلی۔ وہ بدقت تمام دروازے تک گئی۔ بچے بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ گاڑی سے چند فوجی جوان اتر رہے تھے۔ آفیسر نے انہیں اطلاع دی۔

"کیپٹن جمال ایک جھڑپ میں دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے ہیں۔" تھوڑے توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔ "ہم شہید کا جسدِ خاکی لے آئے ہیں۔" مایا اور علی فوجیوں اور گاڑی کو بغور دیکھ رہے تھے۔ سعدیہ جمال کے سر سے تو سائبان کسی نے جیسے چھین لیا تھا۔

"نہیں...... نہیں...... یہ کیسے ہوسکتا ہے...... یہ غلط ہے جمال تو واپس آنے کا کہہ کر گئے تھے۔ میرے بچے ان کی راہ تک رہے ہیں۔" وہ یک دم چلائی۔ آبائی گاؤں پہنچنے تک بچے اور سعدیہ رو رو کر ہلکان ہو چکے تھے لیکن اپنوں میں پہنچ کر دکھ پھر تازہ ہوگیا۔ جمال تھا بھی ہر دلعزیز۔ گاؤں بھر میں اس کے اخلاق و کردار اور اس کی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ اس کی بہادری کے بھی چرچے تھے۔ جیسے ہی گاڑی سے تابوت اتارا گیا تو اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ چکراتے ہوئے زمین پر گرگئی۔ ان کے بچوں نے جب انہیں اس حال میں دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ گاڑی سے جب تابوت اتارا گیا تو ان کے اردگرد آس پڑوس سے بھی لوگ آکر اکٹھے ہوگئے تھے۔ یک دم ہی کہرام مچ گیا۔ آن کی آن میں پورا گھرانہ آہ و سسکیوں میں ڈوب گیا۔ سعدیہ تو ہوش میں ہی نہیں تھیں۔ آہوں اور سسکیوں کے درمیان جمال کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا گیا۔ سعدیہ کو جمال کے اچانک بچھڑنے کا صدمہ ایسا لگا کہ وہ کافی عرصہ تک اس غم سے باہر نہ آسکیں۔ زندہ رہ جانے والے آخر زندگی گزارنے کے لیے کچھ تو کرتے ہی ہیں۔ سعدیہ بھی اپنے بچوں کی خاطر زندگی کی طرف واپس پلٹ آئی۔ حکومت نے واجبات کی شکل میں اچھی خاصی رقم انہیں ادا کی اس کے علاوہ دس مرلے کا گھر بھی انہیں دیا گیا تھا۔ قریبی عزیزوں کے مشورے سے سعدیہ نے ایک پورشن کرائے پر دے دیا اور آدھے حصے میں خود رہائش اختیار کرلی۔ کرائے کے علاوہ پنشن بھی انہیں ملتی جس کی وجہ سے ان کی گزر بسر عمدہ طریقے سے ہو رہی تھی۔

مایا بہت حساس تھی اس نے اپنے باپ کی شہادت کے بعد بدلتے ہوئے حالات کو بہت جلد بھانپ لیا تھا۔ وہ اپنے ذہن میں بے شمار الجھنیں لیے پڑھتی رہی۔ وقت گزرتا رہا۔ مایا نے اپنے بابا کے دنیا سے جانے کو اتنا سنجیدگی سے لیا کہ اس نے اپنے دل میں کوئی ارمان نہ پالا۔ بی ایس سی میں اس نے پہلی پوزیشن لی تھی۔ آج سعدیہ کو جمال کی کمی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں۔ مایا اور علی بھی اس خاص موقع پر اپنے بابا کی کمی محسوس کر رہے تھے۔ ویسے تو انہوں نے ہر موسم میں اپنے بابا کو یاد کیا تھا لیکن آج تو ان کے گھر خوشی نے دستک دی تھی اس لیے ملال اور بھی بڑھ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی ماما کو رنجیدہ نہ ہونے دیا۔ انہوں نے اس خوشی سے زیادہ لطف اٹھایا تاکہ ان کی ماما کو اپنے شوہر کی کمی زیادہ محسوس نہ ہو۔

چونکہ مایا نے بی ایس سی میں پہلی پوزیشن لی تھی اس لیے اس کو باآسانی ایم ایس سی میں داخلہ مل گیا تھا۔ اس کا مضمون تو خشک تھا لیکن اسے اس میں دلچسپی بھی بہت تھی۔ اس کو فزکس میں بھی داخلہ مل سکتا تھا لیکن اس نے ایم ایس سی کرنے کو ترجیح دی۔ انہی دنوں کی بات ہے اس کی بڑی خالہ اس کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آگئیں۔ چونکہ دیکھا بھالا لڑکا تھا۔ پھر وہ تھا بھی سلجھا ہوا اور ہونہار۔ سعدیہ کو بھانجے سے بڑھ کر کون پیارا ہوسکتا تھا اس لیے انہوں نے ہاں کردی یوں منگنی طے پاگئی۔ سعدیہ نے چونکہ اپنے بچوں کو ماں کے ساتھ ساتھ باپ کا پیار بھی دیا تھا اس لیے وہ اپنے بچوں کی نفسیات سے پوری طرح

آگاہ تھی۔

مایا نے شام کے وقت ایک اکیڈمی میں بچیوں کو پڑھانا شروع کردیا تھا۔ یوں اپنی تعلیم کا سارا خرچ وہ خود پورا کرنے لگی۔ سعدیہ اس حوالے سے خوش قسمت تھی کہ اس کا بیٹا علی سلجھا ہوا اور خاموش طبع تھا۔ اس نے کبھی سعدیہ سے بے جا خواہش نہیں کی تھی۔ اب جب کہ وہ بی ایس سی کررہا تھا، کسرتی بدن کے ساتھ ساتھ یونانی دیوتاؤں کی سی لاجواب خوب صورتی نے محلے کی نوجوان لڑکیوں کی رات کی نیندیں اور دن کا چین تو تباہ کیا ہی تھا لیکن اس نے کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ اگرچہ کبھی کبھار اسے اپنے بابا بہت یاد آتے کیونکہ اس کا کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا۔ یہی حال مایا کا بھی تھا۔ کچھ سعدیہ نے اپنے بچوں کی تربیت ہی اس طرح کی تھی کہ وہ کسی اور طرف دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

کچھ دنوں سے مایا محسوس کررہی تھی کہ شرجیل اس کو کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا ہے لیکن اس نے دھیان نہیں دیا۔ آج اس نے اس سے پہلی بار بات کی جب سر ریحان کی کلاس خالی تھی تو اس نے اسے کینٹین چلنے کو کہا۔ مایا نے تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی فرمائیں...... کیا بات کرنی ہے آپ نے؟" شرجیل گڑبڑایا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔

"آپ آئیں تو سہی ویسے بھی پیریڈ خالی ہے۔"

"جی خالی ہے لیکن میں یہاں پڑھنے آئی ہوں۔" مختصراً لیکن جامع جواب کے بعد اب مزید سوال اور اصرار کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا شرجیل خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا شرجیل سیلف میڈ تھا۔ وہ پڑھائی جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ شام کے وقت ٹیوشن بھی پڑھاتا تھا۔ اس کے والد سرکاری ملازم تھے۔ اس سے چھوٹی دو بہنیں تھیں۔ ماں بھی اسکول ٹیچر تھی۔ وقت اچھا گزر رہا تھا۔ غربت کی چکی میں پسنے والے کو محبت ہوئی بھی تو ایک ایسی لڑکی سے جو اپنے آپ میں ہی گم تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عزت محفوظ تھی اور اس نے ہر کلاس میں اوّل پوزیشن لی تھی۔ اس دن کے بعد شرجیل نے مایا سے پھر بات نہیں کی۔ اس نے نا آسودہ خواہشات کو پنپنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ ویسے بھی وہ حقیقت پسند تھا۔ دل سے مایا کے لیے کچھ کرنے کی حسرت رکھنے کے باوجود اس نے کبھی مایا کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کی۔

انہی دنوں اس کی خالہ نے شادی پر زور دینا شروع کردیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ تعلیم تو بعد میں بھی جاری رکھی جاسکتی ہے۔ سعدیہ نے مایا سے بات کی تو اس نے صرف اتنا کہا۔

"ماما...... میں بھاگ تو نہیں جارہی......" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے اور اس کی گود میں جذب ہوگئے۔ سعدیہ کو جانے کیا ہوا کہ وہ مایا کو سینے سے لگا کر رونے لگی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو اپنی بڑی بہن کی بات ماننا پڑی اور دو ہفتے بعد مایا جمال، مایا نبیل بن کر پیا دیس سدھار گئی۔ سعدیہ نے اب تک تو بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا تھا لیکن مایا کے جانے کے بعد جب علی بھی گھر سے باہر نکلا تو سعدیہ کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ بلک بلک کے رونے لگی۔ گھر سنسان تھا۔ بیٹی گھر سے کیا گئی بھرا پرا گھر ویران ہوگیا۔ سعدیہ نے جمال کو یاد کیا تو پھر آنسو اس بے دردی کے ساتھ امڈے چلے آئے جیسے برسوں سے اسی انتظار میں ہوں۔

نبیل مایا کو ٹوٹ کے چاہتا تھا۔ اس نے عنایتوں کی بوچھاڑ کردی۔ مایا کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ عذرا مایا کی سگی خالہ تھیں اس وجہ سے بھی مایا کا دل لگ گیا۔ دفتر میں مایا کے بغیر وقت گزارنا نبیل پہ بھاری پڑتا لیکن وہ دن میں تین چار مرتبہ اسے فون ضرور کرتا۔ مایا خود پر رشک کرتی کہ اتنی خوب صورت زندگی بھی ہوتی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

وقت گزرتا گیا۔ دن مہینوں میں اور مہینے سال میں تبدیل ہوتے گئے۔ جب تین سال گزرے اور مایا کی گود ہری نہ ہوئی تو وہی خالہ جس کی زبان بیٹی...... بیٹی کرتے نہ تھکتی تھی اب لہجوں میں فرق آنے لگا۔ ہجر کی ماری لہجوں میں آتے فرق کو جان گئی کہ بچپن سے عادی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا عذرا کی زبان دو دھاری تلوار کا روپ اختیار کرتی گئی۔ مایا سب کچھ خود پر سہتی رہی۔ اس نے ماں کو بھنک بھی نہیں پڑنے دی...... خالہ کی جلد بازی کی عادت نے اس کا روشن مستقبل تو برباد کیا تھا ہی اب اس کی زندگی کے بھی درپے ہوچلی تھی۔ باتوں باتوں میں جلے کٹے انداز میں گھر کی ویرانی کا نقشہ کھینچا جاتا۔ یہ مقام شکر تھا کہ نبیل اس کے ساتھ تھا جو اسے دلاسے دیتا۔ اس کا خیال رکھتا ورنہ وہ کب کی ٹوٹ کے بکھر چکی ہوتی۔

سسرالی رشتے دار جنھوں نے نبیل کو اپنا فرزند سمجھا ہوا تھا۔

مایا کے آنے کے بعد بدل ہو گئے تھے لیکن جب پانچ سال اولاد نہ ہوئی تو یہی رشتہ دار پھر عذرا کے قریب ہوئے کیونکہ ان کی نظر اس کی دولت پر تھی جس کا اکلوتا وارث نبیل تھا۔ اس کی بڑی نند شادی شدہ اور اپنے گھر میں خوش تھی۔ چنانچہ انہوں نے جب عذرا کو ڈرایا کہ دولت کے لیے وارث کا ہونا ضروری ہے اور اگر عذرا چاہے تو وہ اب بھی نبیل کو اپنا بیٹا بنانے کو تیار ہے تو عذرا بھی راضی ہوگئی۔ وہ اپنے بیٹے کی نسل کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی تھی۔ اگرچہ نبیل بھی چاہتا تھا کہ اس کی نسل بڑھے لیکن وہ مایا کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہی عورتیں جو عذرا کو نبیل کی دوسری شادی کے لیے تیار کر چکی تھیں مایا کا ذہنی سکون برباد کرنے کے لیے اس کے پاس بھی آئیں اور اسے نبیل کی شادی کا بتایا۔ مایا کو کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہوا اور وہ چکرا کے گر پڑی تھی۔ انسان کے دل کو جب ٹھوکر لگتی ہے تو پھر وہ بکھر جاتا ہے۔ زندگی ریزہ ریزہ ہونے لگتی ہے۔ یہی کچھ مایا کے ساتھ ہو رہا تھا۔ نبیل کی بے پایاں محبت نے اس کے من میں سدابہار کا موسم رکھا تھا لیکن اپنوں کی بے اعتنائی نے اس کے اندر کے موسم کو خزاں میں تبدیل کر دیا تھا۔ چاروں اور خزاؤں اور اداسیوں کا موسم تھا۔

وہ منہ چھپا کے روتی رہتی یوں لگتا جیسے وہ اپنے تشنہ ارمانوں کا ماتم کر رہی ہو۔ نبیل نے اس کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ اس نے اسے مکمل اطمینان دلایا کہ وہ مایا کا ہے اور اس کی امانت میں خیانت نہیں کرے گا۔ اگرچہ عذرا نے اسے مایا کا ڈھکوسلا قرار دیا تھا لیکن نبیل نے اس بات کو ختم کر دیا کہ وہ کبھی دوسری شادی کرے گا ہی نہیں لیکن لوگوں کے طعنوں سے تنگ آ کر اور مایا کی روتی بسورتی صورت سے بیزار ہو کر آخر کار نبیل نے ماں کی خواہش کے آگے سر جھکا دیا۔ عذرا نے جب بیٹے کو راضی دیکھا تو جھٹ اس کی بلائیں لیں۔ مایا نے اس فیصلے پر نہ تو احتجاج کیا نہ ہی اس نے نبیل سے اپنے پیار کی بھیک مانگی۔ بچپن میں ہی بابا کی ابدی جدائی کا زخم سہنے والی نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔ نبیل اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آیا تا کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔

نبیل کے جانے کے بعد سعدیہ کے سینے میں منہ چھپا کر مایا بہت روئی۔ جب سعدیہ اور علی کو نبیل کی دوسری شادی کے ارادوں کا علم ہوا تو سعدیہ تو سکتے کی حالت میں آ گئی لیکن علی کو پہلی بار مایا نے اس روپ میں دیکھا کہ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

"میں دیکھتا ہوں کون میری آپی پہ یہ ظلم کرتا ہے؟" وہ بپھرا تو اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ سعدیہ اپنا غم بھول کر علی کو سمجھانے میں جت گئی۔ مایا نے اس کی بہت منتیں کیں بہت واسطے دیے کہ جب اسے پروا نہیں ہے تو علی کیوں غصہ کرتا ہے۔ سعدیہ، عذرا سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن مایا نے روکا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی خالہ نے اگر فیصلہ کر لیا ہے تو وہ کر گزریں گی۔

وقت گزرتا گیا۔ عذرا کو لڑکی کے انتخاب میں مشکل پیش آ رہی تھی تو تقدیر مایا کے صبر پہ مسکرا رہی تھی۔ یونہی ایک دن بیٹھے بیٹھے ایک خیال اس کے ذہن میں آیا تو وہ بے چینی سی محسوس کرنے لگی۔ سعدیہ نے اسے اچانک کھڑے ہوتے دیکھا تو وہ بھی حیران ہوئی۔ چونکہ وہ ماں سے بہت قریب تھی اس لیے اس نے ماں کو بتا دیا۔ وہ بھی بہت حیران ہوئی تھیں۔ خیر تین چار دن مزید گزرے تو سعدیہ اسے لے کر ہسپتال چلی گئی۔ وہ پندرہ منٹ جو رپورٹ کے انتظار میں اس نے لیبارٹری کے باہر گزارے صدیوں پر محیط تھے۔ وہ اللہ سے جانے کیا کیا مانگتی رہی۔ جب اٹینڈنٹ نے اسے رپورٹ ہاتھ میں پکڑائی تو وہ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ یونہی بے خیالی میں جب اس نے رپورٹ کے مندرجات پر نگاہ دوڑائی تو اسے زمین و آسمان رقص کرتے دکھائی دیے۔ اس کی مایا، اس کی بیٹی ماں بننے والی تھی۔ اس نے وہیں اسے چومنا شروع کر دیا۔ سعدیہ نے وہیں کھڑے کھڑے عذرا کو فون کیا اور اسے ہسپتال پہنچنے کی تلقین کی۔ عذرا شادی کے لیے اپنی ایک قریبی دوست کی بیٹی کو فائنل کرنے والی تھی جب اس نے یہ فون سنا اور انتہائی مجبوری کی حالت میں نبیل کو لے کر وہ ہسپتال روانہ ہوئی۔ راستے میں مایا کو کوسنے دیتی جاتی کہ اب کون سا ڈرامہ کیا ہے تمہاری بیوی نے۔ جب انہوں نے سعدیہ کی زبانی مایا کی طرف سے ملنے والی خوش خبری سنی تو حیران رہ گئے۔ نبیل نے ماں اور ساس کا لحاظ کیے بغیر ہی مایا کو خود سے لپٹا لیا۔ اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ عذرا کا شرمندگی سے برا حال تھا۔ چپکے سے بہاران کے گھر میں اتر آئی تھی۔

آرٹیکل

پردہ دار خاتون

"جب بابا گھر آتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔" حوریہ پیار سے آمنہ اور عبداللہ کے بال بنا رہی تھی کہ دروازے پر بیل ہوئی۔

"بابا آگئے بابا آگئے۔" دونوں دروازے کی طرف بھاگے تھے۔

ریان اپنے ننھے منے دو پھولوں کو دیکھ کر کھل گیا لپک کر آمنہ کو گود میں اٹھا لیتا ہے آج بابا اپنی گڑیا کے لیے اسٹابریز لائے ہیں۔ ریان پہلے آمنہ کو اور پھر عبداللہ کو اسٹابریز دیتا ہے۔ اب آپ ماما کے پاس جاؤ میں آپ کی دادی کے پاس ہوں۔ حوریہ کے چہرے پر مسکراہٹ بھی ہوتی ہے۔

ماں جی یہ آپ کے لیے پھل لایا ہوں اور آپ کی طبیعت ٹھیک ہے کوئی پریشانی تو نہیں۔ رحمت بی یہ دیکھ کر فوراً کہتی ہے جس ماں کا بیٹا اتنا فرمانبردار ہو اس ماں کو کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔

عبداللہ منہ بنائے حوریہ کے پاس آیا مما یہ کیا بات ہوئی بابا اب جو بھی چیز لاتے ہیں پہلے آمنہ کو دیتے پھر مجھے۔ حوریہ بھانپ گئی ماجرا کیا ہے۔ "عبداللہ آپ بھول گئے مما نے آپ کو کیا سمجھایا تھا' آپ کی چھوٹی بہن آمنہ اللہ کی رحمت ہے اس لیے گھر میں کوئی بھی چیز آتی ہے تو پہلے اللہ کی رحمت کو خوش کرتے ہیں تاکہ گھر میں زیادہ رزق آسکے۔"

لیکن مما دادی کہتی ہیں میں بڑا بیٹا ہوں اور بیٹوں کو ہر چیز پہلے دیتے ہیں کیوں کہ مجھے بہت بہادر بننا ہے۔ عبداللہ نے حوریہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

حوریہ یک ٹک عبداللہ کو دیکھتی رہی کہ رحمت بی عبداللہ کو کیسی باتیں سکھا رہی ہیں۔

"نہیں بیٹا! بہادر تو آپ تب بنو گے نا جب آپ بہنا سے پیار کرو گے اور بھائی بہادر بہنوں کے لیے بنتے ہیں تاکہ ان کی حفاظت کر سکیں۔" دس سالہ عبداللہ یہ باتیں جان کر جوش میں آگیا۔

"جی مما میں اپنی بہن کی حفاظت کروں گا۔"

☆☆☆......☆☆☆

آپ فریش ہو جائیں یہ آپ کے کپڑے ہیں اور پھر ایک ساتھ کھانا کھائیں گے ماں جی انتظار کر رہی ہیں۔ حوریہ نے مسکراتے ہوئے ریان سے کہا۔

ریان جب بھی حوریہ کو مسکراتے ہوئے دیکھتا تو یہی سوچتا یہ میری بیوی کی مسکراہٹ ہی ہے جو ہم سب کو ایک ساتھ بخوشی باندھے ہوئے ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

"آپ سے مجھے ضروری بات کرنی ہے ریان جی۔" حوریہ نے بیڈ پر لیٹے ہوئے ریان سے کہا۔

"جی کوئی پریشانی ہے کیا؟" ریان مکمل حوریہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جامعہ کے سالانہ نتائج کا اعلان کرنا ہے اور میں چاہتی ہوں اس علاقے کی تمام خواتین اس میں شامل ہوں تاکہ وہ دینی تعلیم کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔"

"ہمم...... بات تو بہت اچھی کہی حوریہ لیکن لوگ

آئیں گے کیسے؟ مطلب ان کو مدعو کرنا ہوگا نا۔‘‘

’’جی اس کے لیے آپ کو کچھ پمفلٹ بنانے ہوں گے اور اسے ہر گھر میں بھیجنا ہوگا اور دعوت نامہ ہر خاص وعام امیر غریب کے لیے ہوگا۔‘‘

’’لیکن اگر پھر بھی لوگ سست روی دکھائیں گے تو مسجد میں اعلان کروادیں گے کیونکہ کھانے کا انتظام تو ہوگا ہی لوگ کھانے کے بہانے آئیں گے اور ہوسکتا ہے کہ بہت سی خواتین جمع ہوجائیں۔‘‘

’’واہ بھئی حوریہ، کیا دماغ پایا ہے آپ نے۔‘‘ ریان نے شاباشی دیتے ہوئے کہا۔

’’ریان جی، بس خواتین جمع ہوجائیں میں نے اپنا بیان تیار کرلیا ہے اور مجھے اللہ پر یقین ہے بہت سی مائیں اپنی بیٹیوں کو دینی تعلیم دلانے کے لیے راضی ہوجائیں گی۔‘‘

’’ان شاء اللہ حوریہ اللہ تمہاری ضرور مدد کرے گا تم ایک نیک منزل کی طرف گامزن ہو اور دین کی خدمت کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی غیبی مدد شامل حال رہتی ہے۔‘‘ ریان کو حوریہ جیسی بیوی پا کر بہت فخر ہورہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

’’ماں جی، یہ آپ کی چائے۔‘‘ فجر ادا کرنے کے بعد حوریہ رحمت بی کے کمرے میں آئی۔ رحمت بی تسبیح کرنے میں مصروف تھی۔ ’’جیتی رہ دھی رانی اللہ تجھے بھاگ لگائے۔‘‘ حوریہ رحمت بی کے پاس بیٹھ گئی۔

’’ماں جی، میری بات کا برا نا منایئے گا میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں عبداللہ ابھی چھوٹا ہے اسے ہم جو بات سکھائیں گے وہ وہی سیکھے گا۔ آپ عبداللہ کو یہ ضرور کہیں وہ بہادر بنیں لیکن یہ بھی بتائیں بہادر کیسے اور کس لیے بننا ہے۔‘‘ حوریہ بہت ادب سے رحمت بی کو مسئلہ سمجھا رہی تھی لیکن رحمت بی نے بات کاٹ دی۔ ’’تو میں نے اسے کیا برا سکھا دیا یہی کہا نا وہ بیٹا ہے...... بیٹے خاندان کا چشم و چراغ ہوتے ہیں، وارث ہوتے ہیں۔‘‘

’’ماں جی، آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن یہ باتیں بتائی نہیں جاتی بچے عمر کے ساتھ خود سیکھتے ہیں۔ ابھی اسے طریقہ سلیقہ ادب سکھانا ہے بہن، بھائی اور ماں باپ کا احترام سکھانا ہے ابھی بہت کچھ ہے سکھانے کو وہ سکھا لینے دیں ماں جی۔‘‘

’’لے دس تو تم دنیا کی انوکھی ماں ہو جو بچوں کی انوکھی تربیت کرے گی۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں نے بچے نہیں پالے۔‘‘ رحمت بی مشتعل ہوگئیں۔

’’نہیں نہیں ماں جی آپ میری بات غلط سمجھی ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ بچوں کو غرور، حسد، جلن جیسی خامیوں سے دور رکھنا ہے۔ آپ خود بتائیں آپ بھی تو بیٹی آپ بھی تو رحمت ہیں تو پھر کسی دوسری کو زحمت بنا کر پیش نا کریں۔ ماں جی یہ ہم بڑوں پر فرض ہے بچوں کی دین کے مطابق تربیت کرنا۔ میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں آپ میری مدد کریں بچوں کی اچھی تربیت کرنے میں۔‘‘ حوریہ کہہ کر رحمت بی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

’’میں تیرے ساتھ ہوں دھی رانی آئندہ سے شکایت کا موقع نا دوں گی۔‘‘ رحمت بی معذرت بھرے لہجے میں بولیں۔

’’نہیں ماں جی، آپ میری ماں ہیں۔ غلطی تو سب سے ہوجاتی ہے۔ میری غلطیوں پر آپ مجھے روکیے گا

سمجھائیے گا۔"

☆☆☆......☆☆☆

جامعہ کا ہال عورتوں سے بھرا پڑا تھا حوریہ کی توقع سے زیادہ خواتین کا مجمع تھا۔ نتائج کے اعلان سے پہلے حوریہ نے اپنا بیان دینا تھا۔

حوریہ تمام حاضرین کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

"میری بہنو میری بیٹیو میری ماؤں آپ کو یاد تو ہوگا کہ نبی ﷺ اس دنیا میں عورت کو بلند مقام عطا کر گئے یہاں تک کہ جنت ایک ماں کے قدموں میں رکھ دی گئی۔ عورت کی معاشرے میں، ہر ملک میں، ہر ریاست میں اتنی اہمیت ہے کہ ہٹلر نے کہا تھا کہ "تم مجھے پڑھی لکھی مائیں دے دو میں تمہیں پڑھی لکھی قوم دوں گا۔" اور جب قوم پڑھی لکھی ہوگی ملک ترقی کرے گا دنیا میں ملک کا بول بالا ہوگا دین اسلام کا بول بالا ہوگا۔ ہر ماں کو اپنا فرض ادا کرنا ہوگا کہ اسے اپنے بچوں کی دین کے مطابق تربیت کرنا ہوگی تا کہ وہ اچھے مسلمان اچھے انسان بن سکیں اور آپ اپنی بیٹوں کو دین کی بنیادی باتیں ضرور بتائیں اور ان کو سنت شریعت پر عمل کرنا سکھائیں آپ بھی قوم میں حصہ اور سب سے اہم کردار آپ عورتوں کا ہے آپ ماؤں کا ہے آپ کو اس کردار کو بخوبی نبھانا ہوگا میں آپ سب خواتین سے درخواست کرتی ہوں آپ اپنی بیٹیوں کو دین کی تعلیم ضرور دلوائیں اور یہ تعلیم بنا کسی خرچے کے ہے ہماری جامعہ دین کی تعلیم کے کوئی پیسے نہیں لیتی آپ اپنی بچیوں کو دین اسلام ضرور سکھائیں تا کہ کل کو وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر سکیں اپنے شوہر کا احترام کر سکیں۔" بیان جاری تھا کہ ایک ماں نے نعرہ لگایا

"لبیک۔"

پورا ہال لبیک کی آواز سے گونج اٹھا۔

☆☆☆......☆☆☆

"عبداللہ بیٹا' آپ سونے کی دعا پڑھو دیکھو آمنہ سو گئی ہے اور آپ نے صبح اسکول بھی جانا ہے۔"

ریان یہ سب دیکھ رہا تھا اسے حوریہ پر بے حد پیار آیا وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس کی بیوی نعمت سے کم نہیں۔ گھر کے معاملات بھی سنبھالے ہوئے ہیں اور جامعہ کے بھی اور ساتھ بچوں کی تربیت اور شوہر کی خدمت بھی بخوشی کرتی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

اگلے روز جامع میں حوریہ کی توقع سے زیادہ مائیں اپنی بچیوں کے داخلے کے لیے آئیں۔ اس رات حوریہ عشاء کی نماز کے بعد شکرانے کے نوافل ادا کر کے فارغ ہوئی تو ریان اس کے پاس جائے نماز پر بیٹھ گیا۔

حوریہ چونک گئی۔ "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"بھئی میں بھی اللہ کا شکر ادا کرنے آیا ہوں کہ اللہ نے تم جیسی بیوی مجھے دی میرے بچوں کو تم جیسی ماں دی اور جامعہ کو تم جیسی عالمہ و فاضلہ خاتون دی۔"

ریان کی خوشی دیدنی تھی۔

"حوریہ، تم اپنا ہر کردار ہر فرض بخوبی نبھا رہی ہو' اللہ تمہیں بہت زیادہ اجر دے گا۔"

آرٹیکل

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

عنبر خان

انسان کی طبیعت کو خدا نے انواع واقسام کی کیفیتیں عطا کی ہیں کبھی تو بدی حاوی ہوجاتی ہے اور کبھی نیکی۔ معاشرے کی درستگی کے لیے قرینہ ہے کہ نیکی ہمیشہ بدی پہ غالب رہے تاکہ انسانی معاشرہ حیوانیت سے محفوظ رہ سکے۔ جب کرۂ ارض گناہوں کے بوجھ سے تھر تھرانے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک نبی یا رسول مبعوث فرماتے ہیں تاکہ زندگی اپنے اصل ڈھب پر آسکے اور جس مقصد کے لیے آفرینش آدم کی گئی مکمل ہوسکے۔

دین اسلام کا آغاز آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل ہوا جب ہماری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے آپ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام لے کر آئے۔ بنی نوع انسانیت جہالت کی جن تاریکیوں میں غوطہ زن تھی اس تاریکی میں عورت بھی ایک حقیر ترین شے تھی۔ جس کا مقام زرخرید غلام کا سا تھا۔ عورت کو ہر حق سے محروم رکھا جاتا۔ بچیوں کو زندہ دفنا دیا جاتا غرض یہ کہ ہر سطح پہ عورت کا استحصال کیا جاتا۔ ان حالات میں اس معاشرے کی صاحب ثروت عورتوں کا چلن تھا کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتی تو سج دھج کر جاتی۔

اسلام کی روشنی جیسے جیسے پھیلتی گئی احکامات الٰہی کا نزول وحی کی شکل میں اس معاشرے کی تحلیل کے مطابق ہوتا گیا۔

جہاں مرد وزن کو ہر معاملے میں یکساں احکامات دیے گئے وہاں خواتین پہ پردے کا حکم نافذ کیا گیا۔ جو کہ معاشرے کی فلاح کی طرف ایک قدم ہے بظاہر پردہ خواتین کے لیے ایک مشکل امر نظر آتا ہے ایک پابندی جیسا۔

لیکن اگر اس کے نتائج دیکھے جائیں تو عورت کا اصل تحفظ پردے میں ہے۔ آج مغرب کے افکار اس قدر اثر انداز ہوچکے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کی طرح عورتیں سج دھج کر گھر سے فخریہ نکلتی ہیں پردے کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اسے عورت پہ بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی حکم مصلحت سے خالی نہیں ہے بے پردگی کے تباہ کن اثرات معاشرے کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

گھر اجڑ جاتے ہیں زنا کی شرح بڑھ جاتی ہے ناجائز بچوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ آج مغربی معاشرے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو ایک صحت مند معاشرہ دیتا ہے جہاں عورت کو مقدس سمجھا جاتا ہے مرد کا کھلونا نہیں۔ عورت شمع خانہ ہے شمع محفل نہیں۔

بظاہر تو یہ ایک عورت کا ذاتی مسئلہ نظر آتا ہے کہ وہ حجاب لیتی ہے یا نہیں۔ لیکن اس کے اثرات بلاواسطہ طور پر سارے معاشرے پہ پڑتے ہیں۔ شرم وحیا عورت کا زیور ہے۔ جس سے آج کی عورت آہستہ آہستہ دور ہوتی جارہی ہے۔

جس کی ایک بڑی وجہ دین سے دوری ہے اور ایک اہم وجہ مستعار لیا ہوا تعلیمی نصاب بھی ہے جو کہ نئی نسل کو اسلام کی بنیادی اقدار سے دور کررہا ہے۔ یہی وہ وجہ ہے جو کہ ہمارے مسائل کی اصل وجہ بھی ہے۔ دین اسلام کا آئیڈیل معاشرہ جو کہ ہمارے نبی نے ہمیں قائم کر کے دکھایا ایک ویسا معاشرہ قائم کرنا ہماری پہلی اور آخری ترجیح ہونی چاہیے۔ جس میں عورت بھی محفوظ ہو اور ہمارے بچے بھی۔ ایک ایسا فلاحی معاشرہ جس کی اساس اسلام ہو جس میں نہ تو خودکش حملے ہوں نہ دہشت گردی نہ عورت کے حقوق کی پامالی ہو نہ بچوں کا اغوا۔ نہ کرپشن ہو نہ خیانت۔ کسی معاشرے کی اصلاح کے لیے خواتین کی تربیت بہت ضروری ہے۔ جو کہ آنے والی نسل کی امین ہیں وہ نسل جو کہ ایک معاشرہ بناتی ہے لہٰذا عورت کی تربیت ہی بنیادی نقطہ فتح مندی ہے۔ جسے اسلام کا شعور دینا بہت ضروری ہے۔ آج کی عورت کا سب سے بڑا جہاد پردہ ہے جو اس کو معاشرے میں اجنبی بنادیتا ہے۔ یہی جنگ کا نقطہ آغاز ہے، یہی اسلامی وضع قطع ایک غیر مسلم اور مسلمان عورت کا فرق ہے۔ ہر انسان کا عمل اس کے عقیدے کا مظہر ہے۔ شخصی آزادی کا نعرہ عورت کے حوالے کر کے اس کو گمراہ کرنا مغرب کا بنیادی مقصد ہے۔ اس گمراہی کی دلدل سے نئی نسل کو نکالنا ماؤں کا ہی نہیں، میرا، آپ کا، ہم سب کا فرض ہے۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

ملازمت

پروین کی ملازمت کے بارے اس کے مداح اور پرستار بخوبی باخبر ہیں پھر بھی میں سرسری طور پر ذکر کرنا مناسب سمجھتی ہوں۔

۱۔ 1973ء میں عبداللہ ہارون گرلز کالج، کراچی میں اپنی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پہلی بار لیکچرر شپ کے لیے مقرر ہوئی۔

۲۔ 1984ء میں کراچی میں اسسٹنٹ کلکٹر کسٹم مقرر ہوئی۔

۳۔ 1986ء کراچی سے اسلام آباد شفٹ ہونے کے بعد سیکنڈ سیکرٹری سی بی آر مقرر ہوئی۔

۴۔ 1988ء میں اسسٹنٹ کلکٹر ایکسائز اینڈ سیلز ٹیکس راولپنڈی مقرر ہوئی۔

۵۔ 1992ء میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کسٹم اینڈ انٹیلی جنس اسلام آباد مقرر ہوئی۔

۶۔ 1993ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر انسپیکشن اینڈ ٹریننگ کسٹم اینڈ سینٹرل ایکسائز اسلام آباد مقرر ہوئی اور آخری سانس تک یہیں کی ہوکر رہ گئی۔

وہ ایک ذمہ دار، دیانت دار اور راست باز آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری کی میں پوری طرح سے شامل رہی ملکی اور غیر ملکی مشاعروں میں شرکت کرنا ریڈیو اور ٹی وی سے وابستہ رہنا بھی زندگی کا حصہ رہے، روزنامہ جنگ کراچی میں کالم نویسی کا سلسلہ 1972ء سے 1974ء تک جاری رہا جسے بہت شہرت حاصل ہوئی۔

1973ء میں ''گوشہ چشم'' کے عنوان سے روزنامہ جنگ راولپنڈی میں کالم نویسی شروع کی اور پھر وقتاً فوقتاً مختلف اخباروں اور رسالوں میں اپنی نئی نظموں میں غزلوں سے سب کو محفوظ کرتی رہی۔

لگن، محنت، مستقل مزاجی اور ثابت قدمی اس کی کامیابیوں کی ایسی سیڑھیاں تھیں جن کی نہ کوئی حد تھی اور نہ ہی اختتام تھا۔

ہم سب یعنی خواتین کے لیے وہ ایک رول ماڈل ہے اس کے نقش قدم پر چل کر دیکھیے، ہم اپنی ذات میں چھپی ہوئی ان گنت صلاحیتوں سے روشناس ہوکر اپنا نام اور اپنا نشان رہتی دنیا تک چھوڑنے میں کامیاب ہوجائیں گے، ان شاءاللہ۔

اشاعت

۱۔ خوش بو پہلی بار نومبر 1977ء میں ہمارے ہاتھوں میں آئی اور بتدریج شہرت حاصل کرتی گئی۔ شروع کے چند برسوں میں ہی اس کے بارہ سے زائد ایڈیشن چھپ گئے تھے اور اب تک کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

۲۔ صد برگ نے فروری 1980ء میں بہترین پزیرائی حاصل کی اور کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

۳۔ خود کلامی 1985ء میں شائع ہوئی جسے علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ ہجرہ حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا آٹھ سے زائد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۴۔ انکار 1990ء میں شائع ہوئی اس کی تعارفی تقریب اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی اس تقریب میں بے شمار شائقین اور چاہنے والوں نے شرکت کی تھی۔

۵۔ ماہ تمام 1994ء میں چاروں شعری مجموعوں کو یک جا کر کے کلیات بنائی گئی جو اس وقت لائبریری کی زینت بن چکی ہے جب ان گنت ذائقے یکجا ہوجائیں تو ان کا بھی اپنا ہی مزہ ہے۔

۶۔ کف آئینہ 1996ء میں بعد از مرگ شائع ہوئی۔

۷۔ انگریزی، جاپانی اور سنسکرت میں پروین کے ان مجموعوں پر اس کی زندگی میں ہی کام شروع ہوگیا تھا۔ میں پروین کی کامیابیوں اور زندگی کے محاذ پر فتح یابیوں کا ذکر کرنا ضروری اس لیے سمجھتی ہوں کہ میری اس مختصر کتاب میں اس کے شاہانہ ایوارڈ کی تابناکی میرے لیے باعث فخر و امتیاز ہے ایک صنف نازک میں بھی بے پناہ صلاحیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جنہیں اجاگر کرنے کے لیے والدین کا ساتھ اور اپنی مستقل مزاجی کی اشد ضرورت

ہوتی ہے، جس کی اسے کمی نہیں تھی۔

اعزازات

اعزازات کا حصول اتنا آسان اور مذاق نہیں، ان کی قیمت اپنی رگوں میں گردش کرنے والے خون کو بہا دینے اور ثابت قدمی، صبر تحمل کے برقرار رکھنے میں ہے۔

1:۔ 1970ء میں پروین بہترین شاعرہ قرار دی گئی اور یو ایس آئی ایس ایوارڈ کی مستحق قرار دی گئی۔

2:۔ 1978ء میں آدم جی ایوارڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

3:۔ سرسید کالج برائے خواتین کراچی کی سلور جوبلی 1979ء میں منعقد ہوئی جس میں پروین کو سال کی بہترین شاعرہ کا گولڈ میڈل پیش کیا گیا۔

4:۔ 1985ء میں علامہ اقبال ہجرہ ایوارڈ بہترین شاعری پر حاصل کیا۔

5:۔ 1986ء میں ظہور نظر ایوارڈ برائے اردو نظم بھارت میں دیا گیا۔

6:۔ 1989ء میں بین الاقوامی اردو کانفرنس دہلی میں فیض احمد فیض بین الاقوامی ایوارڈ برائے شاعری حاصل کیا۔

7:۔ صدارتی تمغہ حسن کارکردگی، قصر صدارت میں 1991ء میں حاصل کیا۔

کچے دھاگے رشتہ

میں نے پروین کی شخصی زندگی کی اہمیت کا احترام کرتے ہوئے اس سے کبھی بھی ایسا سوال نہیں کیا تھا جس سے اس کی انا اور خودداری کو ٹھیس پہنچے اور سبکی محسوس ہو، مجھے اس کی شخصیت میں کہیں بھی کھوٹ نظر نہیں آتا تھا اس پر پاکیزگی اور سچائی کی مہر ثبت تھی اتنے سالوں کی دوستی، شناسائی اور یکجائی سے میں نے اس کی شخصیت کے سب سے کمزور پہلو پر جو رسائی حاصل کی تھی وہ تھی دوسروں کے ظاہرانہ سلوک ورویے پر بھرپور اعتماد کرنا اور یہ اس کی سادہ جبلت کی وجہ سے تھا وہ ہمیشہ اپنے آئینے میں ہی دوسروں کے چہرے اور کردار دیکھا کرتی تھی ابتدا میں پروین کو ایک شخص سے بے پناہ لگاؤ ہوا مگر چونکہ ان کا تعلق مختلف عقیدہ سے تھا اس لیے بات آگے نہ بڑھی جن کی وجہ سے پروین کی شاعری میں ٹریجڈی کی جھلک نظر آتی ہے یہ قارئین کے خیالات تھے۔

پروین کے والدین جہاں دیدہ اور دور اندیش ہونے کے ساتھ ساتھ پروین سے بے حد محبت کرنے والے تھے فقط عقیدہ مختلف ہونے پر اعتراض ہرگز نہ کرتے کیونکہ ان کے خاندان میں قبل ازیں ایسے رشتے جوڑے گئے تھے، بعض کامیاب رہے اور کچھ ٹوٹ گئے تھے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والدین اسی ڈر اور اندیشے کی وجہ سے انکار کر رہے ہوں کیونکہ بیسیوں رشتوں میں چناؤ تو ایک کا ہی ہوتا ہے، والدین ہر حال میں بیٹی کے ازدواجی بندھن کو اٹوٹ بنانا چاہتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ پروین کی بچپن کی نسبت کو والدین نے غور وخوض کے بعد ٹھکرا دیا تھا کیونکہ پروین ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیالات کی مالک لڑکی تھی اور اپنی ذہانت اور لیاقت کو منوا بھی چکی تھی، والدین جانتے تھے کہ بچپن کا رشتہ کسی صورت پروین کے لیے مناسب نہیں ہے دونوں میں نہ تو ذہنی ہم آہنگی ہے نہ ہی تعلیمی لحاظ سے مناسبت پروین کے اعتراض کرنے سے قبل ہی والدین کی جانب سے انکار ہوگیا تھا۔

پروین بے حد کھری اور شفاف لڑکی تھی کسی کو دھوکے میں رکھ کر وقت گزاری کرنا اور بے وقوف بنانا اس کی فطرت میں تھا ہی نہیں اگر اس نے اپنی پسند کا اظہار کیا بھی تھا تو یہ حق اسے اسلام نے سونپ رکھا تھا، والدین کے انکار کی صورت میں مشرقی لڑکی ہونے کے ناتے سر تسلیم خم کرنا اس کی فرمانبرداری کی غمازی کرتا ہے اس کے لیے والدین کی خوشی عزت اور محبت کو اہمیت دینا لازم تھا، اسے ماں کی تربیت نے بزرگوں کے فیصلوں کی قدر دانی کا جو اک سونپا تھا وہ اس کے عقل وشعور میں سمایا ہوا تھا لیکن مضمحل ہونا بھی انوکھی بات نہ تھی کچھ ذہنی طور پر افسردہ اور پشیمان رہنے سے ڈپریشن میں چلی گئی، اس کا اقرار اس کی زبانی اور اپنوں سے سننے میں نہیں آیا تھا، سب دوسروں کی قیاس آرائیاں اور پیش گوئیاں تھیں کہاں تک سچ تھیں مجھے نہیں معلوم۔ اس وقت ڈپریشن کے مرض سے زیادہ تر لوگ نابلد تھے۔ والدین آئے دن پروین کو اسپتال لے جانے لگے جب اس کی ہر طرح کی رپورٹس درست نکلیں تو اسپتال کے چکر ختم ہوگئے اور ڈاکٹر نصیر کے چکر شروع ہوگئے ڈاکٹر نصیر رشتے میں پروین کے کزن تھے اس کی تیمارداری اور علاج کے لیے پروین کے والدین نے ان سے مشورہ لینا مناسب سمجھا ان کی موجودگی اکسیر کارگر ثابت ہوئی کہ پروین قدرے سنبھلنے لگی اور ایک دن اس خوبرو جوان کا رشتہ گیا انہیں رشتے کی تلاش بھی تھی، پروین کا رویہ بھی مثبت تھا والدین کو نصیر فطرتاً پسند بھی تھے نصیر شریف النفس اور کم گو ہونے کے ساتھ ایڈورڈ سے ایم بی بی ایس کی ڈگری بھی حاصل کرچکے تھے ان کا مستقبل روشن نظر آرہا تھا اس لیے بغیر کسی حیل وحجت کے 1976ء میں رشتے کی کامیابی کے لیے دعائے خیر پڑھی گئی۔

یاسمین کنول...... پسرور

یہ نہ بھٹکیں کہیں بے راہ مسافر کی طرح
میرے الفاظ کو دانائی و بینائی دے
مجھ کو سوغات محبت کی عطا ہو یا رب
میرے کردار کو گفتار کی رعنائی دے

ارم ریاض...... برنالی

خیال انہی کے آتے ہیں جن سے دل کا رشتہ ہو
ہر شخص سے محبت ہو جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

ثنا رسول ہاشمی...... صادق آباد

جب تیری یاد میں مصرعہ کوئی لکھنے بیٹھا
میں نے کاغذ پہ بھی چھالوں کا گلستاں دیکھا
تو نے دیکھا ہے منڈیروں پہ چراغوں کو فقط
میں نے جلتا ہوا ہر دور میں انساں دیکھا

کبریٰ مہتاب رانا...... بوسال سکھا

کمال انتخاب ہے میرا
تم اپنی ہی مثال لے لو

سامعہ ملک پرویز...... بھیرہ خانپور ہزارہ

اوڑھ لیتا ہے قبا اداسیوں کی
میرا درد شناس ہے یہ بارشوں کا موسم

عابدہ مغل...... بھیر کنڈ مانسہرہ

دل پاک نہیں تو پاک ہو نہیں سکتا انسان
ورنہ ابلیس کو بھی آتے تھے وضو کے فرائض بہت

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

خواب ہوتے جاتے ہیں شہر دل کے سب موسم
اب کہاں وہ نیند اپنی، اب کہاں وہ رات اپنی

نورالشال بہزادی...... قصور

اک خواب ہم نے دیکھا تھا
وہ خواب ہم سے چھن گیا

ابھی کھیلنے کے دن تھے
اک بچہ پھر دہشت گردی کی نذر ہو گیا

عارف ہادی...... کے پی کے

لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تیرا یار کیسا ہے
نگینوں میں وہ ہیرا ہے چنبیلی پھول جیسا ہے

فوزیہ تحریم...... منڈی فیض آباد

کہنے والے کا کچھ نہیں جاتا
سہنے والے کمال کرتے ہیں

فصیحہ آصف خان...... ملتان

تم جان ہو، تم زندگی ہو تم میرا اقرار ہو
تم چاند ہو، ستارہ ہو، جگنو ہو بہار ہو

لائبہ میر...... حضرو

عکس آئینے سے چرایا جاسکتا ہے
مجھ کو سایہ چھوڑ کہ جا سکتا ہے
مجھ ناکام سے پوچھتے ہیں فرہاد اور مجنوں
عشق میں کتنا نام کمایا جاسکتا ہے

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ، ڈسکہ

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا ترا مکان ہے کچھ تو خیال کر

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

کمرے کا میرے حال تیرے بعد یہ ہوا
دیوار و در خاموش ہیں پردے اداس ہیں
جس کی گھنیری چھاؤں میں بیٹھے تھے ہم کبھی
اب اس درخت کے بھی پتے اداس ہیں

مشی خان...... مانسہرہ

جو آنا چاہو ہزار رستے، نہ آنا چاہو عذر ہزار
مزاج برہم، طویل راستہ، برستی بارش، خراب موسم

تھری اسٹار گروپ...... بھیر کنڈ مانسہرہ

لوگ دیوانے ہیں بناوٹ کے
ہم کہاں جائیں سادگی لے کر

علشہ نور...... بھیر کنڈ

یوں مجھ ناچیز پر ظلم مت کریں

ورنہ میں بھی بتا دوں گا کہ میں کیا چیز ہوں

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

دوستوں کی زبان تو کھلنے دو محسن
بھول جاؤ گے زخم خنجر کے

ملالہ اسلم...... خانیوال

قطرہ شبنم کی طرح اڑ جائیں گے گل سے کسی روز
تیرے گلشن میں بس ہماری یادیں رہ جائیں گی

انیلا طالب...... گوجرانوالہ

اتنی نایاب چیز کا اتنے سستے سے بکنا یہ راز کھول گیا انیلا
ضرور کسی مجبور کی مجبوری کی قیمت لگی ہوگی

کرن شہزادی...... مانسہرہ

یاد آتے ہو کس سلیقے سے
جیسے بارش ہو وقفے وقفے سے

ارم کمال...... فیصل آباد

عشق قاتل سے بھی مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو بھی ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا

فری خان...... مانسہرہ

ہمارے شہر آجاؤ سدا برسات رہتی ہے
کبھی بادل برستے ہیں کبھی آنکھیں برستی ہیں

انیقہ احمد...... تلہ گنگ

یہ سنگ دلوں کی دنیا ہے یہاں سنتا نہیں فریاد کوئی
یہاں ہنستا ہے کوئی اس وقت جب ہوتا ہے برباد کوئی

منال...... برنالی

میری آرزو تمہی سے ہے
میری سادگی تمہی سے ہے
تم مجھ سے نہ دور ہونا
میری زندگی تمہی سے ہے

شاہ زندگی...... راولپنڈی

میری آنکھوں میں خوابوں کا اب بسیرا نہیں
جو گھر بنائے تھے وہ تو ٹوٹ گئے

مدیحہ کنول...... سرور چشتیاں

ٹوٹا تو ٹکڑے اتنے کہ سمیٹے نہ جاسکیں
بتاؤ اس غم دل کا مداوا کیسے ممکن ہے

طیبہ خاور...... عزیز چک وزیر آباد

ممکن نہیں کہ وہ مجھے بھلا دے گا
وہ تو ہر دم مجھے دعا دے گا
پیار دیا ہے اس قدر اس کو میں نے
کس طرح وہ کسی اور کو میری جگہ دے گا

عائشہ اعوان...... منڈی بہاؤالدین

دکھ تو یہ ہے ساری دنیا ہے
میں نہیں ہوں میری کہانی میں

شاعر ریاض چوہدری...... بوسال سکھا

میری قامت کی بلندی کا گلہ ہے سب کو
ورنہ دنیا میں کسی سے میرا جھگڑا کیا ہے؟

نجیلہ جاوید...... خواجگان مانسہرہ

عادت مجھے اندھیروں سے ڈرنے کی ڈال کر
اک شخص میری زندگی میں شام کرگیا

غزالہ شوکت......

جانے کس بات پہ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے اے دل
میں تو مخلص تھا کسی ماں کی دعاؤں کی طرح

عائشہ رحمان ہنی...... مری

میں تجھے پا نہیں سکتا اس لیے تجھے چھوڑ رہا ہوں ہنی
وہ شخص انکار کر بھی رہا تھا تو کس نفاست کے ساتھ

صباء زرگر، ذکا زرگر...... جوڑہ

میری آنکھیں بھی ایک دن مجھ سے کہہ دیں گی فراز
خواب نہ اس کے دیکھا کرو ہم سے ہر رات رویا نہیں جاتا

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

شاہی زردہ

چاول	آدھا کلو
چینی	دو کپ
الائچی	پندرہ عدد
لونگ	دس عدد
مربہ	ایک کپ
ناریل	ایک چوتھائی کپ
کشمش	ایک چوتھائی کپ
چھوارے	دس عدد
بادام	ایک چوتھائی کپ
کھویا	ایک پاؤ
دودھ	آدھا کپ
گھی	ایک کپ

ترکیب:۔

چاولوں کو بھگو کر ابال لیں ساتھ ہی تین الائچی، تین لونگ اور پیلا رنگ شامل کریں ایک کنی کچے رہ جائیں تو چھان لیں۔ اب چاولوں پر چینی ڈال کر مکس کرلیں۔ گھی میں باقی لونگ، الائچی ڈال کر اس میں تمام چیزیں ڈال کر مکس کر کے دودھ ڈالیں۔ دس منٹ دم دے کر پیش کریں۔

طلعت نظامی......کراچی

جنجر چکن ودھ رائس

مرغی کا گوشت	ایک کلو (بون لیس)
ادرک (سلائس کاٹ لیں)	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن (چوپ کرلیں)	ایک کھانے کا چمچ
چلی آئل	تین سے چار کھانے کے چمچ
شملہ مرچیں	دو عدد (لمبائی میں کاٹ لیں)
چاول (ابال لیں)	تین کپ
چلی گارلک سوس	آدھا کپ
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچیں (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
سیاہ مرچیں (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
کارن فلور (تھوڑے پانی میں حل کرلیں)	ایک چائے کا چمچ
کیچپ	آدھا کپ
گاجر (لمبائی میں کاٹ لیں)	ایک عدد
ہری پیاز (چوپ کرلیں)	ایک پیالہ عدد (گارنشنگ کے لیے)

ترکیب:۔

کڑاہی میں چلی آئل گرم کر کے اس میں ادرک کے سلائسز ڈال کر فرائی کریں۔ خوشبو آنے لگے تو لہسن اور گوشت شامل کر کے فرائی کریں۔

گوشت کی رنگت سفید ہوجائے تو کٹی ہوئی لال مرچیں، کٹی ہوئی سیاہ مرچیں، کیچپ، چلی گارلک سوس اور سویا سوس ڈال کر مکس کریں۔ آدھا کپ پانی ملا دیں۔ ابال آجائے تو شملہ مرچیں، گاجر اور کارن فلور ڈالیں۔ گاڑھا ہونے تک پکائیں۔

گاڑھا ہونے پر اس کو مکس کریں اور بیکنگ ڈش میں نکال کر تھوڑی ہری مرچیں چھڑک دیں۔ چکن ویجی ٹیبل کے اوپر چاولوں کی تہہ لگائیں اور اس کے اوپر چلی آئل چھڑک دیں۔ پہلے سے گرم اوون میں ایک سو اسی ڈگری سینٹی گریڈ پر دس منٹ تک بیک کریں۔ ہری پیاز چھڑک کر گرم گرم سرو کریں۔

ربیعہ منہاج......ملیر کراچی

سی فوڈ بریانی

مچھلی	آدھا کلو
جھینگے	آدھا کلو
چاول	تین پیالی
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد درمیانی
ٹماٹر	تین عدد درمیانے
پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ	چند دانے
ثابت رائی	آدھا چائے کا چمچ

کڑی پتہ	چند پتے
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
آئل	آدھی پیالی

ترکیب:۔

مچھلی کو چوکور بوٹیوں میں کاٹ لیں اور جھینگوں کو صاف کر کے دھولیں۔ پین میں آئل دو سے تین منٹ ہلکا گرم کریں اس میں میتھی دانہ، رائی، کڑی پتہ اور ہری مرچیں ڈال کر کڑکڑائیں، پھر پیاز ڈال کر سنہرا ہونے تک فرائی کریں۔ لہسن ادرک اور ٹماٹر ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں اور تیل علیحدہ ہوجائے۔

نمک، لال مرچ، ہلدی اور دھنیا ڈال کر ہلکا سا پانی کا چھینٹا ڈال کر بھونیں، مچھلی کی بوٹیاں اور جھینگے ڈال دیں۔ تین سے چار منٹ پکا کر احتیاط سے مچھلی کو علیحدہ نکال لیں اور اس مصالحے میں چاول ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ تین سے چار پیالی پانی ڈال کر پکنے رکھ دیں۔ ڈھک کر درمیانی آنچ پر پانی خشک ہونے تک پکائیں، اوپر سے مچھلی اور جھینگے رکھ کر ہلکی آنچ پر پانچ سے سات منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

صباعیشل...... بھاگووال

کبابی قیمہ

مٹن کا قیمہ	آدھا کلو
پپیتا	ایک کھانے کا چمچ
لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
دہی	ایک کپ
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد

ترکیب:۔

قیمے میں پپیتا، لہسن ادرک، نمک، لال مرچ، گرم مصالحہ اور دہی مکس کرکے رکھیں۔ تیل گرم کرکے پیاز فرائی کرلیں۔ پھر اس میں قیمہ ڈال کر پکائیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو اچھی طرح بھون لیں۔ اب بیسن اور سفید زیرہ شامل کرکے مکس کریں۔ آخر میں ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ گرم گرم پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

ملائی کوفتے

کوفتے کے اجزاء:۔

گائے کا قیمہ	300 گرام
پسی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
چاول	ایک کھانے کا چمچ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
خشخاش	دو کھانے کے چمچ
بھنے ہوئے چنے	دو کھانے کے چمچ
پسی ہوئی ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ

سالن کے اجزاء:۔

پسا ہوا لہسن ادرک	دو کھانے کے چمچ
چھوٹی اور بڑی الائچی	ایک، ایک عدد
ہری مرچیں، پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک پیالی
ملائی	ایک پیالی

سجانے کے لئے:۔

ٹماٹر (بلینڈر کیے ہوئے)	آدھی پیالی
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
پسی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
قصوری میتھی	دو چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	چوتھائی پیالی

ترکیب:۔

بلینڈر میں چنے، چاول اور خشخاش کو باریک پیس لیں۔ قیمہ، پسا ہوا مصالحہ اور کوفتے کے باقی اجزاء بلینڈر میں یکجان کرکے پیالے میں نکال لیں اور ایک کھانے کا چمچ ملائی شامل کردیں اس آمیزے کے چھوٹے چھوٹے کوفتے بنالیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز سنہری کریں اور سالن کے تمام اجزاء ڈال کر تیل اوپر آنے تک پکائیں اس میں ایک ایک کرکے کوفتے ڈالیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں۔ سالن گاڑھا ہوجائے اور کوفتے پک جائیں تو باقی ملائی ملا کر دم پر رکھ دیں۔ کوفتے ڈش میں نکالیں، قصوری میتھی چھڑکیں اور ملائی سے سجا کر پیش کریں۔

حنا طاہر...... کوٹ ادو

اسپیشل بونگ نہاری

بونگ کا گوشت	آدھا کلو
یخنی	ڈیڑھ لیٹر
ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچ
نہاری مصالحہ	دو کھانے کے چمچے
بڑی پیاز	دو عدد
میدہ	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت
ادرک	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
ہری مرچیں	حسب ضرورت
لیموں	حسب ضرورت

ترکیب:۔

پہلے حسب ضرورت میدے کو اچھی طرح بھون لیں۔ ایک پین میں حسب ضرورت تیل گرم کرکے دو عدد بڑی پیاز کو براؤن کرلیں۔ اب اس میں دو کھانے کے چمچے ادرک لہسن کا پیسٹ اور گوشت ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ اس کے بعد دو کھانے کے چمچے نہاری مصالحہ ڈال کر ایک سے دو منٹ تیز آنچ پر بھونیں اور یخنی شامل کرلیں۔ جب گوشت گل جائے تو میدہ پانی میں گھول کر تھوڑا تھوڑا شامل کریں اور مکس کرلیں۔ جب گریوی گاڑھی ہوجائے تو پیاز کا بگھار لگائیں اور تمام چیزیں حسب ضرورت گارنش کرکے سرو کریں۔

بھنے ہوئے بینگن

بینگن (چھلکے اتار کر چھوٹے کاٹ لیں)	ایک کلو
آئل	۶ چمچ
ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے)	آدھا کلو
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	۶ عدد
کڑی پتہ	۵،۶ عدد
کٹی ہوئی مرچ	ڈیڑھ کھانے کے چمچ
پسی ہوئی مرچ	ڈیڑھ کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
میتھی کلونجی	حسب ضرورت
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
لہسن ادرک (پسا ہوا)	آدھا چمچ
پیاز	ایک عدد درمیانی سائز
زیرہ	تھوڑا سا

ترکیب:۔

سب سے پہلے آپ ایک دیگچی لے کر اس میں آئل ڈال دیں جب تیل تھوڑا گرم ہوجائے تو اس میں کٹی ہوئی پیاز شامل کردیں جیسے ہی پیاز براؤن ہوجائے اس میں آپ کڑی پتہ اور زیرہ شامل کردیں اور پھر ٹماٹر ڈال دیں اور میتھی کلونجی بھی شامل کردیں پھر ڈھکن رکھ کر پانچ منٹ تک پکنے دیں۔ پھر ڈھکن کھولیں چمچ کی مدد سے اسے چلائیں پھر اس میں نمک، ہلدی، کٹی ہوئی مرچ، پسی ہوئی مرچ اور ہری مرچ شامل کرکے تھوڑی دیر تک چمچ کی مدد سے بھونیں پھر اس میں کٹے ہوئے بینگن شامل کردیں اور بینگن گلنے تک پکائیں۔ لیجیے مزیدار بھنے ہوئے بینگن تیار ہیں۔

مسز عثمان...... کراچی

شاہی ٹکڑے

ڈبل روٹی	بارہ بڑے سلائس
دودھ	دو کلو
چینی	ایک سے ڈیڑھ پاؤ
کھانے کا پیلا رنگ	تھوڑا سا
زعفران	ایک چائے کا چمچ
بادام، پستہ	چھڑکنے کے لیے
کھویا	پانچ سو گرام

ترکیب:۔

دودھ میں کھانے کا رنگ، زعفران اور چینی ڈال کر پکائیں اور کھویا ڈالیں چار سو گرام اور گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ ڈبل روٹی کے کنارے کاٹ دیں اور سلائس کر تکون کاٹ لیں ایک سلائس کے دو تکون بنالیں۔ اس کو ڈیپ فرائی کرلیں گرم آئل میں اور براؤن ہونے پر نکال لیں اب ٹرے میں کھوئے والا دودھ ڈالیں اس پر ڈبل روٹی کے سلائس رکھیں پھر اس پر کھوئے والا دودھ ڈالیں اور پھر اوپر سے کھویا اور بادام پستہ اور چاندی کا ورق لگا کر پیش کریں۔

سدرہ شاہین...... پیرووال

خشک جلد کے لیے کیلے اور دہی کا ماسک

کیلے کا ماسک خشک جلد کے لیے بہت مفید ہے کیونکہ یہ ماسک جلد کو قدرتی نمی اور موئسچرائزر فراہم کرتا ہے یہ ماسک چہرے پر لگانے سے پہلے چہرے کو دھو کر اچھی طرح خشک کرلیں ماسک بنانے کا طریقہ کچھ یوں ہے مسلا ہوا کیلا پاؤڈر کا دودھ اور ایک ٹی اسپون شہد کو ملا کر پیسٹ تیار کرلیں پھر چہرے اور پوری گردن پر لگائیں اس کے بعد ململ کے باریک کپڑے سے چہرے کو ڈھانپ لیں پندرہ منٹ کے بعد چہرہ اور گردن دھولیں پھینٹا ہوا دہی اور شہد ملا کر کیلے کے ماسک کی طرح لگائیں دہی کا ماسک جلد میں نمی پیدا کرتا ہے ساتھ ہی رنگت بھی نکھارتا ہے کیل مہاسے اور چکنی جلد کے لیے یہ ماسک بہت نقصان دہ ہے ہاں خشک جلد والے اس ماسک کو استعمال کریں چکنی جلد کے ماسک کے لیے ایک پیالی میں انڈہ توڑ کر سفیدی نکال لیں زردی الگ کردیں سفیدی میں چند قطرے لیموں کے عرق کے ملالیں پھر ٹی اسپون کی مدد سے اتنا پھینٹیں کہ پیالی میں سفید جھاگ بن جائیں اب اسے چہرے پر لگائیں جب خشک ہوجائے تو ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں چکنی جلد کے لیے نہایت مفید ماسک ہے، نارمل جلد کا ماسک ایک حصہ خشک پاؤڈر دودھ اور ایک حصہ کچی ملتانی مٹی لے کر اس میں زیتون کا تیل ملالیں اس طرح کے نرم انداز کا پیسٹ تیار ہوجائے اب اسے چہرے پر لگا کر پندرہ منٹ انتظار کریں پھر اتار کر منہ دھولیں نارمل جلد کے لیے بہترین ماسک ثابت ہوگا اس سے چہرہ بشاش اور دمکنے لگتا ہے۔

جلد چمکانے والی 8 غذائیں

چمکدار صحت مند اور لچکدار جلد کے حصول کے لیے بازار میں ڈھیروں کریمز اور لوشنز دستیاب ہیں لیکن جو چمک انسان کے اندر سے اس کے چہرے پر نمودار ہوتی ہے وہ نہ صرف پائیدار ہوتی ہے بلکہ انسان کی خوب صورتی میں چار چاند بھی لگادیتی ہے مختلف غذاؤں میں موجود اینٹی آکسیڈنٹ ہماری جلد کو صحت مند بناتے ہیں اسی طرح مختلف غذائیں جلد کو مسحور کن تازگی عطا کرتی ہیں۔

بلیو بیری:

ان کا ذائقہ تو اچھا ہوتا ہی ہے۔ یہ کم کیلوریز کی وجہ سے کیلوریز سے خائف خواتین کے لیے بہترین انتخاب ہے ان میں موجود اینٹی آکسیڈنٹ عمر رسیدگی کے اثرات کو کم کرتا ہے۔ بلیو بیری کا جوس پیجیے یا بلیو بیری کو دہی میں اپنے پسندیدہ پھل کے ساتھ ملا کر کھائیے۔ بلیو بیری دلیے کے ساتھ بھی اچھا کمبی نیشن بناتی ہیں اور جلد چمکدار اور صحت مند ہوتی ہے۔

پالک:

اس میں جلد کو فائدہ پہنچانے والے لوٹیسن، وٹامن BCE پوٹاشیم، کیلشیم فولا، میگنشیم اور اومیگا تھری فیٹی ایسڈ پائے جاتے ہیں۔ انہی اہم اشیاء پر مبنی پالک سے جلد چمک اٹھتی ہے۔

اخروٹ:

دن بھر میں صرف ایک اونس اخروٹ کا استعمال آپ کی صحت اور خوب صورتی دونوں کے لیے مفید ہے۔ اخروٹ کھانے سے بال اور آنکھیں چمکدار اور روشن ہوتے ہیں۔ جلد ملائم ہوجاتی ہے اور ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ روزانہ اپنی خوراک میں اخروٹ شامل کرنے سے وزن کنٹرول ہوتا ہے اور دماغ تیزی سے کام کرتا ہے۔ آپ اخروٹ سادہ کھائیے یا پھر سلاد اور پاستا میں ملا کر نوش کریں۔ اخروٹ میں پروٹین اومیگا تھری فیٹی ایسڈ وٹامن E فائبر اور اینٹی آکسیڈنٹس پائے جاتے ہیں۔

کیوی:

اس پھل میں ایسے اینٹی آکسیڈنٹس شامل ہیں جو جلد

کو جوان رکھتے ہیں اور جھریوں سے بچاتے ہیں۔ کیوی وٹامن C سے بھرپور ہوتا ہے جو بائو کا خاتمہ کرتا ہے اور مدافعاتی نظام کو بہتر بناتا ہے۔ کیوی میں چکنائی سے مبرا اور نایاب وٹامن E بھی پایا جاتا ہے۔ جو کولیسٹرول کی سطح کم کرتا ہے۔ کیوی کا جوس نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ آپ کیوی سلاد دہی اور فروٹ چاٹ میں بھی استعمال کرسکتی ہیں۔

ہلدی:

یوں تو ہلدی کھانوں کا ذائقہ اور رنگت بڑھانے کے لیے استعمال ہوتی ہے لیکن یہ صحت اور خوب صورتی کے حصول کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ اس میں موجود جراثیم کش عناصر اسے بہت اہم بناتے ہیں۔ ہلدی چہرے پر موجود داغ دھبوں کو ہلکا کرتی ہے اور مردہ خلیات صاف کرتی ہے۔ ہلدی بالوں کی صحت کے لیے بھی مفید ہے یہ چکنی جلد کو کنٹرول کرتی ہے۔

ناریل کا پانی:

وزن گھٹانے میں ناریل کے پانی کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ کھانے کی اشتہاء کو کم کرتا ہے اور آپ خود کو سیر پاتے ہیں ناریل کا پانی جلد کو نرم وملائم کرتا ہے۔ جھائیاں صاف کرتا ہے۔ کیل مہاسوں کو کنٹرول کرتا ہے۔

گیہوں کی گھاس:

یہ گھاس آپ اپنے گھر میں اُگا سکتی ہیں۔ چند درجن گندم کے دانے مٹی میں ڈال کر پانی دے دیں۔ مسلسل پانی دینے سے گھاس اُگ جائے گی جو Wheat Grass کہلاتی ہے اس کے جوس میں مختلف وٹامن' امینوایسڈ' جگر کے انزائم کیلورفائل II پائے جاتے ہیں۔ یہ عمررسیدگی کے اثرات کو کم کرتی ہے۔ جسم کے اندر اور باہر موجود تکلیف رفع کرتی ہے۔ دانتوں کے درد سے نجات دلاتی ہے۔ بال سفید ہونے سے بچاتی ہے۔

مالٹے:

اس میں موجود سٹرس لیمونوئیڈز مختلف طرح کے سرطان کے خلاف لڑتے ہیں۔ جس میں چھاتی پھیپھڑوں' جلد پیٹ اور بڑی آنت کا سرطان شامل ہے۔ مالٹے کا رس گردوں کے امراض سے محفوظ رکھتا ہے اور پتھری بننے کے عمل میں رکاوٹ بنتا ہے۔ مالٹے کا چھلکا چہرے پر ملنے سے چہرے کی صفائی ہوتی ہے۔ مالٹا کھانے سے بیٹا کیروٹین ملتا ہے جس میں موجود اینٹی آکسیڈنٹ جلد کے خلیات کو نقصان پہنچنے سے بچاتے ہیں۔

خوب صورت پاؤں شخصیت کا آئینہ

نرم وملائم اور خوب صورت پاؤں آپ کی شخصیت کو چار چاند لگادیتے ہیں، اس کے لیے ایک کپ گلاب کا عرق، ایک بڑا چمچ گلیسرین، ایک عدد لیموں کا رس، ایک چمچ گیندے کے پھول کا رس لیں۔

ان سب چیزوں کو کسی شیشی میں ڈال کر خوب ملائیں اور ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں، نہانے کے بعد روئی سے پاؤں پر یہ لوشن لگالیں رات کو سوتے وقت بھی اس کا استعمال فائدہ مند ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ دودھ سے بنا ہوا ایک لوشن بھی پاؤں کے لیے بہت مفید ہے اس کے لیے ایک چوتھائی کپ تازہ دودھ ایک چھوٹا چمچ بورک پاؤڈر اور ایک چمچ بادام یا زیتون کا تیل اور ایک چمچ شہد ان سب کو ملالیں اور روئی سے پاؤں پر لگائیں دس منٹ کے بعد پاؤں دھولیں۔

صرف سرسوں کے ہلکے گرم تیل میں نمک ملا کر مساج کرنے سے بھی پاؤں صاف ستھرے رہتے ہیں۔

✿

غزل

ہم نے شکست کھا کے بھی ذکر وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا خود کو فدا نہیں کیا
کیسے کہیں کہ اس کو بھی ہم سے کوئی لگاؤ ہے
اس نے تو ہم سے آج تک کوئی گلہ نہیں کیا
مجھ کو یہ ہوش ہی نہ تھا تو میرے بازوؤں میں ہے
یعنی تجھے ابھی تلک میں نے رہا نہیں کیا
جانے تری نہیں کے ساتھ کتنے جبر تھے کہ تھے
میں نے تیرے لحاظ میں ترا کیا نہیں کیا
جو بھی ہو تم پہ معترض اس کو یہی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں آپ نے کیا نہیں کیا
خیرہ سران عشق کا کوئی نہیں ہے جنبہ دار
شہر میں ایک گروہ نے کسی کو خفا نہیں کیا

شاعر: جون ایلیا

انتخاب: سیدہ حیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

غزل

دیکھ کس گھات سے گزرتا ہوں
روز اک مات سے گزرتا ہوں
آ پڑے ہیں سراب راہوں میں
رات ہی رات سے گزرتا ہوں
بھیگتی ہیں غزال آنکھیں جب
میں جب برسات سے گزرتا ہوں
درد فریاد سی اٹھاتے ہیں
جب تری بات سے گزرتا ہوں
شام رخصت رُلا گئی مجھ کو
روز صدقات سے گزرتا ہوں

شاعر: احمد فراز برق

نامعلوم...... ہری پور ہزارہ

موسم

اب آیا ہے خوشیاں منانے کا موسم
بساط محبت بچھانے کا موسم
گلستاں گلستاں چٹکتی ہیں کلیاں
یہ موسم ہے غنچے کھلانے کا موسم
فضاؤں میں مستی سی چھائی ہوئی ہے
ہے پھولوں سے آنگن سجانے کا موسم
بڑی نرم رو ہے یہ باد بہاری
ہے صحرا میں سبزہ اگانے کا موسم
کھنکتے ہیں کنگن بھرے بازوؤں میں
ہے پاؤں میں پائل سجانے کا موسم
میں آہٹ پر تیری سمٹ سی گئی ہوں
ہے گستاخیوں سے ستانے کا موسم
میں چن چن کے کلیاں شفق رکھ رہی ہوں
پھر آیا ہے گجرے بنانے کا موسم

شاعرہ: نیئر رانی شفق

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

اسے یہ شوق کہ محبت کی بھیک میں مانگوں
میری یہ ضد کہ تقاضہ میرا اصول نہیں
اسے یہ شوق کہ اس کی ہوئی ساری ضدیں پوری
مجھے یہ ضد کہ رسوائی مجھے قبول نہیں
اسے یہ شوق کہ ساری چاہتیں اسے دوں وہ لوٹا دے
میری یہ ضد میری چاہتیں اتنی فضول نہیں
اسے یہ شوق کانٹے نہ لگیں ہاتھوں پر
میری یہ ضد کہ قسمت میں صرف پھول نہیں
اسے یہ شوق کہ ہنس کے سہوں ساری تکلیفیں
میری یہ ضد کہ میرا پیار کوئی اڑتی دھول نہیں

شاعرہ: لاریب انشال

انتخاب: مشی خان...... مانسہرہ

غزل

کبھی عجیب سا سپنا دکھائی دیتا ہے
مجھے وہ کس قدر اپنا دکھائی دیتا ہے
مجھے تو روشنی نے روند ڈالا
اجالا خود پہ اب ہنستا دکھائی دیتا ہے

نظر میں راستے رکھتی ہیں کیسے؟
اندھیرے میں کہاں رستہ دکھائی دیتا ہے
مجھے پہچان کب ہے دشمنوں کی
مجھے ہر ایک اپنا دکھائی دیتا ہے
اتنے خواب میں رکھوں کہاں گل
آنکھوں میں کوئی کونا دکھائی دیتا ہے

شاعرہ: سباس گل
انتخاب: سحاب عاشو...... سرگودھا

غزل

اس کی آنکھوں میں محبت کا ستارہ ہوگا
ایک دن آئے گا وہ شخص ہمارا ہوگا
تم جہاں میرے لیے سیپیاں چنتی ہوگی
وہ کسی اور ہی دریا کا کنارہ ہوگا
زندگی اب کہ مرا نام نہ شامل کرنا
گر یہ طے ہے کہ یہی کھیل دوبارہ ہوگا
جس کے ہونے سے مری سانسیں چلا کرتی تھیں
کس طرح اس کے بغیر اپنا گزارہ ہوگا
یہ اچانک جو اجالا سا ہوا جاتا ہے
دل نے چپکے سے تیرا نام پکارا ہوگا
عشق کرنا ہے تو دن رات اسے سوچنا
اور کچھ ذہن میں آیا تو خسارہ ہوگا
یہ جو پانی میں چلا آیا سنہری سا غرور
اس نے دریا میں کہیں پاؤں اتارا ہوگا
کون روتا ہے یہاں رات کے سناٹوں میں
میرے جیسا ہی کوئی ہجر کا مارا ہوگا
مجھ کو معلوم ہے جونہی میں قدم رکھوں گا
زندگی تیرا کوئی اور کنارہ ہوگا
جو مری روح میں بادل سے گرجتے ہیں وصی
اس نے سینے میں کوئی درد اتارا ہوگا
کام مشکل ہے مگر جیت ہی لوں گا اس کو
میرے مولا کا وصی جونہی اشارہ ہوگا

شاعر: وصی شاہ
انتخاب: اقرا افضل جت

ساحل کا سوالی

لاش ساحل پہ
خواہش

کس کی پڑی ہے
ایسی لاشوں کی تعداد
کتنی بڑی ہے
قافلے کتنے
موجوں کے رحم وکرم پر
مہینوں سے بے سمت
محو سفر
اپنے سمت سفر
اپنی منزل سے بھی
بے خبر
بندان کے لیے ان ممالک در
جو سمجھتے ہیں خود کو
وکیل حقوق بشر
ایک ایلان کردی نہیں
اب ہزاروں کی منزل ہے
جو بے رحم موجوں سے لڑتے ہوئے
آخری سانس تک
گردش بے ثمر
ہیں کہاں عالمی داد گر
امت مسلمہ کے کہاں معتبر
یورپی ساحلوں پر پڑی
لاش سائل ہے
امت کے ہر معتبر سے
کہ اب مجھ کو
صرف ایک ٹکڑا
کفن چاہیے
اور ممکن ہو تو
ایک انسان کے لائق
دفن چاہیے
پوری امت سے
اس کہ سوا
کچھ نہیں مانگتی

شاعر: بین صحرائی
انتخاب: نور الشال شہزادی

سنو جاناں
میری خواہش ہے
کہ اک گھر ہو
جس میں
تم ہو میں ہوں اور محبت ہو
محبت ہمارے دلوں میں کرے بسیرا
اور ہم محبت کے ساتھ
طویل سفر کریں
اتنا طویل کہ
پھر اس سفر میں جاناں
سانسوں کی ڈور تھم جائے
زندگی تمام ہوجائے
مگر محبت کبھی ختم نہ ہو

شاعر: نوشین اقبال نوشی
انتخاب: مانو جگنو..... کوٹ چوغطہ

غزل

اپنے ہونٹوں پہ سجانا چاہتا ہوں
آ تجھے میں گنگنانا چاہتا ہوں
کوئی آنسو میرے دامن پہ گرا کر
بوند کو موتی بنانا چاہتا ہوں
بڑھ گئی اس حد تلک بے اعتمادی
تجھ کو تجھ سے بھی چھپانا چاہتا ہوں
تھک گیا میں کرتے کرتے یاد تجھ کو
اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں
آخری ہچکی تیرے زانو پہ آئے
موت بھی شاعرانہ چاہتا ہوں
رہ گئی تھی کمی رسوائیوں میں
پھر قتیل اس در پہ جانا چاہتا ہوں

شاعر: قتیل شفائی
انتخاب: عائشہ رحمان ہنی..... مری

غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشاروں ہی میں گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلہ ملامت اقربا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی ایسی بات اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم کو بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
سنو ہو گئی سال کا کہ کیا ایک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شاعر: حکیم مومن خان مومن
انتخاب: کرن شہزادی..... مانسہرہ

غزل

دل بہلنے کی نہیں کوئی سبیل
جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل
ڈالتا ہوں اپنے ماضی پر نگاہ
گاہے گاہے کھینچتا ہوں سرد آہ
کس طرح اب دل کی رہ پر لاؤں میں
کس بہانے سے اسے بہلاؤں میں
سب کو محو خواب راحت چھوڑ کے
نیند آتی ہے شبستاں میں مرے
مجھ کو سوتے دیکھ کر آتا ہے کوئی
میرے سینے سے چمٹ جاتا ہے کوئی
کم نگاہی اقتضائے سال و سن
کیا ہوئی تھی بات جانے ایک دن
بند اپنا آنا جانا ہوگیا
اور اس پر ایک زمانہ ہوگیا
تم غلط سمجھے ہوا میں بدگماں
دیکھتا ہوں آ کے کثر ہوش میں

کوئی ظالم ہے میری آغوش میں
خود کو تنہا ہی مگر پاتا ہوں میں
پھر گھڑی بھر بعد سو جاتا ہوں میں
پھر کسی کو دیکھتا ہوں خواب میں
اس دفعہ پہچان لیتا ہوں تمہیں
بھاگ جاتے ہو قریب صبح دم
چھوڑ دیتے ہو، ہمیں رنج و غم
مجھ کو تو تم سے عشق تھا مدت ہوئی
ان دنوں تم کو بھی الفت مجھ سے ہوئی
دل یہ کہتا ہے کہ دیکھو تو سہی
جس میں اترا تھا ہمارا کارواں
اب بھی ممکن ہے وہ خالی ہو مکاں
آج تک دیتے رہے دل کو فریب
اب نہیں ممکن ذرا تاب شکیب

شاعر: ابن انشاء
انتخاب: منزہ عطا...... کوٹ ادو

ہم نشین آؤ چلیں

ہم نشین آؤ چلیں
ہو رہی ہے گہری شام
اور دل ناشاد میں
جاگ اٹھے ہیں وہ زخم
جن سے رستا ہے لہو
ہم نشین آؤ چلیں
اس بھری دنیا سے دور
اپنی وحشت کو سمیٹے
اس بھری خلقت سے دور
ہم نشین یہ زندگی بھی بوجھ ہے
ہم اسے مل کر اٹھا سکتے ہیں
یہ سفر بھی ایک ایسا راز ہے
جو کسی کو ہم بتا سکتے نہیں
ہم نشین چلتے رہیں چلتے رہیں
اس کنارے زندگی کی شام ہے
گر کوئی آواز ہم کو روک لے
سن کے اس آواز کو چلتے رہیں
میں نے اپنے درد کو سمجھا نہیں
تم نے اپنی بے بسی کو پالیا
ہم نشین آؤ چلیں

شاعر: طاہر مسعود
انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ہونٹ بے بات ہنسے
زلف بے وجہ کھلی
خواب دکھا کے مجھے
نیند کس سمت چلی
خوشبو لہرائی میرے کان میں سرگوشی کی
اپنی شرمیلی ہنسی میں نے سنی
اور پھر جان گئی
میری آنکھوں میں
تیرے نام کا تارا چمکا

شاعرہ: پروین شاکر
انتخاب: شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

غزل

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں
مرا رنگ روپ بگڑ گیا، مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں، کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آکے شمع جلائے کیوں، میں وہ بیکسی کا مزار ہوں
میں نہیں ہوں نغمۂ جانفزا، مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے بروگ کی ہوں صدا میں بڑے دکھوں کی پکار ہوں

شاعر...... محمد سراج الدین ظفر
انتخاب...... طلعت نظامی

alam@aanchal.com.pk

شوخئ تحریر

ہما ذوالفقار

بشر حافیؒ کا قول

"تین چیزیں سب سے مشکل ہیں تنگ دستی کے وقت سخاوت، تنہائی میں تقویٰ و پرہیزگاری اور اس شخص کے سامنے سچی بات کہنا جس سے تم ڈرتے ہو۔"

مشا علی مسکان...... کمر مشانی

مہکتی کلیاں

دل ہزار خوب صورت چہروں سے بہتر ہوتا ہے۔ اس لیے زندگی میں ایسے لوگوں کو چنو جن کے چہرے سے زیادہ دل خوب صورت ہو۔

نفرت کو ہزار موقع دو کہ وہ محبت بن جائے لیکن محبت کو ایک موقع بھی نہ دو کہ وہ نفرت بن جائے۔

چہرے کی خوب صورتی کے لیے وضو کی عادت ڈالیں۔

کسی کا دل مت توڑیں صرف یہ سوچ لیں کہ آپ بھی ایک دل کے مالک ہو۔

کبھی کسی کی محبت کو نہ ٹھکرائیں، ہوسکتا ہے آپ ساری زندگی اس محبت کو ترسو۔

فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی

محبت

لکھتی ہوں جب بھی میں
لفظ "محبت"
میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
اس کا انجام سوچ کر

انعم...... برنالی

انمول باتیں

○ اگر تمہاری آنکھیں پیاری ہیں تو تم دنیا سے محبت کرو گے لیکن اگر تمہاری زبان میٹھی ہے تو دنیا تم سے پیار کرے گی۔

○ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں فاصلہ منٹس میں ناپا جاتا ہے آپ پوچھیں گے کہ کتنی دور ہو جواب آئے گا بس پانچ منٹ میں آیا۔

○ دل پر پڑے رہو پر برائی کرتے رہو۔

○ قسمت پہیے کی طرح گھومتی ہے کوئی نیچے جاتا ہے کوئی اوپر جاتا ہے تم جب اوپر آؤ تو نیچے والوں کا ہاتھ تھام لو کیونکہ اگلے چکر میں تمہیں ان کے سہارے کی ضرورت ہوگی۔

○ انسان بھی عجیب ہے دعا کے وقت سمجھتا ہے کہ اللہ بہت قریب ہے اور گناہ کے وقت سمجھتا ہے کہ اللہ بہت دور ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

تین چیزیں

☆ تین چیزیں ایک ہی جگہ پرورش پاتی ہیں۔
پھول، کانٹے، خوش بو

☆ تین چیزیں پردہ چاہتی ہیں۔
کھانا، دولت، عورت

☆ تین چیزیں چھوٹی نہ سمجھیں۔
قرض، مرض، فرض

☆ تین چیزوں کو بڑھاؤ۔
عقل، ہمت، محبت

☆ تین چیزیں ہر ایک کی جدا ہوتی ہیں۔
صورت، سیرت، قسمت

☆ تین چیزیں انسان کو تباہ کردیتی ہیں۔
حرص، حسد، غصہ

☆ تین چیزیں بھائی کو بھائی کا دشمن بنادیتی ہیں۔
زر، زمین، زن

☆ تین چیزیں حافظہ کو قوت دیتی ہیں۔
روزہ، مسواک، تلاوت قرآن

☆ تین چیزیں انسان کو ایک بار ملتی ہیں۔
ماں باپ، حسن، جوانی

ماریہ کنول ماہی...... گوجرانوالہ

افسانچہ

ہاں یہ سچ ہے کہ میں تمہارے بنا چند لمحے بھی نہیں گزار سکتی تمہارے بغیر میری زندگی رنگوں سے خالی لگنے لگتی ہے ہر خوشی پھیکی پڑنے لگتی ہے اور میں اداس ہونے لگتی ہوں میں ہر جگہ ہر کام میں تمہاری مدد کی خواہاں رہتی ہوں تمہاری مدد کے بغیر میرا کوئی کام نہیں ہوسکتا تمہیں میں بہت شدت سے چاہتی ہوں تمہیں یاد ہے نا ایک شادی میں تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

جب سے میں ایک ایکسٹرا عینک ساتھ رکھتی ہوں۔
ہاں یہ سچ ہے کہ میری زندگی عینک کے بغیر ادھوری ہے۔
نور الشال شہزادی...... کھڈیاں قصور

دوستی

دوست تو سبھی کے ہوتے ہیں مگر دوستی نبھاتا کوئی کوئی ہے اور ویسے بھی سچے اور پرخلوص دوست کے بغیر زندگی نامکمل ہے اس لیے دوست کے انتخاب میں بہت ہوشیاری سے کام لینا چاہیے کیونکہ دوست زندگی کا بہترین سرمایہ ہوتا ہے۔
دوست چار الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے اور جس میں یہ خوبیاں ہوں وہ بہترین دوست ہوتا ہے۔
د سے دیانت داری
و سے وفاداری
س سے سچائی
ت سے تابعداری
جمیلہ اقبال طور...... جلال پور جٹاں گجرات

وعدہ خلافی

اگر تم نے وعدہ خلافی کی تو یاد رکھو کہ جو وعدہ خلافی کرتا ہے اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور لوگوں کی لعنت ہے اور اس کے فرض بھی قبول نہیں کیے جائیں گے اور نہ ہی نوافل۔
مدیحہ نورین مہک...... گجرات

تین چیزیں

❖ تین چیزیں باقاعدگی سے پڑھو۔
نماز، قرآن اور درود پاک
❖ تین چیزیں دھیان سے اٹھاؤ۔
قلم، قدم اور قسم
❖ تین چیزیں ذلیل کرتی ہیں۔
چوری، چغلی اور جھوٹ
❖ تین چیزیں کبھی بھی نہ توڑو۔
دل، عہد اور قانون
ملالہ اسلم...... خانیوال

دستک

اگر اللہ تمہاری دعائیں پوری کر رہا ہے تو وہ تمہارا یقین بڑھا رہا ہے اگر تمہاری دعائیں پوری کرنے میں دیر کرتا ہے تو تمہارا صبر بڑھا رہا ہے اگر دعاؤں کا جواب نہیں دیتا تو تمہیں آزما رہا ہے۔
لہٰذا آپ دعا مانگتے رہیے دعا ایک دستک ہے اور دستک بار بار دینے سے دروازہ چاہے دیر سے کھلے مگر کھلتا ضرور ہے۔
نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ، ڈسکہ

قدر کرو

وقت کی قدر کرو گیا وقت لوٹ کر نہیں آئے گا۔
اچھے دوست کی قدر کرو کھو گیا تو پچھتاؤ گے۔
اچھے رشتوں کی قدر کرو بچھڑ گئے تو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جاؤ گے۔
ماں کی قدر کرو چلی گئی تو دعا کے لیے ہاتھ کون اٹھائے گا۔
بلاؤں سے، شر سے، حادثات سے مشکلات سے ماں کی دعائیں بچاتی ہیں ماں روٹھ جائے تو کائنات کا ہر رنگ پھیکا لگتا ہے۔
سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

معلومات

❁ سب سے زیادہ استعمال ہونے والا انگریزی کا حرف E جبکہ سب سے کم Q استعمال ہوتا ہے۔
❁ ایک لال بیگ 9 دن سر کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔
❁ اسٹار فش بغیر دماغ کے ہوتی ہے۔
❁ ڈولفن سوتے وقت ایک آنکھ کھلی رکھتی ہے۔
❁ ہاتھی وہ واحد جانور ہے جو چھلانگ نہیں لگا سکتا۔
علیشہ خان...... مانسہرہ

عمل

علم کے لیے عمل ایندھن کا کام دیتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ علم کا الاؤ روشن رہے تو آپ اس میں عمل کا ایندھن ڈالتے رہیں ایسا نہ ہوا تو اس کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔ (اشفاق احمد)
سامعہ ملک پرویز...... خانپور ہزارہ

خبریں ہی خبریں

ایک آدمی "ق" کو "خ" اور "خ" کو "ق" کہتا تھا ایک دن اس کا گزر کسی قبرستان سے ہوا اچانک اسے قبر سے ٹھوکر لگی تو کہنے لگا مجھے کیا قبر تھی کہ یہاں خبریں ہی خبریں ہیں۔
عارفہ ہادی...... کے پی کے

یاد رکھنے کی باتیں

☯ زندگی جذبات میں کھو کر تباہ کر لینا عقلمندی نہیں ہے ہر شخص سے اچھے اور برے سلوک کی توقع رکھو تاکہ جب کوئی تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ تمہارے لیے غیر متوقع

نہ ہو اور برے سلوک سے بھی تم پر اثر نہ پڑے۔

◉ اپنے دوست سے ذرا سنبھل کر دوستی رکھو ممکن ہے وہ کسی دن تمہارا دشمن بن جائے اور دشمنی میں بھی حد سے زیادہ نہ بڑھو ہوسکتا ہے کسی دن وہ تمہارا دوست بن جائے۔

◉ انسان دنیا میں کوئی انقلاب نہیں لاسکتا لیکن اس سے فائدہ ضرور حاصل کرسکتا ہے یاد رکھیے پہاڑ کو گرانے سے اس پر چڑھنا آسان ہوتا ہے۔

◉ نیکی عمودی چٹان ہے جس پر چڑھنا مشکل ہے لیکن برائی ایک ایسا ڈھلوان راستہ ہے جس پر آسانی سے پھیلا جاسکتا ہے۔

◉ شہرت بخارات کی مانند ہوتی ہے مقبولیت کو ایک حادثہ کہنا چاہیے دولت کو بہت جلد پر لگ جاتے ہیں بس ایک چیز رہنے والی ہے "کردار"۔

◉ زیادہ گرم کھانا، سر پر گرم پانی ڈالنا، آفتاب کی طرف دیکھنا اور نشہ آور اشیا کا استعمال آنکھوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

◉ جو لوگ دولت دنیا کے طالب ہیں اگر وہ زمانے کی سختیاں نہ اٹھاسکیں تو پھر اپنے مقصد میں ناکام ہونے کی شکایت نہ کریں۔

◉ یہ دنیا دارالعمل ہے یہاں صرف اعمال کا صلہ ملتا ہے اللہ عقائد لباس رنگ و نسل نہیں دیکھتا بلکہ اعمال دیکھتا ہے۔

◉ علم دین کا "طبیب" ہے اور مال دین کا "مرض" جب طبیب خود غرضی میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس سے دوسروں کا علاج نہیں ہوسکتا۔

نگہت غفار..... کراچی

کہاں گئے ہو؟

میرے عزیزو کہاں گئے ہو
عذاب کر کے حیات میری
وہ دن ہوئے کیا؟ کہ جب بھی تم
سنا لیتے تھے کوئی بات میری

راؤ تہذیب حسین تہذیب..... رحیم یار خان

سنہرے حروف

❁ بری صحبت سے تنہا رہنا بہتر ہے۔

❁ جس کا آغاز نہ ہو اس کا انجام نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ ہر آغاز سے پہلے اور انجام کے بعد ہے۔

❁ چلتے وقت دھیان رکھو کہ تمہارے قدموں کی دھول سے کسی کی منزل گم نہ ہوجائے۔

❁ عبادت اس مقام پر نہیں پہنچا سکتی جس مقام پر غریب کی خدمت پہنچا دیتی ہے۔

❁ گناہوں کی بدبو سے ہماری دعائیں مردہ ہوجاتی ہیں۔

❁ عورت کے لیے قدرت کا پہلا تحفہ حسن ہوتا ہے اور قدرت اس سے یہی تحفہ سب سے پہلے چھین لیتی ہے۔

❁ وہ لوگ کبھی تنہا نہیں ہوتے جن کے ساتھ خوب صورت خیالات ہوتے ہیں۔

بشریٰ کنول سرور..... سیالکوٹ، ڈسکہ

کلیات واصف

✿ کامیابی اور ناکامی اتنی اہم نہیں جتنا کہ انتخاب مقصد نیک مقصد کے سفر میں ناکام ہونے والا برے مقصد میں کامیاب ہونے والے سے بدرجہ بہتر ہے۔

✿ آنے والے کل کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آج کے دن میں کوئی کام ایسا نہ ہو کہ آنے والے کل کو پریشانی و پشیمانی کا باعث ہو۔

✿ اگر ماں باپ کے پاس علم کم ہو، پھر بھی ان کا مرتبہ بڑا ہے ماں باپ کو ان کے علم کی وجہ سے قبول نہ کرو، بلکہ ان کے مرتبے کے ساتھ قبول کرو۔ (واصف علی واصف)

ثنا رسول ہاشمی..... صادق آباد

shukhi@aanchal.com.pk

حسنِ خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اللہ رب العزت کے بابرکت نام سے آغاز ہے جو تمام جہانوں کا خالق و مالک وحدہ لاشریک ہے مارچ کا شمارہ پیش خدمت ہے امید ہے سابقہ شمارہ کی طرح یہ بھی آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا، ہمیں اپنی آرا و تجاویز سے یونہی آگاہ کرتی رہیے گا، آیئے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جہاں آپ کے حسین خیال حسن خیال کی محفل کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

سحرش فاطمہ...... کراچی۔ السلام علیکم سب سے پہلے سعیدہ آپی، قیصر آراء آپی اور طاہر بھائی کو سلام۔ کیا حال ہیں آپ سب کے؟ فروری کا شمارہ ملا اور ٹائٹل بے حد خوب صورت لگا، وجہ؟ ایک تو سر پر دوپٹہ دوسرا جامنی رنگ نہیں تھا شکر۔ میک اپ بھی کم ہی کیا ہوا تھا۔ یعنی اس بار ہلکا پھلکا ٹائٹل دل جیت گیا۔ سب سے پہلے اینڈیکس دیکھا اور عابدہ احمد عابی کا نام پڑھ کر خوشی ہوئی۔ خوش آمدید عابی باجی۔ پھر ہماری پیاری قیصر آراء آپی سے بات چیت ہوئی۔ جی حالات واقعی ایسے ہوگئے ہیں کہ بس اللہ ہی سب پر رحم کرے۔ مسلمانوں پر ہر قدم آزمائش ہی ہوتی ہے۔ بس اللہ سب کے ساتھ اچھا کرنے والا ہے بے شک۔ حمد اور نعت سے فیض یاب ہو کر آگے بڑھے تو ہماری پری دشوں کا ذکر موجود تھا۔ مسکان اچھا لگا جان کر فرح ناز کس نے کہا آپ پاگل ہیں؟ ذرا آپ کا نک نیم تو بہت اچھا ہے مختلف ذیری۔ عمارہ عباس آپ کا نام پڑھ کر مجھے میرے اسکول کی دوست یاد آگئی وہ بھی عمارہ عباس ہی ہے۔ رخ سخن میں اس بار اقبال بانو تھیں بہت اچھا لگا انہیں جان کر۔ ماشاء اللہ اتنی کم عمر سے لکھنا شروع کیا آپ نے۔ ویسے سچ بات ہے لکھنا آسان نہیں ہوتا اور آپ سرائیکی ادب کی پہلی ناول نگار بھی ہیں اور شاعرہ بھی جان کر خوشی ہوئی۔ ہاہاہا واقعی صحیح کہا ہمیں ایڈ کرلیا جاتا ہے اب یہی کہنا پڑتا ہے کہ جی کوئی اعتراض نہیں۔ آغوشِ مادر پڑھ کر مجھے ہمیشہ امی کی یاد آجاتی ہے۔ ثناء اعجاز اللہ آپ کی امی کو جنت میں اعلیٰ مقام دے آمین اور اقرا لیاقت آپ کی امی کو جلد شفایاب کرے آمین۔ سندس جبین سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ یہاں کچھ وجوہات کی بنا پر حصہ نہ لے سکی لیکن جوابات پڑھ کر اچھا لگا۔ آپ کو داستانِ محبت میں پہلی پوزیشن ملنے پر ڈھیر ساری مبارک باد۔ اقبال بانو کا افسانہ کیسی ہار کیسی جیت مزاح سے بھرپور تھا مزا آگیا پڑھ کر۔ اصلی آنگن ہے چاہیے؟ ہاہاہا اور آخر میں جب کہا کہ میں نے تو آنگن کی آفر بھی کی تھی۔ بہت خوب۔ عابی باجی سب سے پہلے تو یہ بتاؤ طبیعت اب کیسی رہتی ہے؟ بہت اچھا لکھا۔ ایسا ہی ہلکا پھلکا مزے دار چٹ پٹا لکھو۔ ویسے مجھے برا لگا پتا نہیں کیوں آج کل کی اماؤں کو بی حجاب ٹائپ لڑکیاں کیوں پسند نہیں ہوتیں؟ کہنے کا مقصد کہ لڑکیاں تو ایسی ہی اچھی لگتی ہیں حجاب میں۔ نمازی، سیدھی سادی سی اور یہ بھی خوب کہی طلاق کے حق والی بات۔ میں نے دیکھا ہے لوگ نکاح نامہ سے یہ حق خارج کردیتے ہیں لڑکیوں کے نکاح نامے سے پتا نہیں کیوں۔ بہت ہی خوب صورت سے اسلامی باتیں جہاں لکھیں ایک اچھا انداز میں یہ کہانی تحریر کی گئی مجھے بہت اچھی لگی اللہ آپ کا قلم زور پکڑے۔ لباس کی اہمیت کیا ہے مرد و عورت کے حوالے سے لباس کیا ہوتا ہے۔ بہت خوب پیاری۔ صاف بات میں سلسلے وار ناولز فالو نہیں کر پاتی ہوں کیونکہ پچھلی بار کا بھول جاتا ہے اکٹھا ہی پڑھنا صحیح لگتا ہے اس لیے ضوبار یہ آپ کا ناول مجھ پر ادھار رہا یہی بات میں صدف آصف کے لیے کہوں گی۔ اب ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ میں ایک کا پڑھوں اور دوسرے کے لیے چھوڑ دوں؟ لیکن اللہ آپ سب کو کامیابی دے۔ جس طرح ناول چل رہا ہے اتنے ماہ سے لوگ پسند کر رہے ہیں آپ لوگ لکھ رہے ہیں ماشاء اللہ۔ لاحاصل سفر۔ سلمیٰ فہیم گل نے ایک بہت ہی حساس موضوع پر لکھا ہے اور جیسے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں کیا سبق مل رہا ہے ہمیں۔ استغفراللہ یہ کیا ہو رہا ہے آج کل۔ سمجھ نہیں آتا کیا لڑکیوں کو ایک طرف مجھے انس پر رحم آیا دوسری طرف سمعیہ پر غصہ بھی کہ کیا ضرورت تھی انہیں جھوٹ بولنے کی؟ چپ چاپ مسز احسان کو کہہ دیتے کہ وہ نہیں ہیں یا کچھ اور؟ لیکن جب میں نے بعد میں پڑھا اوئی میری چیخ نکل گئی یہ کیا انیس کی امی اور کام کرنے والی پھر بات سمجھ آئی کہ وہ خود ہی پہلے سے بھاگی ہوئی لڑکی تھی تبھی اس کا شوہر ایسا نکلا۔ یہی انجام ہوتا ہے لڑکیوں کو عقل رکھنی چاہیے کل کو ماں باپ ہی کام آتے ہیں۔ حنا عندلیب آپ کی تحریر کافی فلمی ٹچ کے ساتھ تھی تھوڑی عجیب لگی۔ بہرحال اچھی تھی۔ ساری بات انگوٹھی کی ہی تو تھی۔ چلیں اب بات کرتے ہیں خبتاں نجیاں کی نام تو بڑے مزے کا رکھا ہے تحریر کا۔ سوہنی اور ماہینوال اف پرانے نام ایک حسین یاد۔ جب کہا کہ اللہ سائیں ہماری سوہنی کے لیے بھی کوئی ماہنوال بھیج دے تو جواباً کہا کہ تم لوگ چاہتے ہو میں دریا میں ڈوب جاؤں؟ بے ساختہ ہنسی آگئی۔ لیکن مجھے اختتام اچھا نہیں لگا معذرت میں اس پیار کے حق میں نہیں کہ اپنی جان دے دی جائے۔ ہوسکتا

ہے اصل داستان میں بھی ایسا ہی ہوا ہو لیکن بہر حال کوشش کریں ایسی داستان رقم نہ کریں ساتھ جینے مرنے والی باتیں۔ کیوں کہ زندگی ہماری اللہ کی نعمت ہے بے شک پیار ہے لیکن اس حد تک جانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ محبت راستہ ہے ایسا۔ اچھی تحریر تھی۔ بس دل دکھا حالات پڑھ کر۔ اللہ سب بیٹیوں پر کرم کرے آسانی کرے آمین۔ قراۃ العین سکندر۔ تمہاری تعریف تو کیا کروں۔ تم اپنا دل نکال کے رکھ دیتی ہو اپنی ہر تحریر میں۔ بہت ہی اچھی تحریر تھی۔ تم نے حجاب میں خط لکھ کر میری طبیعت کا پوچھا تھا جزاک اللہ پیاری مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کا۔ اللہ کا شکر ہے بہت بہتری آگئی ہے چل پھر رہی ہوں۔ بس اسی طرح دعاؤں میں یاد رکھنا اور زینب کو ڈھیر سارا پیار دینا۔ قلم برائے فروخت۔ چھوٹی سی مختصری تحریر لیکن پر اثر تھی۔ بہت اچھے سے قلم کی اہمیت کے بارے میں بتایا شمسہ فیصل۔ جزاک اللہ۔ اہم اہم اب باری ہے بھلا ں کس کی؟ صبا عیشل کی۔ کیا خیال ہے تبصرہ کروں؟ چھوڑو بھئی کون کرے؟ اچھا یہ کیا بات ہوئی سب کے حوالے سے لکھا اب صبا کے لیے کیوں نہیں؟ رکو کرتی ہوں۔ چائے کی خوشبو مجھے کراچی تک آرہی ہے بھئی اور ہاں یہ الو کے بجائے اب مینڈک جاگنے لگے؟ ہاہاہا طوطے کوے نہیں گھوڑے گدھے اب تو میرا بھی ضیاء کی طرح سر پیٹنے کا دل ہو رہا۔ بہت مزہ آیا تحریر پڑھ کر۔ جی جناب تحریم صاحبہ۔ میں نے کہا تھا ناں تبصرہ کروں گی۔ پڑھ کر بتاؤں گی۔ لو آگئی میں میدان میں۔ اف کیا لکھ ڈالا۔ واقعی سچ کہا۔ لڑکیاں سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں تو ہر ذلت و رسوائی سے بچ سکتی ہیں۔ اچھا ہوا اس نے ساری باتیں سن لیں ورنہ...... انسان خطا کا پتلا ہے نادانی بھی ہم تم سے ہی ہوتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حزن کا بے نام خول چڑھا کر زندگی سے کنارہ کشی کرلو جو ہوا وہ ماضی تھا اور بیتے کل کو ماضی کی قبر میں دفن کر دینا ہی بہتر ہے۔ مجھے تمہاری تحریر بہت پسند آئی۔ جیسا میں نے دیکھا میں رفاقت جی پروین شاکر کے بارے میں مزید معلومات فراہم کر رہی ہیں۔ جزاک اللہ۔ بزم سخن۔ سب ہی کے اشعار دل کو چھو لینے والے تھے۔ منفرد انتخابات۔ کچن کارنر۔ نزہت آپی بھئی اب ہمیں اصل میں بھی یہ سب پکا کر کھلائیں تو مانوں اور یہ بڑی کی ترکیب ضرور آزماؤں گی۔ آرائش حسن میرے لیے اچھے ٹپس تھے۔ سردی ہو یا گرمی میرا تو چہرہ آدھا خشک ہی رہتا ہے۔ عالم میں انتخاب میں سب کے انتخابات پڑھے اچھا لگا۔ شوخی تحریر۔ سورہ یونس کی چند آیات کی تشریح پڑھ کر اچھا لگا۔ حسن خیال میں ہماری عائشہ پرویز نے تبصرہ مقابلے میں پہلا انعام جیتا بہت بہت مبارک ہو۔ ٹوٹکوں کی ضرورت کسے نہیں ہوتی۔ شکریہ مفید مشوروں اور ٹوٹکوں کے لیے۔ ظہیر احمد آپ نے اپنے تبصرے میں میرے حوالے سے پوچھا تھا کہ میں کہاں گم ہوں بھئی میں یہیں موجود ہوں کہیں غائب نہیں ہوئی البتہ میری تحریریں بھی موجود ہیں میں بھی انتظار کر رہی ہوں آپ بھی کریں جلد ہی پڑھنے کو ملیں گی۔ نادیہ آپ کی کتاب آنے والی ہے جو کہ پہلی ہے اس کے لیے پیشگی مبارکباد اور سلسلے وار ناول شروع ہونے والا ہے اس کے لیے بھی نیک خواہشات۔ ندا حسنین آپ کہاں گم ہیں؟ چلیں جلدی سے زبردست سی تحریر کے ساتھ جلوہ گر ہوں ہمارے حجاب میں۔ نائلہ طارق آپ کو بھی حجاب میں خوش آمدید آپ کے ناول پر بھی جلد ہی تبصرہ کروں گی۔ میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ سب پہ تبصرہ کرسکوں۔ دعاؤں میں یاد رکھئے گا اور میری تحاریر کے بارے میں بھی کچھ بتا دیں۔ شکریہ۔

☆ ڈیئر سحرش! پہلا انعام جیتنے پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ ان شاء اللہ آپ کی تحریر جلد ہی حجاب میں جھلملائے گی۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں اور آئندہ بھی محفل میں شامل رہیں۔

سدرہ مرتضیٰ...... کراچی۔ السلام علیکم امید کرتی ہوں کہ حجاب کی ٹیم اور قارئین دونوں خیریت سے ہوں گے۔ جو نہیں خیریت سے اللہ انہیں صحت کاملہ عطا کرے آمین۔ حجاب ایک بہترین ڈائجسٹ ہے اپنے ریڈرز کے لیے اس میں شامل سب ہی کہانیاں معیاری ہوتی ہیں میں حجاب کی قاری اس کے پہلے شمارے سے ہوں پر خط بھی نہیں لکھا صرف وقت کی کمی کی وجہ سے۔ اس مہینے اقبال بانو آپا کا انٹرویو اور افسانے نے مجھے مجبور کیا کہ میں خط لکھوں، سب سے پہلے تو مدیرہ کی بات سے اتفاق کروں گی اللہ پاکستان کے حالات بہتر کرے اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرے، آمین۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول ﷺ بہت پسند آئی جب جب ڈائجسٹ کھولا سب سے پہلے انہیں پڑھا۔ ذکر اس پری وش کا سلسلہ بھی اچھا لگتا ہے ہر ماہ کچھ قاری بہنوں کے بارے میں جان کر اچھا لگتا ہے اور کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے۔ اب آتی ہوں بانو آپا کے انٹرویو کی طرف بانو آپا ماشاء اللہ جتنی اچھی رائٹر ہیں اس سے کہیں زیادہ اچھی انسان ہیں ان کا انداز بیان دل کو موہ لیتا ہے خواہش ہے کہ آپا کی پرانی تحریریں پڑھوں اور دعا ہے کہ وہ یونہی لکھتی رہیں اور میں انہیں پڑھتی رہوں۔ اللہ آپ کو صحت مند لمبی زندگی دے اور آپ کی فیملی کو بے شمار خوشیاں دے آمین۔ بانو آپا کبھی کراچی رہیں یہ سوچ کر خوشی ہوتی ہے اور دل میں خواہش ابھرتی ہے کہ کاش اب بھی کراچی ہوتی تو ملنے کا کوئی چانس ہوتا ان سے اور محبت کے بارے میں تو بہت ہی خوب صورت سوچ ہے آپا کی آئی وش کے سب ایسی سوچ رکھیں سندس جبین سے ملاقات بے حد اچھی رہی کچھ سوالات مجھے بھی پوچھنے تھے لیکن مجھے یہ سلسلہ کب ہوا پتا ہی نہیں چلا سندس بہت پیاری شخصیت کی مالک ہیں انہیں بہت مبارکباد ان کی کامیابی پر جو انہیں داستان محبت کے مقابلے میں پائی۔ اللہ کامیابی کے دروازے ہمیشہ کھولے رکھے آپ پر دل کے دریچے کی

یہ قسط بھی کمال کی تھی، سفینہ کی اداسی نفیس کا اپنی چاہت کی اجازت کی خاطر اس کی محبت سے منہ موڑ لینا ایک تو فائز کی اماں جان کو یہ سازش رچانے کی کیا ضرورت تھی بھلا روشنی کا اسٹائل سب سے الگ ہے شرمیلا اور نبیل کا کیا ہوگا بہت سارے سوالات ہیں جن کے جواب یقیناً آنے والی اقساط پڑھ کر ہی ملے گا ویلڈن صدف۔ نادیہ کا ناول بھی اچھا چل رہا ہے نادیہ کی کہانی ہمیشہ مثبت سوچ رکھتی ہیں۔ شب آرزو تیری چاہ میں کی شروعات بہت جاندار رہی پہلی قسط نے ہی اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں اب اس کی کوئی قسط مس کرنا چاہوں گی یہ کہانی اپنے نام کی طرح کچھ مختلف سا ٹاپک لیے ہوئے ہے اتنے حساس موضوع پر لکھنے کے لیے بہت ہمت درکار ہوتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ نائلہ اپنی کہانی کے ساتھ پورا انصاف کریں گی مجھے لگتا ہے دراج ہی وہ لڑکی ہوگی جو اس کال بوائے کو ملی دراج کا کردار کافی مضبوط ہے حاذق اور رجاب کی کہانی مجھے ماضی میں چلتی ہوئی لگ رہی ہے۔ زیاں میں ضوبار یہ نے اپنے نام کی طرح اپنے سحر میں شروع سے آخر تک جکڑے رکھا ہادیہ نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا کوئی بھی عقل مند لڑکی یہی فیصلہ کرتی۔ ضوبار یہ کیپ رائٹنگ۔ عابدہ ہر بار ایک نئے ٹاپک کے ساتھ آتی ہیں اور مجھے اس میں اسلامک ٹچ ضرور نظر آتا ہے جو کہ جان ہوتا ان کی کہانی کی میری دعا ہے کہ شادی کے لیے ہر لڑکی کی ڈیمانڈ زیاں کے جیسا ہو جائے بلا شبہ ایک نیک اور اچھی عورت ہی آنے والی نسل کو سنوار سکتی ہیں اور ہر لڑکی کو مریم جتنا مضبوط ہونا چاہیے عابدہ بہت اچھا پیغام دیا آپ نے۔ حنا کی کہانی ہلکی پھلکی تحریر تھی جسے پڑھ کر انجوائے کیا جو یاد آنے پر ایک مسکراہٹ ضرور چھوڑ جائے گی لبوں پر شازیب اور پارسا کا معصوم چیل۔ بانو آپا آپ نے ٹھیک کہا یاسر کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، اتنی جلد بازی اور ضدی طبیعت کا انجام۔ لاحاصل سفر کے ٹاپک پر میں چاہتی ہوں کہ مزید کہانیاں لکھی جائیں شاید کہ کوئی لڑکی کوئی سبق لے اور اپنے لیے لاحاصل سفر کا انتخاب نہ کرے، بہت خوب لکھا۔ محبتاں سچیاں کا اینڈ پسند نہیں آیا کہانی کو ہمیشہ مثبت انداز میں اینڈ کرنا چاہیے زندگی میں ایسے موڑ آنے کی نوبت ہی نہ آنے دیں اگر دیں تو کوئی ایسا راستہ اختیار نہ کریں جو والدین کی رسوائی کا سبب بنے۔ محبت کی ہوا بہت بہترین فیصلہ ایک بہن کا ایک باپ کی بے حسی کے بعد ایک بہن اتنی ہی حساس ہو جاتی۔ بہت اچھی تحریر قراۃ العین کو کم پڑھا پر جتنا پڑھا بہت اچھا لگا پڑھ کر ان کی نصیحت کے شوہر کی رائے مانو گی تو زندگی سنور جائے گی، میں ہر شادی شدہ لڑکی کو مشورہ دوں گی کہ وہ اس پر عمل کریں شمسہ فیصل نے بہت بہترین لکھا، قلم کی اہمیت کو اجاگر کیا پر کاش کے ہم قلمکار کو ایسے راستے مل جائیں کہ انہیں اپنے قلم بیچنے کی نوبت نہ آئے۔ صبا بزاعرہ آپا آپ کی کہانی پڑھ کر ان شوز میں واقعی کوئی عزت نفس رکھنے والا شخص ایسے مقابلوں میں حصہ نہیں لینا چاہے گا اور واقعی کامیابی کے صرف دو ہی گر ہیں ایک صاف نیت اور دوسرا محنت وسیم کے ساتھ اچھا کیا انجوائے کیا پڑھ کے تحریر بے حد شاندار کہانی لگتا ہی نہیں کہ آپ ایک نئی رائٹر ہیں کہانی نے اسٹارٹ سے اینڈ تک بور نہیں کیا، ہماری نئی نسل کے لیے سبق آموز اور دوسری بات کچھ ڈائیلاگ بہت اعلیٰ تھے، ٹائم نہیں ورنہ میں کچھ یہاں شیئر بھی کرتی تحریم اور دوسری کہانیوں کی بھی۔ رفاقت جاوید نے بہت اچھا تعارف کرایا پروین شاکر کی زندگی کا اللہ انہیں جنت میں جگہ دے آمین۔ بزم سخن کے اشعار بھی اچھے لگے، سمیہ بہت اچھی کلیکشن۔ کچن کارنر کی فی الحال صرف نزہت آپی کی ریسپی ٹرائی کی آرائش حسن، عالم میں انتخاب، شوخئ تحریر، حسن خیال سب اچھے لگے زیادہ ٹائم نہیں ہے کہ ڈیٹیل تبصرہ کروں اللہ حجاب کی ٹیم کو مزید بہتر کام کرنے کی توفیق دے اور ہماری رائٹرز کو مزید زور قلم دے۔

☆ ڈیئر سدرہ! خوش رہو۔ دوسرا انعام جیتنے پر ہماری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔ امید ہے آئندہ بھی اسی طرح محفل میں شامل ہوتی رہوگی۔

ظہیر احمد...... السلام علیکم فروری کا حجاب 16 کو ملا ٹائٹل ماڈل ایک سبق ایک مثال تھی ان کے لیے جو محبت کو صرف 14 فروری کے لیے وقف کرتے ہیں۔ حمد و نعت ہمیشہ کی طرح لاجواب ذکر اس پری وش کا اور اچھا نہ ہونا ممکن ہے جی۔ در سخن میں ملاقات ہوئی اقبال بانو سے جن کو پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ملاقات سیکشن میں سندس جبین کا انداز دل کو خوب بھایا سب کے سوالات مزے کے لگے اور مزے کی بات جو سوال میرے ذہن میں تھے وہ ماورا طلحہ اور راؤ رفاقت علی نے پوچھ لیے تھے اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہوتی ہے آغوش مادر میں جتنا بھی لکھا گیا خوب لکھا گیا۔ ہار جیت کو بیان کرتی اقبال بانو کا انداز تحریر بہت پسند آیا ویسے اگر یاسر سویٹ کو دیکھ لیتا تو یقین ہے صرف جیت آئی ہوتی بنا کسی ہار کے زلمونی عابدہ احمد نے بہت گہرائی سے اس ٹاپک پر لکھا جسے ہم آج کل اگنور کیے جا رہے ہیں ایج ڈیفرنس جان کر۔ سفر لاحاصل سلمیٰ فہیم گل ویلکم جناب برسو پرانی داستان کو آج کے رنگ دیتی ہوئی زینب اصغر اچھی لگی محبتاں سچیاں کی صورت میں۔ ہو گیا ہے مجھے پیار ففٹی ففٹی رہا محبت کی ہوا، قلم برائے فروخت مختصر مگر پر اسرار۔ یوم محبت تو ٹاپک آف دا لسٹ رہی۔ صبا ہیثل کا انداز بیان اچھا لگا، محبت راستہ ہے ایسا ٹاپک اگرچہ پرانا تھا مگر قراۃ العین سکندر کا انداز خوب لگا سلسلے وار ناول تو ٹاپ جا رہے ہیں خصوصاً میرے خواب زندہ ہیں اور صدف آصف کیپ اٹ اپ۔ نائلہ طارق ویلکم حجاب زیاں کا اختتام اچھا لگا ہادیہ کی ہمت کو داد ہے کیسے اکیلے سب کیا بہت بہت مبارک باد رائٹر کو۔ مستقل سلسلے تو جان ہیں حجاب کی حسن خیال میں عائشہ پرویز صدیقی کا تبصرہ واقعی میں انعام کا حقدار تھا اور سحرش فاطمہ کہاں گم ہیں آج کل فوراً

لائیں ان کو واپس آج کے لیے اتنا ہی باقی کل کے لیے اپنا رکھیے گا خیال دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ میرا اور آپ کا اللہ نگہبان۔

☆ جناب ظہیر احمد! خواتین کی نگری میں آپ کی آمد اچنبھے کا باعث بنی خیر خوش آمدید۔ انعام کے حق دار ٹھہرائے جانے پر ہماری طرف سے مبارک باد۔ امید ہے آئندہ بھی محفل میں شامل رہیں گے۔

کوثر خالد...... فیصل آباد پیاری جوہی عزیز قارئین،

اعمال ہمارے خدا سہانے کردے
بہاریں لوٹا دے دور ویرانے کردے

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، تبصرے سے پہلے آج کی تازہ حمد و نعت گوش گزار کرنا پسند کروں گی۔

حمد ہے آئینہ نعت ہے آئینہ
قلم پاکیزہ کی ہر بات ہے آئینہ
رب سے ڈرتے ہیں ہم پیار آقا ﷺ سے ہے
رابطہ انؐ سے ہے جو ذات ہے آئینہ
ان ﷺ کے اوصاف حمیدہ سے جو رشتہ جوڑے
دن بھی آئینہ ہے پھر رات ہے آئینہ
ان ﷺ کے قیدی کو کوئی کیسے زنجیر کرلے
شکل کیسی بھی ہو حوالات ہے آئینہ
دنیا والے تو فقط تکتے ہے ظاہر تیرا
دیکھے رب نیت کی سوغات ہے آئینہ
تیرہ شی نے یہاں ہر سو شب خوں مارا
ایسی صورت میں تیری نجات ہے آئینہ
کوثر دنیا چھوڑ کر مدینے ہی کو جائے گی
نہیں درکار کچھ بھی حاجات ہے آئینہ

بات چیت ہماری آپ کی سب کی اللہ قبول فرمائے، آمین۔ حمد و نعت لہک لہک کر پڑھی خوش گوار طرز بنی، پری وش مسکان نے لبوں کو مسکان مسکان کر ڈالا۔ فرح ناز ملکوال گجرات والی...... ؟ جناب سکون حاصل کرنا ہے تو دشمن کو بھی دعا دیا کرو، وہ لوٹ کر تمہاری طرف آئے گی، زارا فریاد تمہاری فریاد سن لی گئی سالگرہ پر پری بنتا مبارک ہو، عمارہ عباس میری بہن کی دیورانی کا نام بھی عمارہ ہے کل ان کی ساس فوت ہوئی تو میں فیصل آباد آ گئی، جناب ہماری ڈائری کے لفظ مٹنے والے ہیں اور ہم اسے دفنانے والے ہیں اگر پڑھنا ہو تو خط لکھ کر منگوالو، درِ سخن اقبال بانو مجھ سے ایک سال چھوٹی نکلیں اور صحت میں مجھ سے کچھ زیادہ، باتیں آدھی سے زیادہ مجھ جیسی ہم سیر سپاٹے کے بالکل شوقین نہیں آغوش مادر ثناء اعجاز ماں مبارک ہو سدا خوشیوں میں کھیلو ویسے ہم نے ماں اور بیٹی سے اس طرح کا پیار نہیں کیا۔

پتھر کا مجسمہ ہوں یا کانچ کا اک بت
لوگ کیا سمجھیں گے ہم خود کو نہیں سمجھے

اقرا لیاقت تو نے ماں سے جدا ہو کر قلم توڑ دیا دل کی محفل لوٹ لی آغاز یہ شعر بہترین دعائے خیر کردی ہے۔ ملاقات سندس جبیں (کریب یعنی نرم و ملائم ماتھا) اس نام کی محبت میں نظم لکھی تھی۔

سندس، سنبل بولوں گی
بھید ہزاروں کھولوں گی

2009ء میں سندس نے لکھنا شروع کیا اور ہمارے پرنس خالد ہم سے اس سال جدا ہوئے سندس بچوں کے لیے کیوں نہ لکھا؟ جنہوں نے ان کا کردار ہم پر کھولا ان میں حرا سر فہرست رہی۔ واقعی ہم سب خامیاں بھرے لوگ ایک دوسرے سے کیسے متاثر ہو سکتے ہیں، ہمارا معیار تو بس محمد ﷺ ہیں مختصراً ایک منفرد، خوب صورت محتاط اور حقیقت پسند سروے رہا بغیر وگریوں کے کیسی بارکیسی جیت قلم تو خوب دلچسپ رہا مگر یاسر جیسے لوگ دنیا میں نہ ہی ہوں تو اچھا ہے لا حاصل سفر کے قریب بھی مت بھٹکو خستہ حال بچیاں مکالمہ ڈیاں، محبت کی ہوا ہر سو لہرائے کتنا مزہ آئے

محبت راستہ ہے ایسا جس پر کانٹے بچھے ہیں اور چلنا ننگے پاؤں ہے، قلم برائے فروخت نہیں، ہم تحفتاً دے دیں گے، میں تینوں سمجھاواں کی صبا (میری پیاری سی معذور مرحومہ بیٹی تھی) بھئی ہم تو خوب سمجھ چکے ہیں قلم دلچسپ ہے کہانیوں میں جتنے کم کردار ہوں اتنی ہی اچھی سمجھ آتی ہے ورنہ...... یوم محبت ہر پل منائیں گے عرش تک جائیں گے میرے خواب زندہ ہیں یعنی آنکھیں بند ہیں دل کے دریچے ہر کسی کے لیے وا کر رکھے ہیں، شب آرزو تیری چاہ میں کیا کیا نہ جتن کیے ہم نے اور آخر منزل آ ملی، زلمونی آغاز اور انجام کے پیراگراف اچھے لگے بس وہی میرے پسندیدہ رہے جیسا میں نے دیکھا کیا ختم کردیا گیا یہ قسط تشنہ رہی۔ بزم سخن کھلی کھلی دمن دمن چمن کا رنر سادہ سادہ صدیوں پرانا آرائش حسن یا اللہ یا نور، عالم میں انتخاب صبا عیشل پھر اول رہی دوم آخری دکن عورتیں شوخی تحریر میرے خوابوں کی تعبیر ہومیو کارنر اسم باری تعالیٰ سے ساس کی دوائیاں بالآخر چھوٹ گئیں ماشاءاللہ شوگر کی کبھی کبھار دے دیا کروں گی بس شوبز کی کرنا ایں؟ ٹوٹکے غور غور سے پڑھے میری بہو بہت آزماتی ہے مگر بعد میں وہی یاد رہے جو پہلے ہی پتا ہے املی اور پاؤڈر ہاہاہا اب آیئے ذرا حسن خیال کی محفل میں چلتے ہیں۔ سب سے پہلے الحمدللہ پھر آپ تمام لوگوں کا شکریہ کہ مجھے سراہا حتیٰ کہ میرے انعام کی طرف داری کی منزہ نے منزہ عطا دسویں میں بھی میری ہمجولیاں میڈم سے لڑی تھیں کہ انعام کی حقدار صالحہ ہے مگر ہم بہت خوش تھے کہ انعام ناہید کو ملا جو ہماری بہترین دوست تھی اور ہمارے خیال میں وہی حقدار تھی، ہم شرط جیتے تو ناہید نے پارٹی دی وہاں اس کی کزنز بولیں یہ تمہاری دوست ہنستی بولتی کیوں نہیں، وہ بولی جب بولے گی تو سولہ آنے سچ بولے گی اور تب بولے گی جب کوئی مسئلہ ہوگا اس بار محفل کا سیٹ اپ بہت ترتیب سے تھا مثلاً پروین اور ان کی نندا کٹھے ہماری حمایت کے بعد ہم...... پیچھے ثنا اعجاز تھی اور یہاں ثنا فرحان بہرحال جب ثنا کے نام دعا کروں تو سب ثنا ہو جائیں گی کیونکہ کب کوئی اپنے لیے اللہ سے کرم مانگتا ہے تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں فرشتوں سے جاؤ اس نام کے سب لوگوں کو کرم بانٹ دو۔ چلو پھر ثنا کے نام یہ نعتیہ شعر کرتے ہیں۔

ثنا خوانو کرو مل کر ثنا خوانی محمد ﷺ کی اور جب ہم ثنا ہی ثنا کرتے رہتے ہیں تو پھر کسی دعا کی مزید ضرورت نہیں رہتی اور کیا تم یہ چاہتی ہو کہ خواتین جیسا تعارف حجاب میں بھیجوں، جناب سادہ اور شعری بمع تصویر دوبارہ آنچل میں تعارف بھیجا گم گیا یا نوکری نے پیٹ بھرا اب ہم صرف خطوں کی محفل میں ہی بس تعارف بن کر آیا کریں گے کہانی کے تبصروں کے سنگ ہمیں اپنے تعارفی جملے اچھے لگتے ہیں، پروین افضل شاہین اور ساجدہ ظفر کا خط آیا حوض کوثر بھیج رہی ہوں اور پروین کو لونگ دم کرکے اولاد کے لیے ملنے پر اطلاع دے دیں۔

قصر دل میں جوہی کا پھول کھلتا ہے
اس محفل حسن خیال پر مہر و ماہ جھلملاتا ہے

پاکستان زندہ باد...... وادی کشمیر پائندہ باد

☆ ڈیئر کوثر! آپ کا تعارف ابھی تک موصول نہیں ہوا اس لیے نہیں لگ سکا۔ آپ کی حمد بے حد پسند آئی۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی جوہی احمد صاحبہ السلام علیکم اس بار فروری کا شمارہ ثنا کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے بات چیت میں آپ امریکا کے بارے میں اور پانامہ کیس کے بارے میں بتا رہی تھیں حمد و نعت پڑھ کر اپنی روح کو غسل دیا آگے بڑھی تو رخ سخن میں اقبال بانو کا انٹرویو پڑھنے کو ملا ناولز اور افسانوں میں ہو گیا ہے مجھے پیار، زیاں، کیسی ہار کیسی جیت، میں تینوں سمجھاوا کی، محبت بچیاں، یوم محبت، پسند آئے۔ عمارہ عباس آپ نے اپنے انٹرویو میں مجھے سلام کہا میری طرف سے بھی سلام قبول کریں عائشہ پرویز صدیقی میری تحریر پسند فرمانے کا شکریہ کوثر خالد حوض کوثر کے لیے آپ کے پتے پر خط ارسال کردیا ہے امید ہے اگر آپ کے پاس حوض کوثر کتاب ہوگی تو آپ مجھے ضرور بھیجیں گی، بزم سخن میں نوشین ظفر، ایقہ نور، عالم میں انتخاب میں فریدہ جاوید فری، جویریہ وکی مدیحہ نورین مہک، مریم مرتضیٰ، ہالہ سلیم، شوخی تحریر میں تانیہ مسکان، صائمہ سکندر سومرو فریحہ شبیر چھائے رہے، ہماری دعا ہے ہماری پیاری آپی فریدہ جاوید فری کو اللہ تعالیٰ مکمل صحت تندرستی عطا فرمائے آمین۔ دعا ہے حجاب اور ترقی کرے آمین۔

مہہ جبین...... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم ڈیئر حجاب اینڈ آنچل قارئین کیسے مزاج ہیں جناب یقیناً فٹ فاٹ ہوں گے تو تاریخ کو حجاب ملا خوب صورت اور سادہ سی ماڈل دل کو بھا گئی حمد و نعت سے دل کو معطر کیا سلسلہ وار ناول کی طرف دوڑ لگائی، میرے خواب زندہ ہیں سو سو تھا دل کے دریچے سفینہ اور فائز کی مشکلات نا جانے کب ختم ہوں گی پلیز ان کو الگ مت کیجیے گا شب آرزو تیری چاہ میں آئی لو یو نائلہ طارق کیا خوب صورت اور دلچسپ ناول لے کر آئی ہیں ایک عرصہ بعد ایسا ناول پڑھنے کو مل رہا ہے میرے خیال میں پول کے پاس کھڑی ہونے والی شخصیت ایک لڑکا ہی ہے نا کہ خواجہ سرا اور گیٹ سے آنے والی لڑکی اس کی ہیروئن ہوگی پلیز اس کو تیسری دنیا کا فرد مت ثابت کردیجیے گا آغا جان کا شفیق سا کردار بہت پسند آیا اور ان کی بہن کی خوب صورتی کیا کہنے بھئی۔ دراج اور رائمہ بہت مظلوم ہیں آئی ہوپ رائمہ یا دراج کا ہیرو وزرکاش ہو مکمل ناول میں ہو گیا ہے مجھے پیار پارس کی محبت اس کا آخر تک ہی کی جیت ہے جذبات صادق ہوں تو کچھ بھی ناممکن نہیں رہتا، ناولٹ میں زیاں

بہت ہی خوب صورتی کے ساتھ اختتام کیا مگر مجھے نہیں لگتا کہ ایسے جنونی شخص کے ساتھ زندگی گزاری جاسکتی ہے دونوں بہنوں کے نصیب اور سب سے بڑی بات جب ماں ہی نا ہو تو ٹھوکریں ہی مقدر ہوتی ہیں باپ جس کو آخر تک شرم نہ آئی اتار چڑھاؤ سے گزرتا ہوا یہ ناولٹ اچھا رہا، افسانے سب ہی اچھے رہے، کیسی ہار کیسی جیت، بہت ہی دلچسپ افسانہ تھا قلم برائے فروخت کیا حساس موضوع پر قلم اٹھایا، محبت کی ہوا و اٹھی ہی محبت پالینا سب نہیں دوسروں کے لیے قربانی دینا ہی اصل خوب صورتی ہے محبت کی' کچن کارنر اور آرائش حسن زبردست رہے پلیز سوری اس دفعہ کوئی بھی شعر پسند نہ آیا کہیں کچھ کمی تھی شوبز کی دنیا، بہت سی معلومات دے گئی ٹوٹکے بہت ہی مفید لگے (آزمائیں گے) باقی ڈائجسٹ ابھی پڑھا نہیں آخر میں یہ کہ جہاں رہیں خوش رہیں مسکراتے رہیں، دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ۔

فریدہ فری...... لاہور۔ السلام علیکم فروری کا حجاب پیارے سے ٹائٹل کے ساتھ ملا رخ سخن میں اپنی فیورٹ ناول نگار اور دوست اقبال بانو سے ملاقات ہوئی پڑھ کر بے حد خوشی اور معلومات ملیں جب فون پر بات ہوتی ہے تو ان کی آواز کا ترنم سحر انگیز اور آواز اتنی پیاری ہے کیا بات ہے بانو جی آپ کے تمام ناول منگوا کر پڑھوں گی تعارف میں مسکان، فرح ناز، نزرا فریاد اور عمارہ عباس کے تعارف بے حد پسند آئے خوش رہیں پیاری بھابی پروین افضل آپ اپنی زندگی جئیں اللہ تعالیٰ آپ کو اور پرنس بھائی کو لمبی اور صحت مند زندگی عطا کرے اور بے حد کیوٹ بے بی سے نوازے، آمین۔ آپ ایسے نہ لکھا کریں میرے لیے بس دعا ہی کافی ہے شکریہ مکمل ناول مجھے پیار ہو گیا ہے زلمونی اچھے لگے میں تینوں سہیلیوں کی کچھ سمجھ نہیں آئی اور نام بھی عجیب سے رکھے ہیں پلیز نام تو اچھے رکھیں اور صوحی اور صحتان کا مطلب کیا ہے، پلیز برامت منایئے گا مگر قاری کو پڑھ کر پتا تو چلے کہ نام کیسے ہیں عجیب سے سیدہ ضوبار یہ کا ناول قسط وار زیاں اچھا رہا' محبت راستہ ہے ایسا اچھا افسانہ ہے تھجتاں تچھیاں بھی اچھی تحریر لگی دل کے دریچے صدف آصف واہ کیا ناول ہے مزہ آرہا ہے پڑھ کر خوش رہو دہلی کی نہاری کھا کر بہت مزیدار لگی اچھا جی اللہ حافظ حجاب کی تمام ٹیم رائٹرز کو بے حد سلام اور دعا۔

شہلا گل...... کوہاٹ کینٹ۔ سلام محبت جہاں تک پہنچے آج تو صبح صبح موسم دل کش اور نظروں کو ٹھنڈک پہنچانے والا تھا پرندے خوشی سے ڈالی ڈالی گھوم رہے تھے ہوا تازہ مہکتے گلابوں کی خوش بو چرا کر فضا کو مہکاتی پھر رہی تھی بلبل پھولوں کو نغمے سنا کے لبھا رہی تھی اور بھنورے خوش نما تتلیوں کے اردگرد محو رقص تھے اور ہم دل میں اٹل ارادہ کیے بیٹھے تھے کہ حجاب کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا ہے سو موسم کی دلکشی کو انجوائے کرتے جلدی جلدی کام ختم کیا اور کاغذ قلم لیا مگر مجال ہے جو ہماری نیک بخت ساس مجھ سیاہ بخت کو خوش بخت بننے کا موقع دے بقول ان کے بہو کے ہاتھ میں ہر وقت چمچ، جھاڑو یا بیلن ہونا چاہیے کام کے لیے جی (میاں کی ٹھکائی کے لیے نہیں) خیر قلم کو ہونٹوں میں دبا کر جو لفظوں کو سوچا تو سارے الفاظ جو کام کے دوران انڈا نڈ کے دماغ کی زرخیز وادی میں اودھم مچاتے تھے ساس کی ایک گھوری سے نو دو گیارہ ہو گئے۔ "بہو کبوتر کو دانہ ڈالا" کی پکار جی ماں جی کبوتر کو دانا بھی ڈالا اور ڈوگی کو کھانا بھی ڈالا۔ دل ہی دل میں بل کھاتے ہوئے انتہائی فرمانبرداری سے جواب دیا لفظ حجاب کتنا روح پرور نام ہے قرآن مجید میں سات مرتبہ حجاب کا نام آیا ہے حجاب ڈائجسٹ نئے لکھنے والوں کی زرخیز سرزمین ہے جس کی آبیاری قیصر آپی کے ساتھ پوری ٹیم تندہی سے کر رہی ہے، نئی رائٹرز میں سے بھی اردو ادب کی چلتی پھرتی لائبریریاں یا پھر ڈکشنریاں ہیں خوب صورت الفاظ، تشبیہات، محاورات، استعارات زبان دانی واہ واہ اردو کو پڑھنے کا مزہ آجاتا ہے ورنہ گزشتہ سالوں سے تو ہم ساسو ماں کی چالیس کام نکلوانے کے نت نئے گر اور گھوریوں کے حصار میں ہیں ویسے اپیا ہم بھی کم نہیں ہیں مگر افسانوں اور ناولٹ میں چھپنے والی تحریریں ہمارے ذہن کو آؤٹ آف کنٹرول ہونے نہیں دیتی مان مریادا کھونے نہیں دیتی۔ ورنہ دل کرتا ہے کہ الگ تھلگ کونے میں بیٹھ کر لفظوں کی دنیا میں گم ہو جاؤں میرے قلم سے ایسے لفظ نکلیں جو وادی دل کے ساتھ ساتھ روح ذہن سے بھی پھوٹیں میرے قلم سے نکلنے والے الفاظ قارئین کے دلوں میں تلاطم برپا کردے جیسے ساسوں ماں کی بڑبڑاہٹ ہمارے جذبات میں ارتعاش لارہی ہے او جی ہم تو مونا قریشی کی طرح بھی لکھ سکتے ہیں کاش، ہم نازیہ کنول کی طرح لفظوں کے گلستان مہکائے کاش سمیرا شریف طور جیسا لکھتے کہ ذہن باد صبا اور باد نسیم کی طرح سکون کے بادلوں میں محو رقص ہوتا یا پھر اقرا صغیر کی طرح جو لمحہ بھر کو مبہوت کردے یا پھر نائلہ طارق کی طرح جو اپنے منفرد انداز کے ساتھ دل و دماغ کو سحر کرلیتی ہے یا پھر قیصر آپی کی طرح جو کہ دل میں بستی ہے بقول شاعر

> کتنی دولت ہے تمہارے لہجے میں کہ
> بات کرتی ہو تو دل خرید لیتی ہو

اور دلوں میں بسنے والے تو وہی ہوتے ہیں جن پر رب کریم کی خاص ودیعت ہوتی ہے لفظ ساتھ دے رہے ہیں تو وقت ریت کی طرح مٹھی سے پھسل رہا ہے ساناٹری پیا کے آنے کا وقت ہو رہا ہے پیارے حجاب کو پیار ے قارئین کے زیر سایہ ہمیشہ اللہ ہرا بھرا رکھے، آمین۔

☆ ڈیئر شہلا! ان باتوں کے ساتھ تبصرہ بھی کرتیں تو زیادہ اچھا لگتا۔

شائستہ جٹ..... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم جوہی اور تمام حجاب قارئین امید ہے سب کے مزاج بخیر ہوں گے تو بات ہوجائے ذرا اس ماہ کے حجاب کی تو بھئی کیا کہنے سرورق ماڈل ہلکی مسکان سجائے دوپٹا ذرا سا سر کا کر ہمیں اپنے جھمکوں کی زیارت کروا رہی تھی پھر بھاگے آئے مدیرہ جی کے پاس تو بھئی یہاں بھی سیاسی گرمی کا موسم اور مدیرہ کی نرم خو اور دلنشین انداز پر دل و جان سے فدا ہوئے حمد و نعت میں دل کی دنیا کو ایمان سے منور کیا رخ سخن میں اقبال بانو سے ملاقات اچھی لگی بچی آپی ہماری ایک ٹیچر ہوا کرتی تھیں اس کے جیسی ہیں تو بات ہوجائے ذرا اس ماہ کے ستاروں کی تو جو دل کے تاروں کو چھیڑ کر مدھر دھن بنا گئی وہ تحریر ٹھہری نائلہ طارق جی کی "شب آرزو تیری چاہ میں" اس ناول کو پڑھ کر دل میں بے ساختہ یہ شعر بن گیا۔

وہ جس کے انتظار میں تھے میرے شب و روز
وہ گوہر نایاب مجھے مل گیا حجاب میں

اب ہم بڑھے ذرا آگے اور پسند آیا ہمیں کردار دراج کا اور زرکاش بھائی اپنی کاوش کو جاری رکھیے گا اور آگے کہانی بہت مزے کی ہونے والی ہے آہ کیسی ہار کیسی جیت پر دل پر بوجھ سا آ پڑا یاسر کی کیفیت پر دل ناتواں اداس سا ہو گیا لاحاصل بس ٹھیک رہا محبتاں سچیاں میں پانی کا جو منظر پیش کیا گیا پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے شاید اس وجہ سے میرا پانی سے ڈر ہے محبت کی ہوا میں فضا جیسا کردار لاکھوں میں ایک ہوتا ہے اور قاسم تو گویا اس کردار کی تکمیل تھا ایسے لوگ اپنے اردگرد محبتوں کا سائبان رکھتے ہیں جس کے نیچے سب کے لیے جگہ ہوتی ہے بھلے خود وہ گرم دھوپ میں جل رہے ہوں اونچی نیچی پگڈنڈیوں سے ہوتے ہوئے محبت کے راستے تک پہنچے تو بھئی محبت راستہ ہے ایسا جہاں پر گلاب رتوں کے موسم ہوتے ہیں اور محبت کنول نے اس راستے کو حسین اور دلکش بنا دیا قلم برائے فروخت نہیں زبردست رہا میں تینوں سمجھاواں کی پہلے تو راحت جی کی آواز میں مست ہو کر سر لگانے کی کوشش کی ناکامی پر دل مغموم کر کے صحنان کے پاس پہنچے وہاں وسیم کی بے رخی پر خوب دل کو جلایا اور شو میں اس کی خودداری اور گریز پر دل میں ایک طمانیت اور خوشی محسوس ہوئی بھئی بندے کی کوئی عزت نفس بھی ہوتی ہے کیوں؟ یوم محبت بھی اچھا رہا زیاں آئے ہائے کیا زبردست ناول ہے مزہ آ گیا۔ ہو گیا ہے مجھے پیار اچھا لگا پڑھ کر اگر پارس کی جگہ میں ہوتی اور وہ سانپ میرے گلے میں نیکلس بن کر لٹکتا تو میری چیخوں سے یقیناً سارے درو بام ہل جاتے ہاہاہا۔ زلوتی بھی اچھا رہا، دل کے دریچے بھی زبردست رہا میرے خواب زندہ ہیں بھی دل کے قریب محسوس ہوا جیسا میں نے دیکھا پڑھ کر مزہ آیا باقی سارے سلسلے زبردست رہے اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ پاک ہمارے ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور دہشت گردوں کو اللہ ان کے خوفناک انجام تک پہنچائے جو ہمارے گھروں کو اجاڑ رہے ہیں اور ہمارے فوجی جوانوں کو قوت اور ہمت عطا فرمائے آمین۔

☆ ڈیئر شائستہ! آئندہ بھی محفل میں شامل رہیے گا۔

عائشہ پرویز صدیقی..... کراچی

بلا کی افراتفری ہے ہماری ذات میں
لیکن ہم اتنی بے دھیانی میں بھی تیرا دھیان رکھتے ہیں

نیلی دھوپ میں شمارہ نور نظر ہوا۔ چمکتی، بکھرتی کرنوں میں گرما گرم چائے کے ساتھ حجاب کے مطالعے کا خاصا لطف آیا۔ ویسے ہمیشہ حجاب موصول ہوتے ہی اس کا ٹائٹل دیکھ کر میرا موڈ اچھا یا برا ہو جاتا ہے مجھے ہلکا پھلکا سا ٹائٹل ہمیشہ سے اچھا لگتا ہے اس دفعہ پسند آیا۔ "بات چیت" ختم کرتے ہی "حمد و نعت" سے فیض یاب ہوئے پھر چاروں پریوں سے جان پہچان کی۔ "رخ سخن" میں اقبال بانو کا انٹرویو پڑھا "آغوش مادر" اقرا اور ثنا کی مما کے بارے میں پڑھ کر بے ساختہ ڈھیر ساری دعائیں نکلیں۔ ارے واہ سندس جبین سے ملاقات، یہ کیا سب نے اکیلا اکیلے کر لی اور مجھے بتایا بھی نہیں ہنہہ۔ سلسلے وار ناول "شب آرزو تیری چاہ میں" کی جانب بھاگی نائلہ طارق نے معاشرے میں پھیلے ایک ناسور کی جانب اشارہ کیا ہے، جس کو شاذ و نادر ہی موضوع بنایا جاتا ہو، ہمارے معاشرے کی مثال تو ہوئی ہو گئے کہ برا اچھا بدنام برا اب آگے آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا۔ ان کے بعد "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ مجھے آپ کی یہ اسٹوری بے حد پسند ہے اسٹوری پر تبصرہ تب کروں گی جب اس کا اینڈ ہوگا۔ "دل کے دریچے" ونڈرفل بہت اچھے طریقے سے کہانی آگے بڑھ رہی ہے۔ مکمل ناول "زلوتی" عابدہ احمد عابی آفرین ہے لکھنے کا یہ انداز بہت بھایا پلیز اسی طرح مزاح سے بھرپور ناول بھی لکھیے گا۔ "ہو گیا ہے مجھے پیار" حنا آپ کا مکمل ناول اچھا تھا لیکن موضوع کچھ دل کو خاص نہیں لگا کوئی فنٹاسٹک سی اسٹوری لے کر آئیں نا۔ ناولٹ سیدہ صوبار یہ "زیاں" واہ جی واہ لگتا ہے دنیا فتح کر لی اے کتنے اچھے طریقے سے اینڈ کیا مبارکاں، بھئی مبارکاں۔ افسانے "کیسی ہار کیسی جیت" اقبال بانو سچ کہا آپ نے انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا ہے اور وہ لٹ جاتا ہے تقدیر کے ہاتھوں بے شک ایک نصیحت آمیز تحریر تھی۔ "محبت کی ہوا" اتنی بہترین تحریر شاید ہی کسی نے لکھی ہو پڑھ کر بے ساختہ آنکھیں آنسوؤں سے

لبریز ہوگئیں۔ ''لاحاصل سفر'' گھر سے بھاگی لڑکیوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ سب لوگ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، صرف تنہائی ملتی ہے۔ ''شجتاں تجیاں'' سوہنی ماہنیوال کے جذبات بہت خوب صورت سے بیان کیے۔ بہت زبردست۔ ''محبت راستہ ہے ایسا'' ''یوم محبت'' بھی اچھی کاوش رہی۔ ''قلم برائے فروخت'' ایک بہترین افسانہ بہت اچھے مرکزی خیال کے ساتھ بہت متاثر کن لگی۔ ''میں تینوں سمجھاواں کی'' ہلکی پھلکی تحریر رومانوی انداز لیے ہوئے تھی بوریت یک دم اڑن چھو ہوگئی۔ جیسا میں نے دیکھا پروین شاکر کی حروف بہ زباں خوب رہی۔ بزم سخن سب نے ہی اچھا انتخاب چنا۔ کچن کارنر میں ہالہ و عائشہ سلیم کی ریڑی کی ترکیب پر عمل کرنے کا سوچ رہی ہوں اللہ جانے ریڑی بنے گی یا ریڑ ہی ہی۔ آرائش حسن نہیں پڑھا کیونکہ میں سردیوں میں نہیں گرمیوں میں جی رہی ہوں۔ عالم میں انتخاب صبا اسپیشل آپ کا یہ قطعہ میرا فیورٹ ہے میری ڈائری میں یہ قطعہ موجود ہے۔ شوخی تحریر ٹھیک رہی بس۔ حسن خیال میں سب کے خیالات جگمگاتے رہے ٹوٹکے میں سے مہندی کا داغ دور کرنے کی ترکیب فوراً حافظے میں جذب کرلی کہ یہ کارنامے اکثر ہی نادانستگی میں ہم جیسے معصوموں (ہاہاہا) سے سرزد ہوتے ہیں۔ (معاف کیجیے گا اگر جھوٹ ہضم نہ ہو پائے تو) تبصرہ کافی لمبا ہوگیا پر کیا کریں جب حجاب سے کچھ کہنے بیٹھے تو ''کچھ'' ''بہت کچھ'' میں بدل جاتا ہے آخر میں اپنے پیارے ملک کے لیے ترقی و خوشحالی کی دعا کیجیے اور آئندہ ماہ کے لیے اجازت فی امان اللہ۔

لوم علی ......

اس شہر باکمال میں اک ہم کو چھوڑ کر
ہر شخص بے مثال ہے ہر شخص لاجواب ہے

حجاب کے سرسبز و شاداب ٹائٹل کو دیکھ کر شکر کیا کہ فروری کی سرحی عروج پر ہونے کے باوجود حجاب نے ویلنٹائن ڈے کا احساس دلا کر دل برا نہیں کیا ابتدا ہوا اس ذات کا نام نہ ہو جس نے ابتدا کی حمد پسند آئی اور نعت سے دل کو سرور ملا۔ مدیرہ کی باتیں غور سے سنی پھر سب سے ملاقات کی طبیعت خوشگوار ہوگئی۔ اچھی لڑکیوں کے بارے میں جان کر آگے قدم بڑھایا۔ اقبال بانو سات سلام سادہ اور منفرد ان کا زبان و بیاں لیے لوگ کم ملتے ہیں خوش رہیں اور ایسا ہی لکھتی رہیں کہ ہمارے دلوں میں اترتی رہیں بانو جی کے افسانہ میں گھنے بالوں نے اپنے بالوں کا خیال دلایا اور سب ہی تو منفرد اور دلچسپ تھا مزا آ گیا افسانے سے لطف اٹھایا ہاں جی افسانہ بھی بھاگ کرگئی اور پڑھ آئی۔ سندس جبین سے باتیں سب نے کی اور میں نے سنی کیونکہ زیادہ باتیں آتی بھی تو نہیں مجھے۔ سلسلہ وار ناول ''شب آرزو تیری چاہ میں'' ایک خاص انداز سے سلسلہ وار ناول کو ترتیب دیتی نائلہ صاحبہ معاشرے کی عکاسی کرتی قدم قدم آگے بڑھ رہی ہیں۔ صدا خوش رہیں۔ زلمونی پڑھ کر لطف اٹھایا اور مزا آیا۔ حنا جی کا مکمل ناول پسند آیا بس تھوڑی سی تشنگی رہ گئی۔ افسانے سب ہی پر لطف رہے ''شجتاں تجیاں'' احساس اور عزت ہو تو محبت سچی ہی ہوتی ہے جذبات کی عکاسی کرتی تحریر ''لاحاصل سفر'' کوئی بھی سفر جس کا حاصل کچھ نہ ہو بے فائدہ اب یہاں تو بات بھی نازک ہے گھر سے بھاگ جانا کہاں کی عقلمندی ''میں تینوں سمجھاواں کی'' حالانکہ کہ مینوں تے خود وی کچھ سمجھ نہیں۔ بہت دلچسپی لیے اس عمدہ شکار میں بزم سخن سے آگے چلیں یہ میرے بس کا روگ نہیں۔ کچن میں جھانک کے دیکھا بھوک چمکی لیکن ہائے افسوس پکانا کچھ نہیں آتا کہ جب بھی پکاتی ہوں بس منہ ہی بناتی ہوں۔ حسن کو چار چاند لگانے ہیں اس لیے سیکھا لیکن الحمدللہ اپنے لیے نہیں دوسروں کو بیوٹیشن کے مشوروں سے نوازنے کے لیے ہاہاہا۔ شوخی تحریر، عالم انتخاب حسن خیال سب ہی آگے پیچھے پڑھتے پڑھ ڈالا مزا آیا پڑھ کے سب اللہ حجاب کو بہت ترقی دے اور ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے سب رائٹر اور سب قارئین خوش رہیں سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھرتے رہیں۔ خدا حافظ۔

☆ ڈیئر ارم! پہلی بار محفل میں شرکت کرنے پر خوش آمدید آئندہ بھی محفل میں شامل رہیے گا۔

اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ کے لیے رخصت کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رزق حلال کمانے اور کھانے کی توفیق عطا فرمائے اور غلط راہوں پر چلنے سے بچائے، آمین۔

قابل اشاعت:۔

حسن کائنات، جیا نا لگے، محبت جیت جاتی ہے، توبہ، بیا اپریل فول، صدائے بہار، پیاسنگ عید۔

ناقابل اشاعت:۔

بھروسہ، امید اب بھی باقی ہے، مفسدو سماس، اہل، لاڈلی، ہائے ری قسمت۔

husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

اسقاط حمل

(Miscarriage Abortion)

اسقاط کی اصطلاح حمل میں اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب جنین یا بچہ اٹھائیس ہفتوں یا اس سے پہلے خارج ہوجائے اس مرض کا عام مفہوم یہ ہے کہ عورت حاملہ ہو اور ایام حمل کے پورا ہونے سے پہلے اس کا حمل ساقط ہوجائے۔

یہ عموماً پہلے چھ ماہ تک ہوتا ہے اس کے بعد ساتویں یا آٹھویں ماہ میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان کو قبل از وقت حمل یا (Premature Delievery) کہتے ہیں۔

پہلے چھ ماہ تک جتنے بھی بچے ساقط ہوتے ہیں ان کے اندر شاذ و نادر ہی کسی میں جان پائی جاتی ہے لیکن ساتویں مہینے میں اور اس کے بعد کے بچے زندہ رہ سکتے ہیں۔

وجوہات:۔ اسقاط حمل کی وجوہات میں تین بڑے اسباب ذیل ہیں۔

ماں کی طرف سے خرابی:۔ جب ماں کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ جائے جیسے شدید بخار، ہائی بلڈ پریشر، مزمن، امراض گردہ، سفلس یا ذیابیطس میں ماں مبتلا ہو، شدید ذہنی و جسمانی کام ورزش، سخت جسمانی محنت مثلاً گھوڑے کی سواری، ناہموار سڑک پر تانگہ یا گاڑی کی سواری ریل کا سفر، کشتی کی لمبی سیر، بھاری بوجھ کا اٹھانا، دوڑنا بھاگنا وغیرہ، ان حالات میں خون کا دوران تیز ہوجاتا ہے۔

مختلف قسم کی دست آور ادویہ، کونین یا دیگر محرک ادویات جو دانستہ یا غیر دانستہ حاملہ کو دی جائیں انہا بھی بعض اوقات اسقاط کی وجہ بنتا ہے۔

جذباتی تحریکیں مثلاً یکایک شدید غصہ، ڈر، خوف، خوشی، خوفناک واقعات کا دیکھنا یا سننا، خطرات کی جگہوں میں جانا، موت کی خبر یا مرتا ہوا آدمی دیکھنا۔

ہارمون کا غیر متوازن ہونا بھی بچے کی اموات کا باعث ہوتے ہیں بعض اوقات پر اسٹرون اور تھائی رائیڈ کی کمی کی وجہ سے بھی اسقاط ہوجاتے ہیں۔

رحم میں ورم، زخم یا کینسر بھی اسقاط کا موجب ہوتے ہیں۔

جسم میں خون کی زیادتی، موٹاپا یا چربی کی زیادتی بھی اسقاط کی وجوہات ہوسکتی ہے خون کی زیادتی سے خون کا اجتماع مقامی طور پر ہوجاتا ہے اس لیے اسقاط ہوجاتا ہے۔

دودھ پلانے والی عورتوں کو قدرتی طور پر حاملہ نہیں ہونا چاہیے لیکن جب ان کو حمل قرار پاجاتا ہے تو پستان کے غدودوں کی تحریک سے حمل ساقط ہوجاتا ہے نتیجتاً ہر حمل پر ان کو عادتاً اسقاط کا خطرہ رہتا ہے۔

معدے اور آنتوں کی مختلف خرابیاں قابل ذکر ہیں مثلاً متلی، قے اور سخت قبض، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خرابیاں بذات خود حمل کو ساقط نہیں کرسکتیں، بلکہ یہ مقامی خرابیاں رحم اور اس سے معلقات کو بھی متاثر کرتی ہیں۔

RH FACTOR میاں بیوی کے خون کا نہ ملنا جبکہ ماں RH (نیگیٹو) اور باپ RH+ (پازیٹو) ہو اور بچہ RH+ ہو تو بھی یہ بچے کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔

باپ کی طرف سے آئی گئی خرابی:

بعض مثالیں ایسی بھی موجود ہیں جن میں والدہ کی طرف سے کوئی خرابی نہیں ہوتی مگر باپ کی طرف سے نطفہ میں خرابی ہوجانے کی وجہ سے اسقاط ہوجاتا ہے مثلاً آتشک کا اثر والد کی طرف سے جب انڈے میں پہنچتا ہے تو وہ کچھ عرصے کے لیے نشوونما ضرور پاتا ہے لیکن کچھ وقت کے بعد آتشک کے زہر سے حمل ساقط ہوجاتا ہے۔

بچے کی خرابی:

جب بیضہ میں خرابی ہو یہ بچے کی موت کا سبب بنتا

ہے جبکہ بچہ غیر نشوونمایافتہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کی طبعی کیفیت میں خرابی ہونے کی وجہ سے حمل ساقط ہوتے ہیں۔

علامات:۔

اسقاط کے خدشہ کی علامات بہت سی ہیں اسقاط سے قبل حاملہ کو مندرجہ ذیل علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

جاڑا، بخار، متلی، پیاس، سستی، کمزوری شکم، ٹھنڈے پن کا احساس، بازوؤں، ٹانگوں میں سردی، چہرے پہ پیلا پن، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، ناقابل بیاں موت کا احساس، پستانوں میں ورم، دودھ کا ظاہر ہونا، مانچولیا وغیرہ ظاہری علامات ہیں۔

خون ملا سیلان رانوں، شکم اور کمر میں درد، درد ایسے جو حیض کے زمانے سے قبل ہوا کرتے ہیں ان دردوں سے قبل سیلان خون ہو بھی سکتا ہے اور رک بھی ہو سکتا ہے لیکن کچھ عرصہ اگر سیلان خون جاری رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ جلد یا دیر میں حمل ساقط ہو جائے گا تاوقت یہ کہ اس کیفیت کو ٹھیک ادویہ سے درست نہ کر دیا جائے۔

شکم یا پیڑو میں نیچے دبانے والے احساسات یہ احساسات بغیر درد کے بھی ہو سکتے ہیں۔

لعاب دہن بکثرت خارج ہوگا بدن ست اور ڈھیلا ہوگا۔ پستان کا سائز کم ہونے لگے گا اور ڈھیلا پن آجائے گا رحم اپنے مقام سے نیچے کی جانب مائل ہوگا جب اسقاط کا وقت قریب ہو تو حاملہ کے سر میں اکثر غیر معمولی گرانی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہوتا ہے۔

رحم میں بچے کی حرکات کا بند ہو جانا۔ پانچویں مہینے کے بعد اسٹتھو اسکوپ کے نیچے بچے کے دل کی حرکات کا سنائی نہ دینا۔

علاج:۔

وہ اسباب جو موجب اسقاط حمل ہیں ان سے بچنے کی کوشش کریں چوتھے مہینے سے پہلے اور ساتویں مہینے کے بعد اسقاط حمل کا اندیشہ ہوتا ہے ان ایام میں پرہیز لازم ہے تقویت رحم اور تقویت بدن کے لیے خاص ادویات کا استعمال کریں اگر والدین میں سے کوئی ایک امراض فساد خون میں مبتلا ہوں تو مصفیٔ خون ادویہ مفید ہوتی ہیں جب اسقاط کی علامات ظاہر ہوں تو ایسی تدابیر اختیار کریں کہ جن سے عورت کی صحت پر برا اثر نہ پڑے اور وہ مصیبت سے بچ جائے۔

اسقاط حمل کے خطرے کے پیش نظر مندرجہ ذیل ادویہ بوقت ضرورت علامات کے مطابق استعمال ہو سکتی ہیں۔

اکونائیٹ:۔ اگر حاملہ ڈر گئی ہو اور ڈر کا اثر اس سے جاتا نہ معلوم ہو سیلان خون کے ساتھ موت کا بھی ڈر ہو مریضہ بستر سے نکلنے سے حرکت سے ڈرے، حادثات کا ڈر۔

الٹرس فاری نوسا:۔ جن کے عادتاً حمل ساقط ہوتے ہوں رحم کے مقام پر بوجھ کا احساس۔

آرنیکا مونٹانا:۔ ایسے حالات میں جب مریضہ کو کوئی صدمہ یا چوٹ وغیرہ لگی ہو یا کہیں سے گری ہو جب درد کے ساتھ یا بغیر درد کے سیلان خون شروع ہو جائے۔

کیمو ملا:۔ دردزہ کے سے درد جن کے ساتھ سیاہی مائل خون کا سیلان ہو بے حد بے چینی، پریشانی اور مزاج میں، چڑچڑا پن۔

ڈلکا مارا:۔ جہاں اسقاط کا خطرہ مرطوب موسم سے ٹھنڈی جگہ سے یا ٹھنڈے موسم اور مرطوب مکانوں میں رہنے کی وجہ سے پیدا ہو۔

اوپیم:۔ جب اسقاط کا خطرہ آخری مہینوں میں ہو، اس کے علاوہ برائی اونیا، کاربووج، سمی سی فیوگا، کریازوٹ، وائی برنم تھوجا بھی علامات کے مطابق دیے جا سکتے ہیں۔

میری تلاش

اداکارہ ریشم نے کہا ہے کہ شادی میرا ذاتی مسئلہ ہے اس سے کسی کو کیا لینا دینا شوبز میں اپنے منفرد کام کی وجہ سے ایک مقام رکھتی ہوں مجھے ٹی وی اسکرین سے شہرت ملی اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتی، ہر فنکار کی طرح میں بھی اچھے کردار کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہوں۔ ریشم نے کہا کہ میں خود کو خوش قسمت سمجھتی ہوں جس کو ہر فنی کیریئر کی ابتدا سے وہ شہرت حاصل ہوئی جس کی لوگ مدتوں خواہش کرتے ہیں، اداکارہ نے کہا کہ فنکار ہر وقت اچھے کردار کی تلاش میں رہتا ہے اور میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔

وقت بدل گیا

فلموں میں سینئر فنکاروں کو اہم کرداروں میں لینے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے تاہم ٹی وی کے سینئر اداکار شکیل کو ہدایتکار خالد خان نے فلم "زہر عشق" میں کاسٹ کیا ہے جس کے ذریعے ان کی 17 سال بعد فلم انڈسٹری میں واپسی ہورہی ہے اسی فلم میں اداکار شبیر جان ڈیبیو کرنے جارہے ہیں جبکہ اداکار و ہدایتکار جاوید شیخ نے اداکار شاہد کو فلم "وجود" میں ندیم اور اپنے مقابل اہم کردار میں کاسٹ کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تینوں فنکار پہلی مرتبہ کسی فلم میں اکٹھے جلوہ گر ہوں گے علاوہ ازیں ہدایتکار گوہر رشید نے اسٹریٹ فٹبال پر بنائی جانے والی فلم "میدان" میں اداکار نعمان اعجاز کو مرکزی کردار میں لیا ہے جس کے ذریعے ان کی سات سال بعد پردہ اسکرین پر واپسی ہورہی ہے جبکہ اداکار عدنان صدیقی فلم "یلغار" کے ساتھ بھارتی فلم "موم" کررہے ہیں۔

کوئی مہربان ہوا

فلم اسٹار میرا نے نئی فلم سائن کرلی (ارے بھئی کس

کی؟) اداکارہ میرا نے ڈرامہ ڈائریکٹر سیما طاہر کے ساتھ فلم میں کام کرنے کا معاہدہ کیا ہے اور اگلے ماہ فلم کی شوٹنگ میں حصہ لیں گی، (اور اگر بھول گئیں تو......) اس حوالے سے میرا کا کہنا ہے کہ میں نے سیما

طاہر کے ساتھ ایک ڈرامہ سیریل بھی کیا ہے وہ ایک اچھی ڈائریکٹر ہیں (ان کو چھوڑیں اپنی بات کریں) اور سب سے بڑھ کر مجھے اسکرپٹ میں اپنا کردار اچھا لگا ہے اور اسی وجہ سے میں نے فلم میں کام کرنے کی پیش کش قبول کی ہے (پیش کش قبول کی ہے یا زبردستی کروائی ہے) انہوں نے کہا کہ توقع ہے کہ اگلے ماہ فلم کی شوٹنگ کا آغاز ہو جائے گا۔

ماہرہ کے خواب

رئیس اپنی ریلیز کے بعد باکس آفس پر چھائی رہی اور بھارت سمیت بہت سے ممالک میں کھڑکی توڑ بزنس بھی کیا لیکن رئیس کی شاندار کامیابی کے باوجود اداکارہ افسردہ ہیں اور انہوں نے سوشل میڈیا ایپ انسٹگرام پر ایک ویڈیو شیئر کی جس میں بالی ووڈ کی بلاک بسٹر فلم دل والے دلہنیا لے جائیں گے کی اداکارہ کاجول کی طرح کھیتوں میں رقص کرتی نظر آرہی ہیں۔ ویڈیو کے ساتھ اداکارہ نے لکھا ہے کہ انہیں افسوس ہے کہ فلم رئیس میں وہ یہ سب نہیں کرسکیں جیسے اداکارہ کاجول نے دل والے دلہنیا لے جائیں گے میں کیا تھا۔ (وہ کاجول ہے اور آپ پلیز اپنی صحت پر ظلم مت کریں)

انوکھی محبت

اداکار، فلم اسٹار فواد خان نے کہا ہے کہ پنجابی فلموں میں کام کرنے سے خوفزدہ نہیں ہوں اگر کسی اچھی فلم میں موقع ملے گا تو ضرور کام کروں گا مجھے پاکستانی فلم انڈسٹری سے بہت زیادہ محبت ہے (جب ہی کبھی نظر نہیں آتے) اپنے ایک انٹرویو میں فلم اسٹار فواد خان نے کہا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی فلم انڈسٹری کی مضبوطی میں پنجابی فلموں کا ہمیشہ سے اہم کردار رہا ہے اگر مجھے بھی پنجابی فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا تو ضرور کام کروں گا کیونکہ مجھے بھی پاکستانی فلم انڈسٹری اور اس کی ترقی سے بہت محبت ہے۔ (یہ محبت چھپا کر رکھیں)

فلم آئینہ

ہدایت کار سید نور کا فلم آئینہ کا پارٹ ٹو بنانے کا فیصلہ (کیوں مزہ خراب کرتے ہیں) مذکورہ فلم میں اہم کرداروں کے لیے شبنم اور ندیم کو کاسٹ کیا جائے گا اس حوالے سے گزشتہ دنوں سید نور نے شبنم کو فلم میں کام کی آفر دی جس کے جواب میں شبنم نے فلم کا اسکرپٹ جاندار ہونے کی شرط رکھی ہے (سمجھدار خاتون ہیں) سید نور نے ان کو یقین دلایا کہ ماضی کی فلم آئینہ سے آئینہ 2 کی کہانی منفرد و جاندار ہوگی جس میں فنکاروں کے کردار بھی شبنم کو کاسٹ کرنے میں دلچسپی لے رہے ہیں شبنم پاکستان میں فلمسازی کے

بڑھتے ہوئے رجحان کو دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں ان کی کوشش ہے کہ اپنی عمر کے لحاظ سے کرداروں کا انتخاب کریں جس میں پرفارمنس کے مواقع بھی بھرپور ہوں۔

بلیک لسٹ

مایہ ناز پاکستانی گلوکار اور سماجی کارکن ابرار الحق کا نام امریکی ویزہ کی بلیک لسٹ میں ڈال دیا گیا ہے جس کے بعد وہ امریکہ کے سفر پر اس وقت تک روانہ نہیں ہوسکتے جب تک ان کا نام B2/B1 سے خارج نہ کر دیا جائے میڈیا رپورٹس کے مطابق ان کا نام غلط ویزہ کیٹگری پر امریکی شہروں میں کانسرٹس کرنے پر بلیک لسٹ کیا گیا، اس کے علاوہ انہوں نے ان کانسرٹس سے ہونے والی آمدنی پر ٹیکس بھی نہیں دیا گیا جس کے بعد امریکہ حکومت نے یہ قدم اٹھایا ہے ذرائع کا کہنا ہے کہ B2/B1 ایک ایسی ویزہ کیٹگری ہے جس میں آپ صرف سیر کرنے یا کسی کانفرنس میں شرکت کے لیے جاسکتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا جاسکتا، اگر آپ کوئی گلوکار یا اداکار ہیں تو آپ کو P یا O ویزہ لینا پڑتا ہے چونکہ ابرار الحق نے P یا O ویزہ نہیں لیا اور B کیٹگری ویزہ پر پرفارم کرتے ہوئے نہ صرف کانسرٹس کیے بلکہ ان سے ہونے والی آمدنی پر ٹیکس بھی نہ دیا جس کی وجہ سے انہیں بلیک لسٹ کر دیا گیا ہے۔

فلم کیک

معروف اداکارہ آمنہ شیخ نے کہا ہے کہ اداکار ہدایتکار عدنان ملک کی فلم ''کیک'' ایک رومانی اور کامیڈی فلم ثابت ہوگی (فیصلہ نہیں کر پا رہی......) اور شائقین فلم کو ضرور پسند کریں گے وہ کیک کی تقریب میں صحافیوں سے گفتگو کر رہی تھیں، انہوں نے کہا کہ پاکستان فلموں کا معیار اب پہلے سے زیادہ بہتر ہوگیا ہے اور بیرون ممالک میں بھی ان فلموں کی دھوم ہے (ممالک کے نام بھی تو ہیں) آمنہ شیخ نے کہا کہ فلم کیک روایتی فلموں سے ہٹ کر بنائی جا رہی ہے اس میں کہانی، ڈائریکشن، موسیقی، نغمات اور سب سے بڑھ کر اداکاروں کی پرفارمنس عمدہ ہے۔ (آپ جو ہیں اس فلم میں)

مقابلہ بازی

آئندہ ماہ ہونے والی شہر کی بڑی فلمی ایوارڈز کی تقریب میں چھ نامزد فلموں میں ایکٹر ان لاء کو بہترین اداکار فہد مصطفیٰ اور مہوش حیات کو بہترین اداکارہ اور نبیل قریشی کو بہترین ہدایتکار کے ایوارڈ زملنے کی توقع ہے جبکہ ان چھ فلموں میں ہومن جہاں، مالک، ماہ میر، جانان اور دوبارہ پھر سے شامل ہیں فلم مالک پر تین ہفتے بعد ہی پابندی لگادی تھی جبکہ ہومن جہاں ہی ایک ایسی فلم ہے جس میں ماہرہ کا مقابلہ مہوش حیات سے ہوگا (کس چیز کا مقابلہ) البتہ بہترین ہدایتکاروں کی فہرست میں عائشہ عظیم، عاصم رضا، انجم شہزاد، جمال شاہ، ہاشم ندیم، احمد جمال بھی شامل ہیں علاوہ ازیں بہترین اداکاروں کی فہرست میں محب مرزا، یاسر حسین، ساجد حسن اور بہترین اداکاری کے لیے ماہرہ خان، صبا قمر اور ارمینا خان کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بہترین گلوکار کے لیے راحت فتح علی خان (اوہ خدایا) عاطف اسلم (دل ڈانسر ہوگیا) جبکہ گلوکارہ کے لیے عائمہ بیگ، مائی دہائی، نینا روئے، معصومہ انور، زیب بنگش، اسرا شنکر ونڈارے اور نتاشہ بیگ بہترین کہانی نویس کے لیے فضا علی، سرمد صہبائی، عاشر عظیم، عاصم رضا، عبدالخالق خان، جبکہ پشتو فلموں میں عمدہ اداکاری کے ایوارڈ کے لیے ارباز خان اور شاہد خان میں مقابلہ متوقع ہے اس کے علاوہ بھی مختلف شعبوں کی نامزدگیاں بھی مکمل ہوگئیں۔

☺

ٹوٹکے

[illegible] احمد

بلڈ پریشر نارمل

روزانہ صبح لہسن کے دو جوئے اور ایک چائے کا چمچ شہد کھانے سے بلڈ پریشر بالکل نارمل رہتا ہے۔

دانت، مسوڑھے مضبوط

شہد کو سرکہ میں گھولیں اور اس کی کلیاں کریں دانت اور مسوڑھے مضبوط ہو جائیں گے۔

ٹماٹر لیموں محفوظ کریں

ٹماٹر کبھی کبھی بہت مہنگے ہو جاتے ہیں جب سستے داموں ملتے ہیں تب زیادہ لے لیں اور گرائنڈ کر کے فریزر میں برف جمانے والی کیوب کی شکل میں ڈال دیں تازہ ٹماٹر کا ذائقہ ملے گا لیموں سستے ہوں تو انہیں بھی آپ اسی طرح فریز کر کے استعمال کر سکتی ہیں۔

آلو قیمہ خوش بودار

آلو قیمہ جب پکائیں تو اتارنے سے پہلے اس میں آدھی گٹھی، ہرا دھنیہ کاٹ کر ڈال دیں تو کھانے میں مصالحے دار بریانی کی سی خوش بو آئے گی۔

آلو کالے نہ ہوں

بچوں کے لیے گھر میں بنائے جانے والے چپس کے آلو کاٹنے کے بعد اگر ان کو تھوڑی سی پھٹکری ملے پانی میں ڈال کر دھو لیا جائے تو پھر چپس سفید رہیں گے آلو کالے نہیں ہوں گے۔

روٹی نرم، پھولی

جب آٹا گوندھیں تو نمک اور پانی کے ساتھ کھانے کے دو کھانے کے چمچ کوکنگ آئل پانی میں شامل کر کے آٹا لوند ھیے روٹی نرم ہوگی اور پھولے گی بھی۔

چیونٹیاں دور

اگر کسی جگہ ڈھیر ساری چیونٹیاں جمع ہوں تو وہاں تھوڑی مقدار میں آٹا چھڑک دیں چیونٹیاں دور چلی جائیں گی۔

کریم ملائی کھٹی نہ ہو

کریم یا ملائی کو کھٹا ہونے سے بچانے کے لیے اس میں تھوڑی سی چینی ملا کر ٹھنڈی جگہ رکھیں۔

گوشت کی بساند

گوشت کی بساند ختم کرنے کے لیے ایک کھانے کا چمچ آٹے کی بھوسی چھڑک دیں اور دس منٹ بعد دھو لیں۔

بڑھا ہوا پیٹ گھٹانے کے لیے

- کھانا کھانے سے قبل ایک گلاس پانی پی لیا کریں۔
- ناشتہ ضرور کریں اور اسے چھوڑنے سے گریز کریں۔
- اپنی ڈائٹ میں ریشہ دار غذاؤں کا استعمال بڑھائیں۔
- روزانہ کی سات سے آٹھ گھنٹے کی نیند ضرور لیا کریں۔
- باہر کی مرغن اور غیر معیاری غذاؤں سے پرہیز کریں۔
- پانی کا استعمال اپنی روزمرہ معمولات میں بڑھاتے جائیں۔
- چینی اور نمک کا استعمال اپنے کھانوں میں کم سے کم کریں۔
- روز تین دفعہ زیادہ کھانے کے بجائے پانچ دفعہ کم کھانا کھائیں۔
- اپنے روزمرہ کے معمولات میں ورزش کے لیے بھی کچھ وقت نکالیں۔
- پوٹاشیئم سے بھرپور غذائیں پیٹ گھٹانے کے لیے بہت مفید ہیں۔

مسوڑوں کو خون سے بچانے کے لیے

ایک کھانے کا چمچ کلونجی، ایک کھانے کا چمچ شہد اور ایک پیالی پانی کو ملا کر خوب پکا کر ٹھنڈا کرلیں، اس پانی

سے صبح وشام اچھی طرح سے کلیاں کریں صرف 3 سے 4 مرتبہ کے عمل سے دانتوں اور مسوڑھوں سے خون آنا بند ہوجائے گا۔

جھریوں کے لیے

وقتی طور پر جھریوں کو دور کرنے کے لیے انڈے کی سفیدی لگائیں۔

جلد کو جھریوں سے بچانے کے لیے زیادہ وقت دھوپ میں رہنے سے بچیں سگریٹ نوشی کی عادت ختم کریں کیونکہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ جو لوگ سگریٹ نوشی کرتے ہیں ان کی آنکھوں اور منہ کے قریب گہری جھریاں پڑ جاتی ہیں۔

رنگ گورا کرنے کے لیے گھریلو ٹوٹکے

○ تازہ دودھ سے چند روز چہرہ دھونے سے چہرے کی رنگت نکھر آتی ہے۔

○ روزانہ ناشتے میں ایک گلاس گاجر کا جوس پی لیں چہرہ نکھر جائے گا۔

○ پودینے کی پتیاں لے کر انہیں ابال لیں اور اس کا پانی نہار منہ پینے سے رنگ گورا ہوجاتا ہے۔

○ سرسوں کی کھل میں سنگترے اور لیموں کے چھلکے ملا کر ابٹن بنالیں روزانہ چہرے پر لگائیں سانولا پن دور ہوجائے گا۔

○ بادام، ہلدی اور چاول پیس کر ان میں تھوڑا سا دودھ شامل کرلیں پھر چہرے پر لگائیں چند دنوں میں واضح فرق محسوس ہوگا۔

○ ایک مرغی کا انڈا، ایک پاؤ دودھ اور تھوڑا سا شہد لے لیں اور اس کا آمیزہ تیار کرکے چہرے پر صبح وشام ملیں اور آدھے گھنٹے کے بعد چہرے کو دھولیں صرف پندرہ دن میں آپ کا چہرہ گورا ہوجائے گا۔

چیونگم اتارنا

کسی کپڑے، قالین یا سر کے بالوں پر چیونگم لگ جائے تو اسے اتارنا بہت مشکل ہوجاتا ہے لیکن اگر اس کپڑے کو پلاسٹک کے لفافے میں ڈال کر فریزر میں رکھ دیا جائے تو جب چیونگم ٹھنڈی ہوکر اکڑ جائے گی تو بہت آسانی سے اسے پکڑ کر اتار دیں۔

اگر کپڑا بہت بڑا ہو یا کوئی قالین یا بالوں پر لگی ہو تو پھر برف کی ڈلی لے کر چیونگم پر ملیں تاکہ وہ خوب ٹھنڈی ہوکر اکڑ جائے اب اسے آسانی سے اتار دیں۔

چمکدار اور گھنے بال

❁ بالوں کو چمک دار اور گھنا رکھنے کے لیے انہیں دھونے کے بعد کچے ناریل کا پانی لگائیں۔

❁ روکھے بالوں میں رونق لانے کے لیے چار کھانے کے چمچ دہی، دو کھانے کے چمچ مہندی (چھان کر) اور ایک چائے کا چمچ ناریل یا زیتون کے تیل کا ملا کر اچھی طرح سے بالوں میں لگائیں اور بیس منٹ بعد دھولیں یہ عمل ہفتہ میں دو یا تین مرتبہ کریں۔

❁ ایک کھانے کے چمچ مہندی میں ایک کھانے کا چمچ سرسوں کا تیل ملائیں، اس میں ایک انڈا اور آدھا چائے کا چمچ لیموں کا رس ملا دیں، پھر اس کو بالوں میں لگا کر کچھ گھنٹوں کے لیے کپڑا لپیٹ کر چھوڑ دیں اور دھولیں، یہ بالوں کا روکھا پن ختم کردے گا۔

❁ تھوڑی سی مایونیز سے اگر بالوں میں مالش کریں اور تھوڑی دیر بعد دھولیں تو بال نرم اور چمکدار ہوجائیں گے۔

❁ اگر آپ کے بال روکھے اور بے رونق ہیں تو انڈے کی سفیدی اور زردی الگ کرلیں زردی کو خوب پھینٹ لیں پھر اس میں ایک کھانے کا چمچ پانی ملا دیں اور پھر زردی اور سفیدی ملا کر خوب اچھی طرح پھینٹ لیں اور بالوں میں انگلیوں کے ذریعے سے اچھی طرح مالش کر کے لگائیں آدھے گھنٹے بعد ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

❁